حیات، خدمات اور اعترافات

محمد رحمت اللہ صدیقی

رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

جانشین تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری

اسلاف واکابر کی حیات، ان کی دینی، ملی خدمات اوران کے ارشادات وفرمودات اخلاف کے لیے چراغِ راہ ہوتے ہیں۔ انھیں نظر انداز کرکے وصول الی اللہ جل جلالہٗ وحب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور بے معنیٰ ہوجاتا ہے۔ ہمارے پاس دینی نظریات کا جواثاثہ ہے انھیں پاکان امت کے توسط سے تدریجاً ملا ہے۔ اصحاب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیکرآج تک اسلاف واکابر کا ایک نوری سلسلہ ہے یہ پاکیزہ سلسلہ قیامت تک یونہی جاری وساری رہے گا ان میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کے ذکر وفکر سے ہماری صبح وشام روشن ومنور ہے ان میں ایک نام حضور مجاہد ملت کا بھی آتا ہے۔ حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ اہلسنت وجماعت کے انتہائی قابل احترام، سنجیدہ مزاج اورآفاقی سوچ کے حامل عالم دین تھے، انہوں نے ہمارے جد اعلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریک، تحریک عشق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترویج، تشہیراور تبلیغ کے لیے خود کو وقف کردیا تھا۔ وہ اعلیٰ گفتار کے ساتھ پاکیزہ اور مثالی کردار بھی رکھتے تھے، وہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ دینی ودنیوی ہر دولحاظ سے قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے، مذہب ومسلک کے لیے ان کی قربانیاں لائق تحسین اور قابل تقلید ہیں۔ ان کی ذات بہت ساری خصوصیات کی حامل ہے۔ وہ اپنے وقت کے جید عالم، حاضر دماغ مناظر اور مذہب حقہ یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے جاں فروش سپاہی تھے، ان کی شخصیت کو جس زاویہ سے دیکھئے۔ عالمانہ رنگ، قائدانہ شان، مذہبی وقار اور مسلکی تصلب کا وہ مینار نظر آتے ہیں۔

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ نقیب مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی نے حضور مجاہد ملت کی حیات وخدمات کے حوالے سے ایک تحقیقی، معلوماتی اور تفصیلی کتاب ''حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات'' کے نام سے ترتیب دی ہے اور عرس حضور مجاہد ملت کے موقع سے اسے منظر عام پر لانا چاہتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کی اس دینی، ملی اور مسلکی خدمت کو قبول عام عطا فرمائے اور موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح اہلسنت کے لیے مذکورہ کاوش کو بھی عوام وخواص کے لیے نافع بنائے۔ آمین!

محدث کبیر حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء المصطفیٰ قادری

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی زید مجدہٗ کا شمار اہل سنت کے اعلیٰ قلم کاروں میں ہوتا ہے، آپ کے مضامین اپنے عنوان کے تمام اصول و فروع کے جامع ہوتے ہیں، جو عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ پر کشش اور ادبی جامعیت پر مشتمل ہوتے ہیں، میں نے آپ کے کئی مضامین اور کتب ورسائل کا مطالعہ کیا، محظوظ ہوا، مطالعہ میں تسلسل قائم رکھنے کا شوق بیدار رہا ،اس وقت میرے سامنے آپ کی تالیف ''حضور مجاہد ملت: حیات ،خدمات اور اعترافات'' موجود ہے۔حضور مجاہد ملت ایک مکمل شخصیت تھے۔آپ کی سوانح پر قلم اٹھانا بہت ہی محنت طلب کام ہے۔حضور مجاہد ملت اپنے علم و فضل ،استحضار علم اور اخلاق و اعمال میں یگانۂ روزگار شخصیات میں شمار ہوتے تھے ۔آپ سے نہ صرف علما ءمتاثر تھے بلکہ حکومت کے عہدہ داران ووزراءبھی آپ سے متاثر تھے

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب نے اپنی اس کتاب میں حضور مجاہد ملت کی علمی، عملی ، اخلاقی اور شخصی وغیرہ خصوصیات پر معتمد روایتیں جمع کر دی ہیں اور آپ کی زندگی کے اکثر تابناک گوشوں کو جمع فرمایا ہے۔ساتھ ہی ساتھ مشاہیر علماء کے وہ تاثرات بھی نقل کر دیے ہیں جو حضور مجاہد ملت کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔

امت پر مولانا موصوف کا بڑا احسان ہے کہ آپ نے حضور مجاہد ملت کی شخصیت پر بڑی کاوشوں کے بعد یہ خزانۂ گم گشتہ حاصل کیا اور اسی سال عرس مجاہد ملت میں اس کی اشاعت واجرا کا پروگرام بھی بنا لیا۔رب قدیر ہم سب اہل علم کی طرف سے مولانا موصوف کو جزائے خیر سے نوازے اور اہل سنت کو ایک پاکباز ،بے مثال شخصیت سے اپنی عقیدت ،فکر و عمل کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مجموعہ ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کو بھی قبول عام سے نوازے۔

پروفیسر صفدر امام قادری

صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، آرٹس اینڈ سائنس، پٹنہ

حضور مجاہدِ ملّت مولانا محمد حبیب الرحمان کی شخصیت اور کارناموں کے سلسلے سے مولانا رحمت اللہ صدیقی کی یہ قاموسی کتاب افادۂ عوام وخواص کی غرض سے پیش کی گئی ہے۔ میں ان خوش نصیبوں میں فہرست کے آخری ناموں میں شامل ہوں جنھیں حضور مجاہد ملّت کو دیکھنے، سننے اور بہ صد عقیدت و احترام مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انٹر میڈیٹ میں تعلیم حاصل کرنے کا زمانہ تھا اور اس سلسلے سے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۱ء کے دوران بھاگل پور میں مقیم تھا۔ خانقاہِ شہبازیہ کے کئی نورانی جلسوں میں حضور مجاہد ملت رونق افروز ہوئے۔ انھیں اسٹیج پر بیٹھے ہوئے دیکھنا نہ جانے کیوں عبادت کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ مروت، انکسار اور فقر نے ان کی سادہ لباسی میں روشن مینار سجا رکھے تھے۔ بولتے تو گویا ایک مدرس اپنے طلبہ کے دماغ اور دل دونوں کو ایک ساتھ منور کر رہا ہو اور جب مصافحہ کے لیے ان کے ہاتھ آپ کے ہاتھوں میں آئیں تو جیسے گوشۂ فردوس کا کوئی نرم بستر میسر آ گیا ہو۔ وہ دَور اُن کی زندگی کے آخری برس تھے۔ میں نے اور ہمارے دوست قمر الہدیٰ فریدی نے ایسے ہر جلسے میں حاضری دی اور قلب ونظر کی سرشاری پائی۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی نے جب کتاب کی کمپیوٹر نقل مرحمت فرمائی تو مشتملات پر نظر ڈالتے ہی میں ایک عالمِ حیرت میں چلا گیا۔ چالیس برس پرانی یادیں لوٹ آئیں اور آنکھوں کے سامنے حضور مجاہدِ ملت کی نورانی شبیہ نظر آنے لگی۔ مولانا نے کتاب میں مجاہدِ ملت کی زندگی کے ذرّوں سے لے کر ستاروں تک شامل کرنے میں کامیابی پائی ہے۔ انھوں نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر بہت کچھ لکھا مگر اسی کے ساتھ مشاہیر نے جو کچھ اس موضوع پر وقتاً فوقتاً لکھ رکھا تھا، اس کا نچوڑ بھی پیش کر دیا۔ اس وجہ سے یہ کتاب حضور مجاہدِ ملت کی حیات وخدمات کے بارے میں انسائکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے اور حضور مجاہدِ ملت کی شخصیت اور کارناموں کو سمجھنے سے انسانی وقار اور کردار کی عظمت پر ہمارا اعتماد بڑھے گا۔ سادہ سی شخصیت ادارہ اور عہد کا درجہ کس طرح اختیار کرتی چلی گئی، اس کے رموز اس کتاب کے صفحات میں بکھرے ہوئے ملیں گے۔ کتاب کا بیانیہ اتنا دل نشیں ہے کہ جس مضمون اور جس حصے کو آپ اٹھائیے، اسے ختم کیے بغیر آپ چھوڑ نہیں سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا رحمت اللہ صدیقی نے اس کتاب کے بہانے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جسے آسانی سے بھلایا نہیں جا سکے گا۔ یہ کتاب ہزاروں اور لاکھوں ہاتھوں تک پہنچے اور مصنف ومرتب کے لیے صدقۂ جاریہ بنے۔ آمین۔

حضور مجاہدِ ملّت

حیات، خدمات اور اعترافات

محمد رحمت اللہ صدیقی

الجامعۃ الرضویہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام

صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں دینی وعصری تعلیم کا ممتاز ادارہ

الجامعۃ الرضویۃ

- ★ جس کی پر شکوہ دومنزلہ عمارت تشنگان علوم کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔
- ★ جس میں عربی وفارسی اور حفظ وقرأت کی معیاری تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔
- ★ جس میں دینی علوم کے ساتھ عصری تعلیم سے بھی نونہالان ملت کو روشناس کرایا جاتا ہے۔
- ★ جس نے اشاعتی اور صحافتی میدان میں نئی نسلوں کو بیداری کا پیغام دیا ہے۔
- ★ جس نے مفتیان کرام کی مقدس جماعت تیار کر کے جماعتی سطح پر ملت کی اشد ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔
- ★ جس نے مستقل آمدنی کے بغیر سو سے زائد یتیم ونادار طلباء کی کفالت کا بار گراں اپنے دوش ناتواں پر اٹھا رکھا ہے۔
- ★ جس میں مہمانان رسول کے لئے تمام ضروریات زندگی مثلاً درسی وغیر درسی کتب ورسائل، طعام وقیام، پانی بجلی اور روشنی کے علاوہ علاج ومعالجہ بلکہ لباس کا بھی بہترین نظم ہے، جہاں سے اسلاف کرام کی کتب ورسائل کی اشاعت بھی ہوتی رہتی ہے۔

ان خدمات کی بنا پر یہ ادارہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

Al jamiatur Razvia Educational Trust

Moghalpura, Patna City-800008, Bihar, India, Ph.: 0612-2631150 M. 9304339389

حضور مجاہدِ ملّت

حیات، خدمات اور اعترافات

تصنیف

محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر
رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

نام کتاب : حضور مجاہدِ ملت حیات، خدمات اور اعترافات

تصنیف : محمد رحمت اللہ صدیقی

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی ملک الظفر سہسرامی

کمپوزنگ : مولانا عبدالمتین ضیائی، پٹنہ، مولانا سرفراز عالم رضوی

تزئین کار : محمد شعیب عالم حیدری، مدنی کتاب گھر، دہلی ٦

ناشر : رضا دارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

سنِ اشاعت : ۱۴۴۲ھ / ۲۰۲۱ء

صفحات : ٦٨٨

تعداد : ۲۱۰۰

قیمت : ۵۰۰/روپے

ملنے کے پتے

محمد معین رضا صدیقی عاکفؔ، محمد مونس رضا صدیقی واقفؔ

نیو مہاڈا بلڈنگ ۱۰۸، روم ۴۰۴، پی۔ایم۔جی کالونی

مانخورد، ممبئی، ۴۳ فون: 9930585533، ای میل: Siddiquirahmat92@gmail.com

- کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ٦ 9810547674
- مدنی کتاب گھر، ۵۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ٦ 9350134592
- مکتبہ رحمانیہ رضویہ، محلہ سوداگراں، بریلی شریف
- الجامعۃ الرضویہ، مغل پورہ، پٹنہ سٹی۔۸، 9304339389

مصنف کے اوراقِ حیات سے

نام : محمد رحمت اللہ
قلمی نام : محمد رحمت اللہ صدیقی
تخلص : رحمتؔ
والد کا نام : محمد لقمان صدیقی مرحوم ابن شیخ محمد معظم مرحوم ابن شیخ محمد کمال بخش مرحوم
والدہ کا نام : حسیب النساء مرحومہ بنت شیخ ظہیر الدین مرحوم ابن شیخ شہاب الدین مرحوم ابن شیخ جلال الدین مرحوم (چندولی) مظفر پور
تاریخ ولادت : ۱۰؍اگست ۱۹۶۸ء
جائے ولادت : نانپور، سیتامڑھی بہار (نانیہال)
مقام : پوکھریرا، سیتامڑھی بہار
ابتدائی تعلیم : مدرسہ نورالہدیٰ، پوکھریرا، سیتامڑھی بہار
اعلیٰ تعلیم : مدرسہ ضیاء الاسلام بنکی کھال، گوپال گنج، بہار، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دارالعلوم منظرحق ٹانڈہ، فیض آباد، یوپی، دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام۔
مشاہیر اساتذ : حضرت مولانا سلیمان سنی حامدی، حضرت مولانا مفتی ابرار الحسن رضوی، (باتھ اصلی) حضرت مولانا صبغۃ اللہ عزیزی مصباحی، بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی، حضرت مولانا اسرار الحق مصباحی (بابا) مفسر قرآن حضرت مولانا عبداللہ عزیزی، حضرت مولانا مفتی ایوب صاحب رضوی (پنڈول) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب حبیبی الہ آباد، حضرت مولانا مفتی ظل الرحمن عزیزی اور حضرت مولانا ملک الظفر صاحب سہسرامی۔
بیعت : شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی شاہ محمد مصطفیٰ رضا بریلوی نوراللہ مرقدہٗ۔

خلافت واجازت: وارث علوم اعلیٰ حضرت جانشین حضور مفتی اعظم

حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی شاہ اختر رضا خاں ازہری بریلوی علیہ الرحمہ۔

نبیرۂ استاذ زمن، شبیہ مفتی اعظم، حضرت مولانا مفتی سبطین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ۔

عمدۃ المشائخ حضرت مولانا مفتی سید شاہ حسینی اشرفی مصباحی ناگپور۔

غیاث ملت حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین ترمذی کالپی شریف۔

سندات : فضیلت دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام، فضیلت مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، بہار، فاضل حدیث الہ آباد بورڈ، (اوّل)

دینی ومذہبی خدمات : دارالعلوم مفید الاسلام مصطفیٰ آباد سیوان بہار۔صدر مدرس، جامعہ رضویہ برکات العلوم گونڈی ممبئ، صدر مدرس و مہتمم۔مختلف مساجد میں امامت وخطابت۔

تصنیفی، تالیفی خدمات :

مشائخ چشت اور امام احمد رضا، امتیاز اہلسنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت، قدسی شخص اور شاعر، قدسی فن اور شخصیت، سیرت سرورِ دوجہاں ایک مطالعہ (سید اولا د رسول قدسیؔ) لب ولہجہ (نعتیہ کلام) (سید اولا د رسول قدسیؔ)، رفتہ رفتہ (غزلیہ کلام) (سید اولا د رسول قدسیؔ)، لوحِ محفوظ (سید اولا د رسول قدسیؔ)، خدا...نہ خدا سے جدا (سید اولا د رسول قدسیؔ)، تروتازہ (سید اولا د رسول قدسیؔ)، لمحہ لمحہ (سید اولا د رسول قدسیؔ)، قلم آشنا (سید اولا د رسول قدسیؔ)، سیرت سرورِ دوجہاں جلد اوّل (سید اولاد رسول قدسیؔ)، مفتیٔ اعظم اڑیسہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت (سید اولاد رسول قدسیؔ)۔حضور مجاہد ملت حیات وخدمات اور اعترافات، مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر (مفتی شمشاد حسین رضوی)، مسلک اعلیٰ حضرت تعارف حقیقت اور اختلاف (مفتی شمشاد حسین رضوی)، حضور احسن العلماء اور مسلک اعلیٰ حضرت، قلم کی سعادت (غیر مطبوعہ) سہ ماہی امین شریعت کا امین شریعت نمبر، حضور مفتی اعظم ہند اور اصلاح معاشرہ (غیر مطبوعہ) مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں؟ معارف تاج الشریعہ، پیغام رضا ممبئ کے نصف درجن سے زائد نمبرات، کتابوں کی مجموعی تعداد سو سے زائد ہے۔مقالات کی بھی تعداد سو کے قریب ہے۔

ایوارڈ، گول میڈل، شیر رضا اکیڈمی وسئی ممبئی، بدست عارف نسیم خان سابق وزیر داخلہ حکومت مہاراشٹر، حضور مفتی اعظم ایوارڈ، انجمن پیغام رضا ٹرسٹ بھدراوتی کرناٹک بدست پیر طریقت قاری لیاقت رضا نوری خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند۔ امام احمد رضا ایوارڈ منجانب خانقاہ رضویہ بریلی شریف بدست صاحب سجادہ پیر طریقت حضرت سبحانی میاں صاحب، مسعود غازی ایوارڈ۔ بزم مسعودیہ رجسٹرڈ، کرلا ممبئی، آبروئے فکر وقلم ایوارڈ منجانب کمیٹی درگاہ گھمن پیر ریلوے اسٹیشن چار باغ لکھنؤ۔ بدست غیاث ملت کالپی شریف۔ شیر کالپی ایوارڈ جماعت رضائے مصطفی شاخ بھانڈوپ، ممبئی۔ حضور تاج الشریعہ ایوارڈ مسجد خضریٰ، نیویارک امریکہ۔ ہر ایوارڈ کے ساتھ نقد رقم، شیلڈ اور توصیفی سندات بھی ہیں۔

سمینار و کانفرنس: صدر الافاضل سمینار و کانفرنس، مراد آباد، یوپی

حضور تاج الشریعہ سمینار و کانفرنس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی، بہار۔

امام احمد رضا سمینار و کانفرنس دار العلوم غوثیہ رضویہ مرغیا چک، سیتامڑھی، بہار

سنی کانفرنس بنارس۔ تاج الشریعہ نیشنل کانفرنس و سمینار، کلیان، آل انڈیا

حضور مجاہد ملت سمینار، اڈیشہ ۲۰۲۰

مصروفیات و مشغولیات: تالیف وتصنیف، شعر وسخن اور تحقیق وجستجو۔

گھر آنگن کی رونقیں: شریک حیات، صاحبزادگان محمد معین رضا عاکفؔ صدیقی، محمد مونس رضا واقفؔ صدیقی۔

سعادات: بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضری، محبوبانِ الٰہی کے درباروں کی جاروب کشی۔ بڑوں کا احترام، چھوٹوں پہ شفقت۔

فہرست

باب چہارم اشاریات ۳۶۱

باب پنجم تنقیدات ۴۶۷

باب ہفتم مناقب ۶۶۹

باب اول

انتسابات

انتساب

حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ
حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ
کے نام

طالب کرم

ابوالعاکف محمد رحمت اللہ صدیقی

ریاضِ عقیدت

خاتم المحققین حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ
استاذ زمن حضرت مولانا محمد حسن رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ
صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی
ملک العلماء حضرت مولانا مفتی سید ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہار
خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی
وحید عصر حضرت مولانا مفتی سید قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی
حضور محدث اعظم ہند حضرت مولانا مفتی سید محمد اشرف الجیلانی کچھوچھوی
قطب مدینہ حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی
حضرت مولانا مفتی وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت
برہان ملت حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری
مبلغ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

نذر گزار

ابو العاکف محمد رحمت اللہ صدیقی

فردوسِ عقیدت

اویس ملت حضرت سید شاہ اویس مصطفیٰ قادری بلگرام شریف
گلزار ملت حضرت سید شاہ گلزار میاں صاحب مسولی شریف
اولا درسول حضرت مولانا سید شاہ عبدالقادر جیلانی ممبئی
حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد برکاتی جامعہ امجدیہ گھوسی
حضرت مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی
حضرت مولانا مفتی محمد شاہد رضا امجدی خطیب و امام کیلاش اپارٹمنٹ مسجد ممبئی
حضرت مولانا مفتی انوار احمد قادری امجدی سربراہ مرکز تربیت افتاء اوجھا گنج بستی
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف قادری بانی و سربراہ جامعہ مدینۃ العلوم گجرات
حضرت مولانا قاری غلام مجتبیٰ رضوی، ہوسٹین امریکہ
حضرت مولانا محمد مختار اشرفی خطیب و امام حبیبیہ مسجد قریش نگر کرلا ممبئی
حضرت مولانا مفتی محمد قمر الزماں نوری خطیب و امام بورے ولی جامع مسجد ممبئی
حضرت مولانا محمد اظہر القادری معتمد جامعہ امام احمد رضا اسلام پور

نذر گزار
ابوالعاکف محمد رحمت اللہ صدیقی

صہبائے عقیدت

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرحمٰن محییٰ قادری حلیمی بانی مدرسہ نورالہدیٰ پوکھریرا
محدث اعظم بہار حضرت مولانا مفتی احسان علی رضوی فیض پوری سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف
حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن نوری سابق مفتی و مدرس مدرسہ نورالہدیٰ پوکھریرا
حضرت مولانا سید الزماں حمدوی کمالی پوکھریروی سابق استاذ عابدہ ہائی اسکول مظفر پور
حضرت مولانا سلیمان سنی حامدی سابق استاذ مدرسہ نورالہدیٰ پوکھریرا
حضرت مولانا عبدالسلام رضوی منظری نانپوری
حضرت مولانا خلیل احمد اشرفی منظری نانپوری
حضرت مولانا محمد حسن رضا کمالی پوکھریروی
حضرت مولانا محمد یحییٰ رضوی منظری سابق خطیب و امام شہانی جامع مسجد کولکاتا
حضرت مولانا سردار احمد نوری منظری سابق خطیب و امام رحمانی مسجد مٹیا برج کولکاتا
حضرت مولانا ظفر الحسین ظفر قادری سابق استاذ جامع العلوم شریف جلال پور
حضرت مولانا نعمان احمد حامدی شمسی سابق استاذ مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ
حضرت مولانا مفتی ابرارالحسن رضوی منظری باتھوی سابق مفتی و مدرس مدرسہ نورالہدیٰ پوکھریرا
حضرت مولانا حافظ محمد صغیر احمد نوری سابق استاذ مدرسہ میراٹولہ
حضرت مولانا رضوان احمد حامدی سابق استاذ جامع العلوم شریف جلال پور
حضرت مولانا ابرار احمد نوری منظری سابق خطیب و امام باگ کھال مسجد کولکاتا
حضرت مولانا قاری ادریس رضوی سابق استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ

نذر گذار

ابوالعاکف محمد رحمت اللہ صدیقی

باب دوم
خراجات

جانشین تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلی شریف، قاضی القضاۃ فی الہند

حروف تقدس

اسلاف واکابر کی حیات، ان کی دینی، ملی خدمات اور ان کے ارشادات وفرمودات اخلاف کے لیے چراغ راہ، مشعلِ راہ اور دلیل راہ ہوتے ہیں۔ انھیں نظر انداز کر کے وصول الی اللہ جل جلالہٗ وحب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس دینی نظریات کا جو اثاثہ ہے انھیں پاکان امت کے توسط سے تدریجاً ملا ہے۔ اصحاب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیکر آج تک اسلاف واکابر کا ایک نوری سلسلہ ہے یہ پاکیزہ سلسلہ قیامت تک یونہی جاری وساری رہے گا ان میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کے ذکر وفکر سے ہماری صبح وشام روشن ومنور ہے ان میں ایک نام حضور مجاہد ملت کا بھی آتا ہے۔ حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمہ (۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) اہلسنت وجماعت کے انتہائی قابل احترام، سنجیدہ مزاج اور آفاقی سوچ کے حامل عالم دین تھے، انہوں نے ہمارے جد اعلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریک، تحریک عشق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترویج، تشہیر اور تبلیغ کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ وہ اعلیٰ گفتار کے ساتھ پاکیزہ اور مثالی کردار بھی رکھتے تھے، وہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ دینی ودنیوی ہر دولحاظ سے قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے، مذہب ومسلک کے لیے ان کی قربانیاں لائق تحسین اور قابل تقلید ہیں۔ ان کی ذات بہت ساری خصوصیات کی حامل ہے۔ وہ اپنے وقت کے جید عالم، حاضر دماغ مناظر اور مذہب حقہ یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے جاں فروش سپاہی تھے، ان کی شخصیت کو جس زاویہ سے دیکھئے۔

عالمانہ رنگ، قائدانہ شان، مذہبی وقار اور مسلکی تصلب کا وہ مینار نظر آتے ہیں۔ خانوادۂ رضویہ سے ان کو جو محبت حاصل تھی اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ نقیب مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی نے حضور مجاہد ملت کی حیات وخدمات کے حوالے سے ایک تحقیقی، معلوماتی اور تفصیلی کتاب ''حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات'' کے نام سے ترتیب دی ہے اور عرس حضور مجاہد ملت کے موقع سے اسے منظر عام پر لانا چاہتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کی اس دینی، ملی اور مسلکی خدمت کو قبول عام عطا فرمائے اور موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح اہلسنت کے لیے مذکورہ کاوش کو بھی عوام وخواص کے لیے نافع بنائے۔ آمین!

فقیر محمد عسجد رضا خاں قادری

تخیلات کی پاکیزہ لہریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی زید مجدہٗ کا شمار اہل سنت کے اعلیٰ قلم کاروں میں ہوتا ہے، آپ کے مضامین اپنے عنوان کے تمام اصول وفروع کے جامع ہوتے ہیں، جو عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ پرکشش اور ادبی جامعیت پر مشتمل ہوتے ہیں، میں نے آپ کے کئی مضامین اور کتب و رسائل کا مطالعہ کیا، محظوظ ہوا، مطالعہ میں تسلسل قائم رکھنے کا شوق بیدار رہا، اس وقت میرے سامنے آپ کی تالیف ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' موجود ہے۔ حضور مجاہد ملت ایک مکمل شخصیت تھے۔ آپ کی سوانح پر قلم اٹھانا بہت ہی محنت طلب کام ہے۔ حضور مجاہد ملت اپنے علم وفضل، استحضار علم اور اخلاق واعمال میں یگانۂ روزگار شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ آپ سے نہ صرف علماء متاثر تھے بلکہ حکومت کے عہدہ داران و وزراء بھی آپ سے متاثر تھے۔ مجاہد ملت نے مجھ سے خود ایک واقعہ کا ذکر فرمایا۔ کہ الٰہ آباد کے فرقہ وارانہ فساد کے بعد میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو سے ملاقات کو گیا، انہوں نے میرا نام سن کر مجھ کو ملاقات کے لیے آفس میں بلایا، میں نے ان سے کہا کہ آپ الٰہ آباد میں رہتے ہو اور وہیں سے الیکشن میں منتخب بھی ہوتے ہو پھر وہاں یہ فساد کیسے ہوا! اس پر انہوں نے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں فکر مند ہوں اور اسے ختم کرنے کے لیے کوشاں بھی، پھر بھی کہیں نہ کہیں ایسے فسادات پھوٹ پڑتے ہیں۔ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں کہ اس پہ کیسے قابو پایا جائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے برجستہ کہا کہ آپ میری تدبیر پر عمل نہ

کریں گے اس لیے میں کیا کہوں۔ تو وزیر اعظم نے کہا کہ میں ضرور عمل کروں گا۔ آپ بتائیے۔ تو میں نے کہا کہ جس ضلع میں فساد ہو اس ضلع کے دو سب سے بڑے ذمہ داروں کو میدان میں کھڑا کر کے گولی ماردو۔ اس کے بعد اگر کہیں فساد ہو جائے تو حبیب الرحمٰن کو گولی سے اڑا دو۔ تو جواہر لال نہرو نے کہا کہ آپ تو وہ مشورہ دے رہے ہیں جو قابل عمل نہیں۔ تو حضور مجاہد ملت فرماتے ہیں کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم میری بتائی ہوئی تدبیر پر عمل نہ کرو گے۔ پھر میں ان کو چند نصیحت کر کے واپس آ گیا۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضور مجاہد ملت کی قوت فکری، مدبرانہ صلاحیتوں، شجاعت اور حکومت کے بڑے عہدہ داروں پر بھی بااثر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب نے اپنی اس کتاب میں حضور مجاہد ملت کی علمی، عملی، اخلاقی اور شخصی وغیرہ خصوصیات پر معتمد روایتیں جمع کر دی ہیں اور آپ کی زندگی کے اکثر تابناک گوشوں کو جمع فرمایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مشاہیر علماء کے وہ تاثرات بھی نقل کر دیے ہیں جو حضور مجاہد ملت کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔

امت پر مولانا موصوف کا بڑا احسان ہے کہ آپ نے حضور مجاہد ملت کی شخصیت پر بڑی کاوشوں کے بعد یہ خزانۂ گم گشتہ حاصل کیا اور اسی سال عرس مجاہد ملت میں اس کی اشاعت و اجرا کا پروگرام بھی بنالیا۔ رب قدیر ہم سب اہل علم کی طرف سے مولانا موصوف کو جزائے خیر سے نوازے اور اہل سنت کو ایک پاکباز، بے مثال شخصیت سے اپنی عقیدت، فکر و عمل کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مجموعہ ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کو بھی قبول عام سے نوازے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۲۷ ؍ ربیع الاخر ۱۴۴۲ھ

پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ محمد اشرفی الجیلانی، خطیب و امام باؤلا مسجد، ممبئی

تمہیدِ عقیدت

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخلوقات الٰہی میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہیں یہ کائنات اور کائنات کی ساری لطافتیں انہی کے طفیل وجود میں آئی ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:ـــ

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
وہی نورِ حق، وہی ظلِ رب، ہے انھیں سے سب، ہے انھیں کا سب
نہیں ان کے ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی الفت و محبت کا چراغ جس دل میں روشن نہیں اسے ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:ـــ

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

دوسری جگہ فرماتے ہیں:ـــ

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی پوری زندگی، ان کی تمام تر

تالیفات وتصنیفات کا یہی حاصل ہے۔اور سچائی یہی ہے کہ ان کی ولادت عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترویج، تشہیر اور تبلیغ کے لیے ہوئی تھی ان کے عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ میرے دل کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو ایک پہ لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا انتخاب تھے۔ان کا انتخاب بھی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ وتشہیر ہی کے لیے ہوا تھا۔انہوں نے عالمیان ہند کے عشق کی تپش کو تیز کرنے کی غرض سے بہت ساری تحریکات کو وجود بخشا وہ خود بھی تا حیات عشق حبیب خدا کی حرارت کو تیز سے تیز تر کرتے رہے ان کا سینہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آتش فشاں تھا جو انھیں ہر وقت بے چین کئے رہتا تھا۔وہ اپنے عشق کی تسکین ہی کے لیے زنجیروں کو چوما کرتے تھے آج وہ ہم میں نہیں ہیں ہمیں ان کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔

رب کعبہ ہمیں ان کے نقوش حیات پہ عمل کی توفیق بخشے آمین

زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے ۔پہلا ایڈیشن میری نگاہ سے گزرا ہے ۔کتابیں تو روز مارکیٹ میں آتی ہیں مگر ان میں اکثریت ایسی کتابوں کی ہوتی ہے جن میں کوئی نیا پن نہیں ہوتا لیکن مذکورہ کتاب میں اپنے قاری کو متاثر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔حضور مجاہد ملت پہ اتنی جامع کتاب اب تک میری نگاہ سے نہیں گزری تھی ۔مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب با صلاحیت اور با ذوق عالم دین ہیں ان کی زبان وقلم میں بڑی قوت ہے، انداز بیان میں بڑی لطافتیں ہیں اس ایڈیشن میں موصوف نے بہت زیادہ اضافے کیے ہیں، اس گدائے کوچۂ شاہ جیلاں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ پہلے ایڈیشن کی طرح یہ دوسرا ایڈیشن بھی عوام وخواص میں قبولیت عامہ حاصل کرے گا۔اہل ذوق کو میری جانب سے کتاب کو مطالعہ کی دعوت ہے۔اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو دارین کی عافیتوں سے شادکام فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی وصی احمد وسیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ رونا ہی

لمعانِ عقیدت

اسلام اپنے ماننے والوں سے قربانی چاہتا ہے۔ قربانی کے لیے خون دینا ہی لازمی نہیں ہے مذہبی اصولوں کو صحیح انداز میں برتنا بھی قربانی ہے، دینی قدروں کے لیے سینہ سپر ہو جانا بھی قربانی ہے اور ذہنوں کی تربیت کے لیے مال خرچ کرنا بھی قربانی ہے۔ تاریخ میں ہر طرح کی نظیریں موجود ہیں۔ ماضی بعید کی بات تو چھوڑ یئے ماضی قریب میں بھی ایسی نظیروں کی فراوانی ملتی ہے۔

دین کے لیے قربانی پیش کرنے والوں کے طبقات ہیں ان طبقات میں جماعت علماء کو اولیت و افضلیت حاصل ہے۔ علماء کو وارث انبیا ہونے کی سند حاصل ہے۔ اس لیے باطل کے خلاف ہر طرح کی محاذ آرائی کا انہی کو حق حاصل ہے حضرت مجدد الف ثانی نے تن تنہا اکبری فتنہ، دین شیطانی کو اپنے قدموں سے کچل کر رکھ دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اہل حق کو ایک مزاج دے دیا کہ باطل چاہے جتنا طاقت ور ہو حق و اہل حق سے آنکھیں ملانے کی اہلیت نہیں رکھتا حضرت مجدد الف ثانی کے نقوش حیات پہ عمل کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے اس فہرست میں حضور مجاہد ملت کا نام کئی جہتوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

جس زمانے میں حضور مجاہد ملت کی ولادت ہوئی وہ کلیسائی فکر کی بالا دستی کا زمانہ تھا۔ پورا ملک کلیسائی فکر کے شکنجے میں تھا۔ آپ نے جب شعور کی دہلیز پہ قدم رکھے تو سب سے پہلے اسی فکر ونظر سے آپ کو محاذ آرا ہونا پڑا، کلیسائی عہد نے اسلام کے خلاف بہت سارے ایسے باطل طبقات کو وجو بخشا جو اسلام کی شفافیت کو داغدار کرنے کے لے اپنی پوری توانائی صرف کر رہے تھے۔ حضور مجاہد ملت ان طبقات کے خلاف محاذ آرا ہوئے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے اسلامیان ہند کو آگاہ کیا۔ جہاں بھی باطل سر اُٹھاتا اس کی سرکوبی کے لیے حضور

مجاہدملت وہاں حاضر ہوجاتے۔آپ نے باطل شکنی کے لیے اپنی دولت کا بہت فراخ دلی کے ساتھ استعمال فرمایا۔، اسلام دوستی، غربا بروری اور علماء نوازی آپ کی حیات کے ترجیحی ابواب ہیں اسلام دوستی کی راہ میں انہوں نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کی تفصیل کے لیے دفاتر درکار ہیں موجودہ نسل کو اس حوالے سے آگے آنے کی شدید ضرورت ہے۔افسوس ہے کہ بعض درس گاہوں میں آزادخیالی کا جو ماحول بنایا جارہا ہے وہ جماعتی قدروں سے میل نہیں کھاتا۔

حضور مجاہد ملت کی ذات ہر زمانے، ہر عہد اور آنے والے ہر قرن کے لیے نمونہ ہے انہوں نے رضائے تاجدار مدینہ کے لیے کسی کے روٹھنے کی کبھی فکر نہیں کی ان کا تو حال یہ تھا کہ

جہاں بھی تم نے پکارا ہے جاں نثار چلے   صلیب ودار سہی دشت وکوہسار سہی
کفن بدوش اسیرانِ زلفِ یار چلے   سنی جو بانگِ جرس تو بقتل گاہِ جفا

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی یادوں کے چراغ سے ہمارا آشیانہ کو روشن ومنور رکھے اور موجودہ نسل کو ان کے قرب کی لذت سے آشنا کرے۔

زیر نظر کتاب ”حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات“ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔کتاب میں مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب کی تقدیم خاصی طویل ہے جس کا ہر پیراگراف اہل ذوق کو مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔اس کتاب نے ذاتی طور پر مجھے متاثر کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب اور صاحب کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ عطا فرمائے۔آمین

حضرت مولانا مفتی ولی محمد رضوی، باسنی ناگور

خیابانِ عقیدت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علم اور علماء کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بیان فرمایا ہے تا کہ عوام ان سے قریب ہو کر ان سے فائدہ حاصل کریں، دین کی معلومات حاصل کریں اور احکام و مسائل ان سے دریافت کریں۔ قرآن حکیم نے علماء کی امتیازی شان کی یوں وضاحت کی ہے۔ **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا** ۔اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں (ترجمہ کنزالایمان) مفسرین نے آیت پاک کی یوں تفسیر کی ہے، اس کی صفات جانتے ہیں اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت وشان سے باخبر ہے بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں (خزائن العرفان، ص ۶۹۷)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

شرح: کیونکہ بے علم ہر وقت شیطان کے نرغے میں ہوتا ہے ممکن ہے کہ شیطانی دھوکے سے برائی کو اچھائی، کفر کو ایمان اور گناہوں کو عبادت سمجھ لے۔ عالم بفضلہ تعالیٰ اچھے برے میں تمیز کر سکتا ہے علم شیطان سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے خیال رہے کہ یہاں عالم سے وہ عالم مراد ہے جس پر اللہ کا فضل ہو اسی لیے فقیہ فرمایا گیا، عالم نہ فرمایا گیا یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے

والا (مرأۃ المفاتیح جلد اول، ص ۲۰۱)

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے دین متین و مذہب حقہ کی حفاظت کے لیے غیب سے انتظام فرمایا ہے، ان خدائی انتظاموں سے بڑے عالم، عارف، فقیہ، مناظر، مصنف، مدرس، خطیب وغیرہ حضرات کی ایک بڑی جماعت ہے جو ہر دور میں حق کا بول بالا اور باطل کی سرکوبی کرتی رہی اور عوام کو رشد و ہدایت سے فیضیاب کرتی ہے۔ تاریخ ایسے نفوس قدسیہ اور مخلص و جفاکش بندوں سے مزین ہے جن کے کارہائے زریں مشعل راہ بن کر ملت کے لیے آج بھی قیادت کا کردار نبھا رہی ہیں اور ان کی مساعی جمیلہ سے پوری ملت منزل کی طرف رواں دواں ہے اور عوام اہل سنت باطل کے مکر و فریب اور ان کے باطل عقائد و نظریات سے محفوظ ہیں۔ حضور سیدی وسندی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ارشد تلمیذ اور خلیفہ اعظم صدر الشریعہ علامہ شاہ مفتی امجد علی علیہ الرحمہ کے ارشد تلمیذ جن کو آج پوری دنیائے سنیت باتفاق مجاہد ملت علامہ شاہ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ بانی جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتی ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک ان کا تابناک نام آسمان علم پر چمکتا دمکتا رہے گا آپ کی حیات کا گوشہ گوشہ معطر ہے آپ کی ہر صبح و شام سنیت کی قوت و توانائی اور آپ کی ہر ساعت سنت و شریعت کی آئینہ دار ہے، آپ کے افکار و نظریات مسلک اعلیٰ حضرت کے عین مطابق ہیں یقیناً آپ نے اسی مسلک کی ترویج و اشاعت میں تن من دھن سے مثالی قربانیاں پیش کی ہیں۔ آج ہر کسی کو تقریر کرنے یا چند اصلاحی کام کرنے پر مجاہد کا بلند و بالا لقب دے دیا جاتا ہے یا چند مقامات پر سنیت کا پرچم لہرا دینے پر یہ خطاب دے دیا جاتا ہے مگر واللہ جن کے مجاہد ہونے پر عرب و عجم گواہ ہے، جیل کی کوٹھری، کورٹ کا دروازہ اور جلسہ و جلوس کی قیادت بلکہ ظلماً آپ کو پہنائی گئی ہتھکڑیاں گواہ ہیں کہ آپ نام سے بھی بظاہر کام سے بھی مجاہد اور حقیقی طور پر لقب مجاہد آپ سے رونق حاصل کرتا ہے اس لقب کی لاج آپ نے رکھی ہے اور آپ واقعی مجاہد ملت ہیں۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آپ کے گفتار و کردار نے عوام کو باطل کے سامنے حق کی آواز بلند کرنے کا حوصلہ دیا۔ آپ نے عالموں کو واقعی حق گو عالم بنایا، خطباء کو حق کی آواز دی اور آپ نے جہاں قدم رکھے حق گوئی کے اجالے پھیل گئے۔

ملت ایسے پاسبانوں، جانبازوں اور مجاہدوں پر جتنا ناز کرے کم ہے ان کی ڈگر پر چلنے والا بلا شک وشبہ کامیاب ہے۔ دین کے سیکڑوں قلعوں کی تعمیر میں جن کی سخاوت نے قوت دی اور مساجد اہل سنت کی تعمیر میں جن کے عطیات شامل ہیں، علماء میں اقل قلیل ہیں جو اس طرح سخاوت کریں، خاندانی رئیس تھے مگر ان کا مال اپنے لیے نہیں قوم کی فلاح وصلاح کے لیے تھا آپ نے علماء کی تربیت کی، طلبہ کی تربیت کی، خطبا کو خطاب کے درس دیے اور شعور حیات سے آخری لمحات تک سنیت کے مشن کے فروغ میں بادل بن کر برستے رہے اور پھول بن کر مسلک رضا کو معطر کرتے رہے، آپ کے کارناموں پر مشتمل کئی نمبرات شائع ہوکر عوام وخواص میں مقبول ہوئے، جن سے الجھے گیسو سنور گئے۔ زندگی کو شعور جن سے ملا۔ سیکڑوں ہزاروں کے دل میں عشق رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغ آپ نے جلا دیئے، ہزاروں فسق وفجور میں مبتلا لوگوں کو راہ بندگی، نشان زندگی کی آپ نے تعلیم دی۔ آپ کے شاگردوں میں ایسے افراد شامل ہیں جو مسلک وملت کے وقار، اہل اسنت کی آبرو بنے اور باطل کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے جیسے علامہ شاہ مفتی عبدالقدوس صاحب علیہ الرحمہ اڑیسہ، علامہ شاہ مفتی عبدالرب صاحب مرادآباد، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ الہ آباد اور شمس العلماء مفتی نظام الدین صاحب علیہ الرحمہ الہٰ آباد اور موجود دور پرفتن میں حق کی آواز بلند کرنے والے بے باک علامہ شاہ عاشق الرحمن صاحب قبلہ دامت فیوضھم جو ماہر ہفت زبان، درس وتدریس کے رئیس اور سنت وشریعت پر سختی سے عمل کرنے والے عالم باعمل ہیں اللہ ان کے سایۂ پر مایہ اہل سنت پر صحت وعافیت کے ساتھ دراز تر فرمائے آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی آپ اسلاف کی یادگار ہیں۔

وجود مردم دانا مثال زر طلات   کہ کجا کہ رود قدر و قیمتش دانند

واقعی خالص سونے کی طرح تھے مجاہد ملت علیہ الرحمہ، ان کی ہر خو و بو عالمانہ شان کی آئینہ دار تھی علامہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:ـ

این سعادت بزور باز ونیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت مندی، بخت وری اپنی محنت و کاوش سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ خدائے حقیقی جسے چاہے اسے ہی ملا کرتی ہے۔

اور مجاہد ملت سعید ملت تھے اور سعادت کے آثار نے ان کی پیشانی سے چمک کر ہزاروں خوش نصیبیوں کو چمکا کر خوش نصیب بنا دیا ہے اگر کوئی بے غیرت، بے حیا ان کو قید و بند میں ڈالے یا ایذا دے تو وہ ایک بے قدر، کمینہ طبیعت والا پتھر ہے جو موتی توڑتا ہے برے پتھر کی قیمت اس کی یہ حرکت خبیث حرکت سے زیادہ نہ ہوگی اور موتی کی قیمت کم نہ ہوگی موتی موتی ہی رہے گا اور جگمگاتا رہے گا کہ ہمارا مجاہد موتی ہے سراپا اگر جا ملے بزباں آوری بر حکیمے غالب آید عجب نیست کہ سنگیست کہ گوہر رامی شکند۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید

ہمارا مجاہد جو اپنے وجود مسعود سے ملت کو مشکبار کر گیا جس سے ہر کہہ و مہ معطر و معتبر ہو گئے۔ قدر گوہر شہ بداند یا بداند جوہری، اس انمول موتی کی قدر بادشاہ کرتا ہے یا جوہری جو ماہر موتی ہے اور واقعی، یقیناً مجاہد ملت اہل فضل و کمال، عاشقانِ محبانِ اولیاء، احباب اہل سنت، عقیدت مندان مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے موتی ہیں جس کی قدر کی جاتی ہے اور ان کی شخصیت قیامت کے چمکنے تک اپنا روحانی فیض برساتی رہے گی اور قسمت والے فیض و برکت مجاہد ملت سے مالا مال ہوتے رہیں گے۔ـ

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

مجاہد ملت علیہ الرحمہ ایسے عالم تھے جن پر علم و فضل ناز کرے، عالمیت کا عمامہ جن پر سجتا

نظر آتا ہے جو قدم قدم پر محرمات و ممنوعات سے اپنے وجود مسعود کی حفاظت کرتا رہے بلکہ ان کی حق و ہدایت کی زبان سے ہزاروں حضرات محرمات و ممنوعات سے بچ گئے۔

یکے از بزرگان زمانید کہ عالم آں کس راتواں گفت کہ علم اوراازنا کردنیہا باز دارد، یہ قول بزرگ جن پر صادق آئے ان سے مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی ذات مراد ہے۔ جو حدود شرع کے بے باک سپاہی و پاسبان تھے۔ (از گلزار دبستان)

جو عالم ربانی پابند سنت و شریعت ہے یہی بڑی کرامت ہے **الاستقامۃ فوق الکرامۃ** اس کی پیروی کی جائے جس کی حیات کا گوشہ گوشہ عین سنت کے مطابق ہو ہمارے حضور مجاہد ملت اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں ہاں! اللہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے کرامات عطا فرماتا ہے جو ان پر مزید فضل الٰہی کا اظہار ہے، معتبر حضرات نے آپ سے کرامات کا صدور ہوتے دیکھا ہے اس سے نیازمندوں کی عقیدت میں اضافہ ہوگا، ان کے دلوں میں آپ کی قدر و منزلت کا جذبہ بیدار ہوگا اور وہ آپ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان کی کرامات سے یہاں صرف ایک کرامت ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا عبد الرشید صاحب اشرفی نے مجاہد ملت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے کہ جب میں جامعہ عربیہ سلطان پور میں پڑھتا تھا ایک شب حضور مجاہد ملت جامعہ عربیہ میں تشریف لائے اور کمرے میں قیام پذیر ہوئے۔ رات کا اخیر حصہ تھا میں اپنی ضرورت کے لیے اٹھا حضور مجاہد ملت کے کمرے کے پاس سے گذرا کمرے سے کچھ آواز آئی دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا میں نے جھانک کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ حضور مجاہد ملت کا ہر عضو الگ الگ ہے اور ہر حصے سے تسبیح کی آواز آرہی ہے، یہ حال دیکھ کر میں برداشت نہ کرسکا اور پلٹ کر بستر پر سو گیا۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

یہ وہ حضرات ہیں جن کے دم قدم سے چمن سنیت و باغ مسلک اعلیٰ حضرت معطر ہے مولیٰ ان کے طفیل حیات ایمان ممات ایمان حشر ایمان عطا کرے قیامت میں محبوب پاک

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لواء الحمد کے نیچے جگہ دے آپ کے مبارک ہاتھوں جام کوثر دے آپ کی شفاعت سے ہم غلاموں کو جنت دے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

گرامی قدر محب مکرم حضرت علامہ محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی کی فرمائش پر چند سطور لکھنے کی سعی کی ہے کہ موصوف سنیت ومسلک حقہ مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک ترجمان ہیں ان کی فرمائش پر قلم چلانا پڑا۔ موصوف نے قلم کی قوت سے مجاہدہ کیا ہے بریلی شریف کی عظمت ورفعت پر معترض لوگوں کو لگام دی ہے۔ مرکز اہل سنت کے آپ سپاہی ہیں اور قلم میں بہت پختگی ہے، آپ نے کئی معتبر ومستند کتب ورسائل تصنیف کیے ہیں۔ کئی ایک مطالعہ میں آئیں اور ان سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ ایسے حضرات وقت کے باغیوں کو لگام دیتے ہیں اور اللہ نے موصوف کو اس میدان میں کامیابی دی ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے کارناموں سے ملت بیضا کی مسلسل رہنمائی کریں گے اور مسلک کی پاسبانی کا حق ادا کریں گے حضور مجاہد ملت پہ آپ کے قلم کے زوردار نشان قائم ہوئے ہیں اور ان کو عام کرنا چاہئے۔ آپ حضور مجاہد ملت کے عرس پاک پر شاندار کتاب ''حضور مجاہد ملت : حیات، خدمات اور اعترافات'' کا دوسرا ایڈیشن لا رہے ہیں ، یہ کتاب (پہلا ایڈیشن) میرے مطالعہ سے گذر چکی ہے، کتاب کا انداز تحریر ایسا ہے کہ قدم قدم پر آنکھیں چھلک آتی ہیں، کتاب کا ہر پہلو جامعیت لیے ہوا ہے، کتاب میں حضور مجاہد ملت کی حیات کے بہت سارے مخفی گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش ہوئی ہے، اس معلوماتی کتاب کی اشاعت پر مولانا موصوف پوری جماعت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں میں جماعت اہلسنت کے ایک فرد کے ناطے مولانا موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں مولیٰ تعالیٰ انھیں تاحیات صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے ان سے مذہب ومسلک کا کام لے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شاہد رضا قادری مصباحی، ممبئی

حضور مجاہد ملّت ایک بے مثال مجاہد

دنیا میں انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اپنے مقصد تخلیق کو پہچانے اور اپنے رب کی معرفت حاصل کرے اور رب کی معرفت پانے کے لیے اپنی معرفت ضروری ہے۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه**۔ اسی لیے اولیائے کرام سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرتے تھے جس کی بنیاد پر انھیں بارگاہِ الٰہی کا قرب حاصل ہو جاتا، پُرخار وادیاں ان کے لیے لالہ زار بنتی جاتیں اور ہر راہ سے سرخ رو گزر جاتے۔ حضور مجاہد ملّت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس سرہٗ کا شمار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں ہوتا ہے جنھوں نے رضائے الٰہی کے لیے اپنے آپ کو فنائیت کی منزل تک پہنچا دیا۔ ادھر انعامِ الٰہی اور اکرامِ مصطفائی نے انھیں بقائیت کی منزلِ مقصود پر گامزن فرما دیا۔ وہ اپنے زمانے کے عالمگیر تھے، مگر اپنی ردائے درویشی کی طنابوں سے اربابِ اقتدار اور دولت وثروت کے قارونوں کو جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں خوفِ خدا اور عشق مصطفی، محبت اولیاء کا ایسا چراغ روشن تھا کہ دنیا کی ساری روشنی اور تابانی اس کے آگے مات تھی۔ دین وشریعت کی پاسداری کا ایسا جذبہ موجزن تھا کہ حکومت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا آپ کا نشانِ امتیاز تھا۔ عقائد حقہ اور مسلک رضا کے ایسے داعی تھے کہ اس راہ میں آپ کبھی بھی کسی مصلحت کا شکار نہ ہوئے۔ آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی کے مظہر اتم تھے، جس سے باطل ہر دم لرزہ براندام رہا کرتا۔ عشق رسالت کی ایسی تپش آپ کے وجود پر غالب تھی کہ نجدی حکومت کی دہکائی ہوئی نارِ نجد بھی سرد پڑ گئی اور آپ مسکراتے ہوئے اعلان کرتے رہے۔ ؎

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

بلا شبہ حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ حق کی پکار اور خدائی آواز تھے جسے نہ کوئی دبا سکا اور نہ ہی ان کی آواز میں لچک پیدا کر سکا۔

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مجاہد ملّت علیہ الرحمہ کے ساتھ مبارکپور سے بنارس جانا ہوا۔ اعظم گڈھ بس اسٹیشن پر ایک سادھو نے کسی مندر کی تعمیر کے لیے چندے کی اپیل کی۔ ہمارے سامنے بھی اس طرح کے مناظر آتے رہتے ہیں، چندہ نہ دیا مگر کچھ بولتے یا کہتے نہیں۔ لیکن حضور مجاہد ملّت علیہ الرحمہ نے اس کے جواب میں فرمایا چونکہ ہمارے یہاں مورتی پوجا جائز نہیں اس لیے میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ اظہارِ حق کی یہ جرأت حضرتِ والا اپنے ساتھ لے گئے۔

حضور مجاہد ملّت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرمایۂ عبرت و بصیرت ہے اور راہیٔ راہِ حق کے لیے جادۂ استقامت اور مینارۂ ہدایت بھی۔ انہوں نے راہِ مولیٰ میں اپنے تن من دھن کی قربانی پیش کر کے جہاں مذہب حق کی آبیاری کا ایک غیر معمولی اور مثالی نمونہ پیش فرمایا ہے وہیں مذہب حق کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کا دندان شکن جواب دے کر میدانِ جہاد کے غازی اعظم بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیاتِ زریں کا معتد بہ حصہ ہندستان کے مختلف جیلوں میں گذرا۔ مگر وہاں پر بھی آپ کی داعیانہ جدو جہد جاری ہی رہی بلکہ بعض جیلوں سے جب باہر تشریف لائے تو چند افراد کو جیل کی سلاخوں سے ہی نہیں بلکہ کفر و شرک کی زنجیروں سے آزاد کراتے ہوئے اسلام کا پروانۂ رشد و ہدایت سپرد فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔

اپنے مولیٰ کی اطاعت میں اتنے چاک و چست رہتے کہ نہ سردی کی کوئی پرواہ اور نہ گرمی کا کوئی شکوہ۔

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں کہ حضور مجاہد ملّت علیہ الرحمہ مبارکپور تشریف لاتے تو میرے گھر قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ تشریف لائے، جاڑے کا موسم تھا۔ صبح سویرے وضو کے لیے میں نے پانی گرم کرا دیا۔ حضرت نے گرم پانی استعمال کرنے سے انکار فرمایا اور مسجد کے برف جیسے ٹھنڈے پانی سے وضو فرمایا۔ میں نے بہت اصرار کیا تو کہنے لگے کہ گرم پانی

سے وضو کرنے سے عادت بگڑے گی، جب گرم پانی نہ ہوگا تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں زحمت ہوگی اور سستی لاحق ہوگی اسی لیے میں اس سے پرہیز کرتا ہوں اللہ اکبر۔ اے مجاہد! تیری عظمت کو سلام، یہ آپ کا انتہائی درجے کا تقویٰ اور مجاہدۂ نفس ہے۔ اسی وجہ سے آپ معرفت الٰہی کے جلووں میں ہمیشہ گم رہا کرتے تھے اور دنیاوی جبر و استبداد اور ظلم و بربریت کو اپنے عزیمت کے پنجوں سے زیر کر دیا کرتے تھے۔

حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ اولیائے کرام اور اسلافِ امت سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ پرتوِ جمال و کمالِ مصطفائی محبوبِ سبحانی سیّدنا سرکار غوث اعظم قطب ربانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بغداد معلّٰی ظاہری طور پر دو مرتبہ حاضر ہوئے۔ وہاں پر آپ کی فدائیت اور ایک شہنشاہ کی بارگاہ میں طرزِ فقیری اور حسن درویشی کا ایسا دلکش نظارا پیش کر رہا تھا کہ دیکھنے والے بس ٹکٹکی نظروں سے دیکھتے ہی رہے اور حاضری دربار کا ادب آپ کے وجود پر ایسا مسلط تھا کہ تاریخ میں ایسی مثال خال خال پڑھنے اور سننے کو ملتی ہے۔ یونہی معین بے کساں سلطان عارفاں سیّدنا سرکار غریب نواز معین الملۃ والدین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ اجمیر مقدس تقریباً ہر سال حاضری کا شرف حاصل کرتے۔

ممتاز الفقہاء جانشین حضور صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ الشاہ مفتی ضیاء المصطفٰی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی زبان سے میں نے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ عرس حضور صدر الشریعہ میں بڑی پابندی کے ساتھ حاضری دیتے تھے مگر درمیان میں دو چند سال ایسے گذرے کہ ہجومِ کار اور مصروفیت دینی کی بنیاد پر عرس میں شریک نہیں ہو سکے مگر دعوت نامہ ہر سال آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا جاتا تھا۔ دو چند سال کی غیر حاضری کے بعد حضور مجاہد ملّت علیہ الرحمہ جب عرس میں تشریف لائے، عرس کے اجلاس میں دورانِ تقریر اپنی مسلسل غیر حاضری کا سبب ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرس کی آمد پر مجھے ہر سال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی زیارت خواب میں ہوتی رہتی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ حضرت مجھے طلب فرمانا چاہتے ہیں مگر چند ضروری مصروفیات عین وقت پر ہمیشہ

رکاوٹ بن جایا کرتی تھیں۔ اس سال بھی حضور صدر الشریعہ قدس سرہٗ العزیز کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی، اس کیفیت سے کہ انداز سے جلال ظاہر ہو رہا تھا۔ یہی معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ اسی دوران عرس کا دعوت نامہ موصول ہوا، اب تو بہرصورت آنا تھا اور آ گیا۔ اس طرح سلسلۂ تقریر جاری تھا کہ آپ یکا یک مزارِ مبارک کی طرف متوجہ ہو گئے اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ رقت انگیز لہجے میں معافی کے خواستگار ہوئے اور پھر حضور صدر الشریعہ کی کرم فرمائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم فرمائی۔

حضرت مجاہد ملّت کی تقریر کے بعد استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کرسیٔ خطابت پر جلوہ افروز ہوئے۔ دورانِ تقریر حضور حافظ ملّت کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا کہ حضرت صدر الشریعہ بلاشبہ اللہ کے ولی تھے اور اب بھی اسی طرح زندہ ہیں جیسے پہلے تھے۔ ابھی ابھی حضرت مجاہد ملّت نے ان کا دیدار کیا ہے۔ اتنا فرماتے ہی حضور حافظ ملّت نے اپنی تقریر اور گفتگو کا رُخ موڑ دیا۔ حضرت محدث کبیر قبلہ نے فرمایا کہ حضور حافظ ملّت اور حضور مجاہد ملّت دونوں نے حضرت صدر الشریعہ کا دیدار کیا تھا جو حضرات حضور حافظ ملّت کے کشف و کرامات اور اندازِ بیان کا علم رکھتے تھے وہ تو حضرت کی گفتگو کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ حافظ ملّت اور مجاہد ملّت ان دونوں کو حضور صدر الشریعہ کا قرب حاصل ہے۔ ان دونوں کو حضور صدر الشریعہ کا دیدار سر کی آنکھوں سے نصیب ہوا ہے۔

غرض یہ کہ حضور مجاہد ملّت ایک صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، اسی لیے آپ کا داعیانہ اسلوب بھی نرالا تھا اور اس میں غضب کی تاثیر تھی۔ آپ ہر وصف میں ایک منفرد شان کے مالک تھے۔ سنّت و شریعت کی پابندی اور اس کی شاندار پاسداری فرمائی۔

آپ ہر کمال و خوبی میں وحید العصر فرید الدہر اور یکتائے زمانہ بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقوشِ قدم پر چلائے اور ان کے جہانِ فضل و کمال سے ہم محتاجوں کو بھی حصہ عطا فرمائے۔

میں بہت ہی ممنون و شکر گزار ہوں محب مکرم نقیب مسلک اعلیٰ حضرت سیف رضا صلح

کلیت کے نیخ کن ناشر پیغامِ رضا مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا ممبئی حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی زید کرمہ ولطفہ کا جنہوں نے مجھ سے کمین و بے بہرہ سے چند سطریں رقم کروا ہی لیں جبکہ مضمون نگاری کا نہ مجھے سلیقہ ہے اور نہ ہی الفاظ اور جملوں کو مرتب و مربوط کرنے کا ڈھنگ مگر حضور مجاہد ملّت کے کرم وفیض سے پُر امید ضرور ہوں کہ ان بے سلیقہ جملوں کو جو نذرِ عقیدت کے طور پر پیش ہوئے اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرما کر اپنی توجہ خاص سے ضرور نوازیں گے۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب جہاں انشا پرداز ادیب ہیں اور اسلوب و بیان کا بہت خوبصورت ذوق رکھتے ہیں کہ جس میں ڈھلا ہوا مضمون اپنی خوشنمائی پر دعوتِ مطالعہ پیش کرتا ہے، وہیں حالاتِ زمانہ کے مزاج شناس اور بہت بڑے نباض بھی ہیں۔ اسی لیے ان کی ہر تحریر دلکش اور ہر مضمون برمحل اور حالات پر منطبق نظر آتی ہے نیز آپ کے تعاقب کی نگاہ تو اتنی تیز ہے کہ حریفِ مذہب ومسلک کو اپنی نیزہ کوبی سے گھائل کیے بغیر دم نہیں لیتے اور اس کے چہرے پر کتنی ہی دبیز نقاب کیوں نہ ہو بڑی دیدہ دلیری سے نوچ کر پھینکنے کا ہنر جانتے ہیں۔ مسلک امام احمد رضا کے معاملہ میں ایسے مضبوط کہ کوئی کسی طرح بھی لچک پیدا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے صدقے ان کو اور ان کے نوری رضوی مشن کو اپنی رحمتوں کے سائبان میں رکھے اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے ہمیشہ ان کو رحمت اللہ بنائے رکھے اور مسلک وموقف رضا پر ہونے والے حملوں کے دفاع کے لیے صدیقی کردار نبھانے کا جذبہ اور تیور ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔

بجاہ حبیب رب العالمین و سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و آلہ وصحبہ وعترتہ اجمعین

۶ / جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ ۲۲ / دسمبر ۲۰۲۰ء

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف رضوی بانی وسربراہ جامعہ مدینۃ العلوم رتن پور گجرات

تفسیر عقیدت

حضور مجاہد ملت جماعت اہلسنت کا ایک ایسا نمایاں کردار ہے جسے بھلایا جاسکتا ہے نہ آسانی کے ساتھ مٹایا جاسکتا ہے، ان کی حیات کی ہر سانس ہمیں سوچنے، غور وفکر کرنے اور عمل کی دعوت دیتی ہے، ان کی زندگی کی کوئی سانس دینی دعوت سے بے نیاز نہ تھی۔ انہوں نے اس مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی جس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا، ان کے عشق کی تپش میں جب شدت آتی تو وہ پابہ زنجیر ہوجاتے، ان کے اس فلسفۂ زندگی پہ کسی نے اب تک غور کیا ہی نہیں ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیل میں تھے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ ان کے ایک آشنا نے انھیں جیل میں اس حالت میں دیکھا تو اسے بہت حیرت ہوئی اس نے عرض کیا کہ حضور یہ کیا حالت ہے آپ کی؟ حضرت امام نے فرمایا کہ تم کیا دیکھنا چاہتے ہو؟ آپ نے ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں روئی کے گالے کی طرح بکھر گئیں، اس نے عرض کیا کہ حضور یہ کیا ہے؟ حضرت امام نے فرمایا کہ پہلے جو تم نے دیکھا تھا وہ مشیت تھی اور اب جو تم دیکھ رہے ہو یہ پاور ہے۔

حضور مجاہد ملت اسلاف واکابر کی چلتی، پھرتی اور بولتی ہوئی تصویر تھے، ان میں رنگ حسن بصری اور عکس بایزید بسطامی دور سے نظر آتا تھا، وہ اپنے وقت کے بہلول دانا تھے، ریتیلی زمین پہ جنت کے محلات بناتے تھے اور تصلب فی الدین کے عوض بیچتے تھے، وقت کا جبر انھیں حصار میں رکھنا چاہتا تھا مگر وہ حصار توڑ کر نکل جاتے تھے۔ دنیا یہ سمجھتی تھی کہ وہ صعوبتیں جھیل رہے ہیں مگر صعوبتیں ان کے روئے تاباں کو دیکھ کر برف کی طرح پگھلنے لگتی تھیں، دنیا انھیں پابہ زنجیر کر دیتی تھی، مگر وہ زنجیروں سے دل بہلاتے تھے۔ دریا کی طغیانی دیکھ کر بڑے بڑے شیر دل دریا کے قریب جانے سے گھبراتے ہیں، مگر طوفان بردوش دریا

ان کے لیے خشک زمین میں تبدیل ہو جایا کرتا تھا، ان کے قدموں کی آہٹ سے آتش کدہ گلزار بن جاتا تھا، ان کی خصوصیات کو لفظوں کے حصار میں لانا بہت مشکل ہے، ان کے لمس سے تن مردہ میں زندگی کی رمق دوڑ جاتی تھی۔ انہوں نے قوم وملت کی مسیحائی کا جو فریضہ انجام دیا ہے اس کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی رب کائنات ان کی محبت سے سرشار دل عطا فرمائے آمین۔

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب سے میرے تعلقات کی عمر بہت طویل ہے، میں انہیں اپنی فیملی کا فرد تصور کرتا ہوں، پہلے اپنی تحریک کے سلسلے میں پوربندران کا اکثر آنا جانا ہوتا تھا، جب پوربندران کی آمد ہوتی تو میرے ہی حجرے میں ان کا قیام ہوتا، میری والدہ محترمہ انہیں اپنا بیٹا کہتی تھیں۔ ملی مفاد میں میں نے انہیں ہمیشہ متحرک دیکھا ہے۔ پیغام رضا کے پلیٹ فارم سے انہوں نے فکر رضا کی تشہیر میں سرفروشانہ رول ادا کیا ہے۔ ان کی ذات بہت ساری جہات میں انتہائی قابل احترام ہے۔ میں نے انہیں ہمیشہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات'' حضور مجاہد ملت سے ان کی عقیدت کا بے تابانہ اظہار ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں حضور مجاہد ملت کے حوالے سے جو اظہارات وانکشافات کیے ہیں ان کے مطالعہ سے ایک قاری کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اور دل میں حضور مجاہد ملت کی پرجوش عقیدت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات والا صفات اپنے عہد میں ممتاز تھی۔ انہوں نے ملی مفادات کا جس انداز میں تحفظ کیا ہے اس کی اس عہد نفاق میں نظیر نہیں ملتی۔ ان کی ذات ایثار وقربانی سے عبارت تھی۔ ان کا ہر عمل قرآن وحدیث کے نور سے منور ہے۔ فکر رضا، مسلک رضا اور عظمت رضا کی تشہیر وترویج کے تعلق سے ان کی ذات ہمیشہ مصروف کار رہی۔ انہوں نے عشق وعرفان کی جو قندیلیں روشن کی ہیں ان سے سنیت کے بام ودر تا قیامت روشن رہیں گے۔

میری دعا ہے کہ مولانا موصوف کی یہ علمی، تحقیقی اور فکری کوشش وکاوش ہر طبقے سے سند قبولیت حاصل کرے۔ اس علمی پیش رفت پہ مولانا موصوف پوری جماعت کی طرف سے تحسین و تبریک کے مستحق ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی، کاشی پور اترا کھنڈ

تنویر عقیدت

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی تغمدہ اللہ تعالیٰ الھادی کے مخصوص تلامذہ وفیض یافتگان میں ایک بہت ہی مشہور ومعروف نام مجاہد ملت، پاسبان جماعت اہل سنت، حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن اڑیسوی قدس سرہٗ القوی کا بھی آتا ہے۔

جامعہ نعیمیہ میں رہ کر صدر الافاضل کی بارگاہ فیض سے خوب مستفید و مستفیض ہوئے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ جامعہ نعیمیہ میں علوم مروجہ کی تکمیل فرمائی۔ بعدہٗ غالباً ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۳ھ تک صدر الافاضل کے حکم سے جامعہ نعیمیہ میں لوجہ اللہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ جامعہ کے غریب ونادار طلبہ کے ساتھ آپ کے فیاضانہ سلوک کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ خود صدر الافاضل آپ کے اس سخاوت آمیز کردار کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

صدر الافاضل سے غایت محبت وعقیدت کا یہ عالم کہ اکثر وبیشتر مرادآباد بارگاہ میں حاضری دینے تشریف لاتے۔ عموماً محفلوں میں صدر الافاضل کا ذکر خیر کیا کرتے۔ اور یہ محبت وعقیدت یوں ہی نہ تھی بلکہ صدر الافاضل کی شفقتوں کا نتیجہ تھا۔ صدر الافاضل نے آپ کو اپنا متبنی یعنی منھ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ آپ پر اعتماد فرماتے۔ اور اعتماد کی حد تو یہ کہ ایک بار گھوسی میں دیوبندیوں سے مناظرے کی نوبت آئی تو آپ نے تھانوی کے وکیل مولویوں کے مقابلے آپ کو اپنا نائب ووکیل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ اگر مولوی اشرف علی تھانوی خود آئیں تو مجھے اطلاع دی جائے میں خود پہنچوں گا اور اگر وہ اپنا وکیل بھیجیں تو میری طرف سے مولانا حبیب

الرحمٰن اور مولانا عبدالحفیظ مناظرہ کریں گے۔ اور یہ میرے قائم مقام ہوں گے۔ اللہ کے فضل اور استاد محترم کی شفقت آمیز دعاؤں سے آپ کو اس مناظرے میں فتح نصیب ہوئی۔ اور پھر اس کے بعد فتوحات کا ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ تاحیات ختم ہی نہیں ہوا۔ الغرض مجاہد ملت اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی مذہبی و مسلکی بے لوث خدمات، آپ کا قائدانہ ومجاہدانہ کردار اور سیرت نبوی کی آئینہ دار آپ کی حیات طیبہ بلاشبہ بندگان خدا کے لیے نمونہ اور لائق تقلید واتباع ہے۔

زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' جس میں آپ کی حیات طیبہ کے کئی اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، آپ کی مذہبی، مسلکی، سیاسی خدمات کی قدرے تفصیلی روداد پیش کی گئی ہے، ارباب علم ودانش کے مدح آمیز تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ اور بھی کافی کچھ ایسا اس کتاب میں موجود ہے جو اسیران مجاہد ملت کی دل چسپی کے لیے کافی ہے۔ حضور مجاہد ملت کی خدمات وکارناموں کے حوالے سے یہ کتاب نہایت عمدہ اور مدلل و مفصل ہے۔

لائق مبارک باد ہیں کتاب کے مصنف، ملک کے مشہور صاحب قلم، حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی، جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت وجانفشانی سے کام لیا ہے۔ عمدہ عناوین کا انتخاب کیا اور تاریخی حوالوں سے مفصل لکھا ہے۔

دعا ہے اللہ پاک موصوف محترم کو اس مبارک کاوش کا اجر عطا فرمائے۔ مجاہد ملت کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔ اور خوب خوب ترقیاں عطا فرمائے۔ ساتھ ہی اس فقیر کو بھی اپنے فضل اور اپنے مبارک، پاکباز ومقدس بندوں کے فیضان سے مستفیض ومستنیر فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

نیاز مند: محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دار الافتاء مدینہ مسجد، محلہ علی خاں کاشی پور، اتراکھنڈ
۲۶ / ربیع النور ۱۴۴۲ھ

سید اولادِ رسول قدسی، نیویارک امریکہ

حضور مجاہد ملّت کی حیات کے تابندہ نقوش

حضور مجاہد ملّت کے خمیر میں مکہ شریف اور مدینہ شریف دونوں کی مٹی کی خوشبو شامل تھی۔ آپ خاندانی اعتبار سے مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ آپ کا سلسلۂ نسب آقائے کریم حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت مکہ شریف میں ہوئی اور آپ نے مدینے کی طرف ہجرت کی، آپ خاتم المہاجرین ہیں۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے۔ آپ کا فرمانِ عالیشان ہے ھٰذا بقیة آبائی۔ آپ میرے آباء کی یادگار ہیں۔ دوسرا فرمانِ عالیشان ہے: میرے چچا عباس بمنزلہ میرے والد ہیں جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے یقیناً مجھے ایذا دی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال عہد خلافت عثمانی میں ہوا۔ بقیع شریف میں مدفون ہوئے۔ آپ بتیس (۳۲) سال زمانۂ اسلام میں رہے اور پینتیس (۳۵) احادیث آپ سے مروی ہیں۔ آپ کثیر الاولاد تھے۔ بیٹیوں کے علاوہ دس بیٹے تھے۔ کعبہ شریف پر سب سے پہلے آپ ہی کی والدہ عقیلہ بنت حباب نے دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ بیت الحرام کی خدمت کا منصب اور حجاج کو پانی پلانا آپ کے ذمہ تھا۔ بلند اخلاق، وسیع العقل اور نہایت ہی رحم دل انسان تھے۔ بنو ہاشم کے بے کسوں، محتاجوں اور غریبوں کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ محتاج نوازی، بے کس پناہی اور غربا پروری حضور مجاہد ملّت کو اپنے آباء سے وراثت میں ملی تھی۔

حضور مجاہد ملّت کی شخصیت دینی، علمی، فکری، مسلکی اور نسبی اعتبار سے بہت بلند ہے۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں اہلِ علم وعرفان، صاحبانِ زہد وتقویٰ اور حاملانِ خوف وخشیت الٰہی

کا ایک طویل نوری سلسلہ ملتا ہے۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ کمال الدین عباسی بلخی بلخ سے نقل مکانی کر کے وارد پٹاس پور بنگال ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے صاحبِ علم و معرفت اور حاملِ زہد و تقویٰ تھے۔ وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور اہلِ طریقت آپ سے اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ کثیر مخلوقِ خدا کو آپ سے حق و ہدایت کی روشنی ملی۔ آپ کا مزارِ پُرانوار پٹاس پور ضلع مدناپور بنگال میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت شاہ کمال الدین عباسی بلخی کے پر پوتے حضرت مولانا ملا شاہ صادق علی عباسی قادری شہبازی کا شمار اپنے وقت کے اقطاب میں ہوتا ہے۔ آپ مخدوم جہانیاں حضرت سیّد شاہ شہباز محمد قادری بھاگلپوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں بارہ سال تک حصولِ علم و معرفت کرتے رہے۔ جب ریاضات و مجاہدات سے آپ فارغ ہوئے تو آپ کے مرشد گرامی حضرت شہباز علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور دوسری خصوصی نوازشات و عنایات سے شرفیاب فرما کر بھدرک کا قطب بنا کر رخصت فرمایا۔ حضرت شہباز علیہ الرحمہ عظمتوں کے اعتبار سے عرش نشان تھے۔ آسمان کی بلندی ان کے قدموں کا بوسہ لیتی تھی۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ نے انہیں ہندستان کا ابوحنیفہ ثانی کہا ہے۔ ان کے فضل و کمال، جود و نوال اور علم و عرفان کے ذکر و فکر سے زبانیں تر رہا کرتی تھیں، ان کی حکومتیں سینوں پہ بھی چلتی تھیں اور سفینوں پہ بھی۔ وہ پڑھاتے بھی تھے اور پلاتے بھی تھے۔ ان کی عظمت و سطوت کے آگے اونچی اونچی گردنیں خم ہو جایا کرتی تھیں۔ ان کی ریاضات، مجاہدات اور کرامات سے کتابوں کے اوراق روشن ہیں۔ ان کے نگاہوں سے پلانے کا ایک بہت مشہور واقعہ کتابوں اور زبانوں پہ ملتا ہے۔

ان کا ایک نوجوان خادم تھا، جو دن رات حضرت کی خدمت میں تن من سے لگا رہتا تھا۔ ایک بار اسے گھر کی یاد شدت سے ستانے لگی۔ اس نے حضرت سے اجازت لی اور اپنے گھر آ گیا۔ خادم کا ایک دوسرا بھائی بھی تھا۔ دونوں بھائی گھر سے ایک ہی ساتھ نکلے تھے اور ایک طویل عرصے کے بعد یہ دونوں آپس میں بغلگیر ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان باتیں

ہونے لگیں۔ اس نے حضرت شہباز قادری علیہ الرحمہ کے خادم سے سوال کیا کہ تم اتنے طویل عرصہ سے حضرت کی خدمت کرتے ہو، آخر اس طویل خدمت کا تم کو کیا صلہ ملا۔ دیکھو تمہارے ساتھ ہی میں بھی گھر سے نکلا تھا۔ میرے پاس علوم وفنون کی کئی اسناد ہیں، صلاحیتیں میرے وجود سے چھلکتی ہیں۔ زبانوں پہ میری قدرت کا یہ عالم ہے کہ عوام وخواص میری گفتگو کے مشتاق ہوتے ہیں اور ایک تم ہو کہ لکیر کے فقیر رہ گئے۔ بھائی کی گفتگو سن کر اس کے دل کو بہت چوٹ لگی۔ کچھ دنوں تک گھر پہ قیام کر کے وہ حضرت کی خدمت میں واپس آ گیا۔ گھر سے آنے کے بعد ہر وقت اس کے چہرے پہ اداسی کا سایہ مسلط رہتا تھا۔ ایک دن حضرت شہباز قادری علیہ الرحمہ نے اس کی یہ تبدیلی محسوس کی اور اس سے وجہ اس کی پوچھی۔ اس نے اپنے بھائی کی ساری باتیں حضرت سے بیان کر دیں۔ باتیں سن کر حضرت کو جلال آ گیا۔ آپ نے اپنے عصا سے زمین پر ایک لکیر کھینچ دی اور خادم سے فرمایا اس کے اُس پار جا، پھر اِس پار آ۔ خادم نے ایسا ہی کیا، پھر فرمایا اُس پار جا، خادم نے حکم پہ عمل کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اِدھر آ۔ خادم نے عرض کیا بس حضور رہنے دیجیے۔ اگر اب لکیر کو پھلانگنے کی کوشش کی تو کثرتِ علوم سے میرا سینہ پھٹ جائے گا۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں میں جو لوگ اس واقعہ سے واقف ہیں وہ یہ لکیر تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب وہ لکیر کہاں ملنے والی۔ پھر بھی عقیدتیں، حسرتیں اور ضرورتیں بے قرار و بے تاب پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ صدیاں گذر گئیں مگر ان کی عقیدتوں کا سورج اسی تابانی کے ساتھ آج بھی دلوں کی تاریکی کو دور کر رہا ہے۔ ان کی بارگاہ میں لفظ و معنیٰ کی کوئی حیثیت نہیں وہ عقیدتوں کے چھلکتے ہوئے پیمانے دیکھتے ہیں۔

قطب زماں حضرت شاہ ملا صادق علی عباسی قادری شہبازی علیہ الرحمہ جس زمانے میں واردِ بھدرک ہوئے، پورا علاقہ کفر وشرک کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایمان ویقین کا سورج دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ اس وقت بھدرک میں ایک ننگا سادھو رہتا تھا۔ وہ بہت بڑا جادوگر بھی تھا۔ لوگ خوف سے اس کی پوجا بھی کرتے تھے۔ حضرت قطب زماں نے اپنی

روحانیت سے اس کی ساحرانہ صلاحیتوں کو سلب کرلیا۔ جب اس نے اپنی بے بسی دیکھی تو حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔آپ کی اس روشن کرامت کو دیکھ کر لوگ کثرت سے آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہونے لگے۔اسی لیے آپ کو بانیٔ اسلام بھدرک بھی کہا جاتا ہے۔

قطب زماں حضرت ملا صادق علی شاہ عباسی قادری علیہ الرحمہ نے بھدرک میں نکاحِ ثانی فرمایا، آپ کی اولاد واحفاد میں کئی نسلوں تک علماء، فقہا اور صوفیا کا سلسلہ جاری رہا۔حضور مجاہد ملّت آپ کی آٹھویں پشت میں آتے ہیں۔حضور مجاہد ملّت کی والدہ محترمہ نے اپنے والد ماجد کے توسط سے قطب زماں کی بارگاہ ایک نیک صالح اولاد کی میں عرضی پیش کی۔قطب زماں نے حضور مجاہد ملّت کے نانا کو خواب میں بشارت دی کہ تم اپنی صاحبزادی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک لڑکا دے گا جو عالمِ دین، تارک الدنیا ہوگا، وہ میری فقیری کو زندہ کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے شہرتِ دوام کی دولت ونعمت عطا فرمائے گا۔

حضور مجاہد ملّت اپنے جدِّ اعلیٰ قطب وقت حضرت شاہ صادق علی عباسی قادری کی بشارت کی اذاں تھے، اپنے نانا کی تمنّاؤں کے مرکز تھے اور اپنے والدین کریمین کی دعاؤں کا گلاب تھے۔حضرت قطب وقت نے آپ کے حوالے سے جو بشارتیں دی تھیں وہ ساری بشارتیں حرف بہ حرف صادق آئیں۔آپ اپنے وقت کے جیّد عالم بھی تھے، عظیم المرتبت فقیہ بھی تھے، تارک الدنیا بھی تھے، مشہور اقران بھی تھے اور فقیری آپ کی شناخت بھی تھی۔ آپ اپنی تمام تر خصوصیات میں اپنے اجداد کا عکس ونقش تھے۔آپ کی نسبی خصوصیات خود ایک کتاب کا تقاضا کرتی ہیں مگر حالات کے بطن سے آواز آتی ہے، فرصت کہاں کہ سیر کریں گلستاں کی ہم۔اہلِ زبان وقلم دائرے میں بٹ گئے ہیں۔ان سے اسلاف نوازی کا شعور رخصت ہو رہا ہے۔اور جوان میں دردمند ہیں وہ معاشی کرب کا شکار ہیں۔اسلاف نوازی کا ہر رُخ فرصت چاہتا ہے، وقت چاہتا ہے اور سرفروشانہ جدوجہد چاہتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے آباء واجداد میں بڑے بڑے عاملین، کاملین، عارفین اور مصلحین نظر آتے ہیں۔رب تبارک وتعالیٰ جس سے دین وشریعت کی مشاطگی کا کام لینا چاہتا ہے اس

کے دامن حیات کو ہر طرح کی آلائشوں سے تحفظ کا بہتر سے بہتر سامان بھی فراہم کرتا ہے۔
تاریخ اسلام کے اوراق اس کی نظیروں سے روشن ومنور ہیں۔

یہ بات سورج سے زیادہ روشن ہے کہ حضور مجاہد ملّت عباسی سیّد ہیں مگر کتب و رسائل میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے حضور مجاہد ملّت تک کی تمام کڑیوں کی بالترتیب تفصیل نہیں ملتی۔ خود آپ نے اس پہلو پہ توجہ نہیں فرمائی۔ آپ سے کوئی عقیدت مند عرض کرتا کہ حضور آپ تو عباسی سیّد ہیں پھر آپ اپنے نام کے ساتھ سیّد کیوں نہیں لکھتے؟ تو آپ فرماتے کہ یہ گنہگار کس کس نسبت کو بدنام کرے۔ جبکہ عصر حاضر میں نسبی برتری کی شدید جنگ چل رہی ہے۔ ملک میں بہت سارے افراد واشخاص ایسے ہیں جو اس حقیر کی موجودگی میں سیّد بنے ہیں اور وہ فخر یہ خود کو سیّد لکھ رہے ہیں۔ جبکہ احادیث مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تبدیلیٔ نسب پہ شدید وعیدیں آئی ہیں۔ بہر حال ہر شخص اپنے اعمال وافعال کا جواب دہ ہے۔

حضور مجاہد ملّت نے تاحیات خود کو سیّد نہیں لکھا۔ کتب و رسائل میں جہاں بھی آپ کے دستخط ملتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہوتے ہیں، الفقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری۔ آپ تاحیات اپنی فقیری اور قادریت پہ ناز کرتے رہے۔ آپ کو رب تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ایسی فقیری ملی تھی کہ شاہی اس فقیری کا ناز اٹھاتی تھی۔ اور قادریت پہ ناز کا یہ حال تھا کہ ہر وقت زبان حق ترجمان پہ یہ نغمہ مچلتا تھا کہ قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا۔ دنیا میں قادری رہنا اور آخرت میں قادری اٹھنا اسی کو آپ سب سے بڑا تمغہ تصور کرتے تھے۔ آپ جب دعا فرماتے تو آپ کی دعاؤں کا یہی مفہوم ہوتا

صدقہ رسولِ پاک کا جھولی میں ڈال دے
ہم قادری فقیر ہیں یا غوث المدد

حضور مجاہد ملّت کے نسب کی پاکیزہ لہروں سے جو اسماء اُبھرتے ہیں ذیل میں اس کی ایک فہرست ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا شاہ کمال الدین عباسی بلخی، حضرت مولانا شاہ خدا بخش عباسی بلخی، حضرت

مولانا شاہ محمد یعقوب عباسی، قطب زماں حضرت مولانا شاہ محمد صادق علی عباسی شہبازی، حضرت مولانا محمد عبدالرافع عباسی، حضرت مولانا محمد صادق عباسی، حضرت مولانا غلام علی عباسی، حضرت مولانا محمد صادق علی عباسی، حضرت مولانا محمد مظہرالحق عباسی، حضرت مولانا محمد طاہرالحق عباسی، حضرت مولانا عبدالمنان عباسی، حضرت مولانا عبدالدیان عباسی، حضرت مولانا محمد ابرارالحق عباسی، اسی طرح کے اور بھی اسماء ہیں جنھیں اس کی تفصیل دیکھنی ہو وہ سہ ماہی تبلیغ سیرت، کولکاتا کے مجاہد ملّت نمبر ملاحظہ کریں۔

حضور مجاہد ملّت بلند اخلاق، بلند کردار اور بلند گفتار تھے، یہ خصوصیات آپ کو اپنے آباء سے وراثت میں ملی تھیں۔ آپ نے اپنے آباء کی عظمت شان اور رفعت مکان پہ کبھی حرف نہیں آنے دیا، بلکہ جو اسماء ذہنوں سے اوجھل ہوگئے تھے آپ کی دینی، ملّی اور مسلکی قربانیوں کے طفیل وہ سارے کے سارے پھر سے نمایاں ہوگئے، بلکہ صدیوں کی کارگذاریاں حال کا آئینہ بن گئیں۔ حال ماضی سے روشن ہوتا ہے۔ آپ کے حال نے آباء کے ماضی کو روشن کردیا۔ بلخ و بخارا کا علمی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت شاہ کمال الدین عباسی بلخی بلخ سے جو سوزشِ عشق لے کر وارد ہند ہوئے تھے اس سے بہت سارے ہندستانی نوآبادیات روشن ہوئیں۔ جب اعمال صداقت کے نور سے مستنیر ہوتے ہیں تو اعمال کی خوشبو ہواؤں کے دوش پہ پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اجداد کی دینی، ملّی اور علمی کارگذاریاں اخلاف کے لیے بلند اقبالی کا زینہ بن جاتی ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کے اجداد کا ہر فرد دینی شعور کا داعی و پیامی نظر آتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی زندگی اپنے اجداد کے سوزشِ عشق کی امین و پاسبان بن گئی۔ انھوں نے دینی روایات کے پہلو بہ پہلو بہت ساری خاندانی روایات کو حیاتِ تازہ عطا کی۔ آپ جماعت اہلِ سنّت کے ایک ممتاز فرد تھے لیکن آپ کی فردیت میں کائنات کی وسعتیں پنہاں تھیں۔ آپ کے سوزشِ عشق سے پانچ دہائیاں تپش آمادہ ہیں۔ آپ کی نبضِ حیات کی دھڑکنوں سے پھیلتی ہوئی شعاعوں کو اگر سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو قومی و معاشرتی سرفرازیوں کے بہت سارے ابواب کھل جائیں گے۔ آپ نے اپنی زندگی کی کوئی سانس

کبھی بے معنیٰ ہونے نہیں دیا۔ آپ کی حیات کی عصری معنویت پہ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ یہ کام تفصیل طلب ہے، دقت طلب نہیں۔

حضور مجاہد ملّت کو جس نے قریب سے دیکھا ہے وہ ہمارے اس دعوے کی ضرور تائید کرے گا کہ ان کے جسم کے ہر عضو سے عشق وعرفان کی شعاعیں پھوٹتی تھیں، ان کی سانسوں کی خوشبو سے فضائیں آج بھی معطر ہیں۔ ہم نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اتنے قریب سے کہ ان کی سانسوں کی خوشبو اب بھی تن بدن میں محسوس کرتے ہیں۔ ان کی حیات کی بہت ساری جہتیں آئینے کی طرح جھلکتی ہیں۔ قوم وملّت کے حوالے سے ان کے جذبات بہت پاکیزہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ قوم کا ہر بچہ میراثِ اسلاف کا امین ومحافظ ہو۔ جن بچوں کی پیشانی پہ بزرگی، اقبال مندی اور فیروزمندی کے آثار نمایاں دیکھتے انھیں اپنی تحویل میں لے لیتے یا اسے ایسی راہ کی نشاندہی فرما دیتے جس سے اسے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہوتی۔ وہ تاحیات ایصال الی المطلوب کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس فریضے کی ادائیگی کا انہوں نے کبھی کسی سے کوئی صلہ نہیں مانگا بلکہ خود اپنی جیب سے آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ تاریخ کے پنّوں میں اس کے بے شمار نظائر ملتے ہیں۔ خود ہمارے گھر کے کئی افراد، ملک میں کئی گھرانے اور افراد ایسے ہیں جنہوں نے آپ کی نگرانی اور آپ کی نوازشات وعنایات کے زیر سایہ کامرانیوں کی منزلیں طے کی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات کا ہر باب اپنی جداگانہ افادیت ومعنویت رکھتا ہے۔ آپ کی ذات خصوصیات کا بحر بیکراں تھی۔ اس بحر بیکراں کی موجوں کو قید تحریر میں لانے کے لیے حوصلہ چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بحر کی موجوں میں کوئی اُترنا نہیں چاہتا۔ آپ کی ذات کے حوالے سے جو تحریریں ملتی ہیں ان میں وہ گہرائی وگیرائی نہیں ہوتی جس گہرائی وگیرائی کا آپ کی ذات تقاضا کرتی ہے۔ ان کی ذات عشق ووارفتگی کا ایسا مینار تھی جس کی اب تک پیمائش نہیں ہوسکی ہے۔ ہم جو ان کی شخصیت کے خاکے ترتیب دیتے ہیں، ان کی جو تصویریں بناتے ہیں اور ان کے علمی، فکری اور خدادوستی کا جو نقش بناتے ہیں وہ ہمارے شعور کے آئینہ

دار ہوتے ہیں، ان کی کوہِ پیا شخصیت کے نہیں۔ مسائل کی دھوپ میں وہ اتنا تپ چکے تھے کہ حوادث کا کوئی طوفان ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ہم دوسروں کی بنائی ہوئی پختہ سڑکوں پہ سفر کرتے ہیں اس لیے صعوبتوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سفر کے لیے خود سڑکیں تیار کرتے تھے۔ ان کی بنائی ہوئی سڑکوں کے ہر پتھر کے نیچے صعوبتیں پنہاں ہوتی تھیں۔ صعوبتوں سے پنجہ آزمائی ان کا پیشہ تھا۔ ہم نے انھیں مجالس ومحافل میں بھی دیکھا ہے اور بھدرک کے جیلوں میں بھی۔ جس طرح وہ احباب اور اہلِ عقیدت کی بزم میں فرحاں و شاداں ہوتے تھے اسی طرح جیل میں بھی ان کی پیشانی پر مسرتیں رقص کرتی رہتی تھیں۔ ہجومِ غم اور ہجومِ مسرت دونوں میں ان کی حالت یکساں ہوتی۔ ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مصائب سے کھیلنے کی فطرت پہ پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کی کتابِ حیات میں اس طرح کے بکثرت نظائر ملتے ہیں۔

حضور مجاہد ملّت آدابِ خدا گاہی وخود آگاہی کے راز سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی کتابِ حیات میں ان کے بکھرے ہوئے واقعات، خیالات اور تصورات سے ہمارے اس دعوے کی بھرپور انداز میں توثیق ہوتی ہے۔ انہوں نے زندگی میں وہ کام کبھی نہیں کیا جس کی قرآن وحدیث سے تائید نہ ملتی ہو۔ جو رازِ عشق سے آشنا ہوتا ہے وہ اس دیوار و در کی سمت نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا جس دیوار و در پہ رب کی رحمتوں کے جلوے بکھرے نہ ہوں۔ حضور مجاہد ملت کی طرز حیات سے یہ تصور ابھرتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ جس ڈگر پہ، جس رہگذر پہ اور جس سمت وہ نظر نہیں آتے ہم اس ڈگر، اس شاہراہ اور اس سمت نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ دیوانے کو یوں دیوانہ نہ کہو، دیوانہ جہاں دیکھتا ہے وہاں تک اچھے اچھوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ عشق وعرفان کی وارفتگی انھیں ہر لمحہ بے قرار رکھتی۔ ان کی مسیحائی سے پتھروں میں قوتِ گویائی آجاتی تھی۔ ان کی کن کن خصوصیات کا ذکر کیا جائے۔ دردِ دل کے وہ مداوا تھے، چرخِ حق کے وہ ستارہ تھے، حضرت شاہ عبدالکافی کے دل کا سرور تھے، حجۃ الاسلام کی آنکھوں کا نور تھے، عنایات ونوازشات کے وہ دھارا تھے، سادگی کے کوہِ

ہمالہ تھے، علم و حکمت کا دریا تھے، رہروِ نقش صحابہ تھے، عزمِ فاروق کا جلوہ تھے۔ بحرِ غم کے وہ کنارا تھے، پرتوِ رعب قتادہ تھے، صاحبانِ فضل و کمال کے سروں کے وہ عمامہ تھے، جاذبِ قامت رعنا تھے، حوصلہ، علم، عمل، عشق، ولایت، حکمت سب کے سب ان کے حضور صف آرا تھے کتنا لکھوں اور کہاں تک لکھوں۔ ان کے نورفشاں جلوؤں سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور قلم کی رکاب ہاتھوں سے چھوٹ جاتی ہے۔ ہم ان کی ذات کو اپنی زندگی کے نصاب میں شامل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی کتابِ حیات کے متن کی ہر سطر سر کے اوپر سے گذر جاتی ہے۔ کاش ربِّ کائنات ہمیں اتنا علم عطا فرما دیتا کہ ہم ان کی کتابِ حیات کے متن کی شایانِ شان انداز میں شروح لکھنے کے لائق ہو جاتے۔

حضور مجاہد ملّت یقیناً وحید عصر، عبقری الشرق اور نابغۂ روزگار تھے۔ لغوی اعتبار سے نابغۂ روزگار اور عبقری الشرق اس شخص کو کہتے ہیں جو غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہو۔ ہماری جماعتی اور مذہبی تاریخ میں ایسی بے شمار شخصیات نظر آتی ہیں جنہیں بجا طور پر نابغۂ روزگار کہا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر کی دانش گاہیں ایسی شخصیات سے بہت حد تک محروم ہو چکی ہیں پھر بھی ماضی قریب میں کچھ ایسے چہرے نظر آتے ہیں جن کے نام اور کام کے ساتھ ان الفاظ والقاب کو جوڑا جا سکتا ہے۔ ان میں حضور مجاہد ملّت کی ذات اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے ممتاز نظر آتی ہے، انہوں نے اپنے اوصاف و کمالات سے اپنے عہد کو بہت حد تک متاثر کیا ہے۔ ان کی ذات ایک ایسا آئینہ خانہ تھی جس میں ان کی فلک نواز عظمتوں کی آئینہ بندیاں تھیں۔ ان کے عہد میں علوم و فنون کی جتنی اور جس قدر جہتیں تھیں ان تمام جہات پہ ان کو شاہانہ دسترس حاصل تھی۔ ان کے عہد نے انھیں علم کا بادشاہ بھی کہا ہے۔ منطق و فلسفہ کا امام بھی کہا ہے اور مناظراتی ادب میں ان کی تجدیدی صلاحیتوں اور خدمات کا بھی اعتراف کیا ہے۔ درسیات، فقہیات اور اخلاقیات میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا، انہوں نے اپنی مناظرانہ صلاحیتوں سے ایوانِ باطل میں زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ نجدیت کے لیے ان کا نام دہشت کا استعارہ تھا۔ کسی ایک فن میں کمال حاصل کر کے کوئی شخص مناظر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اپنے عہد

کے تمام مروجہ علوم وفنون میں گہری بصیرت کے بعد ہی کوئی مناظر ہوسکتا ہے۔ ان کے کارخانۂ علم میں مناطقہ، فلاسفہ، محدثین، مفسرین اور مناظرین ڈھلتے تھے۔ ان کی ذات عہد ساز بھی تھی اور شخصیت ساز بھی۔ ان کی علمی، فکری، لسانی اور اخلاقی برتری کا ان کے عہد نے اعتراف کیا ہے۔ ذیل میں اہلِ زبان وقلم کے اعترافات ملاحظہ کریں۔

حضرت سیّد شاہ محمد خالد ابوالعلائی لکھتے ہیں:

وہ زمانہ مجھے یاد ہے جب آج سے ستائیس (۲۷) برس قبل انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ بہار میں مؤرخہ ۹/ ۱۰/ ۱۱/ اپریل ۱۹۵۴ء کو حضور مجاہد ملّت کے زیر صدارت ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا تاریخی اور روحانی اجلاس ہوا تھا۔ اس تاریخی اجلاس میں ملک کے گوشے گوشے سے علمائے کرام اور مشائخ عظام کے قافلوں نے آکر شرکت فرمائی تھی۔ ہر مکتب خیال کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ صحافی، ادیب، ناقد، شاعر اور قانون داں سبھی موجود تھے۔ اس ناقابلِ فراموش تاریخی اور روحانی اجلاس میں شریک بہت سی مایہ ناز ہستیاں آج بھی موجود ہیں۔ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب سیّد حیدر امام صاحب بیرسٹر تھے اور حضرت ابی ومرشدی نائب صدر۔ اجلاس کے انتظام وانصرام کے سلسلے میں آسانی کے لیے ابی ومرشدی نے ایک ماہ قبل ہی دانا پور خانقاہ شریف سے مراد پور پٹنہ کے تاج ہوٹل کے ایک کمرے میں قیام فرما لیا تھا۔ انتظامات کے سلسلے میں ضروری ہدایات کے لیے میں دانا پور سے تاج ہوٹل اور وہاں سے انجمن اسلامیہ ہال بار بار جایا کرتا تھا۔ ایک دن ابی ومرشدی نے فرمایا کہ حضرت مجاہد ملّت اڑیسہ سے تشریف لانے والے ہیں۔ اس عظیم ہستی کے بارے میں میں نے پہلے سے بھی بہت کچھ سن رکھا تھا، اب زیارت کی تمنا اور بڑھ گئی۔ دانا پور خانقاہ شریف میں بیٹھا روزانہ اس ہستی کی راہ دیکھنے لگا جس کے علم وفضل اور اخلاقِ حسنہ کا ہمیشہ تذکرہ سنتا تھا۔ ؎

کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب کہ ہم سے

دیکھی نہ گئی دیکھنے والوں کی نظر بھی

ستائیس سال گذر گئے۔ کتنی مبارک ساعت تھی جب دانا پور خانقاہ کے صدر دروازے پر صبح کے وقت کسی نے اس طرح آواز دی، جناب شاہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ اس پُرکشش آواز کو سن کر میں فوراً دروازے تک پہنچا۔ میرے سلام کرنے سے پہلے ہی انہوں نے سلام کیا، میں پہل کرنے سے محروم رہا۔ ایک روحانی پیشوا نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ میں چھوٹا سا بکس اور دوسرے میں ایک بستر ہے۔ لنگی کرتا پہنے، سر پر عمامہ اور شانے پر بڑا رومال ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور طریق اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر، مجھ سے فرمایا ''خاکسار کو حبیب الرحمٰن کہتے ہیں۔'' سچ ہے ایسا سادہ و سنجیدہ انسان صرف ''حبیب الرحمٰن'' ہی ہوسکتا ہے۔ چند گھنٹے دانا پور میں قیام فرمایا۔ میری حیرانی ومسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ مجھ سے اس طرح پیش آتے رہے جیسے معلوم ہو برسوں سے رابطہ رہا ہو۔ اخلاق اور خاکساری کا یہ حال کہ میرے دل نے شدت سے محسوس کیا کہ یہ ہستی خُلق نبوی کا کس قدر دلکش نمونہ ہے۔ میں بڑے انہماک سے غور کررہا تھا کہ ہر ادا اور ہر عمل سیرتِ رسول سے مشابہ ہے۔ شام کو حضور مجاہد ملّت کو لے کر حضرت ابی ومرشدی کے پاس پٹنہ گیا ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے اختتام تک پندرہ دن میرا بھی قیام ''کافی ہاؤس'' میں رہا۔ جہاں تمام علمائے کرام اور مشائخ عظام کے قیام وطعام کی ذمہ داریوں میں مصروف تھا۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر، ناشر آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف ص: ۱۱۲،۱۱۱)

حضرت مولانا ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا جب بھی کوئی برگزیدہ بندہ اور اس کا سچا ولی دنیا کو خیر باد کہتا ہے تو اپنے پیچھے عشق ومحبت، لطف وکرم اور حق وصداقت کی ہزاروں داستانیں بھی

چھوڑ جاتا ہے۔ ؎

اتنی توفیق دے یارب کہ جدا ہونے پر
لوگ اتنا تو کہیں نقشِ وفا چھوڑ گیا

کردار وعمل کی وہ ایسی قندیل روشن کر جاتا ہے کہ سارا زمانہ اس کی آغوش میں جانے لگتا ہے اور راہِ حق پر چلنے کے لیے تابانی حاصل کرتا رہتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت بھی ایک ایسے ہی عالمِ ربّانی تھے، ایک ایسے ہی اللہ کے سچے ولی تھے۔ جن کی عظمت مآبی کے سامنے بڑے بڑوں نے اپنے سر جھکائے اور عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ آپ نے احکامِ الٰہی اور سنّت نبوی کی روشنی میں زندگی کا لمحہ لمحہ گذارا، اور مصائب وآلام کی ہزاروں راہیں طے فرمائیں صرف رضائے الٰہی کے لیے، صرف اس آرزو کی خاطر کہ ؎

ہر جفا، ہر ستم گوارا ہے
اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

ہمارے جذبۂ شوق کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق مرحمت فرمائی جو حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں ایک مختصر سا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ورنہ حضرت کی ولایت اور کارناموں کی وہ عظمت ہے کہ جس کے ہر ہر پہلو پر صفحات کے ڈھیر لگا دیے جائیں تو بھی قلم کی حسرت باقی رہ جائے۔ ایک معمولی سے نذرانۂ عقیدت پر ہم فخر بھی کیسے کر سکتے ہیں سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ فریضہ تو ضرور ادا ہوا مگر باتیں ادھوری رہ گئیں۔ ؎

اللہ میرے حسنِ عقیدت کی خیر ہو
کرتا رہوں گا ذکر اگر زندگی رہی

(ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر ص: ۵۳، ۵۴، آل انڈیا تبلیغ سیرت، دھام نگر شریف)

حضرت سیّد شمیم گوہر صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

پوری سلامتی واحتیاط کے ساتھ اس دور میں جینے والوں کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز اچھے اچھوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے جا رہے

ہیں۔ جن کے دل میں اتباعِ سنّت کا جذبہ نہیں اور جن کے ایمان میں کوئی استحکام نہیں وہ لوگ روز ایک نئے لباس میں نظر آتے رہتے ہیں۔ ناجائز حمایت، طرف داری، حاشیہ برداری اور مصلحت پسندی کو آج کے دور کا قیمتی سرمایہ تصور کیا جانے لگا ہے۔ چاپلوسی اور خوشامد نوازی کو کامیابی کا سرتاج سمجھا جانے لگا ہے۔ کہیں پر کج کلاہی سے کام لیا جارہا ہے تو کہیں پر جھوٹے وعدوں سے کام لیا جارہا ہے، کہیں پر کانگریسی لبادے کا سہارا لیا جارہا ہے، کہیں پر شخصیت پرستی کو ضروری سمجھا جارہا ہے تو کہیں پر جھوٹے وعدوں سے دل بہلایا جارہا ہے۔ یہ سارے ڈرامے حضور مجاہد ملّت کی آنکھوں کے سامنے بھی ہوتے رہے ہیں۔ لوگوں کے بہروپیے پن کا حضرت کو بھی اندازہ ہوتا رہا ہے۔ وہ چاہتے تو ایسے لبادے میں آکر اپنا بڑے سے بڑا مقصد حل کرسکتے تھے، مگر اللہ کا ایک سچا ولی، آقائے دوجہاں کا سچا عاشق اپنی راہ سے کبھی بے راہ نہ ہوا۔ ہونٹوں پر خار دنیا سجانے والے مجاہد نے ستم ہزاروں سہے، غم ہزاروں اٹھائے اور تکلیفیں ہزاروں برداشت کیں مگر جبینِ نیاز پر کبھی شکنیں نہیں آنے دیں، مصلحتیں ہاتھ جوڑتی رہ گئیں، حمایتیں آواز دیتی رہ گئیں، طرف داریاں انتظار کرتی رہ گئیں اور حاشیہ برداری فریاد کرتی رہ گئی مگر مجاہد ملّت نے کبھی مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اپنے کردار و عمل پر کبھی آنچ نہ آنے دی اور اپنے ہر مقصد کو مجاہدانہ انداز کی روشنی میں حل کرنے کے تمنائی رہے۔

بہت سے وکیلوں کی تمنا رہ گئی کہ مجاہد ملّت مصلحتاً کبھی جھوٹ بھی بول پاتے، بہت سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کی حسرت رہ گئی کہ مجاہد ملّت میرے سامنے مرعوب ہو پاتے، بہت سے سفاکوں کی آرزو رہ گئی کہ مجاہد ملّت مجھ سے رحم کی بھیک مانگ پاتے۔ ایسی ساری حسرتیں خاک میں دفن ہوکر رہ گئیں۔ مگر مجاہد ملّت کے محکم عزائم میں لغزش نہ پیدا کرسکا۔ **وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ** (قرآنِ حکیم) اور جب وہ لغویات سنتے ہیں تو اس سے

انحراف کرتے ہیں۔ آج ایسے ہی لوگ مجاہد اعظم کی جرأت کو یاد کر کے آنسو بہا رہے ہیں۔ ''اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی'' مجاہد ملّت کی حیاتِ بابرکات کی روشنی میں زندگی گذاری جائے تو ہمیں راہِ شریعت پر چلنے کے انداز آجائیں۔ خدا پر بھروسہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، باطل کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت آجائے، ضمیر فروشوں کا گلا دبانے کا حوصلہ جاگ جائے اور رئیسی میں فقیری کا مزہ آجائے۔ الفقر لباسی۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر ص: ۱۰۵، ۱۰۶، آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف)

بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی سابق شیخ الجامعہ اشرفیہ مبارک پور اپنی ذات میں انجمن تھے، کمالات میں منفرد تھے اور خصوصیات میں فائق تھے، حضور مجاہد ملّت کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں:

> حضور مجاہد ملّت کو میں نے پہلی بار آج سے لگ بھگ اڑتالیس سال قبل دار العلوم اشرفیہ کے سالانہ جلسہ وامتحان کے وقت دیکھا تھا۔ میں چونکہ بالکل بچہ اور ابتدائی طالب علم تھا، اس لیے ان کی امتحان گاہ کا منظر تو نہ دیکھ سکا (سننے میں یہ ضرور آیا کہ پورے طلبہ میں ان کے علمی وقار اور فکری دبدبے کا غلغلہ ہے۔ خصوصاً علومِ آلیہ منطق وفلسفہ میں ان کے یدِ طولیٰ کا عام چرچا تھا) البتہ جلسے میں انھیں جی بھر کے دیکھا اور آج اڑتالیس سال کے بعد بھی مجھے کل کی طرح یاد ہے کہ مولانا اس وقت ناگپوری تہبند اور کرتے میں ملبوس تھے۔ جس کے اوپر صدری تھی اور صدری کی اوپری جیب میں نہایت عمدہ اور قیمتی چھوٹی سی گھڑی جس میں چمڑے کا تسمہ بندھا ہوا تھا جسے تقریر کے دوران بار بار جیب سے نکال کر آپ وقت دیکھ لیا کرتے تھے، سر پر دو پلی ٹوپی اور ٹوپی کے نیچے پٹھے بال، مجھے چمڑے کی چین اور وہ بھی جیبی گھڑی میں نئی چیز معلوم ہوئی، میں نے پوچھا ایسا کیوں ہے؟ یہ مولانا کا تقویٰ ہے دھات کی چین لگانا منع ہے۔

حضور مجاہد ملّت سے ایک یادگار ملاقات میرے گھر پر ہوئی (حضرت کا کرم تھا کہ

مبارکپور آتے تو میرے گھر پر قیام فرماتے) جاڑے کا موسم تھا، صبح سویرے وضو کے لیے میں نے پانی گرم کرا دیا۔ حضرت نے گرم پانی استعمال کرنے سے انکار فرما دیا اور مسجد کے برف جیسے ٹھنڈے پانی سے وضو فرمایا۔ میں نے بہت اصرار کیا تو کہنے لگے، گرم پانی سے وضو کرنے سے عادت بگڑے گی، جب گرم پانی نہ ہوگا تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں زحمت اور سستی لاحق ہوگی، اس لیے میں اس سے پرہیز کرتا ہوں۔ اس توجیہہ سے میرا جی تو مطمئن نہ ہوا لیکن خاموش ہو گیا۔ اب سوچتا ہوں کہ چاہے یہی وجہ رہی ہو، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث مبارک تھی، **نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الوضوء مما مست النار۔**

بہرحال یہ غایت درجے کا اتقا اور بڑا مجاہدۂ نفس ہے۔ اس وقت میرے سامنے کچھ اور بزرگوں کی تصویریں بھی آئیں اور میرا دل حضور مجاہد ملّت کی عظمت سے معمور ہو گیا۔

(ماہنامہ اشرفیہ مجاہد ملّت نمبر آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف ۷۶/۷۹)

حضرت مولانا سیّد وجاہت رسول قادری پاکستان لکھتے ہیں:

> بعض شواہد اور قرائن کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مجاہد ملّت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی مومنانہ فراست اور مدبرانہ سیاست کے ذریعہ اندرونی اور بیرونی مخالفتوں اور سازشوں کا دانشمندی سے سامنا کرتے ہوئے، ہندستان بالخصوص مسلمانانِ ہند کی سیاست کو جس رُخ پر لے جانا چاہتے تھے، وہ اگر چند برس اور بقید حیات رہ جاتے تو بات کچھ اور ہوتی۔

شریعت بہت سے معاملات میں اپنے عامل کو رخصت عطا فرماتی ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھالے اور کسی عمل کو وقتی طور پر ترک کر دے خصوصاً جب جان جانے کا خطرہ ہو۔ لیکن حَبرِ اُمّت سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فرزند نے وہاں بھی رخصت کی راہ اختیار نہ کی اور عزیمت پر عمل کیا جہاں یہ یقین تھا کہ عزیمت پر عمل گردن زدنی ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں جب آپ پانچویں بار حج کو تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے قاضی القضاۃ اور مسجد نبوی شریف کے خطیب و امام شیخ عبد العزیز بن صالح کو خبر ملی کہ

آپ نجدی امام کے پیچھے نہ صرف یہ کہ نماز نہیں پڑھتے ہیں بلکہ اپنی جماعت بھی علیٰحدہ کراتے ہیں تو اس نے ان کو گرفتار کر لیا اور آپ سے پوچھا کہ مسجد نبوی کے امام کے پیچھے آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ آپ نے بلا خوف و جھجک فرمایا کہ ہم اہلِ سنّت و جماعت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ مانتے ہیں اور تم اسے شرک کہتے ہو۔ تو ہماری نماز تمہارے پیچھے نہیں ہوتی کہ تمہارے فتوے سے دنیا کے کروڑوں مسلمان مشرک ٹھہرے ہیں تو اس طرح تم خود کافر ہو گئے۔ اس پر وہ بہت غضبناک ہو گیا اور کہا کہ تمہیں خوف نہیں آتا ہم تمہیں قید بھی کر سکتے ہیں، بلکہ تمہاری گردن بھی اڑا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا فقیر حق بات کہنے سے نہیں ڈرتا، رہا مدینہ منورہ کی قید تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے، کہ یہ رسمِ سجّاد ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے اور رہی شہادت تو یہ تو فقیر کے لیے بہت بڑا اعزاز ہوگا، زندگی بھر تو ہم نے اسی کی دعا مانگی ہے۔ چنانچہ وہابی قاضی نے آپ کو پابند سلاسل کر کے قید کر دیا اور وہاں آپ کو سخت اذیت دینے کے بعد بغیر حج کی ادائیگی ملک بدر کر کے ہندستان بھیج دیا۔ جب سیّدی مجاہد اعظم نور اللہ مرقدہٗ کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ نے ہتھکڑیوں کو چومتے ہوئے فرمایا:

> ''اے حبیب الرحمٰن! تو اس لائق کہاں تھا کہ تجھے مدینہ منورہ کے کنگن پہنائے جاتے اور سیّدِ سجّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنّت ادا ہوتی یہ تو سب آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرم ہے۔''

آنکھ ہے محوِ تجلّی وصل سے دل شاد ہے
قید میں بھی طبع بے خود ہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھ کو پہننے میں کوئی ذلّت نہیں
باپ دادا کا طریقہ سنتِ سجّاد ہے

(حضرت فاخر بیخودؔ علیہ الرحمۃ) (سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملّت نمبر ص: ۷۸)

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی خانقاہی مزاج رکھتے ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سینئر اساتذہ

میں شمار ہوتے ہیں اور زبان و ادب پہ گہری نظر رکھتے ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کے حوالے سے انہوں نے اپنی عقیدت اور حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ماہ اپریل (۱۹۸۰ء) میں خانقاہِ شہباز یہ بھاگلپور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے چودہ سو سالہ جشن ہجرت کانفرنس کے دو روزہ اجلاس کے موقع پر مجاہد ملّت کو ذرا قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کو قدرے اطمینان سے سمجھنے کا موقع ملا۔ دوسرے دن رات کے تین بجے مجاہد ملّت نے کرسیِ خطابت کو رونق بخشی۔ کہنے لگے، میں تقریر کیا کروں۔ میری تقریر تو جوانی میں بھی بوڑھی تھی، اب بڑھاپے میں کیا جوان ہوگی۔

ان کی تقریر سننے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ مجھے سچ مچ ان کی تقریر پر بڑھاپے کی چھاپ نظر آئی۔ بوڑھا جو خود سے دو قدم نہیں چل سکتا لیکن چلتے ہوئے قدموں کو منزل کا پتا بتا سکتا ہے۔ جو دوڑ نہیں سکتا لیکن دوڑنے والوں کو دوڑنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے۔ جوانی کے پاس حوصلہ ہوتا ہے، بڑھاپے کے پاس تجربہ ہوتا ہے، جوانی کے پاس جوش ہوتا ہے، بڑھاپے کے پاس ہوش ہوتا ہے۔ اسی لیے ؎

درکار جوانوں کو ہے پیروں کا سہارا
بے زور کماں تیر، رواں ہو نہیں سکتا

ان کی تقریر مجھے کیسی لگی یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرے خیال میں تبصرے کی محتاج تو ان لوگوں کی تقریریں ہوا کرتی ہیں جن کی زبان پر فصاحت و بلاغت ناز کرتی ہے۔ مجاہد ملّت کی زبان کو فصاحت و بلاغت سے کبھی تعلق رہا ہو یہ اور بات ہے لیکن اب تو ان کی زبان کو صرف یادِ حبیب اور ذکرِ رسول سے نسبت ہے۔ اور یہ وہ نسبت ہے جس کی نسبت کچھ عرض کرنا کم از کم مجھ جیسوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ نسبت جسے حاصل ہو جاتی ہے، وہ بیڑیاں پہن کر بھی پابند سلاسل نہیں ہوتا۔

(سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملّت نمبر ص: ۱۶۴)

اہلِ علم و عمل، صاحبانِ زبان و ادب اور حاملانِ فقہ و فتاویٰ کے مذکورہ بالا تاثرات و اعترافات بطور نمونہ دیئے گئے ہیں۔ مزید تاثرات کی یہاں چنداں ضرورت نہیں چونکہ حضور مجاہد ملّت کی ذات و شخصیت کے حوالے سے اہلِ علم وفن اور صاحبانِ زہد و تقویٰ کے تاثرات و اعترافات کی بہت بڑی دنیا موجود ہے۔ ان کی عظمتوں کی خوشبو سے اب بھی زبانیں اور دل کی زمینیں معطر ہیں۔ ان کا نام سن کر اور کام دیکھ کر دل ایک عجیب کیفیت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اور انسان پہ تھوڑی دیر کے لیے مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ انہوں نے ایثار و قربانی کی اپنے خونِ جگر سے جو تاریخ لکھی ہے وہ ہر زمانے میں سرشاری کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

حضور مجاہد ملّت کی شخصیت اختلافی نہیں تھی بلکہ انقلابی تھی۔ انہوں نے زمینوں میں بھی انقلاب برپا کیا اور دلوں میں بھی۔ وہ جہاں بیٹھ جاتے تھے انقلاب کا شور برپا ہو جاتا تھا۔ ان کی شخصیت کے خوف سے حکومتیں بھی سہمی رہا کرتی تھیں۔ وہ پوری دنیا کو گندی سیاست کے شکنجے سے آزاد کرانے کا بیکراں جذبہ رکھتے تھے۔ وہ حکومتوں کی پیشانیوں پر انسانیت کے خون کی سرخی دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو جاتے تھے۔ عوامی تعاون سے حکومتیں بنتی ہیں اور عوام ہی کا لہو چاٹتی ہیں۔ یہ ظلم و ناانصافی کی آندھیاں کب تک چلتی رہیں گی۔

وہ ظلم و ناانصافی کی پھیلتی ہوئی ٹہنیوں کو ان کی جڑوں سے کاٹ دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتوں کی جانب سے ان کی عزت افزائی کے لیے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ہر وقت تیار رہا کرتی تھیں۔ بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو وہ اپنے عشق کا سنگھار تصور کرتے تھے۔ وہ بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو دیکھ کر اس طرح خوش ہو جاتے تھے، جیسے بچھڑے ہوئے بچے ماں کو دیکھ کر۔ جب نجدی قاضی نے انھیں قتل کی دھمکی دی تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ حبیب الرحمٰن کا ایسا نصیب کہاں جو اپنے محبوب کے شہر میں قتل کیا جائے؟ ہم تو اسی شوق کی تلاش میں ہر روز تازہ وضو کر کے سفر کرتے ہیں۔ وہ ظالم حکومتوں کے لیے ہر روز یہی پیغام نشر کرتے تھے کہ ؎

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

حضور مجاہد ملّت کی ہم نے بہت زیارتیں کی ہیں بلکہ ان کی گود میں کھیلنے کی سعادتیں حاصل ہیں۔ ہمارے وہ خاندانی مربی تھے۔ گھر کا کوئی بھی اہم کام ان کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ والد ماجد ان کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ والدہ ماجدہ کو بھی ان کا دامن کرم حاصل تھا۔ والدہ ماجدہ کو وہ پیار سے بہو ماں کہتے تھے۔ ہم نے جب سے شعور کی دہلیز پہ قدم رکھا ہے اس وقت سے پندرہ سال کی عمر تک ان کے پاکیزہ جلوؤں کو اپنی آنکھوں میں سمیٹتے رہے۔ شخصیت فہمی کا شعور تو بالغ نہ تھا پھر بھی جب بھی انھیں دیکھتا تو احساس ہوتا کہ یہ کوئی بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے آتے ہی گھر میں نور کی بارش ہونے لگتی، گھر کے درودیوار خوشیوں میں نہانے لگتے۔ گھر کا ہر فرد ان کے قرب کی لذتوں کے حصول میں ایک دوسرے پہ سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کرتا۔ ان کے کرم کی چاندنی میں کوئی امتیاز نہ تھا، وہ سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنے کے قائل تھے۔ ان کی محفل نور وسرور میں بیٹھنے والا ہر شخص یہ خیال کرتا کہ اس وقت حضرت پورے طور پر میری سمت متوجہ ہیں۔ ان کا تو حال یہ تھا کہ جس سمت آ گئے ہیں سکّے بٹھا دیئے ہیں۔ ان کی ذات اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بے غبار آئینہ تھی۔ آئینے میں وقتی طور پر صورتیں چھپتی ہیں، مگر اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آئینہ وہ آئینہ ہے جس میں صورتیں بدل بھی جاتی ہیں۔ کیونکہ دنیوی آئینے میں صورتوں کو بدلنے کی صلاحیتیں نہیں ہوتیں۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آئینہ صورتوں کو نئی اٹھان دیتا ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ وطفیل حضور مجاہد ملّت کو بھی یہ قدرت حاصل تھی۔ وہ صورتوں کو اندر سے باہر تک بدل بھی دیتے تھے۔ بدلنے کے واقعات ہمارے خاندان میں بھی رونما ہوئے ہیں۔ خود ہمارے والد ماجد اس کی بہترین مثال ہیں۔ ایک مکتب کے طالب علم کو انہوں نے نازش جامعات بنا دیا۔ وہ سر سے پا تک علوم وفنون سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کی ذات پہ ملک کے جامعات کے اساتذہ کو بھی ناز تھا۔ خود میری ذات ان کے کرم کا آئینہ ہے۔ میں آج جہاں بھی ہوں اور جو کچھ بھی ہوں ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہوں۔ میں تو اکثر کہتا ہوں کہ تو

نے خرید کر مجھے انمول کر دیا۔ ان کا دامن کرم مل گیا یہی سب سے بڑی بات ہے ورنہ یہ زمانہ نہ جانے کتنی ٹھوکریں لگاتا۔ ان کے دامن کرم کا یہ ادنیٰ اعزاز ہے کہ ؎

نکرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے

یہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت، رفیع الدرجت، قاطع بدعت، امامِ عشق و محبت، فاتح عرب و عجم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریر کردہ نعت کا شعر ہے۔ مگر اس طرح کے بعض اشعار حضور مجاہد ملّت جیسی پاک باز شخصیات کے لیے بھی استعمال کرنا روا ہے۔ حضور مجاہد ملّت شریعت و طریقت کا آئینہ تھے۔ انہوں نے وہی کیا جس کی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے ان کو اجازت ملی۔ جس رہگذر پہ انہوں نے ان کی ناراضگی دیکھی ادھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رُخ پھیرلیا۔ ان کی زبان عشق مآب پہ ہر وقت یہ وظیفہ رقص کناں رہتا کہ ؎

جس طرف وہ نظر نہیں آتے
ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں

حضور مجاہد ملّت کی حیات کا مطالعہ اس بات اور یقین کو اعتبار عطا کرتا ہے کہ جب سے انہوں نے شعور کی دہلیز پہ قدم رکھا اس وقت سے قبر کی آغوش میں جانے سے پہلے تک قوم و ملّت اور ملک و وطن کی اصلاح میں سرفروشانہ انداز میں مصروف رہے۔ جو بات درست دیکھی اس کی حمایت بھی کی اور اشاعت بھی کی اور جن باتوں سے شرعی اصولوں سے متصادم ہونے کا احساس ہوتا اس کو سرے سے رد فرما دیتے۔ اس حوالے سے وہ کسی کی ناراضگی کا قطعی خیال نہیں کرتے۔ رضائے الٰہی و رضائے رسالت پناہی ﷺ کا حصول ان کا مقصد حیات تھا۔ وہ ہر شخص کو رضائے الٰہی و رضائے رسالت پناہی کے حصول کی دعوت دیتے۔ ان کا فرمان تھا کہ جو شرعی اصولوں پہ عمل کا حریص نہیں اس کی زندگی خاک زندگی ہے، اسے وہ اس مٹی سے تعبیر کرتے جس کا کوئی مصرف نہ ہو، جس میں قوتِ نمو نہ ہو اور جس میں سبزہ اُگانے کی صلاحیت نہ ہو۔ ان کی ذات اصلاح و ہدایت کے جذبے سے ہر وقت سرشار رہتی۔ جو اسماء

اسلامی مزاج کے خلاف ہوتے انھیں وہ اپنی زبانِ فیض مآب سے ادا کرنے سے گریز فرماتے۔ کتب ورسائل میں اس کی بکثرت نظیریں ملتی ہیں۔ ان کے اصلاحی احساسات کی اٹھتی ہوئی چند لہریں ذیل میں ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا شبنم کمالی صاحب (سابق پرنسپل مدرسہ امانیہ لوام، دربھنگہ) لکھتے ہیں:

> سیتامڑھی (بہار) میں ٹرین کی آمد کا انتظار تھا، ایک خوانچے والا ادھر سے آواز لگاتے ہوئے گذرا، رام دانے کی لائی۔ حضرت مجاہد ملّت نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا، تمہارے اطراف میں لوگ اپنے شہر، گاؤں اور کھانے کی چیزوں کے نام ایسا کیوں رکھتے ہیں، یہ غیر مسلموں کے عقیدۂ باطل کے مطابق ان کی دیوی اور دیوتا کے نام ہیں۔ حضرت راستے میں ہم لوگوں کے قریبی بس اسٹینڈ سے گذرے تھے جس کا نام رام کھتاری ہے، پھر بیچ میں شیوہر، رام پور کا ذکر آیا تھا۔ حضرت نے خود اپنی زبان سے ان کے ناموں کو دورانِ گفتگو کبھی نہ لیا۔ صرف اشارہ فرما کر رہ گئے۔ میں نے ادب کے ساتھ عرض کیا تھا حضور جہاں آپ اس وقت تشریف فرما ہیں یہ سیتا کی پیدائش کی جگہ ہے۔ پھر رام کی شادی اس سے ہوئی اس لیے ادھر اس قسم کے نام پائے جاتے ہیں۔ لیکن میرے اطراف میں بہت سے مواضعات اور شہر کے نام بڑے پیارے اور اچھے بھی ہیں جیسے کہ محمد پور، فیض پور، شریف پور، مقصود پور، اسلام پور، مدنی پور، مولانگر، مصراولیا اور مظفر پور۔ حضرت نے فرمایا ہاں یہ نام اچھے ہیں لیکن میرے کانوں میں ایک دو کے علاوہ زیادہ تر نام ایسے ہی آئے ہیں جو میں نے کہا، پھر حضرت دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے اس بات پر پوری توجہ رکھی، حضرت کی زبان پر وہ نام نہیں آئے جو پسندیدہ نہیں تھے۔ گویا احتیاط اور تقوے کی ایک عظیم مثال میرے سامنے آ گئی۔

مولانا موصوف حضور مجاہد ملت کے اتباعِ سنّت کے حوالے سے دوسرا واقعہ یوں بیان

فرماتے ہیں:

دربھنگہ ریلوے اسٹیشن پر نمازِ عصر کے بعد چائے پی جا رہی تھی، سب کے ہاتھوں میں پیالی اور طشتری تھی۔ حضرت چائے نوش فرما رہے تھے، اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی، میرے دائیں ہاتھ میں پیالی تھی اور بائیں ہاتھ میں طشتری تھی۔ چونکہ اس وقت مجھے جلدی بھی تھی اس لیے طشتری میں چائے ڈال کر بائیں ہاتھ سے پی رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا دونوں ہاتھ تو مشغول ہی ہیں۔ اگر بائیں ہاتھ میں پیالی رکھ کر دائیں ہاتھ سے طشتری کو لوں اور اس میں چائے ڈال کر پیوں تو دشواری ہے، پھر کپڑا خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بائیں ہاتھ کی طشتری کو دائیں ہاتھ کی پیالی سے ملا دو، پھر اس طرح ملا کر چائے پی لو۔ یہ بہت آسان ہے اور خلافِ شرع کے مرتکب بھی نہ ہوگے۔ اس دن سے آج تک وہ نصیحت مجھے یاد ہے اور میرا عمل بھی اکثر و بیشتر اسی ہدایت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس واقعہ نے مجھے یہ تاثر دیا کہ حضرت خلافِ شرع کسی معمولی بات کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے اور اپنے جذباتِ صادقہ کے مطابق فوراً ہی آگاہ فرما دیتے تھے۔ (نوائے حبیب مجاہد ملّت نمبر ص:۳۲۹)

حضور مجاہد ملّت کے احتیاطی مزاج کے حوالے سے حضرت مولانا عین الضحیٰ مصباحی صاحب بیان فرماتے ہیں:

پٹنہ میں ادارۂ شرعیہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وہیں مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا مقبول احمد خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کا پیغام زبانی یا مکتوبِ گرامی لے کر ایک مدرس ادارۂ شرعیہ کے دفتر میں آیا۔ جس کے مطابق حضرت مجاہد ملّت اور حضرت مفتیٔ اعظم کانپور قدس سرہما عازمِ دربھنگہ ہوئے۔ مہندرو گھاٹ پہنچے تو فجر کا وقت ہو چکا تھا، ٹکٹ لے کر اسٹیمر میں بیٹھ

گئے۔ کچھ نوجوان عالم نے کہا کہ نمازِ فجر ہو جاتی تو اچھا تھا۔ حضرت مجاہد ملّت نے فرمایا اسٹیمر کھلنے کے بعد نماز پڑھی جائے گی۔ چنانچہ جب اسٹیمر کھل گیا تو نماز ادا کی گئی۔ اسٹیمر کنارے لنگر انداز تھا۔ زمین پر استقرار نہیں تھا ایسی صورت میں جہاز سے اتر کر ٹکٹ گھر کے برآمدے میں نماز پڑھنی ہوگی۔ ایسی صورت میں اندیشہ تھا کہ نماز ختم بھی نہ ہو اور اسٹیمر کھل جائے۔ اس لیے احتیاط فرمایا کہ اسٹیمر دھارے میں آجائے جب ہی نماز ہو سکتی ہے اور اس میں دنیوی و دینی قباحت بھی نہیں۔

حضرت کے استاذ مکرم حضرت صدر الشریعہ ''بہارِ شریعت'' حصہ چہارم میں تحریر فرماتے ہیں:

''اور کشتی پر بھی اس وقت نماز جائز ہے جبکہ بیچ دریا میں ہو۔ کنارے پر نہیں ہو، اور خشکی پر آ سکتا ہو تو اس پر بھی جائز نہیں''۔

پس اس عمل سے ان کی اتباعِ شریعت کا پتہ چلتا ہے۔ رات بھر بیدار رہے، پھر وضو کر کے وقت کی نزاکت کی وجہ سے فوراً جہاز گھاٹ آ گئے کہ کہیں اسٹیمر نہ چھوٹ جائے۔ سوار ہو گئے اور جب جہاز کھل گیا تو نماز ادا کی۔ آج تو سفر میں نماز کا کیا ذکر جب حضر میں بھی آرام کی نیند سوئے ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کی احتیاط کے حوالے سے مولانا موصوف نے دوسرا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ حضرت مجاہد ملّت جاڑے کے موسم میں جب سردی نقطۂ عروج پر ہوتی تو بھی نماز پڑھتے وقت گرم چادر ہو یا کمبل اپنے جسم سے اتار دیتے اور پھر نماز کے بعد اوڑھ لیتے۔ حالانکہ اسے صرف احتیاط فی الدین ہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ ''بہارِ شریعت'' حصہ سوم میں مسئلہ اس طرح ہے، رومال، شال، رضائی یا چادر کے کنارے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں یہ ممنوع و مکروہِ تحریمی ہے۔ اور ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پہ ڈال دیا اور دوسرا لٹک رہا ہے تو حرج نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ لکھا ہے کہ کپڑے میں اس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ باہر نہ ہو مکروہِ تحریمی ہے۔ علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح کپڑے میں لپٹنا نہ چاہیے اور

خطرے کی جگہ سخت ممنوع ہے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے اس تشریح کے مطابق اگر کوئی ایسا کرے تو کراہت تحریمی ہوگی مگر اس سے بچتے ہوئے چادر، کمبل، رضائی کا ایک کنارا دوسرے مونڈھے پہ ڈال دے اور دوسرا لٹک رہا ہے تو کراہت نہیں۔ اسی طرح عموماً رضائی وغیرہ اوڑھی جاتی ہے، مگر حضرت مجاہد ملّت کی احتیاط نے گوارا نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ سہواً مکروہ کی صورت پیدا ہو جائے۔ یا ڈر ہے کہ چادر وغیرہ اوڑھنے سے ہاتھ باہر نہ رہ جائے تو کراہت کا ارتکاب ہو جائے اس لیے اوڑھتے ہی نہ تھے۔

مولانا موصوف نے حضور مجاہد ملّت کی احتیاط کا تیسرا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ حضرت مجاہد ملّت سنّت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت میں ہمیشہ تہبند استعمال فرماتے تھے۔ ایک روز آپ چند لوگوں کے ہمراہ الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شاہ محمد سلیمان سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ایک صاحب نے تجویز رکھی کہ پاجامہ زیب تن کرلیا جاتا تو اچھا تھا۔ (حضرت پاجامہ نہیں پہنتے تھے اگرچہ پاجامہ پہننا جائز ہے) آپ نے فرمایا کہ میں تہبند پہنتا ہوں پاجامہ نہیں پہنتا۔ اگر میں شاہ سلیمان کے پاس جانے کے لیے پاجامہ پہنوں پھر تہبند پہن کر نماز پڑھوں تو میری نماز مکروہ ہو جائے گی۔ اس مسئلہ کو ''بہارِ شریعت'' میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

کام کاج کے کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے، جبکہ اس کے پاس اور کپڑے ہوں، ورنہ کراہت نہیں۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ ثیاب بذلہ سے نماز مکروہِ تنزیہی ہو جاتی ہے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ کپڑے جسے آدمی اپنے گھر میں پہنتا ہے اور جسے پہن کر بڑے آدمیوں کے پاس نہیں جاتا ہے، ظاہر ہے یہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ یہ حضرت ممدوح کے احتیاط فی الدین کی روشن دلیل ہے۔ اسی ضمن میں مولانا نے چوتھا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

میری بستی میں تبلیغ سیرت کا جلسہ تھا، اس میں شرکت کے لیے حضرت مجاہد ملّت اور حضرت مفتیٔ اعظم کانپور رحمہما اللہ تعالیٰ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں مغرب کا وقت

ہو گیا۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ اور بھی عالم تھے۔ مجاہد ملّت نے نماز کے لیے سواری رکوا دی۔ ایک افتادہ زمین پہ صف بندی سے پہلے آپ نے جیب سے قبلہ نما نکالا، اس سے سمت قبلہ معلوم کر کے نماز کے لیے صف بندی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ نما ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ احتیاطاً سفر میں قبلہ نما سے سمت کعبہ درست کر کے نماز ادا کرتے۔ اگر چہ جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں سمت کے اشتباہ کا شائبہ نہ تھا۔ مطلع صاف، مقامی حضرات بھی موجود تھے مگر آپ نے دین کا جو صحیح تقاضا ہے اسی پر عمل کیا۔ یہ ہے دینی احتیاط اور مومنانہ اتقاء۔ جب سفر کی حالت میں یہ اہتمام تھا تو حضر میں عبادت کی کیسی شان رہی ہوگی۔ (نوائے حبیب مجاہد ملت نمبر)

حضور مجاہد ملّت شرعی ادب و احتیاط کی زندہ و تابندہ تصویر تھے۔ ہنگامی صورت میں بھی وہ شرعی اصولوں پہ عمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ ٹرین سے سفر ہو رہا ہے جب نماز کا وقت ہوتا ٹرین سے اتر جاتے اور باجماعت نماز ادا فرماتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ نماز ہوتی رہتی اور ٹرین چلی جاتی، پھر آپ دوسری ٹرین سے سفر فرماتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب تک آپ کی نماز پوری نہ ہوتی ٹرین رکی رہتی۔ اسٹیشن کے سارے عملے پریشان ہو جاتے۔ وہ انجن کو چک کرتے، ٹرین میں کوئی خرابی ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ جب حضور مجاہد ملّت پہ ان کی نگاہیں پڑتیں اور ان کے چہرے پہ مچلتے ہوئے نورِ ایمان کو دیکھتے تو سارا فلسفہ ان کی سمجھ میں آجاتا۔ حضور مجاہد ملّت کے حضور جا کر عرض کرتے، بابا جلدی کیجیے سارے مسافر پریشان ہیں۔ جب آپ اپنے احباب کے ساتھ ٹرین میں بیٹھ جاتے تو ٹرین چلنے لگتی۔ کتب و رسائل میں اس طرح کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ آج نااہل اور ناتجربہ کار مسند فقہ و فتاویٰ پہ بیٹھنے والے مسند فقہ و فتاویٰ کی عظمت و حرمت کا کھلے عام مذاق اڑا رہے ہیں۔ یہ بات متحقق اور متقین ہے کہ چلتی ٹرین میں کوئی بھی نماز نہیں ہوتی۔ جب وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے پھر فرض و واجب کا اعادہ کرے۔ راقم نے ایک بار چلتی ٹرین میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی تو تین بار گرتے گرتے بچا، یعنی کہ جسم کسی بھی اعتبار سے مستقیم نہیں ہوتا۔ چونکہ شریعت چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی، ٹرین کے چلنے کی صورت میں ٹرین کا رشتہ زمین سے ٹوٹ

جا تا ہے۔ نماز کے لیے ٹرین کا استقرار علی الارض ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تحقیق ہمارے سامنے ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ مسئلہ پورے طور پر واضح فرما دیا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ہماری تحقیق اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے خلاف نہیں ہے، یہ جہالت اور نادانی ہے۔ اگر حضور مجاہد ملّت حیات سے ہوتے تو ایسے ناتجربہ کار اور نااہل مفتی کا علمی وفقہی قد ناپ دیتے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت، حضور تاج الشریعہ، محدث کبیر اور دوسرے متدین مفتیانِ کرام وفقہائے عظام کی تحقیقات پہ سختی کے ساتھ عمل کریں۔

حضور مجاہد ملّت ان لوگوں کا شدت سے تعاقب کرتے جن کے فکر وعمل سے شریعت کی پیشانی داغدار ہوتی۔ آپ کی پوری زندگی اسی جذبے سے عبارت ہے۔ آپ اپنے عمل سے شریعت کو نہیں ناپتے بلکہ میزانِ شریعت پر اپنے عمل کو تولتے، شریعت سے اپنے عمل کی سند حاصل کرتے۔ جس رہگذر سے گذرنے کی شریعت اجازت دیتی اس پہ سفر کرتے اور شریعت جس سے روک دیتی اس کی طرف کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی شریعت کی متابعت کو ترجیح دیتے۔ آج بعض مفتیانِ زروجواہر تو دین وشریعت اور جماعتی تقدس سے کھیل ہی رہے ہیں۔ سب سے زیادہ آزادخیالی اور فکری آوارگی نام نہاد پیروں میں آ گئی ہے۔ وہ کھلے عام شرعی مزاج ومنہاج کا غیر شعوری طور پر مذاق اڑاتے ہیں، کیونکہ وہ شریعت وطریقت کو سمجھتے نہیں ہیں۔ پیری مریدی کے لیے علم کا جو پیمانہ متعین کیا گیا ہے، علم کا وہ متعینہ پیمانہ ان کے پاس نہیں ہے۔ انہوں نے مکتب و مدرسے کا کبھی چہرہ نہیں دیکھا۔ مدرسے میں گئے بھی تو سارا وقت اوباشی کی نذر کرتے رہے، درسگاہ میں بیٹھنے کے بجائے چائے خانوں وقہوہ خانوں میں دل بہلاتے رہے۔ عادتیں جب بگڑ جاتی ہیں تو مشکل ہی سے سدھرتی ہیں۔ ہاں! کوئی اہل دل مل جائے تو الگ بات ہے اور یہاں تو اہلِ علم، اہلِ دل اور اہلِ درد کی تعظیم وتوقیر کے جذبے سے دل خالی ہو چکا ہے۔ خود کو ہی سب سے بڑا اہلِ دل سمجھ بیٹھے ہیں، اصلاح کی ساری راہیں خود پر مسدود کر لی ہیں۔ صنف نازک کے ہجوم میں بیٹھ کر دل بہلانے کا رواج پیروں میں زور پکڑ رہا ہے۔ غیر محرم کے جسم کے کسی عضو کو دیکھنے کی بھی

شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اور یہاں تنہائی میں ان سے خدمتیں لی جارہی ہیں۔ ان سے ہنسی مذاق کا سلسلہ جاری ہے۔ مریدوں کو اسباق پڑھائے جارہے ہیں کہ فیضان کا دارومدار پیر کی خدمت پہ موقوف ہے۔ پیر کی وفاداری کامیابی کے دروازے کھولتی ہے۔ پیر کی وفاداری شرعی اصولوں کی روشنی میں ہو نہ کہ غیر شرعی اصولوں کی روشنی میں۔ اگر شرعی اصولوں کی روشنی میں ہوتی ہے تو منزلیں انسان کے قدموں میں سمٹ آتی ہیں ورنہ جہنم کا راستہ دونوں کے لیے کھلا رہتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی ذات اصولِ شریعت کی کتاب تھی۔ ان کے دامن تقدس پہ غیر شرعی عمل کا کوئی داغ دور دور تک نظر نہیں آتا۔ ان کا تو حال یہ تھا کہ اگر کسی کو غیر شرعی عمل کرتے ہوئے دیکھتے تو بروقت روک دیتے۔ پیری مریدی کی رسم ان کے ہاں بھی ملتی ہے۔ شرعی اصولوں کی توقیر کا ایک درس آموز واقعہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

اتباعِ شریعت کے معاملے میں حضرت مجاہد ملّت ایسی ایسی باریک باتوں کے عامل تھے جن کا عوام تو عوام خواص بھی خیال نہیں رکھتے۔ ۱۹۷۹ء کی بات ہے کہ فخر بہار حضرت مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمہ (حضرت مجاہد ملّت کے مرید و خلیفہ) کے عرس چہلم کے موقع پر برادر گرامی محمد نصیر الدین بیگ سہسرامی کے کچھ رشتہ دار حضرت مجاہد ملّت سے بیعت ہوئے ان میں ان کی اہلیہ بھی تھی، اس بیعت و ارشاد کے دو ڈھائی گھنٹہ کے بعد بیگ صاحب حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ نے تمام ارادت مندوں کو اپنا لعاب آلود تبرک عطا فرمایا مگر میری اہلیہ اس سے محروم ہے۔ کم از کم اس گلاس کا پانی ہی اس کے لیے پس خوردہ فرمائیں۔ قربان جائیے سرکار مجاہد ملّت رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، جواباً ارشاد فرمایا: نامحرم کا جوٹھا عورتوں کے لیے حرام ہے۔ بیگ صاحب ہزار عرض کرتے رہے مگر وہی ایک جواب کہ جس سے شریعت منع کرے اس کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ بالآخر آپ نے پانی دم کر کے واپس فرما دیا۔ اس طرح حضرت مجاہد ملّت زندگی بھر استقامت علی الدین کی دولتوں سے معمور و سرفراز رہے اور اسلامیانِ عالم کو الاستقامۃ

فوق الکرامۃ کی عملی تفسیر بتاتے رہے۔ (نوائے حبیب مجاہد ملّت نمبر ص: ۳۲۸/۳۲۷)

حضور مجاہد ملّت کی پوری زندگی عمل، احتیاط اور اتباعِ شریعت کے نور سے روشن و منور تھی اور آپ کی دعوت و تبلیغ کا محور و مرکز بھی یہی تھا۔ آپ ایمان و عقیدے کی بستی میں دھواں اور کسی طرح کی آلودگی دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔ جہاں دھواں اور آلودگی نظر آتی، آپ وہاں اپنے خرچ سے پہنچ جاتے اور جب تک ماحول صاف و شفاف نہیں ہو جاتا، اس وقت تک آپ وہاں خیمہ زن رہتے۔ آپ ان عناصر کا بھی شدت سے تعاقب فرماتے جن سے مذہب و مسلک کی شفافیت کو خطرہ لاحق ہوتا۔ یہ بات درست ہے کہ درد کا کوئی پیکر نہیں ہوتا، کوئی جسم نہیں ہوتا اور اس کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی ملّی درد کو کوئی محسوس پیکر میں دیکھنا چاہے تو وہ حضور مجاہد ملّت کو دیکھ سکتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت شریعت و طریقت کا بے غبار آئینہ تھے۔ فرائض و واجبات، سنن و نوافل تو ایک طرف مستحبات کے باب میں بھی ان کے ہاں غفلت نہ تھی۔ ان کے اپنے مخصوص معمولات تھے۔ طوفانی ماحول میں بھی وہ اپنے معمولات کو ترک نہیں کرتے، ان کے القاب و آداب میں تارک الدنیا بھی ایک لقب ہے۔ ان کی حیات کی ہر سانس سے اس لقب کی صداقت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ وہ بے حساب دولت و ثروت کے تنہا مالک تھے۔ انہوں نے اپنی بے پناہ دولت کی سمت کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنی ساری دولت کو دین و شریعت کے فروغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی ذات دولت کی حریص نہ تھی بلکہ دولت کو دین کی راہ میں خرچ کرنے کی حریص تھی۔ ان کے عمل کا جذبہ کبھی سرد نہیں ہوا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بھی بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ وہ اپنے ہر عمل کو میزانِ شریعت پہ رکھتے تھے اور دیکھتے تھے کہ اس حوالے سے شریعت کا رُخ کیا ہے۔ شریعت کا مزاج سمجھے بغیر وہ کوئی عمل نہیں کرتے تھے۔ ان کا تو وظیفۂ حیات تھا انھیں جانا، انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام۔

سائنسی ایجادات و تحقیقات نے انسان کو سہولت پسند بنا دیا ہے۔ سہولتیں بڑھتی جا رہی ہیں، انسان مصروف ہوتا جا رہا ہے۔ مہینوں کا سفر گھنٹوں میں ہو رہا ہے، پھر بھی انسان کی

مصروفیت بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم اپنے گھر کے لیے، اپنے بچوں کے لیے، اپنے والدین کے لیے اور اپنے پڑوسیوں کے لیے وقت نہیں نکال پا رہے ہیں، ہم اپنے گھر کے حقوق، اپنے بچوں کے حقوق، اپنے والدین کے حقوق اور اپنے دوست احباب کے حقوق پورے نہیں کر پا رہے ہیں۔ ہم نے اپنوں سے تو خود کو دور کر ہی رکھا ہے، شرعی اصولوں سے بھی دور ہوتے جا رہے ہیں۔ شریعت نے مناصب و مراتب کے اعتبار سے ہر شخص کے حقوق متعین کر دیئے ہیں۔ ان میں سب سے مقدم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں بے توجہی، غفلت اور سستی کا شکار ہوگا وہ اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کیسے کر سکے گا؟ بارگاہِ الٰہی و بارگاہِ رسالت پناہی کی وفاداری سے انسان صاحبِ توقیر، صاحبِ عزت اور صاحبِ کرامت ہو جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل کے التزام و اہتمام کی برکتوں سے انسان رحمت الٰہی کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرائض و واجبات اور سنن و نوافل کی اہمیت و افادیت تو اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ان کی ادائیگی تو بہرصورت ہم پہ لازم وضروری ہے۔ مگر اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو مستحبات کی ادائیگی میں بھی غفلت کے شکار نہیں ہوتے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ مستحبات کی ادائیگی سے محبوبیت و مقبولیت کا دائرہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کو عظمتیں، رفعتیں اور وسعتیں جھک کر سلام کرتی تھیں، اصولِ شریعت پہ عمل کی برکتوں نے انھیں فلک نشین بنا دیا تھا۔ ان کی خلوت وجلوت سے شریعت نوازی کی کرن پھوٹتی تھی۔ ہمارے بہت سارے افعال و اعمال ایسے ہوتے ہیں جن میں مزاجِ شریعت کا ہم لحاظ نہیں کر پاتے۔ مگر حضور مجاہد ملّت اپنے ہر عمل کی سند شریعت سے حاصل کرتے تھے۔ ہمارے اعمال فسادِ نیت کے شکار ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال خلوصِ نیت کے نور سے منور ہوتے تھے۔ ہمیں اپنی سیہ بختیوں کا احساس نہیں ہے، وہ اپنی نیک بختیوں پہ بھی اشک ریزی کرتے تھے۔ ان کی سانسوں سے شریعت دوستی کا زمزم ٹپکتا تھا۔ پھر بھی خوف و خشیت سے ان کا وجود ہراساں رہتا تھا۔ ان کی نگاہ ہر وقت حدودِ شریعت اور حصارِ شریعت پہ

ہوتی تھی۔ ہمیں اپنی ذات کا عرفان نہیں ہے، وہ عرفانِ الٰہی کی چاندنی میں سفر کرتے تھے۔ ہمارا وجود زمین پہ بوجھ بنا ہوا ہے اور ان کی ذات ایسی اعلیٰ وارفع ذات تھی کہ زمینیں ان کے قدموں کا بوسہ لیا کرتی تھیں۔ وہ مکرم تھے زمانے میں عاملِ قرآن ہوکر اور ہم خوار ہوئے جاتے ہیں تارکِ قرآں ہوکر۔

حضور مجاہد ملّت کے جدِّ اعلیٰ قطب وقت حضرت شیخ صادق علی شاہ نے بھدرک کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا۔ ان کے دم قدم سے بھدرک کی سرزمین اسلام کے نور سے سرفراز ہوئی۔ ان کی دینی، ملّی اور علمی خدمات کے آثار اب بھی روشن ہیں۔ ان کے مزارِ پاک پہ انوار وتجلیات کا ہر وقت ڈیرا رہتا ہے۔ پیاسے سیراب ہوتے ہیں، بھوکے آسودہ ہوتے ہیں اور مریضانِ روح کو تسکین کی دولتیں ملا کرتی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کے لیے دھام نگر اور بھدرک میں کوئی فرق نہ تھا۔ خاندان کی مکرم، محترم اور معزز امانتیں دونوں جگہ موجود ہیں۔ دھام نگر میں بھی ان کے آباء کی آرام گاہیں ہیں اور بھدرک میں بھی۔ جس طرح دھام نگر کو ان کے قدموں کی خیراتیں ملی ہیں اسی طرح بھدرک میں بھی ان کے قدموں کی خیراتیں خوب بٹی ہیں۔ جب حضور مجاہد ملّت بھدرک میں ہوتے تو راقم کو ان کے جلوؤں میں نہانے کے خوب مواقع ملتے۔ جب عمر چھوٹی تھی تو والد ماجد کی انگلی پکڑ کر ان کے حضور حاضر ہوتا اور جب شعور میں تھوڑی پختگی آ گئی تو خود سر کے بل ان کے دربارِ دُربار میں حاضر ہو جاتا۔ ان کے روئے تاباں کی زیارت سے آنکھوں کے نور میں اضافہ ہو جاتا اور دل کی کثافتیں دھل جاتیں۔ ان کے چہرے پہ ہر وقت نور کی بھینی بھینی بارش ہوتی رہتی۔ طبیعت ان کی زیارت سے آسودہ ہوکے بھی ناآسودگی کی شکایت کرتی۔ ان کے قرب میں جو لذتیں ملتیں انہیں ہم لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ حالات کے ستائے ہوئے ان کے قرب میں آ کر ہر غم سے بے نیاز ہو جاتے۔ مظلوموں کے لیے ان کی ذات سائبانِ رحمت تھی۔ مظلوموں، مفلسوں اور پریشاں حالوں کو ان کی نگاہیں ڈھونڈتی تھیں۔ سوال کرنے میں ذلت ہے اور عطا کرنے میں عزت ہے۔ وہ اپنی ذات کے لیے کبھی

کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے سائلوں کو نوازنے کی عادت اختیار فرمارکھی تھی۔ وہ اللہ اور اس کے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہوں کے سوالی تھے۔ ان بارگاہوں میں ان کی مقبولیت اور محبوبیت دونوں مسلّم تھی۔

ہر انسان فطرت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ عادتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ خواہشات اور ترجیحات میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے۔ ان کا وجود اسلامی اصولوں کا بے غبار آئینہ تھا۔ وہ جاگتے تھے تو دین کی سرفرازی کے لیے اور سوتے تھے تو دین کی سربلندی کے لیے۔ مگر دین و دنیا دونوں کے معاملے میں ان کی ترجیحات تھیں۔ بعض چیزیں انھیں محبوب بھی تھیں اور بعض چیزیں انھیں مبغوض بھی تھیں۔ انھیں خاص اڑیسہ کے بعض آم بہت پسند تھے اور آم کے موسم میں اس کا شوق سے استعمال فرماتے تھے، مچھلیوں میں بھی بعض مچھلیاں انھیں پسند تھیں، ہلسا مچھلی وہ شوق سے کھاتے تھے۔ اگر کہیں دعوت میں یہ مچھلی ہوتی تو آپ خوشی کا اظہار فرماتے۔ وہ ہر معاملے میں شریعت اور سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بہر صورت پاس و لحاظ رکھتے۔ دھام نگر شریف میں ایک صاحب تھے اللہ رکھا نام کے، انھیں آپ سے بڑی محبت تھی۔ ویسے جن کے دلوں میں اللہ اور اس کے حبیب آقائے کائنات سرورِ دوعالم احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی محبت کا چراغ روشن ہوتا وہ آپ سے ضرور محبت کرتے۔ اللہ رکھا صاحب کی شدید خواہش ہوتی کہ حضرت اپنے قدموں کی برکتوں سے میرے گھر کو نور بار کرتے رہیں۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ گاہے بگاہے آپ کی دعوت کرتے۔ ایک بار جب آپ اللہ رکھا صاحب مرحوم کے گھر دعوت پہ تشریف لے گئے تو دسترخوان پہ ہلسا مچھلی بھی نظر آئی۔ مچھلی دیکھ کر آپ کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ مچھلی شوق سے تناول فرماتے رہے۔ آخر میں پیالے میں کچھ شوربا بچ گیا۔ آپ نے صاحبِ خانہ سے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں یہ شوربا پی جاؤں۔ صاحبِ خانہ نے عرض کیا کہ حضور اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گھر آپ کا ہے، آپ مختار ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بغیر اجازت کے شوربا پینا ہمارے لیے شرعاً درست نہیں ہے۔ آپ نے کھانے

کی دعوت دی تھی، شوربا پینے کی نہیں۔ حضرت کی اس شرعی احتیاط پہ شریکِ محفل سب کے سب حیران ہوگئے۔ انھیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر شوربا پینا درست نہیں ہے۔ میرے علم کے مطابق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے ''الملفوظ شریف'' میں اس مسئلے کی وضاحت کی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے طبعی اعتبار سے انسان کو مختلف الخیال بنایا ہے، ہر انسان کا شوق ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کوئی گوشہ نشینی کو پسند کرتا ہے تو کوئی انجمن آرائی کا شوقین ہوتا ہے۔ کوئی اہلِ علم ومعرفت کے ہجوم میں رہنا چاہتا ہے، تو کوئی لہو ولعب میں مست و بے خود رہتا ہے۔ کوئی شرعی اصولوں کی روشنی میں زندگی گذارنا چاہتا ہے تو کوئی اس کے برعکس بھی جینا چاہتا ہے۔ طبیعتیں اور خواہشیں مختلف ہوتی ہیں، مگر جس انسان کی خواہشیں شرعی اصولوں کے زیرِ اثر ہوتی ہیں وہ ہر اعتبار سے قابلِ احترام ہوتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے ہاں بھی بعض چیزوں کا شوق ملتا ہے۔ ان کا ہر شوق شریعت پاسدار تھا۔ ان کے ہر شوق سے شرعی اصولوں کے احترام کی کرن پھوٹتی تھی۔ ان کے ہر شوق سے حاضرین وسامعین کے لیے عبرت ونصیحت کا کوئی نہ کوئی پہلو نکل آتا تھا۔ آپ کی رئیسی شہرت رکھتی ہے۔ جو لوگ رئیس ہوتے ہیں انھیں زندگی کی ساری سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی اپنی مسجد ہوتی ہے، محل کے حدود میں تالاب ہوتا ہے اور ان کی اپنی عدالتیں ہوتی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کو مذکورہ ساری سہولتیں حاصل تھیں مگر آپ نے ان سہولتوں کا کبھی استعمال نہیں کیا۔ ایک عام مصلی کی طرح آپ اپنی خاندانی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتے۔ عوامی فیصلوں کے لیے آپ کے پاس بہت بڑا دالان تھا اور مچھلی پالنے کے لیے دروازے پر بہت بڑا تالاب بھی تھا۔ آپ کو تالاب میں غسل کرنے کا بہت شوق تھا۔ جب کہیں آپ تشریف لے جاتے اور تالاب نظر آتا تو آپ اس میں غسل کرنے کے شوق کا اظہار فرماتے۔ ایک بار آپ میسا کے تحت جیل سے رِہا ہوئے تھے۔ ایک ماہ تک آپ کا قیام بھدرک میں رہے گا، دھام نگر شریف آپ نہیں جاسکتے، حکومت کی طرف سے آپ پر پابندی

تھی۔ بھدرک میں آپ کا قیام ہم غربائے اہلِ سنّت کے لیے بہت بڑی نعمت تھی۔ راقم کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نمازِ ظہر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور دیر رات گئے اپنے والد ماجد مفتئ اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس علیہ الرحمہ کے ہمراہ گھر واپس ہوتا۔ اس قیامِ بھدرک کے دوران ہم نے حضرت کی خوب خدمت کی اور حضرت کی خصوصی عنایات ونوازشات سے شادکام ہوئے۔ حضرت کا جہاں قیام تھا قریب ہی میں ایک کشادہ تالاب بھی تھا۔ حضرت نے اس تالاب میں نہانے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ تالاب کے کنارے بانس کی ایک گھنی کوٹھی تھی۔ بانس کی بہت ساری ٹہنیاں تالاب پہ سایہ کیے ہوئی تھیں، راقم حضرت کے ساتھ تھا۔ نہانے کے دوران حضرت کی نگاہ بانس کی ٹہنیوں پر پڑی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بانس کس کا ہے۔ تالاب کے مالک نے عرض کیا کہ یہ بانس آپ کے خادم کا ہے۔ حضرت نے پھر فرمایا کہ مجھے مسواک کرنے کی خواہش ہو رہی ہے، کیا اس سے ایک مسواک توڑنے کی اجازت ہے۔ بانس کے مالک نے عرض کیا کہ حضور یہ بانس آپ کے خادم کا ہے، اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بغیر مالک کی اجازت کے مسواک توڑنا ہمارے لیے جائز نہ ہوگا۔ حضرت کا ارشادِ حق ترجمان سن کر راقم بہت دیر تک سوچتا رہا، کہ ایسے ہی پاکانِ امّت کے وجودِ مسعود سے دین وشریعت کا بھرم قائم ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے اتباعِ سنّت واحتیاط کے حوالے سے کتب ورسائل میں بے شمار واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر صاحب نے ایسے کئی واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> ٹیلیگرام کے سلسلے میں ہمیشہ یہی رواج رہا ہے کہ اس کے مضمون کو بہت نپا تلا اور مختصر رکھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کو یہ اطلاع دینی ہے کہ میں وکرم شیلا گاڑی سے پہنچ رہا ہوں تو تار کے اعتبار سے بہت کافی ہے۔ مگر شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے کہ حضرت ریچنگ سے پہلے انگریزی میں ان شاء

اللہ بھی لکھوایا کرتے تھے لیکن چونکہ پروگرام کے مطابق تار ہمیشہ دوسرے ہی افراد دیا کرتے تھے۔ اس لیے ممکن ہے بہت سے تاروں میں ان شاء اللہ نہ دکھائی دیتا ہو۔ مگر ایک موقع پر جب حضرت نے ابی المکرم سے انگریزی مضمون بنانے کو کہا تو اپنے سامنے ان شاء اللہ کا بھی اضافہ کرایا۔ یہ ہے ایک سچے ولی کی احتیاط اور عالمانہ ذمہ داری کہ اللہ جانے پہنچیں نہ پہنچیں ان شاء اللہ تو لکھوا دیں۔

انگریزی حکومت کے زمانے میں ہر کارڈ اور اسٹامپ پر ملکۂ وکٹوریہ، ملکہ الزبیتھ، جارج پنجم اور لارڈ ریڈورڈ وغیرہم کی تصویریں ضرور چھپتی رہتی تھیں۔ مجاہد ملّت کا معمول تھا کہ کارڈ پر پتہ لکھتے وقت اس کو الٹ دیا کرتے تھے، تاکہ تصویر کے اعتبار سے تصویر الٹی ہوئی دکھائی دے۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں حضور صدر الشریعہ کے نام لکھا ہوا خط دستیاب ہوا تو اس میں بھی یہی بات نظر آئی۔ وہ خط اس نمبر میں شامل ہے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ نماز پڑھتے وقت جیب میں روپیے رکھتے اور نہ کلائی پر گھڑی باندھے رہتے، ساری چیزیں صدری کی جیب میں رکھ کر صدری اتار دیتے اور پھر نماز ادا کرتے۔ اسی عالم میں صدری کی جیب سے نہ جانے کتنی بار ہزاروں کی رقم نکل گئی، مگر مجاہد ملّت نے اس کی چھان بین تک نہ کرائی۔ ہر نماز کے بعد حضرت کافی دیر تک وظیفہ بھی پڑھنے کے عادی تھے، اور رات کا اکثر و بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں گذار دیا کرتے تھے۔ قوم کی فلاح و بقا اور سرخ روئی کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔

ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر صاحب نے حضور مفتیٔ اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کے حوالے سے ایک انتہائی عبرت آموز واقعہ لکھا ہے، آج کے اس پُر آشوب اور پُر فتن دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ حضور مجاہد ملّت اپنے بڑوں کے حضور کتنے مؤدب تھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آج اپنے بڑوں کے احترام کا جذبہ دلوں سے رخصت ہو چکا ہے، چھوٹے اپنے بڑوں کی عظمتوں سے الجھ رہے ہیں۔ بڑوں کی ذات میں، ان کی تحقیقات و تصنیفات میں خامیاں

ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کی ذات سراپا ادب اور نیاز تھی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

چند سال پہلے حضور مفتیٔ اعظم ہند الٰہ آباد تشریف لائے اور اپنے مرید جناب الحاج رحمت اللہ صاحب عرف عیدو بھائی کے مکان پر قیام فرما ہوئے۔ اسی دوران حضور مجاہد ملّت بھی الٰہ آباد تشریف لائے۔ حضرت کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند بھی تشریف لائے ہوئے ہیں تو فوراً ملاقات کو تشریف لے گئے اور پہنچتے ہی سلام عرض کیا اور دست بوسی بھی کی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند نے بڑی محبت سے حضرت کو مسند کے قریب بٹھایا۔ مجاہد ملّت آپ کی طرف رُخ کرتے ہوئے ترچھے ہوکر بیٹھ گئے۔ دفعتاً مفتیٔ اعظم ہند نے اپنے دست مبارک سے حضور مجاہد ملّت کے تلوؤں کو مس کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا کبھی ہم کو بھی تو چوم لینے دیا کیجیے۔ اتنا سننا تھا کہ مجاہد ملّت کے جذبات میں ایک طرح کی تبدیلی پیدا ہوئی، پھر ایسی رقت طاری ہوئی کہ مفتیٔ اعظم کے زانو پر سر رکھ کر رونے لگے اور بہت دیر تک روتے رہے، حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بھی آنکھیں آنسو برسانے لگی تھیں۔ جذبات واحساسات کی یہ روحانی فضا کافی دیر تک قائم رہی۔ وہاں پر موجود سارے عقیدت مندوں کی آنکھیں تر ہو چکی تھیں۔ اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے سے کتنی گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور کتنا چاہتے مانتے تھے۔

(ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر، ناشر آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر ص:۱۰۸)

شرعی پاسداری، طریقت دوستی اور صوفیت پسندی حضور مجاہد ملّت کی خصوصیات ہیں۔ ان کی ولادت شریعت پاسدار، طریقت دوست اور صوفیت پسند خصلتوں، عادتوں اور طبیعتوں پہ ہوئی تھی۔ وہ اپنے جدِّ اعلیٰ کی بشارتوں کا محسوس پیکر تھے۔ حضرت صادق علی علیہ الرحمہ نے آپ کے نانا جان سے خواب میں فرمایا تھا کہ صاحب زادی سے کہہ دو کہ بچہ پیدا ہوگا جو تارک الدنیا ہوگا، دوامی وعوامی شہرت کا حامل ہوگا اور میری فقیری کو زندہ کرے گا۔ آپ کے

جدِّ اعلیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کے حوالے سے جو بشارتیں دی تھیں، ان بشارتوں کا حرف حرف آپ کی ذات پہ صادق آتا ہے۔ آپ کی ذات ان بشارتوں کا آئینہ ہے۔ آپ بچپن ہی سے اصولِ شریعت کی رعایت فرماتے تھے۔ شرعی احکام بہت بعد میں آپ کی طرف رجوع ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ قدرت جس کو چاہتی ہے اس کی ابتدا ہی سے حنابندی کرتی ہے۔ آپ اپنے بڑوں کی طرف سے ممانعت کے بعد بھی چھوٹی عمر ہی سے روزے کا اہتمام کرنے لگے تھے۔ آج کا حال یہ ہے کہ بڑے لوگ روزہ رکھنے سے گھبراتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ ان کے لیے آفت جان ہوتا ہے، ان کی طبیعت ہوتی ہے کہ اس مبارک ماہ کا چہرہ دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ مگر جو لوگ اہلِ عشق وعرفان کی طبیعت لے کر پیدا ہوتے ہیں ان کا پوچھنا ہی کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی عمر چار سال کی تھی، موسمِ گرما میں رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوا۔ آپ نے روزہ رکھ لیا۔ دوپہر کے بعد والد ماجد سے آپ کی حالت دیکھی نہ گئی۔ جس کمرے میں افطار کا سامان سجا ہوا تھا۔ آپ کو آپ کے والد ماجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ اس کمرے میں لے گئے اور فرمایا کہ بیٹے فیرنی کھالو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں تو روزہ سے ہوں۔ والد ماجد نے فرمایا کہ بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے دروازہ بند کر دیا ہے، کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ ہم نے جس کے لیے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ آپ کے اس اندازِ عرض گذاری کو دیکھ کر والد ماجد نے آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

حضور مجاہد ملّت کے بچپن میں روزہ رکھنے کا ایک عبرت آموز واقعہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

> ابھی حضرت کی عمر ۹ر سال کی پوری ہوئی تھی، کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تعلیم وتربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ مکرمہ کلیمہ خاتون اور حقیقی ماموں حضرت ملّا ابرار الحق صاحب مرحوم پر عائد ہوئی۔ والد ماجد کی بات کا کسی کو خیال نہیں رہا اور لوگوں نے انگریزی تعلیم شروع کرادی۔ ملّا ابرار الحق

صاحب مرحوم حضرت کو لے کر کٹک چلے آئے اور ایک انگریزی اسکول میں داخل کر کے اپنی نگرانی میں تعلیم حاصل کرانے لگے۔ مگر انگریزی کی طرف حضرت کی فطرت نے ساتھ نہ دیا۔ دینی علوم کی جانب طبیعت زیادہ راغب رہی۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ حضرت نے ۹ رسال کی عمر سے روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ رمضان المبارک سے قبل معیادی بخار کا حملہ ہو چکا تھا۔ اتنا سخت حملہ کہ خود حضرت کا بیان ہے کہ مجھے کئی دنوں کے بعد ہوش آیا تھا۔ نقاہت کا پورا پورا احساس تھا مگر ماہِ صیام آیا تو میں روزے بھی رکھنے لگا۔ چھوٹی سی عمر اور کمزوری کو دیکھ کر آپ کے ماموں ملّا ابرار الحق نے تاکید بھی فرمائی کہ تم روزہ رکھنے کے قابل نہیں ہو، روزہ مت رکھو۔ اسی لیے سحری میں آپ کو کوئی جگاتا ہی نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی آپ خود سے سحری کے وقت جاگ جاتے اور چپکے سے سحری کر کے روزے کی نیت کر لیتے۔ خفیہ طور سے آپ نے ایک خادم کو تاکید کر دی تھی کہ تم مجھے سحری کے وقت خاموشی سے جگا دیا کرنا، خادم آپ کو جگا دیا کرتا۔ جب کبھی اس کو جگانے کا مناسب موقع نہ ملتا اور خود حضرت بھی بیدار نہ ہو پاتے تو بغیر سحری بھی روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ اور یہ واقعہ برابر پیش آجایا کرتا تھا۔ رمضان کے روزے سے حضرت کی علالت میں اور اضافہ ہوا۔ عید کی شام کو آپ پر گرمی کا اتنا شدید اثر نمایاں ہوا کہ ضعف و نقاہت کے سبب خلل دماغ سا بھی ہو گیا۔ عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ اس کا باقاعدہ علاج ہوا اور کافی دنوں کے بعد طبیعت و صحت اپنے معمول پر آئی۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مجاہد ملّت نمبر آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف ص:۶۸ / ۷۹)

حضور مجاہد ملّت کا بچپن ہی سے یہ وظیفۂ حیات تھا، ہر ظلم و جفا گوارا ہے، اے میرے مولیٰ اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے۔ یہ وظیفہ وہی شخص پڑھ سکتا ہے جس کے خمیر میں ولایت و کرامت شامل ہو۔ انہوں نے خوف و خشیت، عشق و عرفان اور جرأت و بے باکی کی نئی

تاریخیں لکھی ہیں۔ جب ان کے حالاتِ زندگی، ان کی ذات کے ساتھ وابستہ واقعات و حادثات کا ایک دردمند قاری مطالعہ کرتا ہے تو جذبات میں اس کی آنکھیں ساون بھادو برسانے لگتی ہیں۔ خوف جس کا نام ہے یہ لفظ حضور مجاہد ملّت کے لغت میں نہیں تھا اور اس سے ملتے جلتے الفاظ بھی نہیں تھے۔ ان کی جرأت و بے باکی کے حوالے سے بہت سارے واقعات کتب و رسائل میں ملتے ہیں، جنھیں پڑھنے کے بعد ایک قاری گھنٹوں سوچتا رہتا ہے۔ ذیل میں ایک عبرت آموز اور نصیحت بردوش واقعہ ملاحظہ کریں۔

حضرت قاری (مقبول) صاحب قبلہ حبیبی الہ آبادی جو ۱۹۵۹ء کے حج میں حضرت کے ہمراہ تھے، بتاتے ہیں کہ ہم لوگ مکہ معظّمہ میں چار جمعہ تک مقیم رہے اور حضرت نے مسجد حرام میں ہر بار الگ ہی نمازِ جمعہ قائم فرمائی۔ پہلے جمعہ کا واقعہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ ختم ہونے کے بعد حضرت کے ساتھ ہم چند افراد مسجد حرام گئے اور حضرت ہم سے فرمانے لگے چلو خطبہ دو اور نماز پڑھاؤ۔ اگر خطبہ مختصر دینا چاہتے ہو تو خطبۂ اولیٰ میں **بسم اللہ الحمدللہ سبحان اللہ** کہہ کر ختم کر دینا۔ اور دوسرے خطبے میں صرف درود شریف پڑھ دینا۔ قاری صاحب کی جرأت نہ ہوئی، فرمانے لگے حضور! آپ کی موجودگی میں ہم خطبہ دیں اور نمازِ جمعہ پڑھائیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے کئی بار اصرار فرمایا مگر قاری صاحب ہر بار یہی کہتے رہے۔ بالآخر حضرت خود ہی پورے آب و تاب کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور مکمل اطمینان و سکون کے ساتھ ''خطباتِ رضویہ'' کے دونوں طویل خطبے پڑھے، اور لمبی لمبی سورہ کے ساتھ نمازِ جمعہ پڑھائی۔ اسی انداز سے چاروں بار نمازِ جمعہ ادا کی گئی، جس میں کافی لوگ شریک ہو جایا کرتے تھے۔ یہ ہے شیر دل مجاہد کی ہمت اور اس کا جذبۂ ایمانی جو مسجد حرام میں علی الاعلان نمازِ جمعہ قائم کرتا رہا اور نجدی حکومت میں بلاخوف و خطر حق کا پرچم بلند کرتا رہا۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مجاہد ملّت نمبر آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف ص:۱۰۹)

حضور مجاہد ملّت ہر زاویے سے شیر ملّت تھے۔ وہ نام کے شیر ملّت نہ تھے، ان کے بے شمار کام اور اندازِ زندگی سے جرأت مومنانہ کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض افراد مرے ہوئے سانپ

پر لاٹھی برسا کر شیر ملّت بن جاتے ہیں۔ حقیقت اور فسانے میں فرق ہوتا ہے۔ کربلا دیکھا نہیں ہے اور نائب امام حسین بننے کا شور مچا رہے ہیں۔ عوام کھرے کھوٹے کو خوب سمجھتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی کتابِ حیات کے کسی ورق پر آج تک کسی کو انگلی رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے۔ ان کی بہادرانہ، مجاہدانہ اور بے باکانہ زندگی پر اہلِ درد اشک ریزی کر رہے ہیں اور اپنے نصابِ حیات میں اسے شامل کر رہے ہیں۔ ان کی ذات سے منسلک ہر واقعہ اپنے اندر جہانِ عبرت رکھتا ہے۔ ان کی صبح و شام نشانِ منزل ہے۔ ان کی سانسوں کی خوشبو سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی خلوت وجلوت سے جو کرن پھوٹتی ہے اس سے اہلِ شریعت وطریقت سمت سفر متعین کرتے ہیں۔ ان کے دریائے کرم سے سیراب و فیضیاب ہونے والوں کی اتنی طویل فہرست ہے کہ فہرست سازی کی جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ ان کے علمی، فکری اور روحانی فیضان کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ تشنہ کاموں کی سمندر کے کنارے بھیڑ لگی ہوئی ہے، جس کو پینا نہیں آتا ہے اسے اپنے ہاتھوں سے پلاتے ہیں۔ جنھیں لینا نہیں آتا اسے لینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں اور جنھیں چلنے کی سکت نہیں جام و مینا اس کے گھر لے کر پہنچ جاتے ہیں، وہ کرم کا بادل ہیں جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں جا کر برس جاتے ہیں۔ ان کی ذات برسنا بھی جانتی ہے، چھلکنا بھی جانتی ہے اور گرجنا بھی جانتی ہے۔ وہ تا حیات انسانی معاشرے کی عزت و وقار کی علامت بنے رہے، انھوں نے اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن اور اسلامی روایات کو جو تحفظات دیے ہیں ان کا عہد اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بے نور آنکھیں انھیں دیکھ کر روشن ہو جاتی تھیں، مغموم چہرے مسکرانے لگتے تھے اور تاریک وادیاں نور بدوش ہو جایا کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنی ہر روش سے زمانے کو شیر ملّت ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کی ذات سر سے پا تک شرعی اصولوں کی پابندی کے نور میں ڈھکی ہوئی تھی۔ ہم تو ان کے کردار و عمل کی ظاہری لہروں کو دیکھ کر ان پہ فریفتہ ہیں، اگر ہم باطنی لہروں کو دیکھ لیں تو روز ان پہ اپنی جان نچھاور کرتے نظر آئیں گے۔ جانھوں نے ان کے علم و عرفان کی باطنی لہروں کو قریب سے دیکھا ہے وہ تا حیات ان کے قدموں سے چمٹے

رہے۔ تاریخ کے سینے میں ایسی بہت ساری نظیریں ملتی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات کا ہر پہلو گہری بصیرت چاہتا ہے۔ ان کی ذات کو صحیح انداز میں سمجھنے کے لیے ہمارے پاس دل ہے نہ دماغ۔ ہم ان کے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی رفتار اتنی تیز ہے کہ وہ بہت جلد ہماری بے نور نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ ان کی حیات کے تابندہ، رخشندہ نقوش جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں، انھیں سمیٹنے کا سلیقہ اور حوصلہ چاہیے۔ ہم نے کام کا آغاز کر دیا ہے، منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ان کی روحانی دستگیری چاہیے۔ ہماری کتابِ حیات کا ہر ورق ان کے بے پایاں کرم، احسانات اور نوازشات کے نور سے دمک رہا ہے۔ یہ ان کا روحانی فیضان ہی ہے کہ جہاں جاتے ہیں لوگ تکریم و تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہم تو ایک ذرۂ ناچیز تھے انھوں نے ہمیں خرید کر انمول کر دیا۔ ان کی عنایات کا تسلسل جب یاد آتا ہے تو پلکوں پہ اشکوں کے قطرات ستاروں کے مثل چمکنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ گھنٹوں رُلاتے ہیں۔ شرعی اصولوں پہ ان کی استقامت کی تصویریں جب نگاہوں میں جھلملاتی ہیں تو حیرتوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ انھیں ہر وقت رضائے مولیٰ کی تلاش تھی۔ ان کے ہر سفر کی ابتدا بھی یہی تھی اور انتہا بھی یہی۔ دنیا کیا ہوتی ہے اسے انھوں نے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ان کا پورا وجود دین فہمی سے عبارت تھا۔ اور ان کی تمنا تھی کہ دنیا کا ہر فرد دین فہمی کے تصور میں ہر وقت غرق رہے۔ انھوں نے صراطِ مستقیم کی پُرزور تحریکیں چلائیں۔ لوگوں کو اپنی تحریکات سے وابستہ ہونے کی دعوتیں دیں۔ وہ اپنے دینی مقاصد میں بہر حال کامیاب تھے۔ ان کا عہد اگر ان کی رفاقت پہ آمادہ ہو جاتا تو ملک کی تصویریں مختلف ہوتیں۔ باتیں تو بہت ہیں مگر یہاں حال یہ ہے کہ کون کس کی سنتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا اپنے ذاتی مفادات کی پُرکشش تصویریں بنانے میں مصروف ہے۔ اسلاف و اکابر کی حیات کا اگر ہم مطالعہ کرتے تو آج ہماری دنیا میں ایسی حالت کبھی نہ ہوتی۔ ہماری زندگی کا کوئی ورق محفوظ نہیں ہے۔ دنیا ہم سے خوف زدہ تھی اور آج ہم دنیا سے خوف زدہ ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کی زندگی ہمارے لیے نشانِ عبرت بھی ہے اور نشانِ عزت بھی۔ انھوں

نے اپنی قوم کو تا حیات بے خوف زندگی کا سبق پڑھایا ہے، وہ اپنے ملک میں بھی بے خوف تھے اور دیارِ غیر میں بھی بے خوفی کا تاریخی مظاہرہ کیا۔

زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملّت حیات، خدمات اور اعترافات'' حضور مجاہد ملت پہ پہلی تفصیلی کتاب ہے۔ چونکہ ان کی حیات و خدمات اور کارناموں پہ اب تک جو کتابیں نظر نواز ہوئی ہیں ان میں موضوع سے وفاداری کا تصور بہر حال مدھم ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی شخصیت اپنے ہر قاری سے گہری بصیرت و بصارت کا تقاضا کرتی ہے اور ہمارے پاس ان کی شخصیت پہ غور و فکر کے لیے وقت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ان پہ جو تحریریں آئیں گی ان کا حال کیا ہوگا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کا دل دردِ ملّت کا آئینہ ہے۔ انہوں نے ذاتی مفادات کا آئینہ بہت پہلے توڑ دیا ہے۔ ان کے ہر کام میں خلوص کی آنچ بہت تیز نظر آتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی بے لوث عقیدت کا چراغ ان کے دل میں بہت دنوں سے جل رہا ہے اور دن بدن اس میں شدت اور شفافیت آتی جارہی ہے۔ ہم نے انھیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان سے ہمارے تعلقات کی عمر قریب قریب تین دہائیوں پہ محیط ہے۔ انھیں ہم نے کبھی بھٹکتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ اقدارِ اسلامی کے تحفظ کے لیے وہ ہر طرح کی قربانی کا جذبۂ فراواں رکھتے ہیں۔ اسلاف شناسی کے زندہ ضمیر محرک ہیں۔ ان کی دینی، ملّی اور مسلکی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسعت رکھتا ہے۔ انہوں نے جلتے ہوئے چراغوں کی روشنی تیز کی ہے اور بجھتے ہوئے چراغوں کو حوادثات سے بچانے کی پُر جوش کوشش کی ہے۔ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف شناسی ان کی حیات کا ترجیحی عنوان ہے۔ کچھ سالوں پہلے مسلک اعلیٰ حضرت کی صاف و شفاف روشنی کو گرد آلود کرنے کی ایک تحریک چلی تھی، اس تحریک میں جماعت کے چند نمایاں چہرے بھی تھے۔ ان چہروں نے اپنے خزانے کا منھ کھول دیا تھا، یہ رضا مخالف طوفان بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ اس طوفان کو ہوا دینے میں ملک کے بعض بڑے ادارے بھی تھے اور خانقاہیں بھی تھیں۔ ڈر تھا کہ جماعت اہلِ

سنّت کا وجود بے معنیٰ نہ ہو جائے، اس لیے کہ اسلاف و اکابر کی بڑی اہم شخصیات مخالفین کے نشانے پہ تھیں۔ وہ اسلاف و اکابر سے ہٹ کر اپنا ایک ایسا کلچر بنانا چاہتے تھے جس میں ہر طرح کی آزادی ہو۔ مولانا موصوف نے اس تحریک کی کمر ہی نہیں توڑی بلکہ اسے ملک سے نکال دیا۔ اور اس تحریک سے وابستہ افراد جو سرحد پار نہ جا سکے وہ ملک میں گمنامی کا کرب جھیل رہے ہیں اور اپنے کیے کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ تحفظ فکر اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی جس تحریک کی مولانا موصوف نے بنیاد رکھی تھی وہ تحریک آج زندہ بھی ہے، توانا بھی ہے اور پھیل بھی رہی ہے۔ اس تحریک کا دائرہ ملک کی سرحدوں سے باہر نکل چکا ہے، جہاں سنّیت ہے، مسلک اعلیٰ حضرت ہے وہاں مولانا موصوف انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ایک سو ایک فی صد سچ فرمایا ہے:

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
اے رضؔا ہر کام کا اک وقت ہے دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

حضور مجاہد ملّت کی شخصیت تفصیلی مطالعہ چاہتی ہے۔ ان کی دینی، ملّی علمی، مسلکی اور سیاسی خدمات کی داستان بہت طویل ہے۔ کسی بھی بڑی شخصیت کے پھیلے ہوئے کارناموں کو سمیٹنا دقت طلب اور ریاضت پسند کام ہے۔ بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کا قد جتنا زمین کے اوپر ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ زمین کے نیچے ہوتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کا شمار انہی شخصیات میں ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات'' میں دونوں پہلوؤں پہ سنجیدہ گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کا اندازِ گفتگو بہت حکیمانہ، مدبرانہ اور عقیدت مندانہ ہے۔ کتاب میں اکثر مقامات ایسے ہیں جن پہ نگاہ پڑتے ہی دل کی کیفیت بدلنے لگتی ہے اور آنکھوں کی دہلیز پر اشکوں کا کارواں اُترنے لگتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کو مولانا موصوف جس نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کی آغوش میں پرورش پانے کے باوجود ہمارے پاس وہ نگاہ نہیں ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا موصوف پہ ان کی خصوصی توجہ ہے۔ اس لیے کہ بغیر توجہ اور خصوصی عنایات کے ایسا اور اس طرح کا کام نہیں ہو سکتا۔

حقیقت اور عقیدت میں فرق ہوتا ہے۔ سوانح نگاری حقیقت کا بے غبار اظہار یہ ہوتا ہے۔ عقیدت حقیقت کے پہلو بہ پہلو ہوتو بہتر ہے۔ چونکہ شخصیتیں تکریم کی اہل ہوتی ہیں۔ بعض سوانح نگاروں نے تکریم کو بدعت سے تعبیر کیا اور اسے غیر ضروری سمجھا نتیجہ کے طور پر انھیں قدم قدم پہ ٹھوکریں لگتی رہیں اور قارئین کے ایک بڑے طبقے کی نگاہ میں ان کی حیثیت مشکوک ہوگئی۔ عقیدت حقیقت کے زیر اثر ہوگی تو سفر آسان بھی ہوگا اور نتیجہ خیز بھی۔ اس کتاب کا ہر پیراگراف پُر اثر بھی ہے اور نتیجہ خیز بھی اس لیے کہ ہر جگہ حقیقت کی تصویریں ردائے عقیدت میں ڈھکی ہوئی ہیں۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا موصوف نے اپنے کیمرے میں حضور مجاہد ملّت کی زندگی اور کارناموں کے حوالے سے جو تصویریں اتاری ہیں اور ان تصویروں میں جو رنگ و روغن بھرا ہے یہ ان کا اپنا انداز اور فیصلہ ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی شخصیت ان تصویروں سے کہیں زیادہ بلند اور ارفع واعلیٰ ہے۔ ان کا ظاہر جتنا خوبصورت ہے باطن اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ زمین پہ رہنے والوں کو آسمان کی بلندی پہ اڑنے والے پرندے بہت چھوٹے نظر آتے ہیں مگر جب وہی پرندے زمین پر اترتے ہیں تو انھیں دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ بطور مثال جہاز پیش کیا جا سکتا ہے، حضور مجاہد ملّت آسمان کی بلندی پہ مقیم ہیں اور ہم انھیں زمین کی پستی پہ بیٹھ کر دیکھ رہے ہیں۔ کوئی آسمان کی بلندی پہ جا کے ان کی تصویریں اتارے اور پھر دنیا کے سامنے پیش کرے ہمیں یقین ہے دنیا حیرتوں کے سمندر میں ڈوب جائے گی۔

''حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات'' تصنیفات کی دنیا میں اس عہد کی تاریخی پیشکش ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی شخصیت معنوی اور موضوعاتی اعتبار سے اپنے اندر بہت وسعت و گہرائی رکھتی ہے اور اس کتاب میں ان دونوں پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو تو اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ حضور مجاہد کی حیات کے ابھی بھی بہت سارے گوشے پردۂ خفا میں ہیں لیکن جو اجمالی گفتگو کی گئی ہے اس سے کچھ ایسے اہم پہلو اُجاگر ہوئے ہیں جو قارئین کو چونکانے والے ہیں۔ ایک دردمند قاری کی جب ان پہلوؤں پہ نگاہ پڑتی ہے تو اسے حیرت بھی ہوتی

ہے اور افسوس بھی۔ حیرت اس لیے کہ حضور مجاہد ملّت کی ذات کتنی ارفع و اعلیٰ تھی کہ آسمان کی بلندیاں بھی انھیں جھک کر سلام نیاز پیش کرتی ہیں اور افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ اہلِ زبان و قلم نے اس سے پہلے حضور مجاہد ملّت کی ذات کو اس انداز میں پیش کیوں نہیں کیا؟ بہر حال مولانا موصوف نے نئے آفاق کی سمت جو اشارات کیے ہیں وہ بے پناہ اہمیت کے حامل ہیں اور ان نئے آفاق کے اجالے میں نئ نئ عمارات کے خاکے تیار کیے جا سکتے ہیں اور انھیں تکمیل کی سرحدوں سے آسانی کے ساتھ گذارا جا سکتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت اپنے عہد کی ضرورت تھے۔ ان کے عہد نے انھیں کس انداز میں قبول کیا۔ انہوں نے اپنے عہد کو کتنا متاثر کیا یہ ایک تفصیل طلب اور دقت طلب عنوان ہے، اس عنوان پہ اب تک کسی نے گفتگو نہیں کی ہے۔ ملّی اور ملکی حالات کے پیشِ نظر انہوں نے کئ اہم تحریکات کو وجود بخشا۔ ان تحریکات میں ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' اور ''خاکساران حق'' کی کلیدی حیثیت ہے۔ چونکہ مسلم معاشرہ کا رشتہ جانِ ایمان حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمزور ہو رہا تھا۔ باطل طاقتیں عظمت رسالت اور ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور تھیں۔ وہ مسلمانوں کے دلوں سے چراغِ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بجھا دینا چاہتی تھیں۔ مسلمان جسم ہے اور عشق حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان ہے۔ جب جسم سے جان رخصت ہو جاتی ہے تو جسم اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ مسلمان ماضی میں سرفراز اس لیے تھا کہ دلوں میں چراغِ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشن تھا۔ اسی چراغِ عشق رسالت کا نتیجہ تھا کہ مسلمان دنیا کی غالب ترین طاقت تھے۔ زمینوں کا بیشتر حصہ اس کے زیر اثر تھا۔ دنیا کی دوسری حکومتیں اس سے خوف زدہ رہا کرتی تھیں۔ جب چراغِ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لو دلوں میں مدھم ہونے لگی تو مسلمانوں کے قدموں سے زمینیں نکلنے لگیں اور اس پہ مغلوبیت کا اثر حاوی ہونے لگا۔ مسلمان جو دنیا کی غالب قوت تھا، اس کی حیثیت مغلوب قوت کی ہو کر رہ گئی۔ شاعر نے ایسے ہی حالات کی منظر کشی کی ہے: ؎

طریق مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی　　اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' اور ''خاکساران حق'' کے حوالے سے حضور مجاہد ملّت کے جذبات واحساسات کیا تھے؟ اس کی منظر نگاری پروفیسر شاہد اختر نے یوں کی ہے:

اسلامیانِ ہند کی سربلندی اور سرفرازی کی خاطر ٹھوس بنیادوں پر آل انڈیا تبلیغ سیرت کا قیام اور کُ ''ل ہند خاکساران حق'' کی امارت حکومت وقت کے سامنے بار بار مطالبات کی پیشی اور تحریکیں، ایک طوفان ان کے اندر تھا جو انہیں مضطرب رکھتا۔ کوئی بحر کی موجوں میں اضطراب کا متلاشی ہوتا ہے اور وہاں ان کے بحر کی موجوں کا اضطراب ایک عالم کو محیط کرنے کے لئے پریشان تھا۔ افسوس کا نہیں بلکہ دھاڑیں مار مار کر رونے کا مقام ہے کہ حضور مجاہد ملّت نے جن مقاصد کی عظمتوں کے حصول کی خاطر اپنا سارا سرمایۂ حیات داؤں پر لگا رکھا تھا علمائے کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نے صرف یہ کہ بے مثال عدم تعاون کا مظاہرہ کیا بلکہ مشن کو اپنے طور پر نقصان پہنچانے کی کوششوں سے بھی باز نہیں آئے۔ اس مجاہد اعظم کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو بھولے پن اور سادگی کا نام دیا گیا۔ ان کے مِشن کو درخور اعتنا، نہیں سمجھا گیا۔ ان کی تحریکوں میں بجائے زندگی دوڑانے کے مُردہ کرنے کی بالواسطہ اور بلاواسطہ کوششیں کی گئیں۔ آج مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی جھجھک نہیں ہو رہی ہے کہ جن لوگوں نے زندگی بھر مجاہد ملّت کے مشن کو نقصان پہنچایا بعد وصال خانقاہِ حبیبیہ میں اس مشن کی عظمت پر آنسو بہا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انہیں مجاہد ملّت اور ان کے مشن سے پیار تھا۔ مجاہد ملّت نے تقریباً پندرہ سال پہلے دفعہ ۵۲۱ سی آر پی سی اور دستور کی دفعہ ۴۴ر کی منسوخی کا مطالبہ کیا۔ حکومت پر دباؤ ڈالا کہ دفعہ ۴۴ر سے ہندستان کے تمام شہریوں کے لئے یکساں سِول کوڈ کی بات نکال دی جائے اور دفعہ ۵۲۱ر سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھا جائے۔ کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے خلاف بھی

حضور مجاہد ملّت نے زوردار تحریک چلائی تاکہ مدارس دینیہ کو حکومت کے دستبرد سے بچایا جائے۔ یہ وہ مسائل تھے جنکی اہمیت کو حضور مجاہد ملّت کی مومنانہ فراست نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کے خلاف تحریکیں چلائیں۔اے کاش! کہ علمائے ملت اسلامیہ نے اس وقت حضور مجاہد ملّت کی تحریکوں کو اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ ہی طاقت پہنچائی ہوتی۔تن آسانیوں کی اس دنیا میں عملی اعانت کی بات کہنا فضول ہے مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے احمد خاں۔شاہ بانو مقدمے میں فیصلہ دیتے وقت شریعت مطہرہ کے خلاف فیصلہ دیا اور ساتھ ہی شرعی قوانین کا مذاق اڑایا۔آج پرسنل لا کے تحفظ کی جو تحریکیں چل رہی ہیں اللہ کرے وہ تحریکیں کامیاب ہوں، مگر یہ تحریکیں اس وقت چل رہی ہیں جب شریعتِ مطہرہ پر چھُری چلائی جا چکی ہے۔ اگر مجاہد ملّت سے اس وقت تعاون کیا گیا ہوتا تو آج کی اذیت ناک گھڑی کا منھ دیکھنا نہ پڑتا۔آج مسلم پرسنل لا کا مسئلہ کنزالایمان پر پابندی کا مسئلہ اور توسیع کے نام پر انہدامِ گنبدِ خضریٰ کا مسئلہ، قرآن پاک پر پابندی کے مقدمے کا مسئلہ، تنقیص واہانت رسول کا مسئلہ، ان مسائل کے چہار طرفہ حملے میں بڑی شدت سے حضور مجاہد ملّت کی یاد آتی ہے کہ اے کاش! آج مجاہد ملّت حیاتِ ظاہری میں ہوتے تو علما کی گہری نیند سے بیداری کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایوانِ حکومت میں زلزلہ پیدا کر دیتے۔ جس مردِ مجاہد نے تنہا اندرا گاندھی جیسی قد آور شخصیت کو معاہدے پر مجبور کر دیا تھا۔آج اسلامی لشکر کے ساتھ حکومتِ وقت سے مستقبل کے مطالبات بھی منوائے ہوتے۔ایک اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مجاہد ملت کے وصال کے بعد جن لوگوں پر ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی بلاواسطہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان ارادتمندوں نے بھی مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا اور اپنے کردار وافعال سے مشن کو تقویت پہنچانے کی جگہ شدید

نقصان پہنچاتے رہے سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں ان لوگوں کو ہدایت سے نوازے۔ آمین!۔

نوائے حبیب مجاہد ملت نمبر

حضور مجاہد ملّت چراغِ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے مومنین کے دلوں کو اجالنا چاہتے تھے۔ اس تعلق سے انہوں نے اپنا ہر سکون تج دیا تھا اور اپنے ذاتی خزانے کا منھ کھول دیا تھا۔ اپنے عزائم کے حصول کے لیے دن کی چلچلاتی دھوپ اور رات کی خون منجمد کر دینے والی ٹھنڈک کی انہوں نے کبھی پرواہ نہیں کی۔ انھیں ہر وقت اپنے مقصود کو پا لینے کی تڑپ ہوتی۔ انھیں اپنے ذاتی مفادات سے کبھی کوئی رشتہ نہیں رہا۔ زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات'' میں حضور مجاہد ملّت، ان کے عزائم اور ان کی تحریکات کی جو تصویر کشی کی گئی ہے، میرے علم و مطالعہ کی روشنی میں اس سے پہلے ایسی پُر اثر تصویر کشی کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ مولانا موصوف کو زبان و بیان پر اچھی قدرت حاصل ہے۔ ان کا تحریری اسلوب بھی بہت متاثر کن ہے۔ زبان کی شفافیت، جذبے کا تقدس نور بدوش، قلب افروز اور حیرت افروز ہے۔ قاری تحریر کے جادوئی انداز میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ قاری تحریر کی لطافتوں سے دیر تک لطف اندوز ہونا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ خیالات، تصورات اور احساسات کا یہ پاکیزہ سفر دیر تک چلتا رہے۔ مولانا کی تحریر قدم قدم پر حرارتِ عشق میں اضافہ کرتی ہے۔ مولانا موصوف نے حضور مجاہد ملّت کی شخصیت کی جو قلمی تصویریں بنائی ہیں اس کی تھوڑی سی جھلکیاں ذیل میں ملاحظہ کریں۔

> حضور مجاہد ملّت کی اشک ریزی، شب بیداری اور صحرا نوردی اسی لیے تھی۔ قومی بے چارگی، بے بسی اور بے وقعتی ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ ان کی اشک ریزی اور صحرا پیمائی کو بعض احباب نے مجنونانہ عمل سے تعبیر کیا، احباب کو قومی شجرِ حیات کی خشک ہوتی ہوئی ٹہنیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں پہ دبیز پٹیاں پڑی ہوئی تھیں، حال کا رشتہ ماضی سے ٹوٹ رہا تھا۔ قومی اثاثے

کی نیلامی کا سلسلہ عروج پہ تھا۔ پھر بھی حاملانِ جبہ و دستار کی روش میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تھی۔ حضور مجاہد ملّت حال کی تباہ کاریوں کے آئینے میں مستقبل کے خطرات کو آئینے کی طرح دیکھ رہے تھے۔ وہ ایسی دیواریں اُٹھا دینا چاہتے تھے کہ کبھی کوئی حریف قومی وقار سے کھیلنے کی کوشش نہ کر سکے۔ مسند فقہ و افتاء، مسند درس و تدریس اور بساطِ زبان و قلم کو ملی و قومی سرفرازیوں کے لیے انھوں نے سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ مذکورہ مسانید سے ان کا رشتہ واجبی تھا۔ ضرورت پڑی تو مسند فقہ و افتاء بچھالی، ضرورت محسوس ہوئی تو مسند درس و تدریس پہ بیٹھ گئے اور ضرورت آن پڑی تو زمامِ زبان و قلم سنبھال لی۔ فقہ و افتاء اور زبان و قلم سے جو جواہرات نکلے ان کے تحفظ کا بھی کوئی معقول سامان نہ کیا گیا۔ ان کے حاشیے پہ جو لوگ تھے انھیں بھی کبھی اس کی فکر نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان و قلم کو ان کی واقعی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے قدم قدم پہ دقتوں کا سامنا ہو رہا ہے۔ اہلِ زبان و قلم کے مطالبات ہوتے ہیں۔ جب تک ان کے مطالبات پورے نہیں ہوں گے ان کے قلمی سفر کو وہ رفتار نہیں مل سکے گی جس رفتار کی ہمیں ان سے توقع ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے جذبِ دروں کے اظہار و اعلان کے لیے ہمارے پاس مشاہدات کا کافی سے وافی سرمایہ ہے۔ مشاہدات اور شواہدات میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کسی بھی شخصیت کو تحقیقی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے شواہدات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مشاہدات کی بنیاد پہ سفر ہو سکتا ہے مگر اس سفر میں وہ رفتار نہ ہوگی جس رفتار کا حضور مجاہد ملّت جیسی شخصیات مطالبہ کرتی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت علم و فضل کے نیّر درخشاں تھے۔ زندگی کے کسی بھی میدان میں شکست کا تصور ان کے ہاں مجرمانہ عمل تھا۔ ان کو رب کی رحمت نے اپنی آغوش میں سنوارا تھا۔ ان کا وجود رحمت الٰہی پہ کامل اعتماد کا استعارہ تھا۔ ان کی

ہر تحریک، ان کے ہر عمل اور ان کے قول و فعل سے رضائے الٰہی کی خوشبو چھلکتی ہے۔ ان کی ذات پہ ان کا علم حاوی تھا۔ مروجہ علوم وفنون پہ تا حیات ان کی گہری نظر رہی۔ ان سے کبھی کوئی ایسا سوال نہیں ہوا جس کا انہوں نے جواب نہ دیا ہو۔ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی آرزو تھے، حضور حجۃ الاسلام کی تمنّا تھے اور حضور مفتیٔ اعظم ہند کا یقین تھے، وہ مذکورہ شخصیات کی نگاہوں سے پل بھر کے لیے اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ ان کی ہر سوچ کا رشتہ مذکورہ شخصیات کی چوکھٹ سے جڑا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان پہ کبھی حاوی نہ ہو سکی۔ انہوں نے دشمنوں کے نرغے میں بھی صداقت کی پیشانی کو کبھی شکن آلود ہونے نہیں دیا۔ محرومی کا سامنا اس کو کرنا پڑتا ہے جس کا دامن ذاتی مفادات سے داغدار ہوتا ہے، جس نے اپنے لیے کبھی سوچا ہی نہیں محرومی اس کی دہلیز پہ دستک کیسے دے سکتی ہے۔ وہ اپنے ہر حریف کو اپنے جال میں پھنسا کر اس کی کھال اُتار لیتے تھے۔ ان کے حریف کے پاس ان کے سوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں ہوتا تھا۔ اس کا ثبوت بعض مناظروں کی روئداد سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مناظروں کی بزم آراستہ ہوتی، علماء اور فقیہانِ وقت کی نگاہ میں حضور مجاہد ملّت کی ذات گھومنے لگتی۔ انہوں نے علما کے اعتماد کو کبھی ٹھیس لگنے نہیں دی۔ انہوں نے تا حیات سربراہ ہونے کا رول ادا کیا۔ ان کے جذبات واحساسات کو سمجھنے کی اگر شعوری کوشش ہوتی تو قومی و جماعتی فلاح کے بہت سارے ابواب کھل جاتے۔

حضور مجاہد ملّت کتنے پانی میں تھے یہ بتانا بہت مشکل ہے لیکن اتنی بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سمندر ان سے پانی مانگتا تھا۔ ایک انسان کی شخصیت جن کمالات سے مکمل ہوتی ہے وہ سارے کمالات آپ کی ذات میں موجود تھے۔ آپ کو کبھی کسی فیصلے سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش

نہیں آئی۔ آپ کا ہر فیصلہ شرعی اصولوں کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ فقہ و فتاویٰ سے آپ کے رشتے میں تسلسل نظر نہیں آتا اور جو فتاوے آپ کے زرنگار قلم سے صادر ہوئے ان کے تحفظ کا بھی کوئی سامان نہیں کیا گیا۔ ان کی فائلیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں، مسند درس و تدریس سے بھی آپ زیادہ دنوں تک وابستہ نہیں رہے۔ درس و تدریس کی فائلیں آپ کے تلامذہ کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ فائلیں قابلِ صد رشک ہیں۔ آپ کے بعض تلامذہ پہ پوری جماعت کو ناز ہے۔ آپ کے خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے آپ کے بعض تلامذہ نے بڑی جدوجہد کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی جدوجہد کے آج بھی مثبت اثرات دیکھے جارہے ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت پاسبانِ ملّت کی شخصیت بہت سارے اعتبار سے ممتاز نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے عہد پہ گہرے نقوش ثبت کیے ہیں، ان کے بعد جماعت میں کوئی دوسرا پاسبانِ ملّت اب تک پیدا نہ ہوسکا ہے۔ خود حضور مجاہد ملّت کا فرمان ہے کہ اگر میرے پاس دولت ہوتی تو نظامی کو سونے سے تول دیتا۔ دولت سے ان کی کیا مراد تھی یہ ہم جیسے بے مایہ لوگ نہیں بتاسکتے۔ چونکہ وہ تو رئیسِ اعظم اڑیسہ تھے۔ پورے رؤفیہ اسٹیٹ کے وہ تن تنہا مالک تھے۔ آپ کے تلامذہ میں ایک اور سمندر نواز شخصیت ملتی ہے جسے دنیا شمس العلماء کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حضرت پاسبانِ ملّت نے اپنے ایک خطاب میں حضرت شمس العلماء کے حوالے سے فرمایا تھا: ''میرے پاس علم و معرفت کا جو بھی سرمایہ ہے چالیس سالوں تک ان کی جوتیاں اُٹھانے کا نتیجہ ہے۔ راقم کو بھی ان کی جوتیاں اُٹھانے کا شرف حاصل ہے۔ میں نے بہت ساری شخصیات کو دیکھا ہے مگر ان کے جیسی شخصیت اب تک میری نگاہ میں نہیں آسکی ہے۔ ان کی سمندر صفت شخصیت کا یہ حال تھا کہ وقت کی قدآور شخصیات ان کے تلامذہ کی صف میں نظر آتی ہیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد خدا یاد آتا تھا۔ ان کے روئے زیبا

پر حبیبی رنگ دور سے نظر آتا تھا۔ ان کی ذات آلائش دنیا سے یکسر پاک تھی۔ ان کی پوری زندگی درس و تدریس میں گذری، پاسبانِ ملّت کو ان سے بڑی گہری عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نظامی پاسبانِ ملّت کے نام کا لازمی حصہ ہے۔ انھیں علمی دنیا شمس العلماء مفتی نظام الدین کے نام سے یاد کرتی ہے۔

''حضور مجاہد ملّت : حیات، خدمات اور اعترافات'' کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے۔ اس سے پہلے دونوں ایڈیشن ۲۰۱۸ء میں آئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اہلِ علم، اہلِ زبان وقلم، محبانِ اولیاء اور علماء میں کتاب کو کافی پذیرائی ملی۔ کتاب کی مقبولیت اور پذیرائی سے مولانا موصوف کے حوصلے کو توانائی ملی۔ چونکہ حضور مجاہد ملّت کی ذات ستودہ صفات ان کی پسندیدہ شخصیات میں بہت ساری جہات سے ممتاز ہے۔ حضور مجاہد ملّت سے ان کو جنون کی حد تک محبت ہے۔ ہجومِ مسائل کے باوجود ان کے حوصلوں کا پرندہ تھکا نہیں ہے۔ تحقیق، تفتیش اور نئے گوشوں کی جستجو کا سفر جاری رہا۔ جب جذبے میں صداقت ہوتی ہے تو راہ کی ساری رکاوٹیں ہٹ جاتی ہیں اور منزلیں آگے بڑھ کر مسافر کے قدموں کا بوسہ لیتی ہیں۔ زیرِ نظر اشاعت اس کی روشن دلیل ہے۔ ماقبل کے دو ایڈیشن ۲۸۸ رصفحات پہ مشتمل تھے۔ یہ ایڈیشن ۷۰۰ رصفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس ایڈیشن کی تفصیلات یہاں پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں چونکہ خود کتاب آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ یہاں کتاب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ماقبل دونوں ایڈیشن ابواب میں منقسم نہ تھے، زیرِ نظر اشاعت کو مولانا موصوف نے ابواب میں تقسیم کر کے قارئین کے لیے بہت سہولت پیدا کردی ہے۔ ابواب کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں۔

باب اوّل انتسابات، باب دوم خراجات، باب سوم حیات و خدمات، باب چہارم تنقیدات، باب پنجم اعترافات، باب ششم مناقبات اور باب ہفتم کتابیات۔ ہر باب جدید خیالات، تصورات، احساسات اور تحقیقات سے مزین ہے۔ ہر باب میں موضوع سے

وفاداری کا بھرپور ثبوت دیا گیا ہے۔ انتسابات ایک نئی تعبیر ہے، اس سے پہلے میرے علم کی روشنی میں کتابوں میں یہ باب نہیں دیکھا گیا ہے۔ غالباً یہ مولانا موصوف کی اپنی اختراع ہے، اسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ ہر آنے والا وقت لفظوں کی نئی نئی تعبیریں اور تفسیریں لے کر آتا ہے۔ مصنف اور محقق اپنے قارئین کو لفظوں کی تعبیرات وتشریحات کے نئے نئے آفاق سے آشنائی کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی سے ہمارے تعلقات کا دائرہ دو دہائیوں سے زائد پہ پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات کی نوعیتیں دوسروں سے مختلف ہیں۔ نسبتوں کا احترام ضروری ہوتا ہے۔ عصر حاضر نسبتوں کے احترام کے جذبے سے خالی ہوتا جارہا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے ہاں نسبتوں کے احترام کا جو شعور ملتا ہے، عصر حاضر میں اس کی نظیر تلاش کرنا پانی پہ لاٹھی مارنے کے مترادف ہے۔ وہ اپنی ساری خصوصیات اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ ان کی بکھری ہوئی خصوصیات کو ہم نے سمیٹنے کی بھی کوشش نہیں کی اور انھیں اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی بھی کاوش نہیں کی۔ ان کے ہر عمل میں ایک جہانِ حیرت وعبرت پنہاں تھا۔ وہ قرآن واحادیث سے موتیاں چنتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں میں تقسیم کرتے تھے۔ آج ہم میں سے اکثریت کا حال یہ ہے کہ قرآن واحادیث سے موتیاں چننا تو دور کی بات ہے، ہم ان کی درست تلاوت کے شعور سے بھی ناآشنا ہیں۔ حضور مجاہد ملّت نے مدارس، مکاتب اور مساجد کا جال اسی لیے پھیلایا تھا کہ قرآن واحادیث کی تفہیم کے نور سے دلوں کی کائنات روشن ومنور ہوجائے۔ ہم نے ان کے جذبات وخیالات کی قدر نہیں کی۔ جہاں دینی جذبوں کے نور سے پیشانیاں خالی ہوتیں وہاں اصلاح حال وقال کے لیے وہ خیمہ زن ہوجاتے۔ زیر نظر کتاب میں جگہ جگہ اس جذبے کے اشارات ملیں گے۔ چونکہ حضور مجاہد ملّت کی ذات سے وابستہ تمام واقعات پہ اگر اجمالی گفتگو بھی کی جائے تو کتاب ہزاروں صفحات پہ پھیل سکتی ہے۔ اس مشینی دور میں اتنی فرصت کس کے پاس ہے اور اگر کوئی دردمند دل آمادہ بھی ہوجاتا ہے تو اشاعت کے مراحل کیسے طے ہوں گے جو سامنے ہے اسی کی اشاعت سوالیہ نشان بنی

ہوئی ہے۔لوگ بزرگوں کے دربار میں حاضر ہوکر اپنی بے لوث عقیدت کا اظہار تو کرتے ہیں، خوب آنسو بہاتے ہیں اور پیسے بھی پانی کی طرح بہاتے ہیں اور انہی بزرگوں کی حیات وخدمات پر کتابوں کی اشاعت کا جب سوال کھڑا ہوتا ہے تو جیبیں خالی ہو جاتی ہیں۔خود وہ لوگ جو بزرگوں سے اپنا نسبی رشتہ جوڑتے ہیں اور ان کے نام پر عیش کوشیوں کی جنت تعمیر کرتے ہیں اس حوالے سے ان کے دل میں بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کی ذات قابلِ مبارک باد ہے کہ ان کے دل میں اسلاف شناسی کا بیکراں جذبہ ہے۔موصوف شب و روز اسلاف شناسی کی تحریک کو توانائی فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔کوئی اسلاف مخالف تحریک وجود میں آتی ہے تو اس کا شدت سے تعاقب کرتے ہیں۔نتائج کی قطعی کوئی فکر نہیں ہوتی۔رضا مخالف، اسلاف مخالف اور اکابر مخالف بہت ساری تحریکات کا قد ناپنے اور ان کے بال و پر کترنے میں موصوف نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔موصوف کے اسی بے لوث جذبے سے متاثر ہوکر ملک کے کئی اہم اداروں نے اعترافِ خدمت کے طور پر انھیں قابلِ ذکر انعام واکرام اور توصیفی سندات سے سرفراز کیا ہے۔ان سندات واعزازت میں گولڈ میڈل بھی شامل ہے۔

۲۰۰۵ء میں دلی کی سرزمین سے ایک اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اسلاف مخالف تحریک نمودار ہوئی تھی۔اس تحریک میں وہ چہرے بھی شامل تھے جن کی زبانوں پر اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت کی عظمتوں کے خطبے ہر وقت رقصاں رہا کرتے تھے۔اور وہ ادارے بھی پیش پیش تھے جن کے دستورِ اساسی کی دفعات میں مسلک اعلیٰ حضرت سے غیر مشروط وفاداری کی دفعہ غیر متبدل ہے۔مسلک اعلیٰ حضرت سے وفاداری کی دفعہ ایسی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے چیلنج نہیں کرسکتی۔اس دفعہ سے صرف غیر مسلم ملازمین کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور اس تحریک میں وہ افراد بھی شامل ہوگئے تھے، جن کی اپنی مارکیٹ پہ مسلک اعلیٰ حضرت کا جلی حروف میں بورڈ آویزاں تھا۔ہر سمت ایک شور برپا تھا کہ جو بڑھ کر تھام لے ہاتھوں سے بس مینا اسی کا ہے۔شور ایسا تھا کہ ایمان وعقیدے خطرات کی زد میں آگئے تھے

کہ اگر مسلک اعلیٰ حضرت حق نہیں ہے تو اس کی ترویج، تشہیر اور تنفیذ میں اکابرین جماعت اہلِ سنّت کی اتنی طویل فہرست کیوں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی جو ذمہ داریاں تھیں انہوں نے ان کی انجام دہی کا فریضہ پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا۔ ان کے ہر عمل سے خلوص کی بھینی بھینی خوشبو پھیلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تحریک جانِ ایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر مشروط وفاداری تھی۔ اس تحریک میں دونوں جہاں کی سعادتیں پنہاں ہیں۔ جو دل لذتِ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نا آشنا ہوا سے ایمان کی حلاوت نہیں مل سکتی۔ اعلیٰ حضرت کے دل کی گہرائیوں سے جو صدائیں بلند ہوتی ہیں، اس کی بازگشت دیکھیے۔

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ　　اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں　　ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا پورا عہد ان کے جذبِ دروں سے متاثر اور تپش آمادہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کی تحریک کے فروغ وارتقاء میں جن شخصیات کی حیثیت قائدین کی تھی۔ ان کے نام اور کام کی فہرست سازی کی جائے تو کئی مجلدات تیار ہوسکتی ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کی تحریک حق وصداقت کی امین نہیں تھی تو اساطین امّت کا یہ کارواں اس کے فروغ میں کیوں مصروفِ کار تھا؟ یہ سوال جماعت اہلِ سنّت کے ہر حساس فرد کے لیے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ اس سوال کا دنداں شکن جواب دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ جواب دینے کی ذمہ داریاں جن شخصیات پہ لازم تھیں ان پہ خوف کا سایہ حاوی تھا۔ ایسے حالات میں مولانا موصوف انجام کی فکر سے بے نیاز ہوکر میدان میں آئے اور اپنے قلم کی نوک سے مخالفین کے چہرے کو خون آلود کرتے چلے گئے۔ مولانا کے جذبۂ فداکاری سے متاثر ہوکر اہلِ درد کے قافلے ان کے ہم آواز ہوتے گئے۔ مولانا کے ہم سخن افراد میں علماء بھی تھے، مشائخ بھی، اہلِ زبان وقلم بھی تھے اور دردمندانِ جماعت بھی۔ مولانا کی سرفروشانہ تحریک سے مخالفین کے خیموں کی طنابیں اکھڑنے لگیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مخالفین کو سر چھپانا

مشکل ہو گیا۔ مخالفین کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ مولانا کی تحریک اگر مبنی بر خلوص ہے تو ان کی حمایت بریلی شریف سے کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ اس سوال کا جواب نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملّت حضرت مولانا محمد سبحان رضا خاں قادری سجادہ نشین خانقاہِ رضویہ بریلی شریف نے دیا اور عرسِ اعلیٰ حضرت کے پُرشکوہ موقع پر علماء و مشائخ اور اساطین جماعت کے ہجوم میں مولانا کو قیمتی ایوارڈ سے سرفراز کیا۔ مولانا کو دی گئی توصیفی سند میں صاحبِ سجادہ لکھتے ہیں:

ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، علامہ مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی نے اس وقت جبکہ مسلک اعلیٰ حضرت پر شب خون مارا جا رہا تھا اور اپنوں کے لباس میں لوگ غیروں کا کام کر رہے تھے، اس وقت موصوف نے ''پیغامِ رضا'' کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ علمائے اہلِ سنّت سے حمایت مسلک اعلیٰ حضرت پر دستخط لیے اور اس کو طبع کیا اور مخالفین کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ جشن صد سالہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے حسین موقع پر، عرسِ رضوی کی پُر بہار فضا میں موصوف کو مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ اور پیغامِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت پر حوصلہ افزائی کے لیے اس ایوارڈ سے نوازا جاتا ہے۔ ایوارڈ، کنز الایمان، ایک شال، گیارہ ہزار روپئے۔

مولانا کی دینی، ملّی، مسلکی اور صحافتی خدمات سے متاثر ہو کر ملک و بیرونِ ملک کے ایک درجن سے زائد مرکزی اداروں نے انھیں قیمتی اور قابلِ احترام ایوارڈ سے شرفیاب کیا ہے۔ ذیل میں چند مرکزی اداروں کی فہرست ملاحظہ کریں۔

گولڈ میڈل:۔ شیر رضا اکیڈمی وسئی ممبئی بدست وزیر داخلہ حکومت مہاراشٹر عالی جناب عارف نسیم خان۔

مسعود غازی ایوارڈ:۔ بزم مسعودیہ غریب نواز کرلا ممبئی۔

ملک العلماء ایوارڈ:۔ دار العلوم فیضانِ مفتئ اعظم ممبئی بدست سراج ملّت حضرت مولانا

سیّد سراج اظہر قادری علیہ الرحمہ۔

آبروئے زبان وقلم ایوارڈ کھمن پیر درگاہ چار باغ لکھنؤ، بدست غیاث ملّت حضرت مولانا سیّد غیاث الدین احمد قادری کالپی شریف۔

مفتیٔ اعظم ہند ایوارڈ:۔ انجمن پیغامِ رضا ٹرسٹ بھدراوتی کرناٹک بدست پیر طریقت حضرت مولانا قاری لیاقت رضا نوری۔

حضور تاج الشریعہ ایوارڈ:۔ مسجد خضریٰ نیویارک امریکہ بدست حضرت مولانا مفتی وصی احمد وسیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ رونا ہی۔

دین و دیانت، حق وحقانیت اور صدق وصداقت کی راہیں ہر زمانے میں پُرخار رہی ہیں۔ اس راہ کے مسافر کو قدم قدم پر کربلا کا سامنا رہتا ہے۔ کبھی کبھی بات دار ورسن تک پہنچ جاتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی فطرت میں شرافت ونجابت تھی، انسان تو دور کی بات ہے وہ پرندوں کو بھی اذیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود انھیں بار بار جیل کی آہنی دیواروں اور زنجیروں کو چومنا پڑا، سخت سے سخت اذیت ناک راہوں سے گذرنا پڑا اور مشکلات بھری ڈگر سے سفر کرنا پڑا۔ ان کا جرم یہی تھا کہ وہ زہرِ ہلاہل کو قند کہنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ انھیں گندی سیاست اور غلیظ طبیعتیں قطعی پسند نہیں تھیں۔ اگر کوئی کسی بے گناہ پر ظلم کرتا ہوا نظر آجاتا تو آپ اس کی کلائی تھام لیتے اور اسے ظلم سے روک دیتے۔ حضور مجاہد ملّت اپنا عزم وحوصلہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اب کوئی دور دور تک ان کا عکس ونقش نظر نہیں آتا۔ دعویدار تو بہت ہیں مگر ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ ہاں! بعض افراد کبھی کبھی ایسے نظر آجاتے ہیں جو ان کی رہگذر پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں بھی چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا فلسفہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی حضور مجاہد ملّت سے گہری اور جنونی عقیدت رکھتے ہیں۔ بغیر عقیدت کے اتنا نور بدوش سفر کوئی نہیں کرسکتا۔ ۲۰۱۸ء میں وہ اہلِ علم کے سامنے ''حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کا اولین ایڈیشن لے کر آئے تھے۔ اور ابھی دو سال مکمل بھی نہیں ہوئے کہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن جدید اضافات

سے مزین اہلِ علم کی بزم میں لے کر جلوہ بار ہو گئے۔ کتاب میں انہوں نے جو اضافات کیے ہیں اس کی صحیح تصویر کشی کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ قارئین خود مطالعہ کریں اور ان کی تعریف وتوصیف کے لیے خود الفاظ کا انتخاب کریں۔

مولانا موصوف حضور مجاہد ملّت کی منتخب ڈگر پہ چلنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے انھیں بھی حریفان چمن کی ریشہ دوانیوں کا قدم قدم پر سامنا ہوتا رہتا ہے۔ ۲۰۰۵ء میں انہوں نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی اور جو لوگ ان کے قلم کی زد میں آئے تھے ان کی طرف سے موصوف کو مہینوں مغلظات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس طرح کی انھیں گالیاں دی گئیں ایک مہذب معاشرے میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے سفر کی سمت میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا نہیں کی، دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ نئے حوصلوں کے ساتھ سفر کی رفتار تیز کر دی۔ موصوف سفر کرتے رہے اور کارواں بنتا گیا۔ پہلے چند افراد ہمراہ تھے اور دھیرے دھیرے وہ چند افراد جمعیت میں تبدیل ہو گئے۔ موصوف کی عقیدت کے چراغ سے دلوں کے آفاق روشن ہوتے گئے۔ اس میں ہر طبقے کے لوگ تھے۔ وہ اکابر شخصیات جن کے دلوں میں اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف و اکابر کی محبت کا چراغ روشن تھا وہ صبح وشام مولانا موصوف کی صحت وسلامتی کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ ایسی شخصیات کی بھی لمبی فہرست ہے۔ اعتراف خدمت کی شکل میں ان شخصیات کے ارشادات کتب و رسائل میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ خود راقم الحروف نے پیغامِ رضا کی کامیاب اور نتیجہ خیز اشاعت پہ ایک طویل اعلامیہ لکھا تھا۔ جو پیغامِ رضا کے کسی شمارے میں اشاعت پذیر بھی ہوا۔ ذیل میں اس کے چند پیراگراف ملاحظہ کریں۔

برصغیر ہند و پاک سے اہلِ سنّت و جماعت کے جو رسائل و جرائد نکلتے ہیں، ان میں پیغامِ رضا، ممبئ کی حیثیت مختلف جہات سے بہت ممتاز اور نمایاں ہے۔ پیغامِ رضا نے مذہبی، مسلکی اور جماعتی روایات سے مذاق کی کسی کوشش کو کبھی کامیاب ہونے نہیں دیا۔ جماعت اہلِ سنّت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ

صفات امتیاز اور علامت تصور کی جاتی ہے۔ ان کی تعلیمات، ارشادات اور پیغامات میں اسلامی اقدار وروایات کی چودہ سو سالہ تاریخ آئینے کی طرح جھلکتی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں ان کے افکار ونظریات سے ہٹ کر مذہبی شفافیت کا تصور بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اسلامی آثار وتبرکات کو جو تحفظ فراہم کیا ہے، اس کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کو ہم کسی بھی زاویے سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ انھیں نظر انداز کرنے کا عمل مذہبی، مسلکی اور جماعتی خودکشی کے مترادف ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے خلاف بعض ابن الوقت کے دلوں میں بہت دنوں سے لاوے سلگ رہے تھے۔ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ۲۰۰۵ء کے اوائل میں انہیں ماہنامہ جامِ نور، دہلی کی شکل میں ایک پلیٹ فارم مل گیا۔ یا خود انہوں نے اپنے دلوں کے بخارات نکالنے کے لیے اسے بطور پلیٹ فارم استعمال کیا۔ پھر جماعتی تحفظات وروایات پہ حملوں کا غیر سنجیدہ، افسوس ناک اور حیرت ناک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس جنگ میں وہ درس گاہیں، خانقاہیں اور رفاہی اداروں نے بھی کلیدی رول ادا کیا جن کے دستورِ اساسی میں اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف واکابر سے غیر مشروط وفاداری شامل ہے۔ حسام الحرمین پہ نظر ثانی ہونی چاہیے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اکابرین اہلِ سنّت کا وقتی اور جذباتی فیصلہ تھا، لفظ بریلوی جماعت اہلِ سنّت کی پیشانی پہ بدنما داغ ہے اور بریلی شریف ہی مرکز اہلِ سنّت کیوں؟ یہ اور اس طرح کے درجنوں مکروہ نعرے بلند ہونے لگے۔

جب کسی غیر محمود تحریک کو کچھ بڑوں کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو دوسرے بڑے خاموشی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ گھر جل رہا تھا اور جن کے دلوں میں مذہبی، مسلکی اور جماعتی درد کی آگ سلگ رہی تھی وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں ''پیغامِ رضا''، ممبئی امید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوا۔ پھر احتسابِ عمل کا ایک سنجیدہ سلسلہ شروع ہوا۔ ''پیغامِ رضا'' کا دفاعی سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مخالفین اپنی کمین

گاہوں میں روپوش نہ ہوگئے۔ مخالفین تو چھپ گئے مگر ان کے غیر شعوری عمل سے نسلِ نو کا ایک بڑا طبقہ جماعتی روایات کے حوالے سے شبہات کی زد میں آ گیا۔ اب وہ طبقہ کسی کو بڑا سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر جماعتی اتحاد کا خواب سراب بن کر رہ گیا ہے۔ مخالفین نے جو آگ لگائی ہے اس آگ کو بجھانے میں مصلحین امّت کو برسوں لگ جائیں گے۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی ذات ایک ایسی آواز کی حیثیت رکھتی ہے جسے ڈرایا جا سکتا ہے نہ دبایا جا سکتا ہے۔ ان کا تعاقباتی سفر کل جس رفتار سے جاری تھا آج بھی اسی رفتار سے جاری ہے۔ وہ جماعت مخالف کی ہر تصویر پہ کالک پوت دینے کا بھرپور عزم و حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان کی اسی خوبی اور حوصلے سے جماعت کی اکابر اور مشاہیر شخصیات متاثر ہیں۔ ذیل میں چند با کرامت شخصیات کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

جانشین تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلی شریف لکھتے ہیں:

نقیب مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کی دینی، ملّی، مسلکی اور صحافتی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و تشہیر میں انہوں نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔ انھیں میرے جدِّ کریم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ سے جو گہری عقیدت ہے وہ ان کے کام سے جھلکتی ہے۔ میری نیک دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

شہزادۂ صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی نائب قاضی القضاۃ فی الھند

محب گرامی قدر مولانا رحمت اللہ صدیقی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے

بحمدہٖ تعالیٰ قلت فرصت کے باوجود آپ کا رسالہ ''پیغامِ رضا''، ممبئی پڑھتا ہوں اور سکون محسوس کرتا ہوں۔ آپ نہ صرف قابلِ مبارک باد ہیں بلکہ آپ کا کارنامہ قابلِ تقلید بھی ہے کہ آج کے پُرخطر ماحول میں آپ اپنی تمام تر صلاحیتیں اعلیٰ حضرت اور اپنے اسلاف کے مذہب و مسلک کے تحفظ پر صرف کر رہے ہیں، آپ کی ہمت و جرأت و حمایت حق کو تہہ دل سے تحسین و

آفریں پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ربِّ قدیر آپ کے اس قلمی جہاد کو قبول فرمائے اور آپ کو غیبی تائیدات سے نوازے آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ (پیغامِ رضا ۲۰۱۰ء، ص: ۲۱)

حضرت مولانا مفتی قمر الحسن قمر بستوی، ہوسٹین امریکہ

گرامی قدر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی مدظلہٗ العالی سے یہ میری پہلی ملاقات تھی جو جون ۲۰۰۷ء کے دوسرے ہفتے میں ممبئی میں ہوئی۔ نام شنیدہ کار دیدہ تھا مگر بالمشافہ ملاقات نہ تھی۔ وہ اپنی ڈھیر ساری کاوشوں کے ساتھ راقم السطور کے پاس تشریف لائے۔ یہ ان کی کرم فرمائی تھی۔ تعارف وتعریف کے بعد انہوں نے اپنی متعدد فکری کاوشوں کے گراں قدر نمونے دکھائے۔ میں کبھی ان کو دیکھتا اور کبھی ان کی خداداد صلاحیتوں کو۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ بعض دُرِ شاہوار اپنی شعاعوں کو پنہاں رکھتے ہیں مگر ان کی قیمت کا اندازہ وہ جوہری ہی کر سکتا ہے جس کی نگاہ محک و معیار ہوتی ہے۔ بلا تمثیل مولانا موصوف میرے نزدیک اس طرح ہیں۔ متحمل مزاج، سنجیدہ فکر مگر علم وفہم کا رسوخ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا۔ عالمانہ وقار کے ساتھ سخن فہمی اور سخن سنجی کا بڑا جاذب ذوق رکھتے ہیں۔ (تاثرات کی ڈائری سے ماخوذ)

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم نوری صاحب سیّد محمد ولی الدین رضوی بانی وسربراہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ کو اپنے ایک تاثراتی خط میں لکھتے ہیں۔

سیّد صاحب مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر خوف نہیں کہ اس زمانے میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا مفتی سیّد قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کے نقشِ قدم پر کلکِ رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی صاحب بھرپور انداز میں چل رہے ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ قاضی صاحب کی روح رحمت اللہ صدیقی کے پیکر میں کام کر رہی ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ قاضی صاحب کی روحانیت اور روحانی تصرف کا دوسرا نام کلکِ رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی ہے۔

(نور مصطفی پٹنہ کا امام اہلِ سنّت نمبر ص: ۷۴)

حضرت مولانا مفتی حسن منظر قدیری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ کلیان ممبئی لکھتے ہیں:

پیغامِ رضا اردو ادب کا ایک بیش بہا مجلہ بھی ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کا پیغام بھی ہے۔ یہ پیغام سارے مسلمانوں کے لیے اور بالخصوص ان افرادِ انسانی کے لیے جو اربابِ علم و اہلِ قلم ہونے کے باوجود اپنے دلوں میں مسلک رضا سے کدورت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے رشحاتِ قلم اہلِ سنّت و جماعت کے لیے ایک سرمایۂ لازوال ہے اور ان کے نقوشِ تحریر چراغِ ہدایت ہے۔ چاہے یہ متاعِ سخن عقیدہ کے متعلق ہو یا یہ نقوش قلم مراسم اہلِ سنّت کا بیان ہو۔ ہر لحاظ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ذاتِ گرامی مرکز اہلِ سنّت و مرجع اہلِ علم و دانش ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی نے اپنی حیات میں تجدید احیائے دین فرما کر ہماری رہنمائی فرمائی ہے ورنہ گمراہی کے اندھیرے میں نہ جانے ہم کہاں بھٹکتے رہتے؟ یہ ان کا کرم ہے کہ انہوں نے برے عقیدوں اور غلط رسوم سے اجتناب کرنے کا شعور بخشا اور ایک خط امتیاز قائم فرمایا۔ عقیدہ کی طہارت اور مراسم کی پاکیزگی عطا فرمائی اور بدعات و خرافات سے دور رہنے کی آگہی بخشی۔ یہ رضا ہی کی دین ہے کہ آج ہم باطل فرقوں سے بالکل ممتاز ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ انہی ساری چیزوں کو ہم مسلک اعلیٰ حضرت سے تعبیر کرتے ہیں جو حقیقت اور حق ہے۔

آج مسلک رضا کے خلاف اندھیروں کے بے سر زمزمے، بے باک طوفانوں اور بے ڈھنگے گیتوں کا جواب حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ صدیقی پیغامِ رضا، میں علم و ادب کے جواہر پاروں، فکر ونظر کے شہ پاروں اور حق آشنا قلم کے خوبصورت نغموں سے دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ دیتے رہیں گے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ (پیغامِ رضا جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء ص: ۲۵)

حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری۔۔ لکھتے ہیں۔

اس عہد نفاق میں اعترافِ خدمت وعظمت کے جذبے سے دل خالی ہوتے جارہے ہیں۔اس عہد کا حال یہ ہے کہ اصل پردے میں ہے اور نقل نے دکان سجا رکھی ہے۔ دینی، ملّی اور مسلکی شفافیت رخت سفر باندھنے پہ آمادہ ہے، آزاد خیالی اور فکری آوارگی کا ناگ ہر گھر کی دہلیز پہ اپنی مستقل جگہ بنانے میں مصروف ہے۔ ایسے ماحول میں حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کی ذات بہت حد تک غنیمت ہے۔ ان کی کچھ خصوصیات ہیں جو انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں۔ان کا عزم فولادی ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج میں ان کے رول کی صدیوں سراہنا کی جائے گی۔ ان کے مذہبی ومسلکی تحفظات ہیں جو ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک ہیں۔ زہر ہلاہل کو قند کہنے کی ان کی عادت نہیں، جو لوگ مذہب ومسلک کے لیے خطرہ ہیں ان سے سینہ سپر ہو جانے میں انھیں کوئی خوف نہیں ہوتا۔ بہت سارے مرکزی اداروں اور تنظیموں نے ان کی دینی، ملّی، مسلکی اور صحافتی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ اور انھیں توصیفی اعزازات وسندات سے نوازا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد خالد علی رضوی شمسی لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے۔آپ اپنی جماعت کے نہایت مخلص عالمِ دین، مجاہدانہ عزیمت اور استقلال کے ساتھ حق گو، حق پسند اور حق نواز فاضل گرامی ہیں۔علم وتحقیق کے آفاق پر طلوع ہوتے ہی اہلِ علم وانصاف نے آپ کے وجودِ گرامی میں شمس بازغہ کا جلال صاف طور پر ملاحظہ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی یہی آب وتاب تاحیات باقی رکھے۔ اور آپ کے دست وبازو وبال وپر کی حیثیت سے علماء کی جو جماعت آپ کے ساتھ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے حوصلے کو بلند رکھے اور ان کو دین وشریعت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق بخشے آمین۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

(حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات ایڈیشن اوّل ص: ۳۳/ ۳۴)

حضرت مولانا محمود عالم رشیدی خطیب و امام سنّی ہری جامع مسجد گونڈی ممبئی اپنے ایک پیغام میں لکھتے ہیں:

عزیز گرامی مولانا رحمت اللہ صدیقی سلام مسنون دعائیں

سب سے پہلے ''پیغامِ رضا'' ۲۰۰۸ء کی اشاعت پر مبارکباد قبول کریں۔ آپ کی جانب سے یہ ایک اچھی پیش رفت ہوئی ہے۔ ہر انصاف پسند شخص کو دل سے اسے سراہنا چاہیے۔ آپ اپنا حوصلہ جوان رکھیں۔ حق کی راہ میں دشواریاں آتی ہیں لیکن سرخ روئی حق پرستوں کا ہی مقدر ہوتی ہے۔ یقیناً آپ نے عہد حاضر کے اٹھتے ہوئے فتنوں کا سر کچل دیا ہے۔ پھر بھی سفر جاری رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ زخم خوردہ افراد میں مزید کچھ کرنے کی ہمت باقی نہ رہے۔ آپ نے ''پیغامِ رضا'' میں جن احساسات کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہیں۔ آپ سچائی کا آئینہ دکھاتے رہیں، ممکن ہے اس میں لوگوں کو اپنے صحیح خدوخال نظر آجائیں اور وہ اپنی اصلاح پر توجہ دیں۔ شدت سے بچنے کی کوشش کریں۔ پیار و محبت کا انداز ہر زمانے میں موثر رہا ہے۔ خانقاہیں اور درس گاہیں اپنے اپنے مفاد میں الجھتی رہی ہیں، لیکن عوامی رجحانات کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔ مقولہ ہے، جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ، امام احمد رضا کی حکومت دلوں پر ہے اسے آسانی کے ساتھ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جماعتی شیرازہ بندی کے لیے ان کی مجاہدانہ کوششوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اہلِ علم اور عوام کی غالب اکثریت ان کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ جو لوگ ان کے خلاف محاذ آرائی میں جٹے ہوئے ہیں انھیں جلد ہی اپنی اوقات سمجھ میں آجائے گی۔ آپ پوری تندہی کے ساتھ اپنا مشن

جاری رکھیں تائیدالٰہی آپ کے ہم سفرضروررہے گی۔

(پیغامِ رضا۲۰۰۸ءص:۱۷/۱۸)

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر سہسرامی صاحب لکھتے ہیں:

عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات سے حد درجہ عقیدت حاصل ہے،وہ اپنی عقیدت مندی و نیاز مندی کا اظہار نعروں کی گونج سے نہیں کرتے بلکہ خموش انداز میں تعمیری طرز فکر اختیار کرکے باغ رضویات میں گل بوٹے کھلاتے رہتے ہیں،اسباب ووسائل کے اعتبار سے بظاہر تہی دامن ہونے کے باوصف سال میں اس حوالے سے دو چار کتابیں منظر عام پر آجاتی ہیں،مولانا موصوف کے دل ودماغ پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت ومحبت کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ جوحضرات مسلک اعلیٰ حضرت یعنی افکار وخیالات اعلیٰ حضرت کی ترجمانی میں سرفہرست رہے ان کے افکار وخیالات کی خوشبوؤں سے قوم وملت کی نسلوں کو متعارف کرانے میں سرگرم عمل رہتے ہیں اوران کی حیات وخدمات اورزریں کارناموں کا تاج محل تعمیر کرنے میں خود کو مصروف رکھتے ہیں،زیر تبصرہ کتاب ’’حضورمجاہد ملت:حیات،خدمات اوراعترافات‘‘ انہی پاکیزہ جذبات کی ترجمانی وعکاسی کرنے والی قابل قدر کتاب ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی لکھتے ہیں:

مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ’’مسلک اعلی حضرت‘‘ کے نمائندہ اور علم بردار ہیں اس کے فروغ وارتقاء میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کے مولانا نے اس کے فروغ کے لئے جی توڑ کوشش کی ہے ۔آج بھی کرتے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے......مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا سا بھی انحراف انہیں پسند نہیں ......اس بات میں کوئی شک

نہیں کہ مولانا موصوف نے ’’مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ اس کے خلاف جو آواز اٹھی اور جہاں سے بھی اٹھی اور جس نے بھی یہ آواز بلند کی مولانا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مخالف کی ہر بات اور ہر تنقید کا ترکی بہ ترکی جواب دیا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا اعلیٰ حضرت اور ان کے افکار و نظریات سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں ......اور جب مولانا ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ کے مخالفین پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم ’’کلک رضا‘‘ بن کر ابھرتا ہے اور ہر ایک کی ’’نشتر زنی ‘‘ کرتا ہوا گزر جاتا ہے اور ہر ایک کو گہرے زخموں کے کرب و ابتلا میں مبتلا کر دیتا ہے......مخالفین اپنے گہرے خموں کا مداوا تو نہیں کر پاتے مگر ’’کھسیانی بلی کھمبا نوچے‘‘ کی مانند بڑبڑانے لگتے ہیں کہ مولانا ایسے ہیں ......ویسے ہیں ......انہیں کچھ نہیں آتا ہے......اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں......میں نے ’’ مسلک اعلی حضرت‘‘ پر تین کتابیں تحریر کی ہیں جو زیور طباعت سے مزین ہو چکی ہیں اور بازار میں دستیاب بھی ہیں ......میں نے یہ تینوں کتابیں ایک اچھے اور بڑے آدمی کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں......انہوں نے اِدھر دیکھا اور ان کتابوں میں مولانا رحمت اللہ صدیقی کا مقدمہ بھی شامل تھا......اس مقدمہ کو دیکھتے ہوئے بڑے مولانا نے مجھ سے فرمایا: آپ کی کتاب اچھی بہت اچھی، تحقیقی اور فکری بھی ہے مگر مولانا رحمت اللہ کی تحریر سے آپ کی کتاب کا معیار گر گیا ......ان کے مقدمہ کو کتاب میں شامل کر کے آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے اس لئے میری نگاہ میں آپ کی شخصیت مجروح دکھائی پڑتی ہے ...... میں حیرت میں پڑ گیا کہ آخر مولانا رحمت اللہ میں ایسی کیا بات پائی جاتی ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کی تحریر سے کتاب کی اعتباریت میں فرق آجاتا ہے ؟ حالانکہ مولانا سے ہمارے تعلقات برسوں سے ہیں۔ میں ان کے مزاج اور

ان کے افکار و نظریات سے واقف ہوں ان کے کردار و عمل میری نگاہ میں ہیں۔ میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ ان کی شخصیت مجروح ہے یا ان کی تحریر کا معیار گرا ہوا ہے۔ پھر بھی ان کے تعلق سے ایسا خیال کیوں؟ یہ ایک سوچنے کی بات ہے ہاں! ان کی یہ عادت ہے اور ان کا یہ مزاج ہے کہ سچ کہو اور سچ پر عمل کرو اور سچ کے علاوہ کچھ اور نہ کہو...... جو سچ کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے اس کے لئے مولانا کا قلم غضب ڈھا دیتا ہے اور پھر وہ اس کا اس قدر پیچھا کرتے ہیں کہ اسے پانی تک پینے کی مہلت نہیں دیتے بس یہی ان کی خرابی ہے اور اس کے علاوہ مولانا میں کوئی اور بات نہیں پائی جاتی ہے میرے خیال میں یہ کوئی عیب نہیں بلکہ ارباب حق کا شیوہ ہے اس لئے ان کے اس شیوۂ اہل حق پر عمل کرنے میں کسی کو کوئی اذیت نہیں ہونی چاہیئے پھر بھی نہ معلوم اس کو عیب اور گالی کیوں تصور کیا جا رہا ہے......سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بہت شاندار اور بیمثال بات ارشاد فرمائی ہے ؎

آنکھیں ملنا، جھنجھلا پڑنا، لاکھوں جمائی، انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے، اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

حضرت مولانا مفتی ولی محمد صاحب لکھتے ہیں:

گرامی قدر محب مکرم حضرت علامہ محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی کی فرمائش پر چند سطور لکھنے کی سعی کی ہے کہ موصوف سنیت و مسلک حقہ مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک ترجمان ہیں ان کی فرمائش پر قلم چلانا پڑا۔ موصوف نے قلم کی قوت سے مجاہدہ کیا ہے بریلی شریف کی عظمت و رفعت پر معترض لوگوں کو لگام دی ہے۔ مرکز اہل سنت کے آپ سپاہی ہیں اور قلم میں بڑی جان ہے، آپ نے کئی معتبر و مستند کتب و رسائل تصنیف کیے ہیں۔ کئی ایک مطالعہ میں آئیں اور ان کے مطالعہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

ایسے حضرات وقت کے باغیوں کو لگام دیتے ہیں اور اللہ نے موصوف کو اس میدان میں کامیابی دی ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے کارناموں سے ملت بیضہ کی مسلسل رہنمائی کریں گے اور مسلک کی پاسبانی کا حق ادا کریں گے حضور مجاہد ملت پہ آپ کے قلم کے زوردار نشان قائم ہوئے ہیں اور ان کو عام کرنا چاہئے۔ آپ حضور مجاہد ملت کے عرس پاک پر شاندار کتاب ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کا دوسرا ایڈیشن لا رہے ہیں، یہ کتاب (پہلا ایڈیشن) میرے مطالعہ سے گذر چکی ہے، کتاب کا انداز تحریر ایسا ہے کہ قدم قدم پر آنکھیں چھلک آتی ہیں کتاب کا ہر پہلو جامعیت لیے ہوا ہے کتاب میں حضور مجاہد ملت کی حیات کے بہت سارے مخفی گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش ہوئی ہے، اس معلوماتی کتاب کی اشاعت پر مولانا موصوف پوری جماعت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں میں جماعت اہلسنت کا ایک فرد ہونے کے ناطے مولانا موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں مولیٰ تعالیٰ انھیں تاحیات صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے ان سے مذہب ومسلک کا کام لے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شاہد رضا قادری مصباحی لکھتے ہیں:

مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب جہاں انشا پرداز ادیب ہیں اور اسلوب و بیان کا بہت خوبصورت ذوق رکھتے ہیں کہ جس میں ڈھلا ہوا مضمون اپنی خوشنمائی پر دعوتِ مطالعہ پیش کرتا ہے، وہیں حالاتِ زمانہ کے مزاج شناس اور بہت بڑے نباض بھی ہیں۔ اسی لیے ان کی ہر تحریر دلکش اور ہر مضمون برمحل اور حالات پر منطبق نظر آتا ہے نیز آپ کے تعاقب کی نگاہ تو اتنی تیز ہے کہ حریفِ مذہب ومسلک کو اپنی نیزہ کوبی سے گھائل کیے بغیر دم نہیں لیتے اور اس کے چہرے پر کتنی ہی دبیز نقاب کیوں نہ ہو بڑی دیدہ دلیری سے نوچ کر پھینکنے کا ہنر جانتے ہیں۔ مسلک امام احمد رضا کے معاملہ میں ایسے مضبوط کہ کوئی کسی طرح

بھی لچک پیدا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے صدقے ان کو اور ان کے نوری رضوی مشن کو اپنی رحمتوں کے سائبان میں رکھے اور مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے ہمیشہ ان کو رحمت اللہ بنائے رکھے اور مسلک و موقف رضا پر ہونے والے حملوں کے دفاع کے لیے صدیقی کردار نبھانے کا جذبہ اور تیور ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف رضوی لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب سے میرے تعلقات کی عمر بڑی طویل ہے، میں انہیں اپنی فیملی کا فرد تصور کرتا ہوں، پہلے اپنی تحریک کے سلسلے میں پور بندر ان کا اکثر آنا جانا ہوتا تھا، جب پور بندر ان کی آمد ہوتی تو میرے ہی حجرے میں ان کا قیام ہوتا، میری والدہ محترمہ انہیں اپنا بیٹا کہتی تھیں۔ ملی مفاد میں میں نے انہیں ہمیشہ متحرک دیکھا ہے۔ پیغام رضا کے پلیٹ فارم سے انہوں نے فکر رضا کی تشہیر میں سرفروشانہ رول ادا کیا ہے۔ ان کی ذات بہت ساری جہات میں انتہائی قابل احترام ہے۔ میں نے انہیں ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کی خصوصیات بیانی کے لیے بھی دفتر درکار ہے۔ ان کی دینی، ملّی اور صحافتی خدمات کا دائرہ قریب قریب تین دہائیوں پر محیط ہے۔ ان کی تصنیفی، تالیفی اور صحافتی خدمات کی عمر پچیس سال سے زائد ہوتی ہے۔ ان پچیس سالوں میں انہوں نے ''پیغامِ رضا'' کے کئی دستاویزی نمبرات سے جماعتی وقار کو اعتبار بخشا ہے۔ ان کی خدمات کا مرکزی محور فکر رضا، مسلک رضا اور عشق رضا سے دلوں کو اجالنا ہے۔ مولانا کی تالیفات، تصنیفات، تحقیقات اور ترتیبات کی تعداد سو سے زائد ہیں، مقالات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ جو لوگ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے کسی بھی زاویے سے اپنے دلوں میں خلش رکھتے ہیں ان کو مولانا نے کبھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا

بلکہ ان سے سلام و دعا کو بھی وہ اپنے غیرتِ عشق کی تذلیل تصور کرتے ہیں۔ وہ علماء و مشائخ جن کے دلوں میں اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف و اکابر کی محبتوں کا چراغ روشن ہے، مولانا کو تکریم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مولانا کی خدمات کی تحسین کی ہے۔ اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اس حبیبی مقالے میں اس کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جن بزرگ شخصیات کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں ان کی حیثیت تمہیدی ہے۔ اپنی تعریف و توصیف مولانا کے مزاج کے خلاف ہے۔ فکر رضا سے دنیا کا ہر گوشہ روشن و منور ہو جائے، مولانا کی یہی دھن ہے۔ ادھر کچھ سالوں سے انہوں نے حبیبیات کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ چونکہ حبیبیات، بھی فکر رضا ہی کے بطن سے پھوٹنے والی کرن ہے۔ حبیبیات کو رضویات سے الگ تھلگ دیکھنا جہالت ہے، نادانی ہے اور طفلانہ پن ہے۔ ہمارے حضرت حضور مجاہد ملّت کی صبح و شام رضویات ہی کے نور سے روشن تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا نام اور کام تا حیات ان کی زندگی کا پیش لفظ بنا رہا۔ انہوں نے فکر رضا کے نفاذ کے لیے زمینوں کے نشیب و فراز کا کبھی خیال نہیں کیا۔ انہوں نے تیز سے تیز تر ہواؤں کے دوش پہ بھی چراغِ فکر رضا جلائے رکھا۔ دنیا کا گوشہ گوشہ فکر رضا سے نور بار ہو جائے، ان کی یہی شدید حسرت تھی۔ اس حسرت کو مجسم دیکھنے کی دھن میں انھیں پیہم مشکلات کا سامنا رہا۔ کہنے والوں نے درست کہا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں زندگی گذارنا اور اس نیک سعادت نشان عمل کی دعوت دینا ہاتھوں میں انگارا لینے کے مترادف ہے۔ حضور مجاہد ملّت نے اپنے عمل کو مجسم بنا کر دنیا کو دکھایا۔ ہم لاکھ کوشش کر کے ان کے غبارِ قدم کو بھی نہیں پا سکتے۔

زیر نظر کتاب حضور مجاہد ملّت: حیات، خدمات اور اعترافات میں حضور مجاہد ملّت کی بعض خصوصیات و امتیازات کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ سمندر کو کوزے میں سمیٹنا یہ عطائے رسول فخر ہندستان، چراغِ چشتیان معین بے کساں حضور سیّدنا خواجہ غریب نواز جیسی شخصیات کا ہی حصہ ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی شخصیت

بھی سمندر نواز تھی، ان کی ذات اور ان کی ذات سے وابستہ واقعات کو چند صفحات میں سمیٹنا بہت مشکل عمل ہے۔ یہ کتاب گرچہ حضور مجاہد ملّت کی حیات و خدمات پہ آنے والی اب تک کی سب سے ضخیم کتاب ہے پھر بھی ہم تعریف و تعارف کے اعتبار سے اسے مکمل نہیں کہہ سکتے۔ یہ کتاب ذہنوں میں وسعت و کشادگی پیدا کرے گی اور حضور مجاہد ملّت کی حیات کے بکھرے ہوئے مزید گوشوں کو سمیٹنے کا دلوں میں ذوق پیدا کرے گی۔ ادھر بیس سالوں سے حضور مجاہد ملّت کے حوالے سے کوئی بھی قابلِ ذکر کتاب نہیں آئی ہے۔ ایک گہری خاموشی تھی مولانا موصوف نے اسے توڑ دیا ہے۔ مولانا موصوف نے خاموش سمندر میں ایک بڑا پتھر پھینکا ہے اس کی لہریں بہت دنوں تک دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہیں گی۔ کتاب موضوع کے اعتبار سے تاریخی نوعیت کی حامل ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت سے انکار ان تمام مصنفین، مولفین اور محققین کے ساتھ ناانصافی ہوگی جو اسلاف شناسی کی تحریک کو رنگ و روغن فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔

کتاب آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے اس کا مطالعہ کریں اس کی اشاعت میں حصہ لیں اور موصوف کی حوصلہ افزائی کی راہیں تلاش کریں۔

نیازمند
قدسیؔ

حضرت مولانا مفتی خالد علی شمسی رضوی

عشق کی بے تاب لہریں

حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی شاہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمہ (ولادت ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء- وصال ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء) جہاں اپنے اسلاف کے سچے جانشین، اخلاف کے مخلص رہبر و رہنما، مذہب مہذب اہلِ سنّت و جماعت کے ترجمان اور مسلک حقہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نقیب و پاسبان تھے، وہیں دینی، ملّی، علمی، مناظراتی اور روحانی اعتبار سے بے شمار جواہر وزواہر آپ کے دامنِ حیات میں ٹکے ہوئے تھے، جنھیں دیکھ کر آدمی بے ساختہ پکار اُٹھتا تھا۔ ؎

نظر گم ہوگئی جلوؤں میں عارف
اندھیرا کردیا ہے روشنی نے

حضور مجاہد ملت کی بے شمار خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے مسندِ درس و تدریس پر بیٹھ کر نہایت قیمتی اور باصلاحیت علما کی جماعت تیار کی۔ فرقِ باطلہ اور دوسرے مذاہب کے درمیان دین اسلام کی شوکتوں کو اُجاگر کیا۔ آپ کی زندگی کے بیش تر لمحات حمایت حق اور اماتت باطل میں گذرے۔ آپ نے قدم قدم پر قوم و ملت کو بالغ شعور کا اُجالا اور اسلامی اُصولوں کی روشنی میں زندگی گذارنے کا ہنر عطا کیا۔ آپ کی ذات میں دردِ ملت کو مجسم دیکھا جا سکتا ہے۔

حضور مجاہد ملت جہاں اپنے علم و عرفاں، فضل و کمال اور جود و نوال کے تناظر میں درس مقامات معنوی اور مقالات خرد مندی کے ساتھ حریم خانۂ اسرار کے محرمِ راز اور روشن ضمیر پیر تھے، وہیں اہلِ سنت و جماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی صلاح و فلاح کے لیے جو گردوں شکار کارنامے انجام دیے ہیں وہ تاریخ اہلِ سنت کے روشن ابواب ہیں۔ ان کی ہیبت حق نے جہاں باطل کے ایوانوں میں سراسیمگی پیدا کی، وہیں مغرور حاکمانِ وقت کا نشۂ حکمرانی بھی

پامال کیا۔ ان کی ذات میں ہر باطل طاقت کی کلائی مروڑنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔ ان میں منصوبہ سازی اور اسے عملی شکل دینے کا جو ہنر تھا عہدِ حاضر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے قول و فعل میں فاصلہ نہیں تھا۔ اور ان کی خلوت و جلوت میں دوری نہیں تھی۔ وہ عشق و عرفان کی اس منزل پر فائز تھے جہاں اچھے اچھوں کی رسائی مشکل سے ہوتی ہے۔ اخلاص و وفاداری اور دین کی بالا دستی کی تڑپ کا جو پاکیزہ اور تقدس مآب جذبہ ان میں تھا، ان کے معاصرین میں اس کی مثال بمشکل ملے گی۔ ایثار و قربانی ان کی شخصیت کا شناخت نامہ ہے۔

حضور مجاہد ملت ؒ حضور شمس العلما قاضی شمس الدین احمد رضوی جعفری کے نہایت عزت مآب، محترم اور ہم سبق ساتھیوں میں تھے۔ ان دونوں کے درمیان انتہائی مخلصانہ مراسم تا حیات قائم رہے۔ دونوں شخصیات ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتی تھیں، اور مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مشیر و ہم راز بھی تھیں۔ جب دونوں ایک دوسرے سے ملتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ برسوں کے بچھڑے گلے ملے ہیں۔ ہم طلبہ کے لیے یہ منظر بڑا پُر کیف، پُر مسرّت اور پُر اثر ہوتا۔ شہر کے احباب جو ہمراہ ہوتے، وہ بھی یہ منظر رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے، بڑوں کا عمل چھوٹوں کے لیے درس آموز، ادب آموز ہوتا ہے۔ آج اس طرح کے مناظر کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔

حضور مجاہد ملت ۱۹۸۰ء میں حج بیت اللہ کی سعادتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ خطرات کے ماحول میں بھی اپنے عشق کا بے حجابانہ اظہار فرماتے۔ حق کی راہ میں آپ کبھی بھی کسی مصلحت کے شکار نہیں ہوئے۔ احباب عشق کو باحجاب رکھنے کی گذارش کرتے لیکن آپ احباب کی گذارش کو ہمیشہ نظر انداز کر دیتے۔ جماعت اہلِ سنّت کا جب بھی کوئی مقتدا حرم کی سرزمین پر رحمتِ الٰہی اور کرم رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے حاضر ہوتا ہے، تو ہندستان میں نجدی حکومت کے خبری اپنے آقاؤں کو قبل از وقت خبر نامہ بھیج دیتے ہیں۔ خبر کی روشنی میں نجدی حکومت کے کارندے ان پہ سخت نگاہ رکھتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی

حضور مجاہد ملت کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ آپ نے کبھی نجدی اماموں کی اقتدا نہیں کی بلکہ جماعت ہوتی رہتی اور آپ عصا لے کر ٹہلتے رہتے۔ آپ کے عمل میں تسلسل کو دیکھتے ہوئے حکومت نے آپ کو گرفتار کرلیا۔ نجدی قاضی کے روبرو آپ کو پیش کیا گیا۔ قاضی نے آپ سے سوالات کیے۔ آپ نے اپنے جواب سے قاضی کو لاجواب کر دیا۔ آپ کے عشق کا بے باکانہ اظہار قاضی کو اچھا نہیں لگا۔ اور آپ کو سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ جب قاضی نے اپنا حکم سنایا تو آپ کے ہونٹوں پہ تبسم تھا۔ جیل کے اندر آپ کو جو اذیتیں دی جاتیں، اسے سن کر فولادی جگر بھی بید لرزاں کی طرح کانپنے لگتا ہے۔ اظہارِ عشق کا یہ انعام تھا جس وقت آپ کو گرفتار کیا گیا، اس وقت آپ کی عمر ۷۶ رسال کی تھی۔ اس عمر میں عام طور پر لوگ سفر وحضر میں کسی سہارے کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ نجدی درندے آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر تپتی ہوئی دھوپ میں گھنٹوں کھڑا کر دیتے۔ عرب میں رات میں جو ہوائیں چلتی ہیں اس کی تپش غیر عرب کے لیے برداشت سے باہر ہوتی ہے۔ اسی سے دن کی تپش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن آپ کی صحت پہ اس کا کوئی اثر دیکھنے کو نہیں ملتا۔ جب آپ کو اذیت دی جاتی تو کبھی کبھی آپ پہ غشی طاری ہوجاتی۔ جب ہوش آتا تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی۔ جب حضور شمس العلما کو آپ کی گرفتاری اور طوقِ سلاسل کی خبر ملی تو آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ آہ! یہی سنّت اسلاف باقی رہ گئی تھی، اسے بھی ادا کر دیا۔

میرے مشرب سے مجھے کون ہٹا سکتا ہے
یہ اسیری تو میرا پیشۂ آبائی ہے

نجدی حکومت کی اذیت رسانی کے حوالے سے خود حضور مجاہد ملت کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں۔ یہ بیان ۱۹۸۰ء کو حضور حافظ ملت کے سالانہ عرس کے موقع پر ایک میٹنگ میں دیا تھا، جس میں ملک وملت کے کئی سو مشاہیر شریک تھے اور یہی بیان ممبئی کی ایک پریس کانفرنس کو بھی دیا تھا۔ حضور مجاہد ملت فرماتے ہیں:

''حرم شریف کا پیش امام شیخ عبدالعزیز نجدی اہلِ سنّت کے مسلک وعقیدہ سے کوئی

تعلق نہیں رکھتا۔ میں نے اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ توسّل اور استعانت کے موضوع پر اس نے مجھ سے مناظرہ بھی کیا۔ میں نے بھرپور شکست دی۔ وہ میرے جوابات پر بوکھلا کر رہ گیا۔ حکومت نے میری اس حقانیت کو میرے قصور سے تعبیر کیا اور نتیجہ کے طور پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ پیروں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ انگلیوں کے نشانات لیے گئے۔ اور مختلف زاویوں سے میری تصویریں بھی کھینچی گئیں۔ اس کے علاوہ سلاخوں کے پیچھے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے اس قدر اذیت پہنچائی جاتی تھی کہ میں بار بار بے ہوش ہو جایا کرتا تھا۔ مجھے تپتی ہوئی دھوپ میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ کئی کئی گھنٹہ دھوپ میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ہندستان کا سفارت خانہ میرے سلسلے میں خاموش رہا اور مدد مانگنے کے باوجود بھی اس نے میری کوئی مدد نہیں کی۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ کا حضور مجاہد ملت نمبر، مئی ۱۹۸۲ء، ص ۳۷)

حضور مجاہد ملت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں فنائیت حاصل تھی۔ وہ ہر اُس چیز کو محبت کی نگاہوں سے دیکھتے جس کو محبوب سے کوئی نسبت و تعلق ہوتا۔ بارگاہِ غوثیت مآب میں حاضر ہوتے تو لنگر شریف سے کھانا لینے والے فقیروں کی لائن میں کھڑے ہو جاتے۔ حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

۱۹۸۰ء میں حضور مجاہد ملت اپنے چند احباب کے ساتھ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اولیائے عراق قدست اسرارھم کی زیارت کی غرض سے بغداد شریف حاضر ہوئے اور تقریباً بیس روز قیام رہا۔ ہم لوگوں کی رہائش حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احاطے ہی میں تھی۔ اس کے اتر پورب کونے میں لنگر خانہ تھا۔ اس میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے میں باورچی رہتا تھا۔ ایک میں دنبے پنکھے کی ہوا میں رہتے تھے۔ ایک کمرے میں بہترین چاول کے بورے لگے رہتے تھے۔ ایک جگہ پر دنبہ ذبح کیا جاتا تھا۔ اور ایک جگہ پر شوربا نام کا طعام تیار کیا جاتا تھا، جو چاول اور دنبے کے گوشت سے بنتا تھا۔ لنگر خانہ کا دروازہ دکھن کو تھا اور اُتر کی طرف دو کھڑکیاں تھیں جو شہر کے لوگوں کو شوربا دینے کے لیے کھولی جاتی تھیں۔ عصر کے قریب شوربا کی تقسیم ہوتی تھی۔

احاطۂ درگاہ کے اندر رہنے والے لوگوں کے لیے باورچی اندر ہی سے شوربا بھیج دیتا تھا۔ ہم لوگوں کا کھانا پکتا تھا۔ لیکن شوربا باورچی بھیج دیتا تھا۔ اس وقت جلال نام کا ایک پاکستانی باورچی تھا، وہ حسب معمول پہلے عورتوں والی کھڑکی کھولتا تھا اور لائن میں لگی عورتوں کو شوربا دے دیتا تھا۔ اس کے بعد مَردوں والی کھڑکی کھول کر لائن میں لگے ہوئے مَردوں کو تبرک (شوربا) دیتا تھا۔

ایک روز حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم لوگ اس بارگاہ کے فقیر ہیں۔ ہم لوگوں کو باہر کھڑکی کے سامنے لائن میں لگ کر تبرک لینا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگ کاسۂ گدائی لے کر لائن میں کھڑے ہوئے۔ بعض کو یہ بات ناگوار ہوئی لیکن حضور مجاہد ملت کے روبرو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ جب باورچی جلال نے حضرت کو دیکھا، کہا آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں؟ آپ برتن ہر روز کی طرح بھیج دیں۔ میں شوربا دے دوں گا۔ حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ نے فرمایا: نہیں، اس وقت میں یہیں سے لوں گا۔ لائن میں لگے ہوئے لوگوں میں سے کئی شخص شوربا لے کر چلے گئے۔ لیکن ایک لڑکا حضور کے آگے تھا۔ جلال نے اس لڑکے سے کہا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے اور شیخ کو پہلے لینے دے۔ لیکن حضور مجاہد ملت نے انکار کر دیا اور فرمایا: نہیں! وہ لڑکا میرے آگے ہے، پہلے وہ لے گا۔ پھر میں لوں گا۔ ہم سب اس بارگاہ کے فقیر ہیں۔ اسی طرح ہم لوگ کئی روز کاسۂ گدائی لے کر تبرک شوربا لینے کے لیے اس مَردوں والی کھڑکی کے سامنے لائن میں لگے رہے۔ (مرد جوز امجاہد ملت، ص ۴۱۰، ۴۱۱)

حضور مجاہد ملت کا یہی حال معین بے کساں حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں بھی تھا۔ تپتی ہوئی دھوپ ہوتی اور آپ لائن میں فقیروں کے ساتھ گھنٹوں کھڑے رہتے۔ اس لیے کہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دونوں بارگاہوں کا رشتہ انتہائی گہرا ہے۔ یہ دونوں شخصیات ربّ کائنات کے محبوبین میں ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق کا یہی تقاضا بھی ہے کہ ان کے نام و نسبت کے سامنے جبین نیاز احترام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

الغرض ان کے ہر مو پہ لاکھوں سلام — ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ان کے ہر نام ونسبت پہ نامی درود ان کے ہر وقت وحالت پہ لاکھوں سلام
ان کے مولیٰ کی ان پر کروروں درود ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف غنچہائے قدس اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

عشق قربانی چاہتا ہے۔ جان کی قربانی، مال کی قربانی، اولاد کی قربانی وغیرہ وغیرہ۔ عشق جب اوجِ کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے امتحان گاہ میں اُتارا جاتا ہے۔ اسے نارِ نمرود میں ڈالا جاتا ہے اور اسے کربلا سے گذارا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ السلام کا عشق جب اوجِ کمال کو پہنچا تو بطور امتحان انھیں نارِ نمرود میں ڈالا گیا۔ حضرت خلیل نے لمحے بھر کے لیے کچھ نہیں سوچا۔ بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے۔ جب فرشتوں نے حضرت خلیل کی محبت پہ سوال اُٹھایا تو حضرت خلیل کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے نورِ نظر حضرت اسمٰعیل کی قربانی پیش کرو۔ یہاں حضرت اسمٰعیل کی قربانی مقصود نہ تھی، بلکہ عشق کو سرفراز کرنا مقصود تھا۔ حضرت خلیل کی وارفتگی وخود سپردگی، حضرت اسمٰعیل کی والدین کی فرماں برداری، خدا کی اطاعت دکھانا مقصود تھا۔ اور دنیا والوں کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ یہی حضرت اسمٰعیل ہیں جن کی نسل سے ہمارا محبوب جلوہ گر ہوگا۔ کم سنی میں حضرت اسمٰعیل کی اطاعت کا جب یہ عالم ہے تو ہمارے محبوب کی اطاعت کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت امام حسین کو کربلا میں جانے کی ضرورت نہ تھی۔ رب چاہتا تو یزیدیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا۔ لیکن حضرت امام کا عشق اوجِ کمال پہ پہنچ چکا تھا۔ انھیں انعام واکرام سے نوازنا تھا۔ اور ان کی ذات کو قیامت تک کے لیے نمونۂ عمل بنا دینا تھا۔ ورنہ یزید جنگ جیت کر بازی نہیں ہارتا۔ یزید اور یزیدیوں کا نام ونشان مٹ گیا مگر حضرت امام حسین آج بھی دلوں میں زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ یہ ان کے عشق کا انعام ہے۔

حضور مجاہد ملت کا عشق بھی کمال کی ساری سرحدوں کو عبور کر چکا تھا۔ ان کا عشق اس لائق ہو چکا تھا کہ اسے انعام واکرام سے سرفراز کیا جائے۔ رب کی رحمت نے نجدیوں کو ورغلا دیا۔ نجدیوں نے انھیں گرفتار کیا۔ جیل میں ڈالا اور انھیں صبر آزما اذیتوں سے دوچار کیا۔ نجدیوں کی اذیتوں پر رب کی رحمت مسکراتی رہی۔ رب کی رحمت نے حضور مجاہد ملت

کے عشق اور ان کی شخصیت کو عالم آشکار کر دیا۔ پوری دنیا غم و الم کی تصویر بنی رہی اور رب کی رحمت حضور مجاہد ملت کو سرفراز کرتی رہی۔ اگر یہ اسیری اور اذیتوں کا طوفان انعامِ الٰہی نہیں تھا تو پھر دوسرے ہی سال کیسے طلب کیے گئے۔ سارے واقعات تازہ تھے، پھر حضوری کی اجازت کیسے مل گئی۔ اور پورے نشانِ عظمت کے ساتھ سارے ارکان ادا کیے۔ عشق آسان نہیں ہوتا ؎

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

جناب اسحاق صاحب لاہوری بیان کرتے ہیں کہ ادھر سعودی حکومت نے حضرت کو گرفتار کر کے بیئر عثمانی جیل میں بند کیا اور اُدھر خواب میں مجھے حضور مجاہد ملت کی کچھ اس طرح زیارت ہوئی کہ آپ فوجی وردی میں ملبوس بارگاہِ مصطفیٰ میں عین سنہری جالیوں کے سامنے مواجہہ عالیہ کے قریب ایک وسیع و عریض دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ رنگا رنگ کے کھانے، قسم قسم کے مشروبات خصوصاً زردہ، پلاؤ اور دیگر لوازمات آپ کے سامنے ہیں۔ اس دسترخوان پر چار پانچ اور بزرگ بھی جلوہ افروز ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے آپ کو اس دسترخوان سے اُٹھا اُٹھا کر عطا فرما رہے ہیں اور بعد از فراغت آپ ایک فوجی مجاہد کی حیثیت سے حضور کے مواجہہ کی طرف مارچ کرتے ہوئے سیلوٹ کے انداز میں سلامی دیتے ہوئے غائب ہو جاتے ہیں۔

حاجی اسحاق نوری کا بیان ہے کہ آپ اس وقت نجدیوں کی جیل میں تھے۔ میرے دل میں معاً خیال آیا اور اس خواب کی تعبیر گونجی کہ حضرت مجاہد ملت کو سعودی حکومت اس سال حج نہیں کرنے دے گی بلکہ قبل از حج واپس بھیج دے گی۔ چنانچہ اسی طرح وقوع میں آیا۔

مگر عجیب اتفاق کہ باوجود سخت پابندیوں کے دوسرے سال مجاہد ملت علیہ الرحمہ آخری بار سلام اور حج و زیارت کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ میری ملاقات آپ سے منیٰ کے کیمپ میں ہوئی۔ حضرت قبلہ فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی موجودگی میں مَیں نے اپنا خواب اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازشات کا آپ سے ذکر کیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور زبان پر درود و سلام اور الحمد للہ الحمد للہ کے کلمات جاری ہو گئے۔

(نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

حضور مجاہد ملت کی ذات مقبول بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھی۔ آپ کے لمحاتِ حیات سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ آپ دربارِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہدایات کے مطابق ہی کوئی قدم اٹھاتے۔ آپ پورے طور پر اصحابِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکسِ جمیل تھے۔ اگر کرمِ الٰہی اور نوازشِ رسالت پناہی نہ ہوتی تو تاریخ کے ماتھے پر اس طرح آپ کے نقوشِ حیات نمایاں نہ ہوتے۔ انعام واکرام کے حوالے سے بہت ساری شہادتیں کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں اور زبانوں سے بھی سنی جاتی ہیں۔ اللہ ہمارا حشر ان کے نیازمندوں میں فرمائے۔ آمین

سید التابعین حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کو کسی نے زاہد کہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں کیا زاہد ہوں۔ زاہد تو امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دنیا آپ کے سامنے پراگندہ نقاب آئی اور آپ نے اس کی طرف سے منھ پھیر لیا۔ اسی تناظر میں عرض ہے کہ حضور مجاہد ملت خاندانی رئیس بلکہ رئیس اعظم اڑیسہ تھے۔ آپ چاہتے تو انتہائی عیش وآرام کی زندگی گذارتے مگر آپ نے اپنی حیات کا لمحہ لمحہ دین کی شوکتوں کے قیام اور اپنے فضل وکمال کی کائناتِ نور کے ساتھ اپنے دل کا درد جہاں بھر میں تقسیم کرتے ہوئے سفر ہی میں وصال فرمایا اور بحکم حدیث پاک ''مسافر کی موت شہادت ہے'' کے اعزاز سے شرف یاب ہوئے۔ ؎

دو ہی ہچکی کے لیے رخصت ہوا بیمارِ غم
ایک ہچکی موت کی اور اِک تمہاری یاد کی

حضور مجاہد ملت کے ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا کہ بانٹتے بانٹتے جب ختم ہوجاتا تو گھر پہنچتے اور پھر ظاہری اسباب کی فراہمی کے ساتھ اپنے گھر سے روانہ ہوتے۔ آپ کی پوری زندگی اس حقیقت کی آئینہ دار تھی کہ ؎

وہ تو دیتے تھے عیش دوعالم بھی مگر
عشق کی غیرتِ غم نے یہ گوارہ نہ کیا

علوم ابن عربی کی تابش، سوزِ رومی اور عشقِ جامی کے ساتھ زندگی و بندگی کا سوز وساز اپنے

محبوب کے قدموں میں نچھاور کرتے ہوئے حریم شوق میں پہنچ کر شاد کام وشربت دید ہوئے، ان کی عید ہوئی۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ابدالاباد تک ان کی روحِ پاک پر اپنی رحمتوں کے بے حساب پھول برسائے اوران کے غلاموں کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آپ اپنی جماعت کے نہایت مخلص عالم دین، مجاہدانہ عزیمت اور استقلال کے ساتھ حق گو، حق پسند اور حق نواز فاضل گرامی ہیں۔ علم وتحقیق کے آفاق پر طلوع ہوتے ہی اہلِ علم وانصاف نے آپ کے وجود گرامی میں شمس بازغہ کا جلال صاف طور پر ملاحظہ کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی یہی آب وتاب تاحیات باقی رکھے اور آپ کے دست وبازو و بال و پر کی حیثیت سے علما کی جو جماعت آپ کے ساتھ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے حوصلے بلند رکھے اوران کو دین وشریعت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین ؎

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

زیر نظر کتاب ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کا ہم نے سرسری مطالعہ کیا ہے۔ کتاب کے حرف حرف سے جستجو، تحقیق اور بے لوث عقیدت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ ہم نے بہت ساری کتابوں پہ تقدیم وتقریظ پڑھی ہے لیکن اتنی طویل اور تحقیق کے زیور سے آراستہ تقدیم اب تک نگاہوں سے نہیں گذری۔ مولانا موصوف نے اپنی تقدیم میں حضور مجاہد ملت کی جو قلمی تصویر کھینچی ہے اس کی کوئی دوسری نظیر شاید نہ مل سکے۔ حضور مجاہد ملت کے حوالے سے اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر حلقے میں قبولیت عامہ حاصل کرے گی۔ رب کائنات سے پُرخلوص دعا ہے کہ وہ مولانا موصوف کو اپنی بے پناہ رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں سے شاد کام فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

گدائے کوچۂ رضا
محمد خالد علی شمسی رضوی

باب سوم

حیات و خدمات

محمد رحمت اللہ صدیقی

تقدیم

اسلاف کی حیات و خدمات، کردار و عمل اور ان کی یادوں کے بجھتے ہوئے چراغوں کی لَو تیز کرنا ہر مومن کے دینی، ملّی اور اخلاقی فریضے میں داخل ہے۔ اس لیے کہ بدعقیدگی، بدعملی اور بے راہ روی کے ماحول میں ان کی حیات کے تابندہ نقوش دَم توڑتے جذبوں، ٹوٹتے حوصلوں اور منتشر خیالوں کو یقین و اعتماد کی منزل عطا کرتے ہیں۔ تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ جب جب تاریکی کے سائے گہرے ہوئے ہیں، آزاد خیالی کا طوفان اُٹھا ہے اور فکری آوارگی کے مہلک جراثیم نے صالح نظریات کو متاثر کرنے کی کوششیں کی ہیں تو حضور مجاہد ملت جیسی علم پرور، پاکباز، دین پرست اور تقویٰ شعار شخصیات کے پاکیزہ کارناموں سے پھسلتے قدموں کو استقامت کی دولت، یقین کا نور اور اُمید کا سویرا ملا ہے۔

حضور مجاہد ملت علم و عمل، عشق و عرفان اور ایمان و یقین کی اس منزل پر فائز تھے جہاں پہنچنے کی فکر میں بڑے بڑے صاحبان فضل و کمال کے شاہین عقل کے بال و پر جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ علوم و فنون کی کوئی ایسی شاخ نہیں، عشق و عرفان کی کوئی ایسی سرحد نہیں، جرأت و ہمت کی کوئی ایسی فصیل نہیں اور زہد و پارسائی کی کوئی ایسی منزل نہیں جہاں آپ نے اپنے وجودِ مسعود کا احساس نہ دلایا ہو۔ اگر آپ کی حیات کے سنہری اوراق اُلٹے جائیں، تاریخ کے دفاتر کھنگالے جائیں اور زمین کی وُسعتوں میں پھیلے ہوئے آپ کے نقوش حیات یکجا کیے جائیں تو حکمت و دانائی کے درجنوں ابواب مرتب ہو سکتے ہیں۔ آپ کی کتابِ حیات کا ہر ورق چاند کی چاندنی سے زیادہ صاف و شفّاف اور سورج کی طرح درخشاں و تابندہ ہے۔

حضور مجاہد ملت یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کی عملی تفسیر تھے۔ حوادث سے اُلجھتے ہوئے مقاصد تک پہنچنا اُن کی فطرت تھی۔ ان کی ذات معمارِ سُنّیت بھی تھی اور شعارِ سنّیت بھی۔ زمین پر بیٹھ کر افلاک کی وسعتوں میں ٹہلنا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔ آپ کی ذات جماعت اہلِ سنّت کے لیے انعامِ الٰہی بھی تھی اور اسرارِ الٰہی بھی۔ آپ کو آپ کے عہد نے نہیں سمجھا۔ آپ کو آپ کا عہد سمجھ لیتا تو برصغیر میں آج مسلمانوں کی تاریخ مختلف ہوتی۔ جس طرح ماضی میں آپ کے نقوشِ پا مینارۂ نور تھے، اسی طرح آج بھی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک بنے رہیں گے۔ آج کی قیادت آپ کے نقوشِ حیات کو رہنما بنا کر جماعتی مسائل کی بہت ساری پیچیدہ گتھیاں سلجھا سکتی ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام تر نقوش روشن ہیں لیکن ان نقوش کو اپنی حیات کا حصہ بنانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ آپ کی ذات تا حیات فانوس عشق و عرفان کی صورت میں روشن رہی۔ آپ نے اپنے عہد میں جماعت اہلسنّت کو جو وقار و اعتبار بخشا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ باطل قوتیں آپ کے وجود سے ہراساں رہا کرتی تھیں۔ بلا ضرورتِ شرعیہ کسی بھی باطل قوت سے اشتراک کے آپ سخت مخالف تھے۔ آپ کی شخصیت اپنے عہد میں کئی جہات سے ممتاز تھی۔ آپ کی شخصیت میں ملّی درد کو مجسّم دیکھا جا سکتا ہے۔ ملک و ملت کے حوالے سے آپ کے جذبات و خیالات میں جو پاکیزگی تھی وہ اب کہیں نظر نہیں آتی۔ آپ کا علم، آپ کا عمل اور آپ کا عشق تقلیدی تھا۔ حرارتِ عشق آپ کو ہر وقت بے چین کیے رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا بستر ہر وقت بندھا رہتا تھا۔ تا عمر آپ کی فقیرانہ زندگی کی دہلیز پر رئیسی سر پٹکتی رہی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی ظالم و جابر طاقتیں آپ کو کبھی مرعوب نہ کر سکیں۔ آپ ظلم و جبر کی ہر کلائی مروڑ دیتے تھے۔ اپنے زمانے میں پوری دنیا میں آپ سے بڑا کوئی دوسرا مجاہد نہ تھا اور اب تک آپ کا کوئی مثل پیدا نہ ہو سکا ہے۔ جماعتی روایات کو آپ نے جو تحفظات فراہم کئے ہیں اس کی مثال سے ماضی قریب کی تاریخ خالی ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر تیور اس شعر کا آئینہ دار تھا کہ ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہے مَردوں کی شمشیریں

حضور مجاہد ملت جس زمانے میں پیدا ہوئے وہ زمانہ مذہب و مسلک کے لیے بڑا پُرخطر، پُرآشوب اور نازک زمانہ تھا۔ مسلمان دینی، ملّی، صنعتی اور سیاسی اعتبار سے مایوسیوں کا شکار تھا۔ اسلامی اقدار و روایات کو کھلے عام نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ تقدیس الوہیت و رسالت کو شدید خطرات لاحق تھے۔ مسلمانوں کے دلوں سے چراغِ عشق رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بجھانے کی کوششیں جاری تھیں۔ محبوبانِ خدا سے بندگانِ خدا کے رشتوں کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا جا رہا تھا۔ درس گاہوں اور خانقاہوں کا وقار داؤں پر لگا ہوا تھا۔ مسلمانوں سے ان کا تصلّب اور تشخص چھینا جا رہا تھا۔ انھیں زندگی کے ہر شعبے میں بے دست و پا کرنے کی کوششیں تیز تھیں۔ ایسے پُرخطر ماحول میں آپ نے قومِ مسلم کو آبرومندانہ زندگی گذارنے کا حوصلہ بخشا اور باطل کی ہر سازش کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بے نقاب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرّہٗ نے باطل قوتوں سے مقابلے کے لیے جو ہتھیار تیار کیے تھے حضور مجاہد ملت انہی ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اُترے اور باطل کے ناپاک اِرادوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ انہوں نے قومِ مسلم کو بامقصد زندگی گذارنے کے طریقے بتائے اور زندگی کے ہر شعبے میں اپنے وجود کا احساس دلانے، حکومت وقت سے اپنے جائز مطالبات منوانے اور اجتماعی طور پر منظم رہنے کے لیے پُرزور تحریکیں چلائیں۔ مسلم مسائل کو اُٹھانے کی بنیاد پر آپ ہمیشہ حکومتِ وقت کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے۔ چونکہ آپ خود ایک بڑے اسٹیٹ کے مالک تھے، آپ کے ساتھ جماعت بھی تھی اور جمعیت بھی تھی۔ حکومتِ وقت کے ساتھ ساتھ دوسری اسلام مخالف تحریکات کو آپ کی طاقت و قوت کا خوب اندازہ تھا۔ پھر بھی آپ کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ قید و بند کی دل خراش صعوبتوں سے گذرنا پڑا۔ اس کے باوجود مصائب و آلام کے تیز و تند جھونکے آپ کے حوصلوں کا چراغ کبھی بجھا نہ سکے۔ آپ نے اپنے کارناموں سے اپنے عہد پر دیرپا اثرات

چھوڑے ہیں۔ جب بھی کوئی مؤرخ آپ کے عہد کی تاریخ مرتب کرے گا تو آپ کے ذکر کے بغیر وہ تاریخ مکمل نہ سمجھی جائے گی۔ ملّی مفادات کے باب میں آپ کی بے لوث قربانیوں کی ایک طویل تاریخ ہے، جسے منظم طور پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ آپ ہی جیسی شخصیات پہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر چسپاں ہوتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضور مجاہد ملت کی ولادت ۸ / محرم الحرام ۱۳۲۲ھ / ۲۲ / مارچ ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔ اور وصال ۶ / جمادی الاوّلیٰ ۱۴۰۱ھ / ۱۳ / مارچ ۱۹۸۱ء میں ہوا۔ آپ کی ۷۸ / سالہ زندگی سے ۲۸ / سال تعلیم و تربیت کے لیے نکال دیئے جائیں تو ۵۰ / سال بچ جاتے ہیں۔ یعنی آپ پورے ۵۰ / سال تک پورے ہوش و حواس کے ساتھ مذہب و مسلک اور قوم و ملّت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ جب، جہاں، جیسی ضرورت پیش آئی آپ نے ملک و ملّت کے لیے خود کو پیش کیا۔ آپ کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو دینی، ملّی، علمی اور سیاسی خدمات کے جذبے سے خالی ہو۔ بعض صوفیا کا فرمان ہے کہ جو سانس ذکرِ الٰہی سے خالی ہو کافر ہے۔ آپ کی حیات کا مطالعہ اس خیال کو اعتبار عطا کرتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہ تھا۔ آپ کے دینی، ملّی اور جماعتی درد کو اس بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ جس شہر میں جاتے قیام کے لیے کسی مسجد کا انتخاب فرماتے۔ عقیدت مندوں کی جماعت یہ چاہتی کہ حضور کسی کے گھر پہ قیام کریں۔ عقیدت مندوں کو آپ جواب دیتے کہ گھر کے دروازے عموماً دس بجے رات میں بند ہو جاتے ہیں لیکن خدا کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ ہماری ضرورت قوم کو نہ جانے کس وقت پیش آجائے۔ گھر میں قیام کرنے سے صاحب خانہ کو ہمارے لیے پوری پوری رات بیدار رہنا ہوگا اور یہ دقّت طلب کام ہے۔ مسجد میں نہ آنے کی پابندی، نہ جانے کی۔ مصلحین اُمت کی تاریخ میں ایسی مثال بہت کم ملے گی۔ آپ کی اس طرزِ زندگی پر جس قدر غور کیجیے حیرانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے بہت کچھ لکھا جاسکتا

ہے۔آپ نے اپنی دینی، ملّی، علمی اور سیاسی خدمات سے پورے عہد کو متاثر کیا۔اور آج جو بھی آپ کی حیات کا مطالعہ کرتا ہے، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔عہدِ حاضر کے مصلحین امت کے لیے آپ کی حیات کی ہر سانس مشعلِ راہ ہے۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے مطالعہ کے دوران ایک قاری قدم قدم پر حیرت واستعجاب کا شکار ہوتا ہے کہ ایک رئیس وقت پہ فقیری کی تہیں اتنی گہری کیسے ہوگئیں؟ ان کی زندگی کی ہر سانس سے فقیری کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ ان کے رئیسانہ تیور اس وقت دیکھنے کو ملتے تھے جب دینی وملّی قدروں کے فروغ کی راہ میں پیسے حائل ہوتے۔ دینی روایات کی تبلیغ وترویج کے لیے ان کے خزانے کا منھ ہر وقت کھلا رہتا۔ان کی فقیری کی دہلیز پہ اہلِ ثروت کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی اور ہر شخص آپ کی جنبش لب کا منتظر ہوتا۔لیکن آپ کی زبان کھلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی، بلکہ ہزاروں بے مایہ لوگ آپ کی دعاؤں سے دولت وثروت کی کان کے مالک ہوگئے۔ فقیروں کی بارگاہوں میں ہر طرح کے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب بامراد ہوتے ہیں۔ان کے یہاں ذات، برادری اور قبیلہ کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔حضور مجاہد ملت کا بابِ کرم چوبیس گھنٹے کھلا رہتا۔آپ کے کرم کی بارش میں نہانے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔اس فہرست میں جماعتِ علما، جماعتِ فقہا، جماعتِ خطبا، جماعتِ مناظرین، جماعتِ محدثین، جماعتِ متکلمین، مناطقہ، فلاسفہ، جماعتِ طلبہ اور عوام سب نظر آتے ہیں۔ آپ کی درس گاہ علم میں تشنگانِ علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی۔ بلکہ آپ کے بعض تلامذہ کی درس گاہوں میں بھی ہم نے علما کی جماعت کو زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوئے دیکھا ہے۔رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> ’’اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصّہ میں نے حضرت مجاہد ملت کی خدمت میں گزارا ہے۔سفر وحضر میں ان کی ہمرکابی کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔خصوصیت کے ساتھ بارہ مناظروں میں ان کے ساتھ میں نے سفر کی سعادت حاصل کی ہے، جن میں

سے آٹھ مقامات پر میں نے حضور مجاہد ملت کی صدارت میں کامیاب مناظرہ کیا ہے۔ یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ مناظرے کے اُصول و رُموز، بحث و استدلال کے ضابطے اور گفتگو کے قواعد و آداب کا جو سرمایہ بھی میرے پاس ہے وہ حضور مجاہد ملت ہی کا عطا کردہ ہے۔''

پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''ہماری عام درسگاہوں میں ''میر قطبی'' کے بعد ''ملّا حسن'' پڑھائی جاتی ہے لیکن علوم و معارف کے اس بحر ذخار (حضور مجاہد ملت) نے جب درسگاہ سنبھالی تو ''ملّا حسن'' کی جگہ ''شرح مرقاۃ'' جیسی معریٰ کتاب کو جس پر ایک سطر کا حاشیہ تک نہیں، اسے داخلِ نصاب کیا اور اسی کتاب میں ملّا حسن، ملّا جلال، قاضی مبارک حمد اللہ، تک کے مباحث کو کھنگال دیتے، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھیں معقولات پر کس حد تک یدطولیٰ حاصل تھا۔''

حضور مجاہد ملت کے علمی تبحر کے حوالے سے پروفیسر شاہد اختر کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں:

''سرکار مجاہد ملت کی حیاتِ مبارکہ کا ایک بڑا حصہ چونکہ ملّی سربلندی اور سرفرازی کی کوششوں نیز بدعقیدگی کے خلاف محاذ آرائی میں گذرا۔ اس لیے لوگوں کو ان کے علمی تبحر کا کماحقہٗ اندازہ نہ ہوسکا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی تک مختلف علوم میں اپنے ہم عصر علما میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ معقولات پر ان کی دسترس کا یہ عالم تھا کہ ان کے زمانے کے بڑے بڑے عالم کو ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں تھا۔ جس طرح میرؔ نے ''نکات الشعراء'' میں اپنے عہد میں پونے تین شاعروں کا وجود تسلیم کیا تھا۔ بیسویں صدی کے معقولات کے ایک مستند عالم صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک اسی طرح اپنے عہد میں معقولات کے ڈھائی عالموں کا وجود تسلیم کیا تھا۔ بقول ان کے معقولات پر ان کے علاوہ پوری دسترس اگر کسی کو حاصل

تھی تو وہ سرکار مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی ذات تھی اور ان کے توسّط سے ان کے شاگرد (شمس العلماء) مولانا نظام الدین بلیاوی صاحب قبلہ شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم کو نصف رسائی۔ سرکار محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی سرکار مجاہد ملت کے تبحر علمی کو اس طرح خراجِ تحسین پیش فرمایا تھا۔ ''مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن علم کے بادشاہ ہیں۔'' [۱]

حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم نوری صاحب نے حضور مجاہد ملت کے علمی آفاق کا یوں اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

حضور مجاہد ملت کی نظر و فکر کی گہرائی در گہرائی کو دیکھ کر لوگ متحیر ہو کر داد تحسین دیتے تھے شاید آپ جانتے ہوں کہ قاضی سعودیہ نجدیہ نے جب حضرت مجاہد ملت سے اس پر دستخط لینا چاہا تھا کہ ہم امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے تو مجاہد ملت نے لفظ وہابی کا اضافہ کرایا (کہ ہم وہابی امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے) یوں تو لفظ وہابی کے اضافہ سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا مگر مجھے ایک ذی علم و فہم نے بتایا جو ان دنوں سعودیہ ہی میں رہتے تھے کہ اگر مجاہد ملت لفظ وہابی کا اضافہ نہیں کراتے تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں قتل سے نہ بچا پاتی مگر لفظ وہابی کی قید نے حکومت سعودیہ کے سب سے ناپاک منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ یہ تھی حضور مجاہد ملت کی نظر و فکر کی گہرائی در گہرائی ان خوبیوں کی بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس دور کے جمیع علما و فضلا میں فرداً فرداً جو صفات کمالیہ پائے جاتے تھے حضور مجاہد ملت ان سب کے جامع تھے۔

(نوائے حبیب کولکاتہ کا مجاہد ملت نمبر، ص ۲۹۳)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی صاحب حضور مجاہد ملت کے علمی استحضار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ضرورت ملی کہ پیش نظر اپنے وصال سے تقریباً تیس برس قبل آپ نے

مدرسی تدریس کو چھوڑ دیا تھا اس کے بعد جب جب ضرورت پیش آتی تھی آپ علوم دینیہ کی کتابیں دیکھتے تھے اور اخیر عمر میں تصوف کی کتابوں سے آپ کی دلچسپی بہت ہی بڑھ گئی تھی اس سے کبھی کبھی یہ سمجھ میں آتا تھا کہ آپ شاید اپنا پڑھا پڑھایا سب بھول چکے ہیں اور دوسرے معاملات میں نسیان کو دیکھتے ہوئے یہ خیال اور بھی پختہ ہو جاتا تھا۔ لیکن موقعہ پر جب ارشاد ہوتا تھا تب یقین کرنا پڑتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ''المدونۃ الکبریٰ'' جو امام سحنون کی روایت کردہ ہے خدا جانے کس زمانے میں حضور مجاہد ملت نے دیکھی تھی۔ جب قصبہ دھرم شالہ میں ایک بہاری مولوی صاحب کسی بہاری مولوی صاحب سے فتویٰ لیکر آئے کہ شوہر کو غائب ہوئے چار سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے لہٰذا امام مالک کے قول پر عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ آپ نے اس فتویٰ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے یہ ہرگز امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب نہیں ہے ہمارے فقہا خود فرماتے ہیں اگر کوئی مسئلہ مطلق نظر نہ آیا لیکن کسی معتمد فقیہ نے اسے معتمد قرار دے دیا ہو تو اب اسے معتمد ہی مانا جائے گا تو جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس مسئلہ میں اپنے حکم کو مقید کرتے ہوں تو پھر کیا ہوگا۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملت نمبر، ص۱۰۸)

حضور مجاہد ملت کا عہد علما و مشائخ کا عہد تھا۔ بڑی بڑی جامع علوم شخصیات ملک کے مختلف گوشوں میں موجود تھیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی درس گاہ کی تربیت یافتہ شخصیات کا ایک الگ نوری کارواں تھا۔ تلمیذ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ کے فیض یافتہ علما کی جماعت الگ تھی۔ صدر الشریعہ کے تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ دوسری درسگاہوں کے سند یافتہ علما بھی کم نہ تھے۔ یعنی اہلِ علم وفن کی جماعت غیر منقسم ہندستان کے ہر گوشے میں موجود تھی۔ اور سب اپنی اپنی جگہ مصروفِ عمل تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے تلامذہ کے بعد علما کی جو جماعت نظر آتی ہے ان میں حضور

مجاہد ملت کی شخصیت مختلف جہات سے ممتاز نظر آتی ہے۔

اپنے معاصرین میں حضور مجاہد ملت کے امتیازات کی اگر فہرست تیار کی جائے تو خود ایک کتاب تیار ہو جائے۔ ذیل میں امتیازات کے چند نمایاں پہلو ملاحظہ کریں۔

حضور مجاہد ملت رئیس اعظم اڑیسہ تھے۔ یعنی اڑیسہ میں آپ سے بڑا کوئی رئیس نہ تھا۔ آپ کی ریاست ''رؤفیہ اسٹیٹ'' سے مشہور و معروف تھی۔ آپ کی دولت و ثروت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ سالانہ اُنچاس ۴۹ ہزار روپے برٹش گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتے تھے۔ اگر اس اُنچاس ہزار سے آج کی کرنسی خریدی جائے تو ایک کروڑ سے زائد رقم بنتی ہے۔ آپ کی ریاست ظلم و ناانصافی سے پاک تھی۔ آپ کے آبائے کرام بھی نرم دل، غریب پرور اور عدل پسند تھے۔ فقرا و مساکین کے لیے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ آپ کے دروازے سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں لوٹتا تھا۔ بلکہ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ مانگنے والوں کو حاجت سے سوا دیتے تھے۔ سائلوں میں تشنگانِ علوم بھی ہوتے تھے۔ مریضانِ عشق بھی ہوتے تھے اور طالبانِ دنیا بھی ہوتے تھے۔ ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے سائلوں کی زبان پر کبھی کوئی حرفِ شکوہ نہیں دیکھا گیا۔ وہ بھیک دیتے بھی تھے اور سنتِ نبوی کے مطابق منگتا کی بھلائی کی دعائیں بھی کرتے تھے۔ سائلوں کے حوالے سے ان کا حال کچھ یوں تھا ؎

آتا ہے فقیروں پہ انھیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

(حضرت حسن بریلوی)

حضور مجاہد ملت رئیس ہی نہیں بلکہ رئیس اعظم تھے۔ آپ نے اپنی پوری ریاست کو دینی اقدار و روایات کے فروغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کی حیات کا اکثر حصّہ ریل میں گذرا یا جیل میں۔ برٹش گورنمنٹ سے آپ محاذ آرا رہے اور برٹش گورنمنٹ کے بعد جو حکومت آئی اُس کی بعض پالیسیوں سے بھی آپ متفق نہ تھے۔ آپ ہر اس پالیسی کے خلاف آواز بلند کرتے رہے جو سماج کے دبے کچلے لوگوں کے خلاف ہوتی۔ آپ کی صدائے احتجاج سے

رائے عامّہ لمحوں میں تبدیل ہوجایا کرتی تھی۔ نتیجے کے طور پر حکومت اور اس سے جڑے ہوئے لوگ اپنی پالیسیوں پہ نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ آپ کا مذہبی اور سیاسی دونوں مقام بہت بلند تھا۔ آپ کی ذات، صورت وسیرت اور عمل وکردار کے اعتبار سے بھی بے مثال تھی۔ انکساری، مہمان نوازی، فیاضی، سخاوت، خوش مزاجی، صبر وشکر اور قول وفعل میں یکسانیت کے اعتبار سے بھی بے مثال و بے نظیر تھی۔ اسلامی زندگی جن عناصر سے تکمیل پاتی ہے وہ سارے عناصر آپ کی کتابِ حیات میں بہتر طریقے سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محسوس پیکر تھے۔ آپ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے شمس العلماء حضرت علامہ مفتی شاہ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام لکھتے ہیں:

''عشقِ حقیقی کے استغراق میں مجاہد ملت ہر آن یہی چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ کی سرزمین ہو اور میں ہوں۔ بصورت آزادی یا بصورت قید مواقع پر ہرگز نگاہ نہیں رہتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کو میدانِ عشق کا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ جب حاضری ہوتی تو وہاں کے خس وخاشاک کو بوسہ دیتے۔ زمین کے چپہ چپہ کو چوم لیا کرتے تھے۔ جب دریافت کیا جاتا یہ کیا؟ تو فرماتے کہ میرے سرکار کا اس مقام پر کبھی قدمِ ناز پڑا ہو۔''[۲]

حضور مجاہد ملت کی پتلیوں میں جمالِ گنبد خضریٰ منقش تھا۔ یہ اعزاز کٹھن ریاضت کے بعد ہی ملتا ہے۔ انھیں یہ مقام حاصل تھا کہ ہند میں بیٹھ کر گنبد خضریٰ کی زیارت سے خود کو شادکام کرتے رہیں۔ ان کا عشق جنوں کی سرحدوں میں داخل ہوچکا تھا۔ آپ کی جلوت وخلوت میں ہر وقت نغماتِ رضا کی دھوم رہا کرتی تھی۔ جب ہند کا یہ عالم ہے تو دیارِ حبیب میں آپ کی وارفتگی کا حال کیا ہوگا؟ اس کیفیت کی تصویر لفظوں میں کھینچنا بہت مشکل ہے۔ شاہدین کا بیان ہے، آپ ذراتِ مدینہ کو آنکھوں سے لگاتے اور قدم قدم پر زمین کو بوسے دیتے اور آپ کی زبان پہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے اس طرح کے اشعار ہوتے ؎

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفتاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب
کنارِ خاکِ مدینہ میں راحتیں ملتیں
دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا

حضور مجاہد ملت کے عشق کے حوالے سے حضرت مولانا عبدالکریم نعیمی بنگلہ دیش لکھتے ہیں:

"محبت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ محبوب کے تعلق داروں سے بھی محبت کرے۔ چنانچہ آپ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوستوں اور تعلق داروں سے اُلفت ومحبت کی۔ محبوبِ خدا کے دشمنوں سے دشمنی بحال رکھی۔ صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت آلِ رسول اور اولیائے کرام کو جان ودل سے محبوب رکھا۔ کافروں، منافقوں اور تمام بدمذہبوں سے کلیۃً نفرت وعداوت تھی۔ محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق واشتیاق بکثرت رکھتے تھے۔ شاہِ بطحا کی یاد اور ذکر پاک سے ہمیشہ رطب اللسان رہتے۔ سوتے میں یاد تھی، جاگتے میں یاد تھی، چلتے پھرتے میں یاد تھی۔ ہر حالت میں ذکر محبوب سے اپنے کو گرمایا کرتے۔ ذکر محبوبِ خدا کی فراوانی کے ساتھ ساتھ تعظیم وتوقیر سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ادب واحترام کے لیے آپ کی پوری زندگی وقف تھی۔ اپنے قول وفعل اور حال سے اس امتحان میں پوری طرح کامیاب تھے۔ آپ کی چشمانِ مبارک محبوبِ خدا کے حسن وجمال میں مستغرق رہتی۔ آپ کے کانِ مبارک محبوب کے ذکر ومدح اور ان کے کلام کے علاوہ ہر اس کلام سے بہرہ ور رہتا جس میں عشق حبیب کی آنچ تیز ہوتی۔" [۳]

پروفیسر شاہد اختر لکھتے ہیں:

"عشق کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ عاشق معشوق کی ایک ایک ادا پر جان نثار کرنے کی تڑپ اپنے اندر رکھے اور معشوق کے تصور سے ہی وصال کی لذتوں میں ڈوب جایا کرے۔ سرکار مجاہد ملت کے عشق کا یہ عالم تھا کہ اپنی زندگی کے معمولات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اداؤں کی پیروی کرتے اور نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آتے ہی تصورِ معشوق میں ڈوب کر مضطرب ہو جاتے۔ آنکھیں آنسو برسانے لگتیں۔ سرکار آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کی ایک کیفیت یوں پیش کی ہے ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ
ہے شبِ گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

سرکار مجاہد ملت عشق کی اسی کیفیت میں سرشار تھے۔ جہاں موت بھی اس لیے لذت آگیں تھی کہ اس گل سے ملاقات کی سبیل ثابت ہوگی۔ شروع میں شعلہ بار تقریر فرمایا کرتے تھے مگر بعد میں یہ حالت ہوگئی کہ تقریر کر ہی نہیں پاتے۔ دو چار جملوں کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا اور رقت طاری ہوگئی، آواز رندھ گئی، آنسو جاری ہو گئے۔

اگست ۱۹۸۰ء میں سرکار مجاہد ملت کی تشریف آوری اپنے علاقے میں ہوئی۔ فقیر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ ہوڑہ جا کر سرکار کو اپنے یہاں لاؤں۔ ایک دن پہلے فقیر ہوڑہ پہنچا۔ ٹکیہ پاڑہ سے باؤڑیا، باؤڑیا میں شب گذاری، پھر ٹکیہ پاڑہ اور ٹکیہ پاڑہ سے شیب پور شیب پور پتہ چلا کہ سرکار تیلینی پاڑہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ جان میں جان آئی۔ گھر آیا تو پتہ چلا کہ سرکار غسل فرما رہے ہیں۔ غسل سے فراغت ہوئی تو کمترین نے قدم بوسی کی۔ سرکار نے پوچھا کہ تلاش میں زحمت تو ہوئی ہوگی۔ کمترین نے کہا، سرکار زحمت تو کیا ہوئی، ہاں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ رہا تھا، وحشتؔ کلکتوی کا یہ شعر زبان پہ جاری تھا ؎

ہے ارزاں اس قدر دیدارِ جاناں ہم نہ مانیں گے
زلیخا کیا سنائی ہے خیال اس کا ہے خواب اس کا

شعر کا سننا تھا کہ چہرہ متغیر ہوگیا۔ بار بار ہے ارزاں اس قدر دیدارِ جاناں
ہم نہ مانیں گے.... کہتے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ کمترین نے اپنے
عشق کی بات کی تھی۔ سرکار مجاہد ملت اپنے معشوق کے تصور میں ڈوب گئے۔''

۴ے

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی مذہبی درد سے عبارت تھی۔ بلکہ اگر کوئی مذہبی درد کو مجسم دیکھنا چاہے تو حضور مجاہد ملت کو دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے مذہبی قدروں کے فروغ میں جو قربانیاں پیش کی ہیں، اس کے بیان واقعی کے لیے لغات میں الفاظ نہیں ملتے۔ گود سے گور تک کا کوئی لمحہ آپ کا خدمت دین متین سے خالی نہیں ملتا۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس سے اتباعِ شریعت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔

آپ کی دینی، ملّی اور علمی زندگی کا انتہائی حسین نقشہ حضرت علامہ اسلم بستوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں کھینچا ہے۔

وہ مجاہد ملت............ جو رات کے زاہد اور دن کے مجاہد تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو اسوۂ صدیقی و فاروقی کا عملی نمونہ تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو سنّتِ عثمانی کی شانِ استغنا تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو ضرب یداللٰہی کے پَرتو تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو سنّتِ عشقِ بلالی کے پیکر تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو آبروئے ملت تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو مذہب و وطن کے وفادار تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو قوم و ملت کے قافلہ سالار تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو تصوف کے امام اور صوفیوں کے سردار تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو علم کا پہاڑ تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جو پیکر حلم و مروّت تھے۔

وہ مجاہد ملت............ جو محبت کا دریا اور پیار کا سمندر تھے۔
وہ مجاہد ملت............ جن کے عشقِ رسالت پناہی نے نجدی حکومت کے در و بام کو ہلا دیا۔
وہ مجاہد ملت............ جن سے دنیائے وہابیت لرزہ براندام تھی۔
وہ مجاہد ملت............ جو بجائے خود ایک تحریک تھے۔ اس عہد گمرہی میں نشانِ منزل تھے۔ اس دورِ تاریکی میں ایک ''مینارۂ نور'' اور ایک تیز طرار قسم کی روشنی تھے۔ مگر آہ وہ ''مینارۂ نور'' ہم سے روپوش ہو گیا اور وہ روشنی ہم سے چھپ گئی۔ ۵

مذکورہ اقتباس چند سطروں پر مشتمل ہے لیکن یہ حضرت مجاہد ملت کی پوری حیات کا اشاریہ ہے۔ اس تاثر کی روشنی میں اگر کوئی ذی علم، ذی شعور اور صاحب نظر کی طرف سے پیش رفت ہوتی ہے تو حضور مجاہد ملت کی ایک اچھی اور خوب صورت تصویر سامنے آسکتی ہے۔ راقم نے کئی صاحب فکر و نظر کو اس حوالے سے غور و فکر کی دعوت دی ہے، لیکن اب تک کسی طرف سے حوصلہ افزا جواب نہیں مل سکا ہے۔ ممکن ہے مستقبل قریب میں امید کا کوئی سورج نکل آئے۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے دو مضبوط پلیٹ فارم تھے۔ ایک مذہبی، دوسرا سیاسی۔ چونکہ آپ کے عہد میں مسلمان مذہبی اور سیاسی دونوں اعتبار سے زوال کا شکار تھا۔ ملک کی دوسری قومیں مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں بے دست و پا کر دینا چاہتی تھیں۔ انھیں یہ خطرہ تھا کہ اگر مسلمان سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر خود کفیل ہوں گے تو ان سے نمٹنا بہت مشکل ہوگا۔ اور آج بھی حکومتی سطح پر یہی کوشش جاری ہے بلکہ آج مسلمانوں کے حالات کل سے بدتر ہیں اور آنے والا وقت اور بھی بُرا ہوگا۔ آج حکومت اپنے مشن میں پورے طور پر کامیاب ہو چکی ہے۔ حکومت کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی موثر نمائندگی ہو۔ کل حضور مجاہد ملت جیسی مستحکم قیادت مسلمانوں میں موجود تھی۔ آج مسلمانوں میں کوئی مجاہد ملت نہیں۔ حضور مجاہد ملت کو حکومت کی بدنگاہی کا خوب احساس تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے مسلمانوں میں جنونِ عشق کو تیز کرنے کی تاحیات جد و جہد جاری رکھی۔ آپ کو اعلیٰ

حضرت نے اپنا مشن سونپا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے اغیار کے ناپاک عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے حال کو ماضی سے جوڑنے کی بہت کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں آپ کی تالیفات وتصنیفات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی، علم وعرفان اور شعور و آگہی کا جو چراغ روشن کیا تھا اسی چراغ کی لَو کو تیز کرنے کے لیے آپ نے بعد وصال حضور مجاہد ملت کا انتخاب فرمایا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زمانے میں علما، مشائخ اور مذہبی رہنماؤں کی کمی نہیں تھی لیکن دین کے نام پر متاعِ کائنات لٹا دینے کا جو جذبہ حضور مجاہد ملت میں تھا وہ دوسروں میں نہ تھا۔ حضور مجاہد ملت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے انتخاب کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا۔ آپ نے نائب اعلیٰ حضرت کی حیثیت سے پورے عرب وعجم میں یہ کہتے ہوئے پیغامِ رضا، فکرِ رضا اور مسلکِ رضا کی دھوم مچادی کہ

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے — اُٹھ میرے دھوم مچانے والے

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا انتخاب تھے۔ اس لیے آپ نے عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عشقِ شاہِ بغداد ہی کو اپنی حیات کا ترجیحی عنوان بنایا۔ اور ان آقایانِ کریم کے عشق کی تشہیر، ترویج اور تبلیغ کے لیے خود کو وقف کردیا۔ آپ چاہتے تھے کہ پوری دنیا کا مسلمان عشقِ شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عشقِ شاہِ بغداد کی آنچ میں تپ کر کندن ہوجائے اور ہر شخص کی زبان پر یہی نغماتِ رضا مچلتے دکھائی دیں کہ

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں
یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا — تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

سورج اُگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے　　اُفقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں　　ہاں اصیل ایک نوا سنج رہے گا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے　　سب ادب رکھتے ہیں دل میں مِرے آقا تیرا
دلِ اعدا کو رضاؔ تیز نمک کی دُھن ہے　　اِک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

حضور مجاہد ملت کے دل میں عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو چراغ روشن تھا، آپ چاہتے تھے کہ پوری دنیا عموماً اور پورا برصغیر ہند و پاک خصوصاً اس چراغ کی روشنی میں آجائے اور کان جدھر لگایا جائے یہی صدا سماعت سے ٹکرائے کہ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفیٰ　　سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

حضور مجاہد ملت جماعت اہلِ سنّت کے مذہبی قائد بھی تھے اور سیاسی بھی۔ مذہب اور سیاست ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ مذہب کو سیاست سے الگ سمجھنا جہالت اور نادانی ہے۔ جو لوگ مذہب کو سیاست سے جدا سمجھتے ہیں انھیں سیرتِ پاک کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ارسطو نے سیاست کی یوں تعریف کی ہے:

''فطرتِ انسانی اجتماع پسند ہے۔ اس لیے وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اس صورت میں ان کے لیے ضروری ہے کہ آپس کے مشورے سے زندگی کی ضرورت کو آپس میں تقسیم کرلیں تاکہ زندگی اور ایک اچھا سماج وجود میں آئے۔'' [۶]

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے قبل انسانی دنیا اجتماعیت کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجتماعیت کا ایک بھرپور تصور دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ اور آپسی مشورے سے ایک قابلِ تقلید سماج کو وجود بخشا۔ جسے صحابہ کی جماعت کہتے ہیں۔ روئے زمین پر صحابہ کی جماعت سے بہتر کوئی دوسری جماعت سورج نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ

ستاروں کی مثل ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تاریخ سے اس بات کی بھرپور شہادت ملتی ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑا سیاسی قائد و رہنما آج تک روئے زمین پر کوئی پیدا نہیں ہوا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک کوئی پیدا نہ ہوگا۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاسی بصیرت کی شعاعیں کتبِ سیر میں بکھری ہوئی ہیں، یہاں تفصیل دی جا سکتی ہے نہ تفصیل کا موقع ہے۔ یہاں بطور نمونہ ابوابِ سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صرف ایک ورق ملاحظہ کریں:

> اسلام کے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اہلِ مکّہ تھے۔ وہ خود بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی شدت سے مخالفت کرتے تھے اور دوسرے قبائل عرب کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہلِ مکّہ سے صلح چاہتے تھے تا کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ آزاد فضا میں ہو سکے۔ سن ۶ھ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکّہ کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلے ہی سے اندیشہ تھا کہ کفّارِ مکّہ ہماری راہ میں حائل ہوں گے اس لیے آپ نے اپنا ایک قاصد پہلے ہی سے مکّہ بھیج دیا تھا کہ وہ اہلِ مکّہ کی خبر لائے۔ جب اسلامی کارواں مقام ''عسفان'' کے قریب پہنچا تو قاصد خبر لے کر آ گیا۔ اور اہلِ مکّہ کے ارادوں سے آپ کو باخبر کیا۔ آپ کو یہ خبر بھی ملی کہ حضرت خالد بن ولید اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ دو سو سواروں کا ایک دستہ لے کر مقامِ غمیم تک پہنچ گئے ہیں۔ جب حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خالد بن ولید کے سواروں کی گرد نظر آئی تو آپ نے عام راستے سے ہٹ کر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب آپ مقامِ حدیبیہ میں پہنچے تو دیکھا کہ کفّارِ مکّہ کا ایک لشکر آمادۂ جنگ ہے۔ اہلِ اسلام کا یہ حال ہے کہ سب کے سب حالتِ احرام میں ہیں۔ حالتِ احرام میں جوئیں بھی نہیں مار سکتے۔ بہرحال آپ نے کفّارِ مکّہ سے گفت و شنید کا سلسلہ جاری کیا۔ اہلِ مکّہ کی طرف

سے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جو شخص سب سے پہلے حاضر ہوا وہ بدیل بن ورقاء تھا۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بدیل بن ورقاء سے فرمایا کہ تم اہلِ مکّہ کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف اور صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔

مسلسل جنگ سے قریش کو کافی جانی و مالی نقصان سے دو چار ہونا پڑا ہے، اس لیے ان کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ نہ کر کے ایک معینہ مدت تک کے لیے ہم سے صلح کا معاہدہ کرلیں۔ بدیل بن ورقاء نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں قریش مکّہ کو سنائیں۔ قریش مکّہ آپس میں کافی بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد صلح پر اپنی آمادگی ظاہر کردی، جو صلح حدیبیہ کے نام سے تاریخ میں شہرت رکھتی ہے۔ قرآن نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کی بعض دفعات پر بعض صحابہ معترض تھے ان کی نگاہ دفعات کے ظاہر پر تھی، پھر بعد میں انہیں دفعات کے اسلام کے حق میں ہونے کا اعتراف کرنا پڑا۔ بہرحال یہ طے کردیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی، صلح نامہ کی باقی دفعات ذیل میں ملاحظہ کریں۔

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں اور صرف تین دن مکّہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

(۳) تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں، تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔

(۴) مکّہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکّہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو واپس کردیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکّہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کرلیں۔(سیرت المصطفیٰ، ص:۲۶۹)

صلح نامہ کی دفعات سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جھک کر صلح قبول کی ہے لیکن حقیقت میں یہ ساری دفعات قریش مکّہ کے خلاف ثابت ہوئیں۔ یہیں سے اسلام کے فروغ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ تھی حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاسی بصیرت، اگر دفعات پر تفصیلی بحث کی جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے جنھیں تفصیل دیکھنی ہو وہ سیرت وسوانح کی معتبر کتب سے رجوع کریں۔

حضور مجاہد ملت کی نگاہوں میں سیرتِ پاک کا ہر ورق محفوظ تھا۔آپ سیرتِ پاک کے اُجالے میں آپسی مشورے سے ایک ایسے سماج کو وجود دینا چاہتے تھے جس کا ہر فرد عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نشے میں سرشار ہو۔ چونکہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی جانِ ایمان، روحِ ایمان ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

ہندستان ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا، اور آزادی کے فوراً بعد تقسیم بھی ہوگیا۔ تقسیم کی صورت میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ ملک کی آزادی اور پاکستان کا وجود دونوں سے مسلمانوں کو نقصان تو ہوا، فائدہ نہیں ہوا۔ آزادی ہوتی اور تقسیم نہ ہوتی تو مسلمان اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال لیتا لیکن تقسیم نے مسلمانوں کو اقلیت کی صف میں کھڑا کر دیا۔ اہلِ ثروت کی اکثریت پاکستان ہجرت کر گئی۔ انھیں یہ خوش فہمی تھی کہ پاکستان اسلامی ملک ہوگا، اس لیے وہاں عزت کی زندگی ملے گی۔ مگر یہ خوش فہمی ان کے لیے خواب یا سراب ثابت ہوئی۔ پاکستان میں مہاجرین کے ساتھ جو سلوک ہوا اور ہو رہا ہے، یہ بڑی المناک داستان ہے۔ مہاجرین کے ساتھ ظلم وزیادتی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ بنگلہ دیش میں مہاجرین کا جو قتل عام ہوا، اس خونِ ناحق کی سرخی ابھی مٹی نہیں ہے۔ کچھ مہاجرین پاکستان اور بنگلہ دیش

کی سرحد پر آج بھی افسوس ناک زندگی گذار رہے ہیں۔ انھیں بنگلہ دیش قبول کر رہا ہے نہ پاکستان۔

انگریزوں نے مسلمانوں سے ملک چھینا تھا۔ اس لیے انگریز جب تک ہندستان پر حکمراں رہے مسلمانوں کو چین سے جینے نہیں دیا۔ انگریزوں کو یہ خوف تھا کہ مسلمان کبھی بھی حکومت کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں، اس لیے انھیں آپس میں اتنا اُلجھا دو کہ انھیں اس پہلو پہ سوچنے کا موقع ہی نہ ملے۔ انگریز اپنی اس کوشش میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ آج ملک میں جتنی باطل تحریکیں اور جماعتیں نظر آ رہی ہیں، یہ سب کی سب انگریزی فکر و خیال ہی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ تاریخ میں اس کے بہت سارے شواہد موجود ہیں۔ ان شواہد کو یہاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہندستان پر جب تک انگریز حکمراں رہے مسلمان ظلم و زیادتی کی چکّی میں پستا رہا۔ ملک کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں دوسرے برادرانِ وطن سے کسی بھی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر مسلمان آزادی میں حصہ نہ لیتا تو انگریزوں کو یہاں سے نکالنا دوسری قوموں کے لیے آسان نہ ہوتا۔ مسلمان یہ سوچ رہا تھا کہ آزادی کے بعد آزمائش کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ان کی سوچ غلط ثابت ہوئی۔ آزادی کے بعد ملک کا جو قانون بنا، اس میں مسلمانوں کے ساتھ دوسری اقلیتوں کو بھی مکمل تحفظ دیا گیا ہے لیکن آزادی کے بعد جو حکومت آئی اس نے سابقہ حکومت ہی کے اُصولوں پر عمل کیا۔ اور مسلمانوں کے ابتلا و آزمائش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حکومت مسلمانوں کو زندگی کے کسی شعبے میں خوش حال دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ دوسرے برادرانِ وطن بھی مسلمانوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ مسلمانوں کی خوش حالی کبھی بھی خطرہ بن سکتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی خوش حالی حکومت کو اچھی لگتی نہ دوسرے برادرانِ وطن کو۔ ملک میں جس شہر کا مسلمان خوش حالی کی طرف بڑھتا حکومت خوش حالی کی راہ میں حائل ہو جاتی۔ اس کی بہت ساری نظیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔

حضور مجاہد ملت ملک میں مسلمانوں کے ساتھ حکومت کے رویّے سے سخت نالاں تھے۔

آزادی کے بعد فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ کسی طرح بھی رُکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ فسادات میں صرف مسلمان ہی نشانے پر نہ ہوتے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ دوسری اقلیتوں کا بھی نقصان ہوتا۔

حضور مجاہد ملت عدل پسند بھی تھے اور امن پسند بھی۔ ملک میں جہاں بھی فساد کی آگ لگتی اس آگ میں انھیں اپنا گھر جلتا ہوا محسوس ہوتا۔ آپ ملک کو ہر طرح کے فتنہ وفساد سے پاک دیکھنا چاہتے تھے۔ ظلم و ناانصافی کہیں ہو اور کسی پر ہو، آپ اس کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ نتائج کی آپ کو قطعی فکر نہ ہوتی۔ شرعی اُصولوں کی روشنی میں مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب و بامراد دیکھنا حضور مجاہد ملت کی ترجیحات میں شامل تھا۔ حکومت حضور مجاہد ملت جیسے غیرت مند شہری کے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونے دینا نہیں چاہتی تھی۔ فسادات کا تسلسل اور مسلمانوں کے جانی و مالی نقصانات سے حضور مجاہدِ ملت مسلسل فکر مند رہا کرتے تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ فسادات کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے اور مسلمان عزت وخوش حالی کی زندگی گذارے۔ کہاں کیا ہوتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے، آپ کی نگاہیں اچھی طرح دیکھ رہی تھیں۔ مسلمانوں کی تباہی و تاراجی سے متاثر ہو کر آپ نے ۱۹۷۵ء میں انسدادِ فسادات کے عنوان پر غور وخوض کے لیے زعمائے جماعت واہلِ دماغ کی ایک اہم مجلس بلائی۔ بحث و مباحثہ کے دوران آپ نے انسدادِ فسادات کے حوالے سے ایک پانچ نکاتی تجویز رکھی، جو تھوڑی ترمیم کے بعد قبول کر لی گئی۔ وہ تجویز ذیل میں ملاحظہ کریں:

۱: جہاں بھی فرقہ وارانہ فساد ہو وہاں کے ڈپٹی کمشنر، ایس ڈی او، ایس پی اور تھانے کے عملے کو فوراً معطل کر دیا جائے اور غیر جانب دارانہ تحقیقات کے بعد اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حکّام نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مجرمانہ کوتاہی اور چشم پوشی سے کام لیا ہے تو جملہ متعلقہ افسران کو اپنی ملازمتوں سے بالکل برخاست کر دیا جائے۔ (اکتوبر ۱۹۷۹ء)

۲: فساد پر قابو پانے کے لیے جہاں بھی باہر سے پولیس کا دستہ یا فوج کی کوئی کمپنی بھیجی جائے، اس میں سنتری سے لے کر افسر تک دونوں فرقوں کے افراد کو برابر نمائندگی دی جائے۔

۳: جس محلے، جس علاقے یا جس قصبے یا شہر میں جس فرقے کی اکثریت ہو، وہاں کے اکثریتی فرقے کے ذمے دار افراد سے اس بات کا مچلکہ لیا جائے کہ وہ اپنے یہاں کی اقلیت کی حفاظت کریں گے۔ باہر کے حملہ آوروں کو اگر اخلاقی طور پر خود نہ روک سکیں تو اس کے لیے پولیس کی مدد حاصل کریں گے۔ اگر انہوں نے باہر کے حملہ آوروں کو خود نہ روکنے کی کوشش کی اور نہ اس سلسلے میں پولیس کی مدد لی تو قانوناً انھیں ہر طرح کی سزا کا مستوجب گردانا جائے۔ یہ بھی ان کا فرض ہوگا کہ اپنے علاقے کے سماج دشمن عناصر کو شر انگیزی سے وہ باز رکھیں اور اگر وہ ان کا اخلاقی دباؤ محسوس نہ کریں تو انھیں پولیس کے حوالے کر دیں۔

۴: جہاں بھی فساد ہو وہاں کے متاثرہ افراد کو جانی و مالی نقصانات کا معقول معاوضہ دیا جائے۔ معقول معاوضہ سے مراد یہ ہے کہ جانی نقصان کا معاوضہ فی کس ایک لاکھ روپئے کے حساب سے ان کے ورثاء کو دیا جائے۔ اس کے علاوہ مقتول کے خاندان کے ذریعۂ معاش کے لیے مقتول کے کسی وارث یا قریبی رشتے دار کو روزگار بھی فراہم کیا جائے اور مالی نقصان کے معاوضے سے مراد یہ ہے کہ جو بھی نقصان ہوا ہو اس کی بھرپور تلافی کی جائے۔

۵: بلوائیوں اور بانیانِ فساد کو ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ آئندہ کوئی شخص فساد کرنے یا فساد میں حصّہ لینے کی ہرگز ہمت نہ کرے۔ بلکہ فرقہ وارانہ فسادات کے ملزمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ثبوت اور شہادت کے سلسلے میں ایسی قانونی لچک پیدا کی جائے کہ مظلوموں کی حق تلفی نہ ہو۔

حکومتِ وقت سے مذکورہ بالا فارمولے کو قانونی حیثیت دلوانے کے لیے جدوجہد بھی کی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مطالبات میں سے اکثر تسلیم کر لیے گئے گیا۔ [۹]

فسادات کے تسلسل نے حضور مجاہد ملت کو اندر سے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ آپ قومِ مسلم کو آبرومندانہ زندگی گذارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کو ملک میں عزت و آبرو کی زندگی حاصل رہے اور ملک کے قانون نے اسے جو حقوق دیئے ہیں وہ سارے حقوق اسے بے تکلف ملتے رہیں۔ اس حوالے سے آپ نے ان لوگوں سے بھی اشتراکِ عمل کی

خواہش ظاہر کی جو بنام مسلمان اسلامی قدروں پر شب و روز حملہ آور تھے۔ اس تعلق سے آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے نام ایک مراسلہ جاری فرمایا۔ وہ مراسلہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

جناب مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند وممبر پارلیمنٹ

بعد ما ہوا المسنون! غالباً آپ پر پوشیدہ نہیں کہ مسلمانانِ ہند اس وقت مذہبی و معاشرتی، جانی و مالی تباہ کاریوں کے ایک نازک ترین دور سے گذر رہے ہیں۔ فی الحال مثال کے طور پر فیروز آباد کا روح فرسا واقعہ تحریر کرنے کے بعد وقت کے ایک اہم امر کی طرف آپ کی توجہ دلانی ہے۔

فیروز آباد میں مسجد کی بے حرمتی اور ظلماً مسلمانوں کی شہادت اور آبرو ریزی وغیرہ جیسے دل خراش واقعات کے بعد جب وہاں کے مسلمانوں نے پولیس واہل کارانِ حکومت اور بعض ارکانِ حکومت کی بے عنوانیوں کے خلاف احتجاج کیا اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لیے تیار ہوئے اور حکومت نے احساس کیا کہ یہ بے عنوانیاں غالباً قانونی طور پر طشت از بام ہوجائیں گی، تو اسی اثنا میں بم کا واقعہ کرا کے انھیں مزید ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا اور کچھ دنیاوی وجاہت رکھنے والوں کو حراست میں لے کر پھر ان کی کوئی شنوائی نہ کی۔

بخلاف اس کے قتل و غارت گری کرنے والوں کو کسی نہ کسی بہانے چھوڑ دیا گیا۔ وہاں کے مسلمان پریشان ہو کر جناب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جناب نے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے اطمینان بخش جواب مسلمانوں کو سنا دیا۔ اور ان کی ضمانت کے متعلق وزیر اعلیٰ یوپی کی کارروائی سنا کر بہت کچھ اطمینان دلایا۔ لیکن نتیجہ صفر نکلنے پر وہاں کے مسلمان مایوس ہو گئے۔

اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دھمکایا گیا کہ جب تک تم لوگ اپنے جائز حق کو پائمال کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو گے یعنی مسجد کے مشرقی پھاٹک کو بند کرانے پر تیار نہ ہو گے، اس وقت تک تمہاری کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ مجبوراً وہ لوگ تیار ہوئے، تو انھیں ایک مہینہ کے لیے

عارضی ضمانت پر رہا کیا گیا۔

اسی پریشانی میں مسلمانوں نے مسجد کے پھاٹک کے سامنے دیوار چن دی اور اس پر پلاسٹر بھی کر دیا گیا۔ حالانکہ اب تک حکومت کی طرف سے پہلے بلوے میں جو مسجد، عید گاہ اور مقابر کی بے حرمتی ہوئی تھی، اس کا کوئی انتظام نہیں ہوا اور دوبارہ بلوے میں جو خوں ریزی و سفاّکی اور حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کا صفایا اور نہ جانے کیا کیا مظالم ڈھائے گئے، جس کا اب تک کوئی مداوا نہ ہوا اور نہ ہی اب تک ان دہشت زدہ مسلمانوں سے مقدمہ اٹھایا گیا۔ مجھے یہ تمام باتیں اس وقت معلوم ہوئیں جب کہ اپنے دوسرے دورے میں بیسویں شعبان المعظم مطابق ۷ر فروری ۱۹۶۱ء کو فیروز آباد حاضر ہوا اور یہ بھی سننے میں آیا کہ جناب وہاں تشریف لائے تھے۔ لوگوں کو تسلی دی اور ہمت افزائی کی اور ساتھ ہی ساتھ مصالحت کی ہدایت بایں طور فرمائی تھی:

کہ دیوار تو اٹھانا ہی پڑے گا لیکن مصالحت باوقار ہونا چاہیے۔ جس سے وہ اور بھی بدحواس ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شہری و مذہبی حق کے خلاف وہ کر گزرے جو انھیں نہ کرنا تھا اور پولیس اور حکام بھی جو انھیں نہ کرنا چاہیے تھا کر گزرے اور کر رہے ہیں۔

اور یہ بھی سننے میں آیا کہ اس وقت ذلت وخواری کی جس سطح پر مصالحت ہو رہی ہے، اس کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے لیے موجودہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دھمکایا ہے کہ میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے، جو اس کے خلاف کرے گا کچل کے رکھ دوں گا۔

یہ ہے اہنسا پرست اور سیکولر اسٹیٹ کا ڈھونگ رچانے واقلیت نوازی کا شور مچانے والی حکومت کا طرزِ عمل۔

اس وقت جبل پور میں جو غارت گری کا بازار گرم ہے اس سے بھی غالباً جناب اچھی طرح واقف ہوں گے، جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

لہٰذا گذارش ہے کہ پنڈت جی اور گپتا صاحب سے مل کر جلد ایسی صورت پیدا کریں کہ فیروز آباد کے مسلمانوں کا خوف و ہراس ختم ہو جائے اور کم از کم مقدمات فوراً اُٹھائے

جائیں۔ انھیں حالات کے پیش نظر ''کانگریس'' نے جو اقلیت کی کمیٹی بنائی ہے، جس کے غالباً آپ بھی ممبر ہیں۔ آج کی تقریب میں اسی طرف آپ کی توجہ دلانی ہے کہ اقلیت بورڈ کوئی ایسی صورت اختیار کرے جس پر اقلیت کو اطمینان و بھروسہ ہو، ورنہ کانگریس یا کمیٹی یا حکومت کے اعتماد کر لینے سے اقلیت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیوں کہ انھیں کے اعتماد سے دستورِ ہند مرتب ہوا۔ لیکن وہ آج تک اقلیت کا اعتماد نہ حاصل کر سکا، جو چاہیے تھا۔ فقیر کا اپنا خیال ہے کہ قوانین بن جاتے ہیں، دستور سازی ہوتی ہے مگر اس پر عمل درآمد نہیں ہونے پاتا۔ اقلیت کے خلاف جو قانونی کارروائی و ہنگامہ خیزی ہوتی ہے اس کا کوئی مداوا نہیں ہوتا۔ اور اقلیت کو آئینی طور پر قانونی و دستوری حقوق حاصل کرنے کے لیے قانون میں کوئی اطمینان بخش صورت بھی نہیں ہے۔

لہٰذا دستور میں یقینی طور پر ایسی ترمیم ہونی چاہیے جس سے اقلیت کو اپنا قانونی حق طلب کرنے میں سہولت و آسانی ہو۔ اس سلسلہ میں فقیر کی ذاتی رائے ہے کہ اقلیت کی ایک وزارت قائم ہونی چاہیے، جس کی ممبری کے انتخاب کا حق صرف اقلیت کو ہوگا۔ اگرچہ اس وزارت میں کسی قسم کا کوئی خاص محکمہ نہ ہوگا مگر عملی طور پر اس وزارت کو ہر محکمہ بالخصوص پولیس اور حکام سے گہرا تعلق ہوگا کہ جس شعبہ میں اقلیت پر مظالم ہوں اس کے مدافعت میں یہ وزارت قانونی کارروائی کرے گی۔ ایسے حالات میں پولیس اور حکام کو بھی باز پرس ہونے کا خطرہ رہے گا۔ لہٰذا ''سیّاں بھئے کوتوال، اب ڈر کاہے کا'' کا جو تخیل کارفرما ہے، اس کی روک تھام ہو سکے گی۔

اگر یہ باتیں بذریعہ مراسلات طے ہو جائیں فبہا ورنہ میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تبادلۂ خیال کی جو بھی مناسب صورت اختیار کی جائے گی، اس کے لیے تیار ہوں۔

اب سے کچھ دنوں پہلے بعض اراکین ''جمعیۃ علماء ہند'' نے اشتراکِ عمل کے لیے فقیر کی طرف پہل کی اور گفتگو بھی ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اس کی طرف بھی جناب کی خصوصی توجہ چاہتا ہوں۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی صدر جمعیۃ علماء اڑیسہ نے کٹک میں مجھ سے ملاقات کی

اور یہ کہا کہ اس وقت بھارت کے مسلمان خوف و ہراس، اُمید و بیم کے جس بحرانی دَور سے گذر رہے ہیں، اور آئے دن مسائلِ دینیہ سے متعلق جو قانون بن رہے ہیں ان کی اصلاح اور شر پسند عناصر کا مقابلہ بغیر اتحاد واشتراک ناممکن ہے۔ اگر کسی موقع پر گورنمنٹ کسی فریق کے مطالبے پر دست اندازی کرے اور دوسرا فریق بیٹھ کر مذاق اُڑائے اور اس پر ہنسے تو کیسے کام چلے گا؟ اور فیروز آباد میں اتفاقاً مولوی ابوالقاسم صاحب شاہ جہاں پوری ناظم ''جمعیۃ العلماء اتر پردیش'' سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی، پولیس اور حکام کی زیادتیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی قسم کی گفتگو کی تو دونوں حضرات سے فقیر نے قریب قریب یہی کہا کہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے آپ حضرات پولیس اور حکام اور حکومت کے جن مظالم کے متعلق بھی کوئی اقدام کریں گے فقیر اپنی ''جماعت آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے ساتھ اشتراک کرے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب کٹکی نے تو اسے منظور کرلیا مگر مولوی ابوالقاسم صاحب کو اس پر تامّل رہا۔ ابھی بہرائچ شریف میں سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانۂ عالیہ پر مولوی ابوالقاسم صاحب سے ملاقات ہونے پر پھر اس کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو ارکانِ جمعیۃ سے مشورہ کرلیں۔ ہوسکتا ہے ایوانِ جمعیۃ میں اس کا حل تلاش کرلیا جائے اور مشترکہ طور پر کوئی کام ہوجائے۔ لیکن اب تک اس کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔

لہٰذا اب جناب سے گذارش ہے کہ ان مسائل پر غور کرکے اس خلیج کو دور کریں۔ اور اپنی رائے سے مجھے مطلع کریں۔

جواب کا منتظر۔

فقیر حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ خادم منصب صدارت تبلیغ سیرت، الہٰ آباد۔ ۴؍رمضان المبارک مطابق ۲؍فروری ۶۱ء روز دوشنبہ مبارکہ، دھام نگر، ضلع بالیسر، اڑیسہ

مگر مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنی تنظیمی مضبوطی کے باعث حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی

پیش کش کو اہمیت نہیں دی، ورنہ اسلامیانِ ہند کی تاریخ میں ایک با وقار باب کا اضافہ یقینی تھا۔

مجاہد ملت کے نام ایک مکتوب اور اس کا جواب

محبّ مکرم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب زید منا قبکم و معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

ابھی ابھی "جمعیۃ العلماء اڑیسہ" کے آرگنائزر مولوی سید شمس النبی صاحب کی زبانی آپ کے دلی جذبات واحساسات معلوم کر کے مسرّت ہوئی۔ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے یہی تو "جمعیۃ العلماء" کا میثاق بھی ہے کہ ہر مکتبۂ فکر کے مسلمان اپنے اپنے عقیدوں پر قائم رہتے ہوئے انڈین یونین کے اندر وحدت کلمہ کی بنیاد پر مکمل اتفاق کے ساتھ اپنے حقوق کا تحفظ کریں۔

حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدظلہٗ اس وقت آسام کے دورے پر ہیں۔ مورخہ ۲۴ رفروری کو میری ملاقات ان سے کلکتہ میں ہورہی ہے اور ۲۶ رفروری کو جمعیۃ کی مجلس عاملہ ہے۔ یہ ناکارہ بھی اس مرکزی مجلس کا ایک ممبر ہے، جس کا آپ کو علم ہے۔ احقر ان شاء اللہ مذکورہ باتوں کی بنیاد پر آپ کی یک جہتی وہم آہنگی کی سعی کرے گا۔ اور براہِ راست آپ کا تعلق وربط مرکز سے قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ متوقع ہوں کہ عریضہ ھٰذا کو شرف قبولیت سے نواز کر دوسطر جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

احقر محمد اسمٰعیل عفی عنہ صدر جمعیۃ العلماء اڑیسہ

جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب صدر جمعیۃ العلماء اڑیسہ بعد ما ھو المسنون۔ آنکہ جناب کی تحریر موصول ہوئی، جس میں غلطی سے تاریخ ۲۸ رفروری لکھی ہے۔

جناب مولوی شمس النبی صاحب سے جو گفتگو ہوئی، اس کا ماحصل وہ نہیں جو آپ کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ فقیر نے ان کو وہی جواب دیا جو سالہا سال پہلے جناب کو جامع مسجد کٹک میں جواب دیا تھا۔ اور فیروز آباد ضلع آگرہ میں مولانا محمد قاسم شاہجہاں پوری کو جو اس وقت ناظم جمعیۃ العلماء یوپی تھے، جواب دیا تھا اور اسی قسم کی تحریر جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ العلماء دہلی کو بذریعہ رجسٹری بھیجی تھی جو اَب تک لا جواب رہی۔ مختصر یہ کہ فقیر اِن اُمور میں جو مسلمانانِ ہند کے تحفظ دین و مذہب و جان و مال کے متعلق گورنمنٹ سے مطالبہ ہے، اس میں محض اشتراکِ عمل کے لیے اس شرط پر تیار ہے کہ اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے ہی نہیں بلکہ علماء دیو بند کی عبارات کو بہ قطعیہ متعینہ متبینہ کے متعلق ہم لوگوں کی جو تحقیق ہے، اس کو بالکل وضاحت سے تحریراً و تقریراً بلا روک ٹوک ہر موقع پر ظاہر کرنے کا اختیار رہے گا۔ اور علمائے دیو بند کو بھی ہم لوگوں کے متعلق جو خیالات رکھتے ہیں اس کو بے روک ٹوک ظاہر کرنے کا انھیں اختیار ہوگا۔ تا کہ عوام کو دھوکا نہ ہو اور دین میں فتنہ نہ واقع ہو۔

فقط

محمد حبیب الرحمٰن۔ خادم منصب صدارت آل انڈیا تبلیغ سیرت

۱۹/ ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۹/ فروری ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ مبارک۔[۱۰]

حضور مجاہد ملت دینی، ملّی اور انسانی درد کا استعارہ تھے۔ چوٹ کسی کو لگتی، درد کا احساس ان کو ہوتا۔ ظلم کسی پہ ہوتا، ان کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو جاتیں اور ناانصافی کسی کے ساتھ ہوتی، آپ مضطرب ہو جاتے۔ اور اس وقت تک مضطرب رہتے جب تک مظلوم کو انصاف نہیں مل جاتا۔ آپ مسلمانوں کے جاں فروش مذہبی رہنما بھی تھے اور سیاسی بھی۔ اور دنیا اسی پس منظر میں آپ کو دیکھتی، لیکن آپ کی سیاست مذہب و مسلک کے زیر اثر تھی۔ اسلامی سیاست کا مفہوم بھی یہی ہے۔ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو بھی فریادی آتا، اس کی فریاد رسی اسی وقت فرماتے۔ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس کی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ حضور مجاہد ملت کی ذات اخلاقِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور

سے مستنیر تھی۔ آپ نے تا حیات اخلاقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داعی و پیامی کی حیثیت سے خود کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ آپ کے عہد میں ملکی سطح پر مسلمان ظلم و زیادتی کا شکار تھا لیکن امن دشمن عناصر کے نشانے پر دوسرے بے گناہ بھی آ جاتے۔ جب کسی شہر یا بستی میں آگ لگائی جاتی تو مسلمانوں کے ساتھ دوسری قوموں کا بھی جانی و مالی نقصان ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کا نقصان دوسری قوموں سے زیادہ ہوتا۔ اس لیے آپ کی صدائے احتجاج میں صرف قومی درد نہیں ہوتا بلکہ قومی درد کے پہلو بہ پہلو دوسری قوموں کا بھی درد ہوتا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ملک میں فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ کسی بھی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ فسادات کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور کرنا تھا۔ لیکن اس کا اثر ملکی معیشت پر بھی پڑتا۔ آپ ۱۹۷۷ء میں میسا کے تحت جیل سے رہا ہوئے تھے۔ رہائی کے بعد ملکی و قومی حالات نے آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ آپ نے فوراً چھ نکاتی مطالبات کی کاپی تیار کی اور صوبائی لیڈر بیجو پٹنائک سے ملے اور اپنا ایک نمائندہ چودھری چرن سنگھ کے پاس بھیجا، لیکن مذکورہ لیڈروں نے آپ کے مطالبات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ مجبور ہو کر آپ دانش وروں کی ایک جماعت، جس میں مولانا ناصر فاخری الہ آبادی، حاجی شریف احمد خان پیلی بھیت اور مشتاق احمد خاکسار فیض آبادشامل تھے، کے ساتھ پرائم منسٹر ہاؤس دہلی میں آر، کے، دھون، بنسی لال، مسز پوربی مکھرجی اور عبدالرحمٰن انتولے وغیرہ سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے مطالبات رکھے اور ان کے سامنے تقریر کی اور بغیر کسی خوف کے آپ نے فرمایا کہ تیس ۳۰/ سال سے جتنے فسادات ہوئے ہیں وہ کانگریس پارٹی کے اشارے پر ہوئے ہیں اور ان میں جو جانی و مالی نقصانات ہوئے ہیں، اس کی ذمے دار کانگریس پارٹی اور پولیس ہے۔ پھر آپ نے عبدالرحمٰن انتولے کی خصوصی دعوت پر زعمائے حکومت کی ایک جماعت سے تفصیلی گفتگو کی اور ہندستانی قوم اور مسلمانوں کے بنیادی مسائل سے انھیں آگاہ کیا اور ان سے ان مسائل کو حل کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ کے مطالبات کیا تھے؟ ذیل میں

ملاحظہ کریں۔

۱: حکومت ہند کوٹھاری کمیشن کے سفارشات کے اس حصّے کو منظور نہ کرے جس کا تعلق مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی اِداروں سے ہے، جنھیں عام طور سے مدرسہ کہا جاتا ہے۔

۲: دستورِ ہند کے دفعہ ۳۰ ر میں ترمیم نہ کی جائے۔

۳: ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ ر مسلمانوں پر نافذ نہ ہو۔

۴: پنجاب، ہریانہ، راجستھان، دہلی اور مغربی بنگال کے غیر مسلم علاقوں میں جو مسجدیں ہیں انھیں متعلقہ علاقوں کے مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔

۵: اقلیتوں کی جان و مال کے تحفّظ کی گارنٹی دی جائے۔ اگر فرقہ وارانہ فساد ہو تو متعلقہ سینئر ڈسٹرکٹ افسروں کو معطّل کیا جائے اور انکوائری کا حکم دیا جائے۔

۶: سُنّی وقف بورڈ میں ’’آل انڈیا تبلیغ سیرت‘‘ کو نمائندگی دی جائے اور مسلمانوں کے اوقاف، جائدادوں کی نگرانی کی جائے۔

۷: مسلمانوں کے مذہبی معاملات کے سلسلہ میں حکومت کو مشورہ دینے کے لیے علما کا ایک بورڈ بنایا جائے۔ اس بورڈ میں تبلیغ سیرت کو نمائندگی دی جائے۔

۸: ان افسروں کے خلاف کارروائی کی جائے جنھوں نے نس بندی کے سلسلے میں زیادتیاں کی ہیں۔ فائرنگ سے جب بھی موت ہو تو وارثین کو معقول رقم دی جائے۔

(۱۶ر مارچ ۱۹۷۷ء اسٹیٹسمین اور ۱۶ر مارچ ۱۹۷۷ء آزاد ہند، کلکتہ) [۱۱]

حضور مجاہد ملت مسلمانوں کو دین و شریعت سے جوڑنا چاہتے تھے، چونکہ دینی و شرعی اُصولوں پر سختی کے ساتھ عمل ہی باوقار زندگی کی ضمانت ہے۔ دنیا میں مسلمان اُس وقت بے آبرو ہوا ہے، جب دین سے اس کا رشتہ ٹوٹا ہے۔ دین سے بے غبار رشتہ بابِ رحمت الٰہی کھول دیتا ہے۔ مسلمان جب تک احکام الٰہی کے زیر اثر رہا، سربلندیاں اس کے قدموں میں سمٹی رہیں۔ دین پہ استقامت سے دامنِ حیات دارین کی سعادتوں سے بھر جاتا ہے۔ دین کی اساس عشق رسالت ہے۔ عشق ہی آدابِ خود آگاہی سکھاتا ہے۔ تب جا کر فقیروں پہ

اسرارِ خدا آگاہی کے ابواب کھلتے ہیں۔ ہندستان پہ مسلم حکمرانی کا زمانہ قریب ایک ہزار سال پہ محیط ہے۔ مسلمانوں سے اقتدار کا چھن جانا دین وشریعت سے بے توجہ ہو جانے کا ہی نتیجہ ہے۔ کلیسائی اقتدار کی مدت سو سال پر محیط ہے۔ اس سو سالہ حکومت کو مسلمانوں پہ سزا کے روپ میں دیکھا جانا چاہیے۔ اسی عہد میں مسلمان فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوا ہے۔ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا رشتہ کمزور ہوا ہے۔ اور اولیائے عظام، محبوبانِ الٰہی کے اختیارات وتصرفات کے معاملے میں وہ شبہات کا شکار ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تر خامیوں کے باوجود ہدایت ورہنمائی کا باب اس کے لیے کبھی بند نہیں ہوا ہے۔ مصلحین اُمت کا قافلہ اسے صراطِ مستقیم پہ لانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہے۔ اور جو طاقتیں مسلمانوں کے مفادات سے اُلجھتی رہی ہیں مصلحین اُمت ان طاقتوں سے محاذ آرا رہے ہیں۔ حضور مجاہد ملت اپنے عہد میں مصلحین امت کے سالار کی شکل میں نمودار ہوئے۔ آپ نے زندگی کے ہر موڑ پر مسلم مفادات کی پُرزور وکالت کی اور مسلمانوں کو پُرسکون زندگی دلانے کے لیے ہر طرح کی قربانیوں کے لیے خود کو ہمہ وقت تیار رکھا۔ جب کسی شہر یا علاقے میں مسلمانوں کو ستائے جانے کی انھیں خبر ملتی تو بے چین ہو جاتے اور اس وقت تک بے چین رہتے، جب تک حالات معمول پر نہ آجاتے۔ آپ مسلمانوں کے مفادات کے لیے پیہم حکومت سے محاذ آرا، رہے۔ ۱۹۷۸ء میں علی گڑھ میں مسلمانوں کی عزت وآبرو لوٹی گئی، ان کے خون سے ہولیاں کھیلی گئیں۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو آپ تڑپ گئے، فوراً آپ نے اس وقت کے صدر جمہوریہ نیلم سنجیوا ریڈی کے نام ایک تفصیلی اور پُر درد خط لکھا، اور صدر جمہوریہ سے مطالبہ کیا کہ بحالیِ امن کی فوراً کوشش کی جائے۔ وہ خط مطالبات کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ کریں:

عالی جناب نیلم سنجیوا ریڈی، صدر جمہوریہ ہند..... آداب عرض!

فقیر نے اس خط سے قبل ایک خط لکھنؤ کانپور میں پولیس اور پی۔اے۔سی کے ذریعے مسلمانوں پر ظلم، بربریت، قتل عام، لوٹ، آتش زدگی اور خواتین کی بے حرمتی اور بنارس میں

صرف اور صرف پی اے سی نے جس میں ایک بلوائی بھی شریک نہیں تھا، بہانہ بنا کر سات کوٹھیوں کے لوٹنے اور پولیس کے ذریعہ بدترین فرقہ وارانہ فساد برپا کرانے کی سازش کے بارے میں بنارس کے بڑے فساد کے قبل خط تحریر کیا تھا اور چند مطالبات بھی کیے تھے، جس کے بارے میں آپ نے کوئی معقول اقدام نہیں کیا۔ جنابِ من! اگر آپ نے کوئی اقدام کیا ہوتا تو بنارس میں بھیانک فرقہ وارانہ فساد نہ ہوتا۔ پی اے سی اور پولیس کو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے جرم میں بجائے سزا دینے کے آپ کی یوپی حکومت نے انعام تقسیم کیا تھا، جس کے نتیجہ میں صوبے کے اندر تقریباً تیس ۳۰/ سے زائد فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ جس کے نام پر سازش کر کے پولیس اور پی اے سی نے مسلم اقلیت پر پولیس ایکشن کیا اور جس کی بدترین مثال علی گڈھ میں دی جا رہی ہے۔ پی اے سی کے ظلم کی علی گڈھ میں مثال یہ ہے کہ نماز پڑھتے مسلمان کو گولی مار کر شہید کر دیا اور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر پولیس اور پی اے سی نے ظلم و بربریت، تشدد و قتل عام، عورتوں کی عصمت دری و لوٹ کا بازار گرم کیا ہے اور بلوائیوں کی پشت پناہی ضلع حکام نے کی ہے۔ حکمراں جماعت علی گڈھ کے جنتا پارٹی کے صدر اور ان کے بیٹے نے تقریباً پانچ گھنٹے مسلسل مظلوم و بے بس مسلمانوں پر فائرنگ کی ہے اور بلوائیوں کی قیادت کی۔ بلوائیوں کی پشت پناہی اور انھیں گرفتار ہونے پر یوپی حکومت کے بعض وزیروں نے اپنے عہدے کا اثر ناجائز استعمال کر کے بلوائیوں کو چھڑا لیا ہے اور بعض نامزد رپورٹ والوں کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔

صرف ایک محلہ مانک چوک میں بارہ مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا اور کچھ مسلمانوں کو درختوں میں لٹکا کر پھانسی دی گئی اور مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ مسلم محلّوں کو بموں سے اُڑا دیا گیا۔ اس لیے فقیر یوپی کانگریس (ا) کی صدر محسنہ قدوائی (ایم پی) کو اس بات کا اعتماد ہے کہ علی گڈھ میں تقریباً ڈیڑھ دو سو مسلمانوں کو ہلاک و زخمی کیا گیا اور پچاس لاکھ روپیہ سے زائد کی املاک کو نذرِ آتش و لوٹا گیا۔ اقلیتوں کو تباہ و برباد کرنے کی مکمل ذمے داری جنتا پارٹی اور جنتا کی اساس راشٹریہ سیوک سنگھ پر عائد ہوتی ہے۔ فقیر باوجود یہ کہ علی گڈھ کے فساد زدہ

علاقوں تک نہیں پہنچا اور نہ ہی اب تک کوئی بیان دیا ہے، اس لیے کثیر تعداد میں ذمہ داروں کے بیانات شائع ہوئے۔ لوگوں نے حتی الوسع امدادیں بھی دیں۔ اگرچہ وہ بالکل ناکافی ہیں۔ اس قسم کے واقعات کے لیے مندرجہ بالا اُمور وقتی طور پر ضروری ہے۔ لیکن فقیر کے نزدیک اس کو مرض کا اصل مداوا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ لیکن مسلمانوں پر جس ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا گیا محقق ذرائع سے معلوم ہوتا رہا۔ جس سے بھارت کے کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ اپنا دل بھی مضطرب ہے۔ کیوں کہ کانگریسی دور میں جتنے مظالم اقلیتی طبقے ہریجن اور مسلمانوں پر خصوصاً ہوئے اسے کہیں زیادہ ظلم و بربریت، قتل، لوٹ، آتش زدگی اور عورتوں کی عصمت دری جنتا حکومت کے دور میں پولیس اور پی اے سی نے کھلّم کھلا کیا ہے اور مظالم دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپ کی زبان وقلم پر مہر سکوت کس قدر المناک ہے۔

لہٰذا حکومت مسلم اقلیتوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔ بلکہ تباہ و برباد کرنے میں اعلیٰ درجے کی شریک کار ہے۔ اس لیے اب اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے آپ اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کر کے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کو توڑ دیجیے، تا کہ عوام کے اعتماد کا ووٹ حاصل کریں۔ خصوصی طور پر یوپی حکومت کو باقی رہنے کا اخلاقی، سیاسی اور قانونی حق ہی نہیں ہے۔ اس لیے آج بھی علی گڈھ کے فساد زدہ علاقوں میں روزانہ دھماکے ہو رہے ہیں۔ انھیں روکنے، فساد کو بند کرنے میں حکومت ناکام ہوگئی ہے۔ ہریجنوں، مسلمانوں اور سکھوں، مزدوروں، طلبا اور دیگر پسماندہ طبقوں پر جو ظلم اور ستم پولیس اور پی اے سی کے ذریعے ہو رہا ہے۔ وہ اظہر من الشّمس ہے۔ عوام کا اعتماد اب یوپی حکومت پر نہیں رہا۔ اس لیے فوری طور پر یوپی اسمبلی توڑ کر نیا الیکشن کرائیں۔ مطالبات حسب ذیل ہیں:

جو لکھنؤ، کانپور، بنارس وغیرہ کے سلسلے میں فقیر نے کیا تھا، وہی مطالبات علی گڈھ کے لیے بھی کر رہا ہے۔

۱: ہائی کورٹ کے جج کے ذریعے واقعے کی انکوائری کروا کر مظلوموں کے ساتھ

انصاف کیا جائے۔

۲: جو مظلومین شہید ہوئے ہیں، ان کے ورثا کو تاعمر پنشن دی جائے اور مجروحین کو معاوضہ دیا جائے۔ جن مکانوں، دکانوں کو لوٹا گیا یا جلا دیا گیا ہے یا کسی قسم کا نقصان پہنچا، انھیں پورا معاوضہ دیا جائے۔

۳: انکوائری کے دوران تمام پولیس افسران و حکام کو معطل کیا جائے۔

۴: انکوائری کے بعد مجرم، پولیس، پی اے سی اور افسران و حکام پر قتل و ڈکیتی وغیرہ کے مقدمات چلا کر عبرت ناک سزا دی جائے، تاکہ آئندہ پولیس و پی اے سی اور حکام کو کسی پر ظلم وستم کرنے کی جرأت نہ ہو۔

۵: بلوے کے دوران بے جا اقلیتی فرقے کے جن لوگوں کو قتل، آتش زدگی وغیرہ کے مقدمات میں ماخوذ کیا گیا ہے، انھیں فوراً رہا کیا جائے۔

لہٰذا مندرجہ بالا مطالبات کو آپ فوری طور پر بذاتِ خود اپنی حکومت سے تسلیم کروا کے مسلمانانِ ہند پر ہونے والے مظالم کی روک تھام کریں۔ اگر آپ نے فوری توجہ نہ کی تو فقیر حسب اعلان سابق تن تنہا مجبور ہوگا اور راشٹر پتی بھون کے سامنے دھرنا دے گا اور عالمِ انسانیت سے اپیل کرے گا کہ ہریجنوں، مسلم اقلیت، سکھوں، مزدوروں پر ہونے والے مظالم کو روکنے کے لیے عملی اقدام کرے۔ فقط

فقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ
خادم منصب امارت کُل ہند خاکسارانِ حق، الٰہ آباد
۲/ذوالحجہ ۹۸ھ۔ ۲۲/نومبر ۷۸ء
(نوائے حبیب مجاہد ملت نمبر، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴)

حضور مجاہد ملت نے جہاں صدر جمہوریہ کو خط لکھ کر اپنے خدشات کا اظہار کیا اور ان کے سامنے اپنے مطالبات رکھے، وہیں اس وقت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام بھی ایک مختصر خط جاری فرمایا، وہ خط حسب ذیل ہے۔

آنریبل جنابہ اندرا گاندھی صاحبہ وزیر اعظم ہند بالقابہا

آداب عرض!

نہایت افسوس قریب قریب مایوسی کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ آپ کی جماعت کے ساتھ اپنی جماعت کی نمائندگی کے اعتبار سے میرا جو معاہدہ ہوا، وہ اب تک صرف ہوائی ہو کر رہ گیا۔ معاہدے کی کسی دفعہ کا پورا تو ہونا درکنار یو پی اسمبلی لکھنؤ آرٹیکل نمبر ۳۰ر کی ترمیم سے متعلق سرکاری بل پر بحث کرتے ہوئے آپ کی جماعت کانگریس (آئی) کے ممبران نے بھی اس آرٹیکل کی ترمیم سے اتفاق کیا۔ جن صوبوں میں آپ کی پارٹی کی حکومت رہی ان میں بھی معاہدے کی دفعات میں سے کسی ایک دفعہ پر عمل درآمد نہ ہوا۔ اس کی شکایت میں نے صدر کانگریس (آئی) یو پی جنابہ محسنہ قدوائی سے کی، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اس سے مجبور ہو کر آپ سے شکایت کی۔ آپ نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ کبھی کبھی مخالفین مجھ سے سوال کرتے رہتے ہیں کہ جناب آپ کے معاہدے کی دفعات میں سے کسی دفعہ پر عمل درآمد ہوا؟ لاچار نفی میں جواب دینا پڑتا ہے۔

اور حالیہ فسادات میں حسب دستور سابق اس قسم کی بات بنائی جارہی ہے کہ پاکستان کی حرکت ہے۔ کبھی حزب مخالف کا بہانہ ہو رہا ہے، کبھی بڑی طاقتوں کا بہانہ ہو رہا ہے۔ یہی حال جنتا حکومت میں رہا اور آپ کی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے، بلکہ بہانے کے طور پر جن جماعتوں کے نام لیے جاتے ہیں، ان میں زبردستی ''خاکسارانِ حق'' کا بھی اضافہ ہوا۔ ہندستان میں جو بھی حکومت قائم ہوئی ہے، وہ مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی و بربادی کے لیے اسی قسم کے بہانے بناتی ہے۔ ایسے موقع پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ ؏

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

آزادی کی ہوا کے آتے ہی میرے صوبہ اُڑیسہ کے قصبہ بھدرک میں سب سے پہلے مسلمان پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ اس کے بعد مسلسل مظالم روز بروز بڑھتے گئے۔ اب تو کثرت سے پی اے سی اور پولیس کی لوٹ مار شروع ہوگئی ہے۔ آخر یہ کب تک؟ یہ

مسلمانوں کی خون کی ہولی کب تک کھیلی جائے گی؟ ان کے جان و مال کو برباد کرنے اور ان کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرنے کے جواز کا بہانہ بنا کر کب تک نکالا جائے گا؟ اسی بہانے بازی سے پولیس و پی اے سی کی ہمت افزائی اور ان کے مظالم میں زیادتی ہوتی چلی جارہی ہے۔ آخر کب تک مسلمانوں کو بے وقوف بنایا جائے گا اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے گی؟ آخر کار یا تو ہندستان کے مسلمان ختم ہوجائیں گے یا ان مظالم کا پردہ فاش ہوکر رہے گا۔ کیا مظالم کی یہ روز افزوں ترقی اور معاہدے کی دفعات میں سے کسی ایک دفعہ پر بھی عمل درآمد نہ ہونا مجھے اس قابل رکھے گا کہ میں موافقت میں کوئی جملہ بول سکوں؟

کانگریس سے میرا معاہدہ ایسے دور میں ہوا جو کانگریس کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ میں نے ذلّت وخواری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بس بھر موافقت کی اور اب تک معاہدے کی بنا پر موافقت کرتا چلا آیا۔ لیکن اب خوں ریز ہولی کی کثرت سے ہمت ٹوٹ رہی ہے۔ اگر آپ کی مرکزی حکومت اور آپ کی جماعت کی صوبائی حکومتوں نے پولیس و پی اے سی کے خوں ریز مظالم اور فتنہ انگیزی کو نہایت سختی سے نہ روکا تو منھ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ مسلمان تو تباہ ہوں گے ہی بہت ممکن ہے کہ آپ کی حکومت کو بھی خمیازہ بھگتنا پڑے۔ الحذر۔ الحذر۔ الحذر۔

آنے والی رات کو خدا نے چاہا تو بغداد مقدس کی روانگی ہے اور ہندستان کے مسلمانوں کو گولیوں کے نشانے پر چھوڑ کر جارہا ہوں۔ میرے لیے اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارک پر عرض کروں گا۔

(فقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ۔ ۴؍ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۵؍ستمبر ۱۹۸۰ء) ۱۵

(نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۸۷ تا ۱۹۱)

حضور مجاہد ملت کی شخصیت سنجیدہ مطالعہ چاہتی ہے۔ عام طور پر اُن کی شخصیت کا مطالعہ ہوتا ہی نہیں ہے اور اگر ضرورتاً کوئی مطالعہ کرتا ہے تو اس کی نگاہ ان کی کتابِ حیات کے صرف متن پہ ہوتی ہے۔ وہ حاشیے اور بین السطور کو دیکھنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتا، جبکہ ان کی

کتابِ حیات کا ہر ورق حاشیوں سے بھرا ہوا ہے۔ جب ہم ان کی کتابِ حیات پہ لگے ہوئے حاشیوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہماری حیرانیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی ولادت اڑیسہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی تھی۔ جہاں زندگی کی ساری سہولتیں آج بھی میسر نہیں ہیں۔ بھدرک ضلع ہے اور اس سے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر دھام نگر ہے۔ آج ہائی وے سے دھام نگر تک پختہ سڑک بن گئی ہے، لیکن اب سے پچاس سال پہلے کی سڑک دھول سے بھری ہوئی تھی۔ حضور مجاہد ملت دھام نگر سے بھدرک تک کا سفر بس سے کرتے اور بھدرک کے گرد و نواح کا سفر عام طور پر سائیکل سے طے کیا کرتے تھے اور سائیکل سے سفر کا سلسلہ ۱۹۶۰ء تک جاری رہا۔ آپ بہت بڑے رئیس تھے مگر آپ نے زندگی کے کسی موڑ پر اپنی ریاست کا سہارا نہیں لیا، عظمتوں کا یہ عالم تھا کہ علم، عمل اور عشق کی جامع شخصیات بھی آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتی تھیں۔ آپ کی شخصیت میں جمع ظاہری کمالات کو جب ایک انسان دیکھتا ہے تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہونے والے فرد کے اندر اتنے سارے کمالات کہاں سے آ گئے۔ یہ تو ظاہری کمالات کا معاملہ ہے۔ ان کے باطنی کمالات کی بھی ایک الگ دنیا ہے۔ حضور حجۃ الاسلام نے اپنی سندِ خلافت میں ان کے بعض کمالات سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اس سندِ خلافت پہ بھی عام طور پر لوگوں کی نگاہ نہیں جاتی۔ ان کی شخصیت کا ہر باب ہمیں پل پل سوچنے کی دعوت دیتا ہے قوم و ملت کا درد ان کی ہر تحریر کے حرف حرف سے عیاں ہے انہوں نے مسلمانوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے ہر اس دہلیز پہ دستک دی ہے جہاں سے انھیں امید کی کوئی مدھم سی کرن نظر آئی ہے۔ جہاں مایوسی کا غبار گہرا نظر آیا وہاں وہ جذباتی بھی ہو گئے ہیں۔ ان کی ذات اپنے عہد میں سرتاپا قوم و ملت کی آواز تھی وہ ملک و ملت کے لیے وقت کی ہر طاقت سے ٹکرانے کا شوق فراواں رکھتے تھے۔ ان کے جذبات و احساسات کی داستان خون جگر سے بھی لکھی جائے تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوگا۔ ان کے ارشادات و پیغامات کو تختیوں پر لکھ کر ہر گھر کی دہلیز پہ آویزاں کرنے کی ضرورت ہے ان کی کتاب حیات کا ورق

ورق ہمیں سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے وہ اپنے عہد میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے تنہا تھے۔ ان کے مزارِ پاک سے آج بھی یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ ع

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضور حجۃ الاسلام کی عطا کردہ سند خلافت سے مٹھی بھر حروف ذیل میں ملاحظہ کریں:

میں نے علم اور صلاح مبین کی پیشانی کو سعادت کے نوروں سے درخشندہ اور سرداری کی علامتوں کے پھولوں سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس ذات کی وجہ سے جو شخصیتوں میں سراپا خیر و برکت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بات ڈالی اور میرے پروردگار نے مجھے الہام کیا کہ میں ان کو مکمل عام اجازت دوں تو میں نے نیک بخت، قابلِ تعریف بھائی کو اجازت دی جو اچھے، لائق، مہربان، صوفی باصفا، وفادار، مخلص، تیز، حسین، مضبوط دل والے، ٹھوس منصب والے اور مستحکم رائے والے۔ بلند سنتوں کے حامی اور قابلِ نفرت فتنوں کی سرکوبی کرنے والے، ہم عصروں اور فضل وکمال والوں میں قابلِ فخر، عمدہ عادات واطوار والے، فضل اور اونچے اخلاق والے، فاضل، کامل، لائق ادیب، ذہین حبیب میرے محبوب ومحبّ ہیں۔ میرے دل کا ٹکڑا، میرے جگر کی تسکین، میرے قلب کی راحت، میری آنکھ کے نور، اس زمانے کے بہتر فرد اور اس زمانے کے نادر شخص، بڑوں کی آنکھ کی پتلی، مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن ولد شیخ محمد عبدالمنان (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے)۔

(ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد نمبر ص ۳۰)

حضور حجۃ الاسلام کو حضور مجاہد ملت پر بڑا ناز تھا، بہت اعتماد تھا اور بے پناہ بھروسہ تھا اور یہ اعتماد ان کی دوسری تحریروں سے بھی جھلکتا ہے۔ ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے حضور حجۃ الاسلام کی ذات جوہر شناس تھی یہی وجہ ہے کہ حضور مجاہد ملت کی عقابی شخصیت اور وسعت فکر ونظر کو جس انداز میں انہوں نے اجاگر کیا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی، حضور مجاہد

ملت پہ حضور حجۃ الاسلام کے اعتماد کی ایک جھلک ذیل کی تحریر میں ملاحظہ کریں۔

حضور حجۃ الاسلام کی بارگاہ میں حضور مجاہد ملت کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ ان کی علمی وجاہت کے مداح بھی تھے۔ حضور حجۃ الاسلام کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ گھوسی میں تھانوی جی کے مقابلے میں حضور مجاہد ملت کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ گھوسی میں دونوں طرف سے یہ طئے پایا کہ علمائے دیو بند کی طرف سے مولانا تھانوی اور اہلسنت کی طرف سے مولانا العلام حامد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ (شہزادۂ اکبر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ) کو بلایا جائے اگر کسی وجہ سے یہ حضرات نہ آسکیں تو اپنے وکلا مقرر کر کے بھیجیں تاکہ اس روز روز کے مباحثے کا خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ تاریخ مقرر ہوگئی مگر نہ مولانا تھانوی آئے نہ ان کے وکیل صاحب جبکہ حضور حجۃ الاسلام نے اپنی مصروفیات کی بنا پر حضور مجاہد ملت کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ طے شدہ تاریخ پر مجاہد ملت آپہنچے اور میدان خالی پایا۔

(تبلیغ سیرت کولکاتا، مجاہد ملت نمبر ۳۹۷)

حضور مجاہد ملت کو جیل جانے کی ضرورت کیا تھی؟ قدرت نے انھیں ہر طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ انہوں نے کبھی کسی عہدے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ انہوں نے خود کو کبھی کسی لائق ہی نہیں سمجھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی زبان میں وہ تاحیات یہی اعلان فرماتے رہے ع

محصور جہاں دانی و عالی میں ہے — کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اِک وصف میں ہوتا ہے کمال — بندے کو کمال بے کمالی میں ہے
کس منھ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں — شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقّا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو — ہاں! یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

حضور مجاہد ملت عرش نشین تھے، لیکن خود کو خاک نشین سے زیادہ کبھی نہیں سمجھا۔ ان کی ذات دینی، ملّی اور انسانی درد کا پیکر تھی۔ ہم پانی سے وضو کرتے ہیں لیکن وہ اشکوں سے وضو کیا

کرتے تھے۔ ہم اپنے گرد و پیش کی خبر نہیں رکھتے ہیں، وہ پوری دنیا کو آئینے کی طرح دیکھتے تھے۔ ان کی نگاہ صرف ملکی سیاست ہی پر نہیں تھی بلکہ عالمی سیاست پہ بھی تھی۔ اگر آپ کسی دوسری قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہر سانس کو قرینے سے محفوظ کیا جاتا۔ اور آپ کو عالمی شخصیات میں نمایاں مقام دیا جاتا۔ مگر ہم نے ان کی ذات کو صرف عرس تک محدود کر دیا ہے۔ سال میں صرف ایک بار ان کے آبائی گاؤں میں ان کا عرس منایا جاتا ہے، لنگر لٹائے جاتے ہیں اور پورے ملک میں خاموشی ہوتی ہے۔ جبکہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں ان کے نام اور کام پہ محافل و مجالس کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اور ان کی شخصیت سے جڑے ہوئے ہر وصف کو بڑے پیمانے پر اُجاگر کیا جانا چاہیے۔ اس طرح نسلِ نو اُن سے قریب ہوتی اور اس کے اندر ملک و ملت کے لیے کچھ کر گذرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔

حضور مجاہد ملت کی شخصیت طاق میں سجانے کی نہیں ہے بلکہ دلوں میں بٹھانے کی ہے۔ انہوں نے دنیا کو ہر طاقت سے بے خوف ہو کر کام کرنے کا مزاج دیا ہے۔ وہ باطل قوتوں کے ساتھ تا حیات حکومت وقت سے بھی محاذ آرا رہے۔ حکومت سے ان کا مطالبہ تھا کہ ملک کے ہر خطّے کو پُر امن بنایا جائے اور فتنہ پرور عناصر کو سخت سے سخت سزا دی جائے، لیکن حکومت کے مزاج کی کسی شاعر نے یوں ترجمانی کی ہے اور صدفی صد سچ ترجمانی کی ہے کہ ؎

بڑا گہرا تعلق ہے سیاست کا تباہی سے
کوئی آبادی جلتی ہے تو دلّی مسکراتی ہے

حضور مجاہد ملت کی نظر عالمی امن پہ تھی۔ دنیا میں کہیں بھی فساد کی آگ بھڑکتی، دنیا میں کہیں بھی انسانیت کا قتل ہوتا تو آپ اس کے خلاف آواز بلند کرتے اور حکومت سے مطالبہ کرتے کہ بحالی امن کی موثر کوشش کی جائے۔ جب بیت المقدس پر اسرائیل نے قبضہ کیا اور برما میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو آپ نے اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شوکت علی صدیقی لکھتے ہیں:

''صرف ہندستانی مسلمانوں ہی کی اصلاحِ حال پر آپ کی نظر نہ تھی بلکہ

عالم اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ''بیت المقدس'' پر امریکی شہ پر اسرائیلی یہودی حکومت نے غاصبانہ قبضہ کرلیا تو آپ نے پورے شد و مد سے احتجاج کیا اور ہمیشہ فلسطینیوں کے موقف کی نہ صرف تائید کی بلکہ دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد بھی کی۔ عالم اسلام کے علاوہ دیگر ممالک میں جو کچھ پیش آتا، اس پر بھی آپ نظر رکھتے اور مسلمانوں پر جو مصیبتیں ٹوٹتیں اور بلائیں آتیں، انھیں دیکھ کر آپ تڑپ اُٹھتے۔ چنانچہ برما کے مسلمانوں پر جب عرصۂ حیات تنگ ہوا، بنگلہ دیش میں انھیں کثیر تعداد میں ڈھکیل دیا گیا اور بلٹز اخبار کی رپورٹ کے مطابق ۴۴۴؍ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ چالیس (۴۰) علما کو زندہ دفن کیا گیا۔ ایک لاکھ تینتیس ہزار قرآن پاک نذر آتش کیے گئے۔ سولہ ہزار مسلمانوں کو دریا برد کیا گیا۔ بعد (کی خبر) ۳۸؍ ہزار مسلمانوں کو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ چار سو (۴۰۰) مسلم اساتذہ کو گولی ماردی گئی۔ دو سو سے زائد مسلم بستیوں کو اُجاڑا گیا۔ اکیس ہزار مسلمانوں کو لا پتہ کر دیا گیا۔ دس ہزار مسلم خواتین کے پستان تراشے گئے۔ چار سو مساجد و مدارس کو منہدم کر دیا گیا۔ جوان و خوب صورت مسلم خواتین کو گرفتار کرکے برما کے دارالحکومت کے حوالے کیا گیا، تو آپ نے سخت احتجاج کیا۔ مندرجہ ذیل پمفلٹ کے ذریعے آپ نے رائے عامہ کو بیدار کیا۔''

فقیر غفرلہٗ القدیر بنگال و اڑیسہ کے مختصر دورے سے آج بتاریخ ۲۵؍ جمادی الآخر مطابق ۲؍ جون ۱۹۷۸ء بروز جمعہ مبارکہ واپس آیا۔ بعد نمازِ جمعہ بعض احباب نے اخبارات سیاست، جدید کانپور مورخہ ۲؍ جون ۱۹۷۸ء اور بلٹز بمبئی مورخہ ۲۷؍ مئی ۱۹۷۸ء پڑھ کر سنائے۔

اخبار سیاست میں برما کے مسلمانوں پر بے جا ظلم، بے تحاشہ بربریت، قتل عام اور عورتوں کی آبروریزی کی مختصر داستان تھی۔ بلٹز میں ان جانکاہ، روح فرسا واقعات کی تفصیل آئی ہے۔ اور ہارون رشید صاحب نے حکومت کے بیان کو غلط ثابت کیا ہے۔ سیاست میں احسن رضا خاں صاحب کا بیان شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے مسلمانوں سے عموماً اور علما

سے خصوصاً مطالبہ کیا ہے کہ جلسہ وجلوس وغیرہ کر کے اور بیانات دے کر احتجاج کریں۔

فقیر کی رائے میں یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کا وفد جا کر حکومت برما کے سفیر مقیم دہلی سے ملے اور احتجاج کرے اور ہندستان کے وزیر اعظم و وزیر خارجہ سے مل کر حکومت برما کے ان بے تحاشہ مظالم کے متعلق حکومت ہند کے سکوت پر اظہارِ افسوس کرے۔

مسلمانانِ ہند اگر اب بھی متنبہ نہ ہوں اور اپنے اوپر ہونے والے روزمرہ کے مظالم کو روکنے کے لیے جان توڑ کر کوشش نہ کریں اور جان کی بازی نہ لگائیں تو یاد رکھیں کہ وہ دن دور نہیں ہے جب ہندستان بھی برما کا رنگ دکھائے گا، جس کے ابتدائی نمونے بعض شہروں میں ابتدائی رنگ دکھا چکے ہیں۔

خدا کرے کہ مسلمانانِ ہند کو ہوش آئے اور وہ اپنی آئندہ نسل کو ہندستان میں مسلمان رہنے اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے پوری جدوجہد کریں اور اس میں اگر جان کی بازی کی نوبت آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں۔

ناشر:- ناظم نشر و اشاعت آل انڈیا تبلیغ سیرت، ۱۴۰/اترسوئیا، الٰہ آباد

آپ کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے جلسہ اور جلوس کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی شدّت سے مخالفت کی گئی اور رائے عامہ ہموار کیا گیا۔ بنگلہ دیش کے سفارت خانہ نئی دہلی سے رابطہ قائم کر کے برما کے تباہ حال مسلمانوں کے لیے ریلیف کمیٹی آپ کی قیادت میں بنائی گئی، جس کے دو صدر تھے۔ ایک تو اُتر پردیش کے سابق چیف منسٹر (وزیر اعلیٰ) وشوناتھ پرتاپ سنگھ۔ دوسرے جنگ آزادی کے رہنما سابق وزیر صحت (ہیلتھ منسٹر) اُتر پردیش شری سالک رام جیسوال تھے۔ ریلیف کمیٹی کے جنرل سکریٹری یوپی کے سابق ہوم منسٹر اور مرکزی ڈپٹی منسٹر دہلی شری دھرم ویر صاحب اور تیسرے تحریک خاکسارانِ حق کے سالار جناب مشتاق احمد صاحب تھے۔ جب بنگلہ دیش اور برما میں سمجھوتہ ہو گیا تو ریلیف کمیٹی توڑ دی گئی۔ (نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۸۵، ۱۸۶)

حضور مجاہد ملت اسلام کے سرفروش داعی، مبلغ اور باوزن رہنما تھے۔ اور اسلام ہر اس

عمل کی مخالفت کرتا ہے جس سے انسانیت، آدمیت اور شرافت کا چہرہ لہولہان ہو۔ اسلام ایک شخص کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ اسلام زمین کو ہر طرح کے فساد سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن لوگوں سے اذیتیں ملتی تھیں، آپ ان کو دعائیں دیتے تھے۔ اسلام کے ہر داعی کے سامنے اسلام کا پورا منشور ہوتا ہے۔ وہ خود کو ہر اس عمل سے بچاتا ہے جس سے اسلام کی شفّافیت مجروح ہو۔

حضور مجاہد ملت اسلامی اُصولوں کو برتنے میں اپنے عہد میں سب سے زیادہ حریص تھے۔ فرائض، واجبات، سنن اور نوافل کی تو بات چھوڑیئے، وہ ہنگامی حالات میں مستحبات بھی نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ سفر میں عام طور پر لوگ فرائض کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آپ سنن و نوافل کا بھی التزام فرماتے۔ التزام عبادت میں گاڑی کے چھوٹ جانے کی کبھی فکر نہیں کی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ نماز کی نیت باندھتے اور ٹرین چلی جاتی، تو آپ دوسری ٹرین سے آگے کا سفر فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ احباب کے مشورے کو قطعی اہمیت نہیں دیتے۔ فرماتے کہ ٹرین کے چھوٹ جانے کے باب میں ربّ نہیں پوچھے گا، لیکن نماز کے قضا ہو جانے پر سوال ہوگا۔ اور اس وقت ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ آپ قول و فعل دونوں سے دین کی تبلیغ فرماتے۔ آپ فرماتے کہ مبلغین کے قول و فعل میں فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر قول و فعل میں فاصلہ ہے تو تبلیغ کبھی مؤثر نہیں ہوسکتی۔ آپ کی شریعت پہ مداومت و استقامت کو دیکھ کر پتھروں کو بھی پسینہ آجاتا۔ مسجد نبوی شریف میں جماعت کے وقت آپ عصا لے کر ٹہلتے رہتے۔ اہلِ عقیدت عرض کرتے کہ حضور! آپ ان کی اقتدا نہیں کرتے ہیں، یہ ٹھیک ہے مگر ان کی جماعت کے وقت آپ کا اس طرح گشت لگانا خطرے کو دعوت دینا ہے۔ فرماتے میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ یہ مجھ سے پوچھیں، تو میں ان کو بتاؤں کہ تمہاری اقتدا میں نماز نہیں ہوتی۔ آج نامی گرامی لوگ حکومت کے خوف سے جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کے اس عمل سے عوامی اعتقدادات مجروح ہوتے ہیں۔ ایسے عمل سے صلح کلیت کو فروغ ملتا ہے۔ اس لیے قائدین کی نگاہ حال، مستقبل دونوں پر ہونی چاہیے۔

حضور مجاہد ملت اخلاقِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے غبار آئینہ تھے۔ اور جو اخلاقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ ہوتا ہے اس سے ایسے عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی جس سے انسانیت شرمندہ ہو۔ خواص ہو یا عوام، اپنا ہو یا بیگانہ .... آپ سب کے حقوق کی بھر پور رعایت فرماتے۔ ظلم کسی پہ ہوتا، آپ کے لیے نا قابلِ برداشت ہوتا۔ آپ اس ظلم کے خلاف احتجاج فرماتے۔ آزادی کے بعد فسادات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فسادات کا مقصد مسلمانوں کو تاراج کرنا تھا۔ مگر فسادات میں دوسرے برادرانِ وطن کو بھی نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا، اور ملک کی معیشت بھی متاثر ہوتی۔ فسادات میں مکانات جلتے، دکانیں جلتیں، گاڑیاں جلائی جاتیں، کاروبار کا عمل رُک جاتا، نقل وحمل کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ یعنی دوسرے برادرانِ وطن کو بھی شدید دشواریوں سے گذرنا پڑتا اور حکومتی اِملاک بھی بڑے پیمانے پر تباہ و برباد ہوتیں۔ جان کسی کی جاتی، مال کسی کا نقصان ہوتا، غم آپ کو ضرور ہوتا۔ آپ کو صرف مسلمانوں کے قائد کے روپ میں دیکھنا درست نہیں ہے۔ آپ جس طرح مسلمانوں کے قائد تھے، اسی طرح دوسرے برادرانِ وطن کے بھی قائد تھے۔ اس وقت کی ہر بڑی سیاسی پارٹی آپ کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتی۔ آپ جس پارٹی میں شامل ہو جاتے، اس کے عوامی اعتبار میں اضافہ ہو جاتا۔ لیکن آپ کی جنگ منصب کے لیے نہیں تھی، اقتدار کے لیے نہیں تھی، اور مال و دولت کے لیے نہیں تھی۔ یہ ساری چیزیں پہلے سے آپ کے پاس موجود تھیں۔ اور ان ساری چیزوں کو آپ کب کے ٹھکرا چکے تھے۔ آپ کی جنگ انسانیت کے لیے تھی۔ شرافت کے لیے تھی۔ آدمیت کے لیے تھی۔ اور امن و شانتی کے لیے تھی۔ اس وقت امن دشمن عناصر کا نشانہ صرف اور صرف مسلمان تھے۔ اس لیے آپ مسلم مفادات کی شدت سے وکالت کرتے۔ اس طرح دنیا سمجھتی کہ یہ صرف مسلمانوں کے قائد و رہنما ہیں۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔

حضور مجاہد ملت خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ فساد کیوں ہوتا ہے، کن لوگوں کے اشارے پر ہوتا ہے اور اس کی پلاننگ میں کون لوگ شریک و دخیل ہیں۔ ہمارا ماننا یہ ہے کہ

اگر حکومت نہ چاہے تو ملک میں ایک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ مسجد، مندر یہ عوامی ایجنڈہ نہیں ہے، بلکہ یہ خالص سیاسی ایجنڈا ہے۔ ایک دانشور کا بیان آیا تھا کہ اس نے اپنے چند ہندو دوستوں سے کہا کہ تم لوگ ہم سے جو لینا چاہو لے لو مگر بابری مسجد ہماری ہمیں دے دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر ہم بابری مسجد سے دست بردار ہو جاتے ہیں تو ہمارے پاس کوئی ایشو نہیں رہ جائے گا۔ کوئی بھی سیاسی لیڈر کسی خاص فرقہ و جماعت کا وفادار نہیں ہوتا۔ اس کی نگاہ صرف اقتدار پر ہوتی ہے۔ حصولِ اقتدار کی راہ میں اگر کوئی رکاوٹ بنتا ہے تو اسے وہ اپنی راہ سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیتا ہے، چاہے اس کا تعلق کسی مذہب، کسی دھرم اور کسی جماعت سے ہو۔

حضور مجاہد ملت کی سیاست نقائص سے بالکل پاک تھی۔ آپ کی سیاست کو دیکھ کر عہدِ صحابہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔ آپ کا کبھی کوئی ذاتی مفاد نہیں رہا۔ آپ کسی کے خون سے زمین کو رنگین دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ کوئی بچہ یتیم ہو جائے، کوئی عورت بیوہ ہو جائے اور کوئی مسکراتا ہوا گھر ماتم کدے میں تبدیل ہو جائے، یہ آپ کو قطعی پسند نہیں تھا۔

اس حوالے سے آپ نے جہاں صوبائی و مرکزی سربراہوں کو متنبہ کیا، ان کے سامنے اپنے مطالبات رکھے، وہیں عوامی رائے عامہ کو بھی ہموار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے برادرانِ وطن کو بھی سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے ہر دین و دھرم کے ماننے والوں کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ فسادی فساد کی آگ لگا کر چلے جاتے ہیں اور اس آگ میں بے گناہوں کے گھر جلتے ہیں۔ فساد کی آگ دین دھرم دیکھ کر اپنا سفر متعین نہیں کرتی، بلکہ اس کے سامنے جو آتا ہے، اسے وہ جلا دیتی ہے۔ سیاسی قائدین محلوں میں دادِ عیش دیتے رہتے ہیں۔ جب آبادیاں جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی ہیں تو سیاسی قائدین آ کر مظلوموں کے سامنے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ حضور مجاہد ملت کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ حضور مجاہد ملت کی صحبتیں بھی ان کو ملی ہیں۔ قدسیؔ کے والد ماجد کو حضور مجاہد ملت کے تلامذہ و خلفا میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ مرشد کی صحبتوں کے اثرات ان کے اوراقِ حیات میں ملتے ہیں۔ حق کے اظہار میں ان کی بے

با کی مسلّم ہے۔ اڑیسہ کی سرزمین پر کسی بھی جہت سے ان کا کوئی مدمقابل نہیں ہے، بلکہ ملکی پیمانے پر بھی ان کے امتیازات وخصوصیات ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو اپنے فن سے متاثر کیا ہے۔ ان کی کچھ نظمیں ایسی ہیں جن میں حضور مجاہد ملت کے جذبات و احساسات کے عکوس نمایاں ہیں۔ ذیل میں وہ نظمیں اس لیے دی جارہی ہیں تاکہ ان نظموں میں سیاسی بازی گروں کا آپ چہرہ دیکھ سکیں اور جب بھی حالات کشیدہ ہوں تو اس وقت آپ سمتِ سفر متعین کرنے میں کسی غلطی کے شکار نہ ہوں۔ نظمیں پیش ہیں:

یومِ آزادی

یومِ آزادی کی خوشیاں
روشنی آزادیوں کی ہر طرف ہے بے نشاں
دیکھیے کنیا کماری سے حسیں کشمیر تک
شیطنت کی ہے حکومت
شادماں عریانیت، حسنِ تمدن بے نقاب
اور سلگتی ہے یہاں انسانیت کی آبرو
ظلم واستبداد کا بازار ہر سو گرم ہے
بہہ رہا ہے ہند میں معصوم کلیوں کا لہو
بستیاں آتش زدہ، آبادیاں مفقود ہیں
مفلسی نالاں، رئیسی رقص میں مصروف ہے
اور رہبر!
رشوتوں کے انبساط و کیف میں سرشار ہے
بربریت کی بنا ہے، رہزنوں کا باپ ہے
رہبری کے نام پر یہ بدنما اک داغ ہے
کیا یہ آزادی ہے؟ اور ہندوستاں آزاد ہے؟

یومِ آزادی کی خوشیاں!!!
کس طرح خوشیاں منائیں
آج بھی ہم قید ہیں
اب ضرورت ہے ہمارے خون کی، اس ہند میں
آیئے خالد سا پھر ایمان ہم پیدا کریں
توڑ دیں گے قید و بندش کی سلاخوں کو ضرور
اور مٹا دیں گے مظالم کے نشانوں کو ضرور
چھین لیں گے اپنا حق، پھر چھین لیں گے اپنا حق
اور بتا دیں گے حکومت کا انھیں اک زاویہ
زاویہ صدیقؓ کا، مولیٰ علیؓ کا اور عمرؓ کا اور پھر حسنینؓ کا ۱۲؎

خونی الیکشن

وہ اک پر سکوں شہر تھا
یعنی، شہروں کا دل تھا
ہر اِک خطۂ شہر میں امن کی تھیں بہاریں درخشاں
نہ مذہب کا تھا کوئی جھگڑا، نہ تفریقِ نسل و زماں
سب کے سب مثلِ شیر و شکر تھے وہاں
تھیں اخوت کی شمعیں فروزاں ہر اِک قلب میں
ہر بشر میں رواداریوں کا تھا اک جذبۂ بے کراں کارفرما
دگر شہر کے لوگ تھے پیکرِ رشک باہم محبت کا حسنِ سماں دیکھ کر
کچھ فسادی عناصر کی آنکھوں میں لیکن
کھٹکتا رہا خار بن کر یہ گہوارۂ امن و راحت
وہ سازش پہ سازش کیے جا رہے تھے

کسی طرح مل جائے موقع انھیں
تا کہ بہنے لگیں شہر میں ہر طرف خون کی ندیاں
اور سنائی دیں آہ و بکا کی صدائیں
لرز اُٹھے چیخوں سے دھرتی کا قلب و جگر
ان کی خونی تمنا کو مل جائے تسکیں کا ساماں
یہ دیرینہ خواہش تھی ان کی
بڑا انتظار ان کو تھا کامیابی کا تمغہ ملے
وہ تو بیٹھے تھے موقع کی بس تاک میں
جوں ہی آیا زمانہ الیکشن کی ہنگامہ آرائیوں کا
ہوئے سارے اشرار یکجا
میٹنگیں ہوئیں کو بہ کو خفیہ انداز میں
ایسے بھڑکائیں شعلے فسادات کے
سارا ماحول آتش کدہ بن کے رہ جائے پل میں
کسی کو خبر کالے کرتوت کی ہو نہ پائے
سمجھنے لگیں سب کے سب
ناگہاں ہو گیا رونما حادثہ
سازشیں تھیں بھیانک بہت
آن کی آن میں کُشت وخوں کا ہوا گرم بازار ہر سو
گھروں میں لگائی گئی آگ بے دردیوں سے کہیں
اور کہیں لاش ہی لاش کے ڈھیر آئے نظر
اور گلیوں میں بہتی تھی ندی لہو کی
دھواں ہی دھواں چھا رہا تھا فضاؤں میں ہر سو

تھمے جوں ہی طوفاں فسادات کے
پھر تو امیدواروں کا تانتا بندھا ہر گلی میں
مگر مچھ کے آنسو تھے آنکھوں میں ان کی
دلاسا دیے جا رہے تھے مصائب کے ماروں کو روکر
ہمیں ووٹ دے کر کرو کامیابی سے سرشار پہلے
بجا دیں گے ہم اینٹ سے اینٹ ہر اِک فسادی کا تم دیکھنا
مالی امداد ہم سب کریں گے تمہاری
مکانات پختہ بنا دیں گے سب کے
ہر اک سمت آجائیں گی امن وراحت کی دل کش بہاریں
دکھاتے رہے سبز باغات ووٹوں کے دلال سب
سچ تو یہ تھا
یہ سب لیڈروں کی ہی سازش کا گندہ اثر تھا
اسی طرح دورِ الیکشن میں ہوتا رہا ہے
اسی طرح ہوتا رہے گا ۱۳

حضور مجاہد ملت دردِ انسانی کا ایک پیکر جمیل تھے۔ ان کے جذبات، احساسات اور خیالات سے دنیا کما حقہ واقف ہو جاتی تو ان کے قدم ناز پہ عقیدت کے پھول پیش کرنے سے اسے فرصت نہ ملتی۔ آپ جو کرتے تھے، جو کرنا چاہتے تھے، عوام اور اہلِ اقتدار سے جو آپ کی امیدیں تھیں اس میں ذاتی مفاد کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ملک امن کا گہوارہ بن جائے، ملک کا ہر شہری ہر طرح سے محفوظ ہو جائے اور ملک کا ہر شہر وعلاقہ ترقی پذیر ہو جائے، یہی آپ کی دلی حسرت تھی۔ ہر شخص کو اپنے مذہبی اُصولوں پہ عمل کرنے کی آزادی ہو۔ ملکی قوانین میں اس کی بھرپور وضاحت ہے۔ ملک کے قانون نے اپنے شہریوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان کا عملی نفاذ ہو۔ ان کے کاغذی اظہار واعلان سے کسی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جس طرح دوسرے

برادرانِ وطن کا اس ملک پہ حق ہے، وہی حق مسلمانوں کا بھی ہے۔ کوئی مسلمان پاکستان کا ایجنٹ ہے، نہ دلال۔ ہر مسلمان اپنے ملک کا وفادار اور اپنے ملک کا مفاد چاہتا ہے۔ یہی سچائی ہے، جو اس سچائی کے خلاف آواز اُٹھائے اسے سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے۔ اور یہ ذمہ داری حکومت کی ہے۔ حکومت کسی کے ساتھ امتیاز نہ برتے، ورنہ ملک کی ترقی متاثر ہوگی۔

حضور مجاہد ملت اہلِ اقتدار سے لے کر ملک کے ہر شہری کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ ملک میں کئی تنظیمیں تھیں جو مخصوص فرقے کے ذہنوں میں زہر گھولتی تھیں اور نتیجے میں امن کی پیشانیاں لہولہان ہو جاتی تھیں۔ آپ ملک کے ہر شہری کو ان تنظیموں سے بھی ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے تھے اور حکومت سے ان تنظیموں پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی کرتے تھے۔ ملک دشمن عناصر میں خاکی وردی تقسیم نہ کی جائے۔ یہ کام کرتا کون ہے، اس پہ نگاہ رکھی جائے۔ اور شناخت ہو جانے کے بعد انھیں سلاخوں کے پیچھے ڈالا جائے۔ تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔ بہر حال حضور مجاہد ملت نے عوامی ذہنوں سے تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے جراثیم نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ کو اپنی کوشش میں جزوی کامیابی بھی ملی۔ یہی وجہ ہے کہ ''تحریک خاکسارانِ حق'' میں دوسرے برادرانِ وطن بھی شامل تھے۔ حضور مجاہد ملت نے حکومت اور عوامی ذہنوں کی صفائی کے لیے ایک طویل تحریر بعنوان ''ہندستان میں سیکولرازم کی بقا کے لیے ضروری لمحۂ فکریہ'' جاری کی، وہ پوری تحریر ذیل میں ملاحظہ کریں۔

> عید کے دن مراد آباد سے جو خلفشار شروع ہوا، اس کا رنگ ایسا تھا کہ صرف یوپی ہی نہیں بلکہ پورے ہندستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا، اگر ذمے داران فوری کارروائی نہ کرتے تو۔ اس خلفشار کی ابتدا ہو چکی تھی، جیسا کہ الٰہ آباد میں پولیس کے سامنے ہی پانی لینے کے بارے میں دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا اور جب جھگڑا بڑھ گیا تو پولیس نے یک طرفہ کارروائی کرتے ہوئے صرف مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنایا، ان کی دکانیں لوٹیں اور خدا جانے کیا کیا ناجائز

حرکتیں کیں۔ساتھ ہی ساتھ فیروز آباد کی مسجد پر شر پسندوں نے غالباً بم پھینکا لیکن ہماری جماعت ''خاکسارانِ حق'' خصوصاً اس کے سالار کی ہوشیاری کی وجہ سے جھگڑا نہ ہوسکا اور امن وامان کی فضا برقرار رہی۔الٰہ آباد، فیروز آباد کے علاوہ اور بھی نہ معلوم کہاں کہاں اس طرح کی شرانگیزیاں کر کے امن وسکون کی فضا کو مکدر کرنے کی کوشش کی گئی۔لیکن مراد آباد کے حالیہ فساد میں شرانگیز فسادیوں نے ایک نیا طریقہ اپنایا، وہ یہ کہ عید کی نماز کے وقت عیدگاہ میں نمازیوں پر سؤر دوڑا دیا تا کہ مسلمان رنج وغم اور غصّے کی وجہ سے بدحواس ہوکر بھڑک اُٹھے اور پولیس کے بھیس میں آر ایس ایس کے درندوں کو اپنی درندگی اور بہیمیت کے مظاہرے کا موقع مل جائے اور ایسا ہی ہوا۔مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے اور بے گناہ مسلمانوں کے خلاف حکومت کے دماغ کو خراب کرنے کے لیے اور ملک کے امن وامان کی فضا کو زہریلی کرنے کی یہ ایک منظم اور سمجھی بوجھی سازش تھی، جو پہلے سے چل رہی تھی اور اندر اندر اب بھی چل رہی ہے۔ حالیہ فرقہ وارانہ فسادات اس کا واضح ثبوت ہیں۔

مگر یہ بات واضح رہے کہ ہوش مندی سے کام نہ لیا گیا تو ان فسادات کی لپیٹ میں آکر جہاں مسلمان تباہ و برباد ہورہے ہیں اور ہوں گے۔ وہیں ہندوؤں کا بھی کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ اندرا کانگریس محفوظ نہ رہ سکے گی اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ طوفانِ بدتمیزی حد سے گذر جائے تو ملک بھی تباہی کے دہانے پر آجائے۔

لہٰذا ملک میں برپا ہونے والے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات مسلمانوں، انصاف پسند ہندوؤں اور حکومت کے لیے ضروری لمحۂ فکر یہ ہیں موجودہ حالات کے پیش نظر کس کو کیا کرنا چاہیے،اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(ا) حالیہ فسادات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جنتا حکومت جو دراصل آر ایس ایس اور جن سنگھ کی حکومت تھی، اس نے اپنے دورِ حکومت میں حکومت کے ہر شعبہ خصوصاً

پولیس میں کثرت سے ''مسلم کش'' ذہنیت رکھنے والے آدمیوں کو بھر دیا اور اب چال یہ چلی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو بھڑکاؤ اور جب یہ بھڑک کر سامنے آئیں تو پولیس کی وردی میں ملبوس ہمارے آدمی قیامِ امن کے نام پر نہایت اطمینان سے مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنائیں۔ مکان، دکان لوٹیں وغیرہ جو ناکردہ حرکتیں کر سکتے ہیں کریں اور اس میں ان کی جماعت بھی پولیس کی مددگار ہو جائے اور اگر پولیس و آر ایس ایس اور جن سنگھ کا آپس میں گٹھ جوڑ نہیں ہے تو مراد آباد میں جھگڑا مسلمانوں اور پولیس کا تھا۔۔۔ ہندوؤں کے الجھنے کا کیا معنی؟

اور شر پسند عناصر کسی مندر سے یا ہندوؤں کے کسی مقامِ عبادت میں گائے کا سر یا گوشت ڈال سکتے ہیں اور اس طرح ہندو مسلم فساد کی آگ بھڑکا سکتے ہیں اور نتیجے میں بے چارے بے گناہ مسلمانوں کو بدنام کر سکتے ہیں اور اس پُر فتن اور شر انگیز ماحول میں عجب نہیں کہ پھر کوئی فسادی پیسے کی لالچ میں فسادات کرانے کی غرض سے سوٗر کاٹ کر مسجد میں ڈال دے یا کوئی فسادی گائے کا گوشت مندر میں ڈال دے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نوع فساد بڑھے اور مسلمان گولیوں کا نشانہ بنیں اور آسانی سے تباہ و برباد کیے جائیں۔ جہاں زیادہ تباہی و بربادی ہوگی، ظاہر ہے وہاں حکومت کی بدنامی بھی ہوگی۔ گویا فسادی اس طریقے سے ایک تیر سے دو شکار کریں گے یعنی مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا اور حکومت کو بدنام کرنا دونوں مقصد بیک وقت حاصل ہو جائیں گے۔ ع

چہ خوش بود کہ ہر آید بیک کرشمہ دو کار

خدا کرے کہ موجودہ خلفشار جلد سے جلد فرو ہو جائے لیکن اس وقت فسادات کے فرو ہو جانے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ واقعتاً فسادات بالکل فرو ہو گئے غلط ہے، غلط ہے، تباہی ہے، تباہی ہے۔ ہرگز ہرگز کسی کو مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ کے لیے اس کو اُکھیڑ پھینکنے کے لیے سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔

اس لیے جس طرح جسم سے جب تک مادۂ فاسد کو ختم نہ کیا جائے محض آپریشن کر کے دس بیس پھوڑے ٹھیک کر دینے سے حقیقی فائدہ نہ ہوگا بلکہ جسم میں موجود مادۂ فاسد کی وجہ سے سیکڑوں

پھوڑے نکل کر صحت کو برباد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جب تک حکومت فسادی مادّوں کا صفایا نہ کرے گی فسادات ہوتے رہیں گے، مسلمان تباہ ہوتے رہیں گے اور حکومت بھی بدنام ہوتی رہے گی۔

لہٰذا حکومت اس معاملے میں نہایت سنجیدگی سے غور وفکر کر کے ایسا قوی اقدام کرے کہ جس سے یہ فسادی اپنے ناجائز مقصد میں ناکام ہو جائیں۔

(۲) اب مسلمان اس موقع پر غور وفکر کریں کہ فسادی لوگ جو مسجد میں سؤر دوڑا کر یا سؤر کا گوشت ڈال کر انھیں اُبھارتے اور بھڑکاتے ہیں اس سے ان کا کیا مقصد ہے؟ تو ان کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ مسلمان بے قابو ہو جائیں اور بھڑک کر خود ہی تباہ و برباد ہو جائیں اور فسادیوں کا مقصد پورا ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کے روح فرسا و جاں گداز موقعوں پر اپنے خون کا گھونٹ پی کر صبر و تحمل سے کام لیں۔ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے حکومت کو مطلع کریں اور نہایت خفیہ طریقے پر اس کا پتہ لگائیں کہ ایسی حرکتیں کون کر رہا ہے۔ موقع پر اس کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کریں، بلکہ حکومت کو ضرور مطلع کریں اور اگر بار بار ایسی حرکت اور حکومت فساد میں ملوث فسادیوں کو عبرت ناک سزا دے کر فسادات کو نہ بند کرائے تو اس وقت نہ تو فقیر کو آپ لوگوں کو منع کرنے کی ہمت ہوگی اور نہ ہی آپ میں ماننے کی سکت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا کی مثال صادق آئے گی۔

مسلمانو! اگر آپ حضرات نے میری گذارش پر ہوش اور سنجیدگی کے ساتھ غور نہ کیا اور برافروختہ ہو گئے تو نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ ابھی جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بد سے بدتر حال ہوگا اور تباہ کاری فسادی کامیاب سے کامیاب ہوں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

(۳) حکومت کو چاہیے کہ بڑی ہوشیاری سے فسادات کو روکنے کی کارروائی کرے اور نہایت چاق و چوبند ہو کر فسادی مادّوں کا صفایا کرے۔ پولیس کی زیادتیوں پر غائر نظر کرے، ورنہ جہاں مسلمان تباہ ہوگا وہیں کچھ نہ کچھ حکومت کو بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر کرفیو کے اندر مارے جانے والے اور لوٹے جانے والے مسلمانوں کے متعلق معتمد ذرائع سے تحقیق کرے۔ اگر یہ نہ ہوا اور پولیس کی زیادتی بڑھی تو ظاہر ہے.....

جسے بار بار کہنے کی ضرورت نہیں

(۴) انصاف پسند ہندوؤں کو چاہیے کہ ہندو مسلمان مل کر مشترکہ طور پر ایک جماعت تیار کریں۔ اس جماعت کا نام یہ ہو کہ ہندو، مسلمان، پولیس میں بھی جو فساد کا آغاز کرے یا کرائے ''البادی اظلم'' کی بنا پر اگر اسے گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے کیفرکردار کو پہنچائے اور فساد ہو جانے کی صورت میں یہ جماعت کوشش کرے کہ حملے کا سلسلہ بند ہو جائے اور جب حملے کا سلسلہ بند ہو جائے گا تو فساد خود بخود رُک جائے گا۔

اسی لیے فقیر نے ایک جماعت ''خاکسارانِ حق'' نام کی قائم کی ہے، جس کے سپاہی میں بلاتخصیص ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی غرض کہ ہر وہ شخص جو یہ چاہتا ہے کہ فرقہ وارانہ فساد نہ ہو، وہ شریک ہو سکتا ہے۔ چاہے تو لوگ الگ سے اس کی کوشش کریں یا اس جماعت میں شریک ہو کر کوشش کریں، بہرحال مقصد حاصل ہے۔

اخیر میں یہ فقیر بتانا ضروری سمجھتا ہے کہ جونیر مرکزی وزیر داخلہ مسٹر یوگیندر مکوانا نے جے پور میں اخباری نمائندوں سے ۲۵ / اگست ۱۹۸۰ء کو بات چیت کرتے ہوئے جہاں پر انہوں نے راشٹریہ سویم سنگھ (آر ایس ایس) اور بھارتیہ جنتا پارٹی (سابقہ جن سنگھ) کو فسادات کا ذمے دار ٹھہرایا ہے، وہیں آگے چل کر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ خاکسار تحریک کا مراد آباد میں پھر زندہ ہونا بھی حکومت کے علم میں ہے۔ انتہی بلفظہ [۱۴]

لہٰذا گذارش ہے کہ اس خاکسار سے مراد پرانے خاکسار ہیں یا خاکسارانِ حق؟ اگر پرانے خاکسار مراد ہیں تو وہ اس کے جواب دہ ہو سکتے ہیں، فقیر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اگر ''خاکسارانِ حق'' مراد ہیں تو حکومت کے علم میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ مراد آباد میں ''خاکسارانِ حق'' کے سپاہی میں ہندو بھی شامل ہیں۔ البتہ مراد آباد کے واقعہ میں مسلمان اپنے مذہبی و دینی جذبے کی بنیاد پر ناقابلِ برداشت صدمے میں آپے سے باہر ہو گئے۔ مراد آباد کے علاوہ جہاں جہاں بھی فساد ہوا، وہاں کے مسلمانوں نے ہوش سے کام نہیں لیا، وہاں ہمارے سپاہی بھی غالباً اپنی کمزوری کی وجہ سے بے بس ہو گئے۔ اس کا فقیر کو بہت صدمہ

ہے اور فیروز آباد میں اس سے پہلے بھی بہت اچھا رول ادا کیا ہے۔ اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ امن و امان قائم رہا۔ خدا کرے ہر جگہ ہماری جماعت مضبوط ہو جائے۔ تو پھر اُمید ہے کہ ایسے مواقع پر اچھا رول ادا کرے گی۔۔۔ تقریباً ۳۳؍سال سے ہندستانی مسلمان پولیس کے ذریعے سے آزادی کی سزا بھگتتے آئے اور یہ کہہ کر ہندستانی مسلمان پاکستان کے ایجنٹ ہیں، اسی وجہ سے وہ فساد پھیلاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ مسلمانوں کے قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کا جواز نکالا جاتا رہا اور وہی پرانا طریقہ مراد آباد کے فساد میں اختیار کیا گیا۔ جس کا مسٹر بہوگنا نے ایک انٹرویو شائع شدہ ''بلٹز'' ۳۰؍اگست ۱۹۸۰ء میں اعتراف کیا ہے اور انہوں نے اس میں یہ بھی اعتراف کیا کہ'' شریمتی اندرا گاندھی نے سی ایف ڈی کے ۳۱؍ نکاتی پروگرام لفظ بہ لفظ تقسیم کیے تھے اور بعد میں اسے کانگریس آئی کے مینی فیسٹو میں شامل کرلیا گیا تھا۔ اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ جہاں بھی فساد ہوگا مہلوکین کے خاندان والوں کو معاوضہ دیا جائے گا اور قصور وار پولیس افسران کو معطل کر دیا جائے گا۔ انھیں عبرتناک سزائیں دی جائیں گی۔ اسی طرح ضلع مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کو بھی معطل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا موجودہ کانگریس (آئی) کی حکومت اس پر عمل کرے، تا کہ مسلمانوں پر ہونے والے پولیس کے مظالم کا انسداد ہو سکے اور اگر حکومت خاموش رہی اور مظالم جاری رہے تو ہر انصاف پسند معمولی عقل والا بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ فساد نہ صرف فرقہ پرستوں کی حرکت ہے بلکہ یہ حکومت کی مہربانی ہے۔ اس کے بعد جسے جو بھگتنا ہے، بھگتے۔

(فقیر حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ)

(نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریک، تحریکِ عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے سے زندہ بھی تھی اور توانا بھی تھی۔ اسے مزید توانائی کی بھی ضرورت تھی اور اجتماعی پلیٹ فارم کی بھی۔ بغیر اجتماعیت اور مضبوط پلیٹ فارم کے اس تحریک کو آگے بڑھایا نہیں جا سکتا تھا۔ حضور مجاہد ملت نے اسی مقصد کے تحت '' آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی بنیاد رکھی۔

''آل انڈیا تبلیغ سیرت''، غیر سیاسی تنظیم تھی۔ اسی تنظیم کے پلیٹ فارم سے آپ نے مسلمانوں کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دھاگے میں پرونے کی بھی کوشش کی اور حکومتِ وقت کے سامنے اپنے جائز مطالبات بھی رکھے۔ متعدد بار حکومتِ وقت آپ کے مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور بھی ہوئی۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت کی شہرت اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں ہی پورے ہند و پاک میں پھیل چکی تھی۔

چونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریک، تشہیر اور تبلیغ سے دلوں کے آفاق چراغ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشن و منور ہو چکے تھے یہ روشنی کہیں تیز تھی تو کہیں مدھم تھی اسے مزید تحریک دینے کی ضرورت تھی حالانکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے حاشیے پہ اہل علم کی جو کہکشاں روشن تھی اس کا ہر فرد اپنے وقت کا امام، مفسر اور محدث تھا اہل محبت کے لیے ریشم کی طرح نرم تو باطل کے لیے آتش فشاں تھا۔ وہ سب تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے انتہائی مخلص تھے ان میں خرمن باطل کو جلا کر راکھ کر دینے کی بھرپور صلاحیتیں تھیں۔ وہ سب جہاں تھے بہرحال مصروف عمل تھے۔ بعض عاقبت نا اندیشوں نے اعلیٰ حضرت کے بعض خلفاء پہ الزام لگانے کی مذموم کوشش کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے فلاں فلاں خلفاء کے پوری دنیا کے دیابنہ، وہابیہ سے گہرے مراسم تھے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ دارُ العلوم دیو بند میں صبح و شام مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام پڑھا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے خلفاء کی فکر و نظر کی شفافیت پہ دھول ڈالنا اپنی عاقبت تباہ کرنا ہے خالص دینی روایات کی ترویج و تشہیر ہی ان کا مقصد حیات تھا۔ ان کی کتاب حیات کا کوئی ورق ایسا نہیں ہے جس پہ انگلی رکھنے کی تھوڑی بھی گنجائش ہو وہ سب تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرجوش داعی و مبلغ اور معلم تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحریک، تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا کو بڑے پیمانے پر جوڑنے کی ضرورت تھی اور اس کے لیے ایک ایسے فرد

فرید کی حاجت تھی جو دین وشریعت کے فروغ کے لیے اپنا سارا اثاثہ قربان کردینے میں پرتو صدیق اکبر ہو باطل شکنی میں مظہر فاروق اعظم ہو جس میں حضرت عثمان غنی کا جذبۂ سخاوت ہو اور وہ مولائے کائنات کے جذبۂ شجاعت سے سرشار ہو اور اس وقت مذکورہ خصوصیات کی حامل کوئی شخصیت تھی تو وہ حضور مجاہد ملت کی ذات تھی۔ دلوں میں عشق رسالت مآب ﷺ کی چنگاری پہلے سے موجود تھی اسے شعلہ بدوش بنانا تھا حضور مجاہد ملت نے اسی مقصد کے حصول کے لیے آل انڈیا تبلیغ سیرت کی بنیاد رکھی، آل انڈیا تبلیغ سیرت کی جیسے ہی بنیاد پڑی اور اس کا شہرہ ہوا لوگ اس تحریک سے جڑتے چلے گئے ملک کے ہر مرکزی شہر میں اس کے اجتماعات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دیوانوں کی بہت بڑی جمعیت اکٹھا ہوگئی، اس تحریک کو مسلسل اشتراک عمل کی ضرورت تھی۔ ہندو پاک کے ہر مرکز اور مرکزی شخصیات کا پرخلوص تعاون چاہیے تھا مگر لاکھ کوششوں کے بعد بھی حضور مجاہد ملت کو تعاون حاصل نہ ہوسکا اس حوالے سے آپ کو مضبوط حاشیہ بھی دستیاب نہ ہوسکا جو ہمراہ تھے اس میں اکثریت ساحل پہ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے والوں کی تھی۔

''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے قیام کے حوالے سے ڈاکٹر شوکت علی صدیقی لکھتے ہیں:

> ''تقسیم ہند کے بعد ملک کی متعدد سیاسی جماعتوں کو سیاست سے توبہ کرنا پڑی۔ اور مذہبی جماعتوں کا شیرازہ غیر متوقع طور پر بکھر کر رہ گیا۔ چنانچہ اہلسنّت و جماعت کی ساڑھے تیرہ کروڑ تعداد بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور اس کا بھی وہی حال ہوا جو کسی انقلاب کے بعد ملک کی قوموں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ عوام وخواصِ اہلِ سنّت و جماعت بھی اس محور پر گردش کرتے رہے کہ ہماری کوئی تنظیم ہونی چاہیے یا نہیں۔ اثبات ونفی کا یہ نظری پہلو دراز سے دراز ہوتا گیا۔ بالآخر انتہائی صعوبتوں کے بعد اکابر علمائے اہلِ سنّت کی سرپرستی میں حضور مجاہد ملت نے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی بنیاد ڈال دی اور فیض آباد، الٰہ آباد، ممبئی کی متعدد نشستوں کے بعد بریلی شریف میں باتفاق رائے مجاہد ملت

مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ کی صدارت میں ارکانِ تبلیغ سیرت کا انتخاب عمل میں آیا۔ بریلی شریف میں دستورِ اساسی ترتیب دیا گیا۔ اور ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں پانچ اغراض ومقاصد پر مشتمل الہٰ آباد میں ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اغراض ومقاصد درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں کے عقائد واعمال اور تنظیم اتحاد کی اصلاح۔

(۲) ہر زبان جس میں اسلامیات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے اس کی بقا کی تدبیریں کرنا۔

(۳) ترقیِ مدارس اور تمام مدارسِ اسلامیہ کو منظم کرنا اور ان کے نصاب میں یکسانیت پیدا کرنا۔

(۴) مساجد، مقابر، خانقاہوں اور قبرستانوں کا ہر طرح تحفّظ کرنا اور ان کی ترقی کے لیے جدوجہد کرنا۔

(۵) اشاعت وتبلیغ، مقاصد کا پرچار اور ہر جگہ انجمن کی شاخوں کو قائم کرنا۔ ے

''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا ایک اعلامیہ جس میں ملّی درد وکرب جسّم دیکھا جاسکتا ہے، یہ اعلامیہ انجمن اسلامیہ مراد پور، پٹنہ کی سہ روزہ کانفرنس ۹، ۱۰، ۱۱/ اپریل ۱۹۵۴ء کے موقع پر شائع ہوا تھا۔ ذیل میں ملاحظہ کریں:

اللہ اکبر! وقت کی پکار!

مسلمانوں سے پُرزور اپیل

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

برادرانِ اسلام! یاد رکھیے کہ اس متحرک دنیا میں کوئی چیز ساکن نہیں۔ قومیں ترقی کرتی ہیں یا گر کر مٹ جاتی ہیں۔ اس لیے یا تو اسلام پھیلانے کی کوشش کرو ورنہ قدرت کا عمل مسلمانوں پر بھی حاوی ہوجائے گا۔

کچھ شک نہیں کہ نیکی وسچائی کے اندر بڑھنے اور پھیلنے کی قوت موجود ہے۔ مگر پھر بھی پھیلانے والوں کی ضرورت ہے۔ بیج میں پھولنے، پھلنے کی طاقت موجود سہی، مگر تخم ریزی

کے ساتھ پانی دینا، حفاظت کرنا اور محنت اُٹھانا شرط ہے۔ سچائی کا پھل حاصل کرنے کے لیے یہ سب مرحلے ضروری ہوتے ہیں۔ آج اسلام کی سچائی بھی پھل پانے کے لیے کسان کی کاوشوں کی محتاج ہے۔ ''کھیتی خصمان سیتی'' کا مشہور مقولہ کم کوش عالموں اور حال مست امیروں کے لیے سامانِ عبرت رکھتا ہے۔ اسلام دوستی کے دعوے کے ساتھ آرام طلبی حرام ہو جاتی ہے۔ اس لیے اے مسلمانو! تم اسلام کے تقاضے اور سچائی کی پکار کو سنو۔ اے بے قرار روح، سچی تڑپ اور درد رکھنے والا دل پیدا کرو، جو تمہاری سوئی ہوئی قوتوں کو بھی بیدار کر دے اور تمہارے اِرد گرد نیند کے ماتوں کو بھی ہشیار کر دے۔

یہ کیا حال ہے کہ باطل پُر جوش اور حق کم کوش ہے۔ باطل جسے سر چھپانا چاہیے، وہ سرفراز ہے، مگر سرفرازی جس دین کی قسمت میں تھی، اسے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لیے کہ مدّعی اسلام خدمت وتبلیغ کے لیے کوشش صرف نہیں کرتے۔ ان حالات میں مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسہ و دیگر علمائے عظام ومخلص رہنمایانِ قوم نے باہمی مشورے سے ۱۳۶۸ھ میں پانچ اغراض ومقاصد پر مشتمل الہ آباد میں ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' قائم کی اور یہیں اس کا مرکزی دفتر قائم کیا۔ جس نے باوجود اپنے محدود وسائل اور مالی مشکلات کے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس کے مخلص کارکنوں کی تبلیغی جد وجہد اور سرگرمیوں سے اب تک بھارت کے طول وعرض میں تین سو سے زیادہ دینی مدارس و مکاتب قائم ہو کر چل رہے ہیں اور ملک کے مختلف اطراف میں اس کی شاخیں قائم کر کے مبلغین مذہبی تنظیم وتبلیغ کی خدمت میں مصروف ہیں۔

حضرات اس نازک دور میں اس ملک کے چار کروڑ مسلمانوں کو اگر آپ خوش حال، مذہبی تعلیم سے بھرپور اور امن وسلامتی کے گہوارے میں دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے مقاصد سے تعاون کیجیے اور اپنی پوری ہمت سے اس کی مالی امداد فرمائیے، تاکہ یہ اپنے مقاصد کے حصول میں ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ وما علینا الا البلاغ ۸؎

حضور مجاہد ملت کے زمانے میں مذکورہ دفعات سے مسلمانوں کو درپیش مسائل کا بھرپور

اندازہ ہوجاتا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں، گمراہ اور بدمذہب جماعتیں مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی تھیں اور اتحادِ اسلامی پر تسلسل کے ساتھ ضربیں لگا رہی تھیں۔ مسلمانوں کے ہجرت کرجانے کے باعث بہت سے مقامات پر مساجد، مدارس اور مقابر ویران ہوگئے تھے۔ انھیں آباد کرنا اور ان کے تحفظ کی راہیں تلاش کرنا انتہائی اہم وضروری تھا۔ زبانوں کا تحفظ، مساجد و مدارس کا فروغ، نصابِ تعلیم میں یکسانیت انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنا وقت کا اہم تقاضا تھا اور بھی بے شمار اہم مسائل تھے جن پہ عملی پیش رفت کی شدید ضرورت تھی۔ مسلمانوں کو باہم متحد کرنا اور ان کے قلوب میں عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آگ سلگانا حضور مجاہد ملت کے ترجیحی مقاصد تھے اور آپ نے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے پلیٹ فارم سے اپنے مقاصد کے حصول کی پُرجوش جدوجہد کی۔ ملک کے اکثر مرکزی شہروں میں تاریخی اجتماعات منعقد کیے۔ ان اجتماعات سے آپ نے جو تاریخی خطابات کیے ہیں ان کی دھمک آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔ آپ اپنی تقریر میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ فرماتے تھے جماعت اہلِ سنّت کی سو سالہ تاریخ میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ ذیل میں آپ کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

''میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ لاکھوں کے اس مجمع میں حکومت ہند کے ظالم سربراہوں کے وفادار کتّے بھی موجود ہیں۔ وہ میری تقریر کے الفاظ نوٹ بھی کررہے ہوں گے۔ تو اے حکومت کے کتّو! یہ بات اچھی طرح نوٹ کرلو کہ میں اپنی تقریر کا ذمہ دار خود ہوں۔ منتظمین جلسہ، سامعین اور دوسرے مقررین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ میری حق گوئی کو اگر ظالم حکمراں جرم سمجھتے ہیں تو اس جرم کی سزا بھگتنے کے لیے میں ذاتی طور پر خود تیار ہوں۔ کسی دوسرے کو تختۂ مشق ہرگز نہ بنایا جائے۔ اس لیے کہ میں جو کچھ بول رہا ہوں وہ کسی کے اشارے، کنائے پر نہیں، بلکہ یہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ جو میرے ہونٹوں سے نکلنے کے لیے بے چین رہتی ہے۔ میں بولتا ہوں اور بولتا رہوں

گا۔ یہاں تک کہ حق و انصاف کا پرچم ہر جگہ بلند ہو جائے یا میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔'' [16]

اس کے اور بھی روشن شواہد موجود ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی دینی، ملّی اور سیاسی کارگذاریاں ایسی نہیں جو لفظوں میں سمیٹ دی جائیں بلکہ اس کے لیے دفتر درکار ہے۔ ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی خدمات سے برصغیر ہند و پاک کا کوئی بھی انصاف پسند آدمی چشم پوشی نہیں کرسکتا۔ حضور مجاہد ملت کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو باہم متحد کرنا اور عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا رشتہ مضبوط کرنا تھا۔ اور اس میں آپ بہت حد تک کامیاب بھی تھے۔ اگر اس زمانے کے بعض علما و مشائخ ذاتی مفاد اور زمینی تعصب سے بالاتر ہو کر آپ کے دوش بدوش ہوتے تو آج برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی تاریخ جدا ہوتی۔ آپ کے عزائم اور کارناموں کو مثبت انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی اب تک کوئی مثبت کوشش نہیں ہوسکی ہے۔ یہ کام کسی دردمند کی تلاش میں ہے۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام ۹، ۱۰، ۱۱ /اپریل ۱۹۵۴ء کو ایک عظیم الشان کانفرنس انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ بہار میں رکھی گئی تھی۔ ہفت روزہ اخبار آگرہ میں اس کانفرنس کے جو اشتہارات، مراسلے اور تجاویز چھپیں، اس سے کانفرنس کی اہمیت اور حضور مجاہد ملت کے جذبۂ دینی کو بخوبی سمجھا سکتا ہے۔ کانفرنس کے اشتہار، مراسلے اور تجاویز کے حرف حرف سے قومی وملّی درد کا آتش فشاں پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ذیل میں اشتہار، مراسلے اور تجاویز کے اقتباسات ملاحظہ کریں۔

> برادرانِ اسلام! کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ سرفرازیِ دین جس کی قسمت میں تھی آج اسے سر چھپانے کی جگہ کیوں نہیں ملتی؟ کیا آپ کو احساس ہے کہ آج یہ مسلمان زبوں حال کیوں ہے؟ اس کی اخلاقی و مذہبی حالت کیوں پست ہے؟ یہ تعلیمی واقتصادی بدحالی کا شکار کیوں ہے؟ یہ دربدر کی ٹھوکریں کیوں کھا رہا ہے؟

ان تمام مسائل پر غور وخوض کرنے کے لیے اشد ضرورت ہے کہ صوفیائے کرام، علمائے عظام اور تمام مسلمان عزم محکم اور ایثارِ کامل کے ساتھ ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں۔ انھیں مقاصد کے پیش نظر ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا سالانہ جلسہ اس مرتبہ ۹، ۱۰، ۱۱/اپریل ۱۹۵۴ء کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ بہار میں ہو رہا ہے۔ جس میں ملک کے چار کروڑ مسلمانوں کو خوش حال، تعلیم یافتہ اور امن وامان کے گہوارے میں دیکھنا چاہتے ہیں تو اس میں شرکت کر کے اپنی مسلم دوستی اور دینی عقیدت کا ثبوت دیں۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(۱) آل انڈیا تبلیغ سیرت کانفرنس پٹنہ کا عظیم الشان اجلاس حکومت جمہوریہ سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ ہندستان کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اکثر ملک دشمن افراد ایسی تحریر وتقریر شائع کرتے ہیں، جن سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عظمت کو ٹھیس پہنچتی ہے اور مسلمانوں کے قلوب چور چور ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسی تمام کتابیں اور تحریریں ضبط کر لی جائیں اور ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا دے کر ملک کے امن عامہ میں سکون اور مسلمانوں کے مجروح قلوب کو مطمئن کرے۔

(۲) آل انڈیا تبلیغ سیرت کانفرنس پٹنہ کا عظیم الشان اجلاس تجویز پیش کرتا ہے کہ ہندستان کی مساجد پر جو دوسروں کا ناجائز قبضہ ہوتا جا رہا ہے حالانکہ ہندستان کے سیکولر اسٹیٹ کے دستورِ اساسی میں مذہب ومعابد کے تحفظ کا یقین دلایا گیا ہے۔ باوجود اس کے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' اور مختلف اِداروں نے اس قسم کا بار بار مطالبہ کیا ہے مگر افسوس کہ حکومت ہند نے اس طرف اب تک کوئی اطمینان بخش اقدام نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اجلاس مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد مساجد کو دوسروں کے قبضۂ ناجائز سے نکال کر مسلمانوں کے حوالے کر کے مسلمانوں کے اضطراب کو دور کریں۔

(۳) آل انڈیا تبلیغ سیرت کانفرنس پٹنہ کا یہ عظیم الشان اجلاس ہندستان کی ہر جماعت سے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے، سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بھی ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی ہر دو تجاویز یعنی بازیابیِ مساجد و تحفظ ناموسِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تائید میں خود بھی حکومت جمہوریہ ہند سے پُرزور مطالبہ کریں اور ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے ساتھ اس معاملہ کی جدوجہد میں ہم نوائی کریں اور بغرض اطلاع اخبارات میں تجاویز کو شائع کرا دیا جائے۔ ۱۷

حضور مجاہد ملت نے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی بنیاد جن مقاصد کے حصول کے لیے رکھی تھی، آج یہ تحریک اپنے قیام کے مقاصد کو بھول چکی ہے۔ آج جن لوگوں کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اسے وہ لوگ اپنے خالص ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور استعمال بھی صرف انتخابات کے وقت ہوتا ہے۔ اور سودا بھی انتہائی سستا ہوتا ہے۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی دس بیس ہزار میں اسے خرید لیتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا سودا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضور مجاہد ملت کو دنیا کی کوئی طاقت کبھی خرید نہیں سکی، لیکن ان کے خوابوں کا تاج محل، ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' بڑی آسانی کے ساتھ بِک رہا ہے۔ اس پہلو پہ دردمندوں کی شدید توجہ درکار ہے۔ اس کی بازیابی میں اگر دردمند حضرات کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملّی مفادات کی بہت ساری راہیں کشادہ ہو سکتی ہیں۔ اس عمل سے حضور مجاہد ملت کی روح کو تسکین بھی حاصل ہوگی۔

حضور مجاہد ملت بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ بہت بڑی کی حد کیا ہے؟ ہمارے پاس ان کی شخصیت کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ ان کے عہد نے ان کی بے پناہ عظمتوں کا اعتراف کیا۔ آج بھی ان کی عظمتوں کا خطبہ پڑھا جا رہا ہے۔ لیکن ان کے سینے میں جو ملّی درد تھا، جو تڑپ تھی اور حق کا جو آتش فشاں تھا آج اس درد، تڑپ اور آتشِ عشق کو کوئی قبول کرنے کے لیے آمادہ و تیار نہیں ہوتا۔ ان کے عشق کی تپش اور ان کی زندگی کا پاکیزہ حسن نقلی مجنوؤں کے ہجوم میں چھپتا جا رہا ہے۔ اُن کے مشن اور ان کی حیات کے تابندہ نقوش کو وقت کے نقلی

مجنوؤں سے بچانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بے راہ روی، بدعقیدگی اور صلح کلیت کی نسوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ آج ان کی تعمیر کردہ چہار دیواری میں صلح کلیت کا اژدھا ٹہلتا دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کا جو حصار باندھا تھا آج لوگ اس حصار کو توڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ انہوں نے اپنے خونِ جگر سے خوش عقیدگی، جرأت و بے باکی اور صدق وصفا کے جو چراغ روشن کیے ہیں ان چراغوں کی روشنی کو تیز سے تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ آزاد خیالی، فکری آوارگی اور مسلک بیزار عناصر کے منصوبے خاک میں مل جائیں۔ انہوں نے جماعتی وقار کو جس حوصلے سے اعتبار بخشا ہے۔ اس حوصلے کے فروغ میں اگر کوئی طاقت مزاحم ہوتی ہے تو اس طاقت کو شدت کے ساتھ کچل دینے کی ضرورت ہے۔ ان کی کتابِ حیات میں ہمارا تابناک مستقبل محفوظ ہے۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی اپنے اندر بے پناہ وسعت رکھتی ہے۔ آپ کی حیات کے بے شمار ابواب ہیں اور ہر باب آفاقیت کی چادر میں لپٹا ہوا ہے۔ اہلِ زبان وقلم نے آپ کی حیات کی کچھ جہتوں کو اُجاگر کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ مگر ان میں بہت کم جہتوں کے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ کسی بھی بڑی شخصیت کے بکھرے ہوئے نقوش کو سمیٹنے کے لیے باضابطہ بورڈ کی ضرورت ہوتی ہے اور اہلسنّت میں اس طرح کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جو کام ہو رہا ہے انفرادی طور پر ہو رہا ہے۔ اہلِ سنّت میں آج اشتراکِ عمل کا بھی تصور نہیں ملتا۔ اشتراکِ عمل سے بھی کام کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ شخصیتوں کا تعارف بھی اشتراکِ عمل چاہتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کے حوالے سے اگر اشتراکِ عمل ہو جائے تو ان کی زندگی کا ہر نقش بآسانی محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ جماعت اہلِ سنّت میں کسی بھی شخصیت پر کام کرنے والوں کی حوصلہ شکنی تو ہوتی ہے، حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ حوصلہ افزائی سے بھی کام کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ حضور مجاہد ملت کی زندگی کا ہر ورق تحفظ، تشہیر اور تحقیق چاہتا ہے۔ اہلِ زبان وقلم نے آپ کے حوالے سے جو عناوین تراشے ہیں ان میں بعض بہت باوزن ہیں اور آپ کی حیات سے میل بھی کھاتے ہیں۔ حضرت علامہ شاہ عاشق الرحمن صاحب قبلہ نے آپ کی ذات کو ''مردِ جوزاء'' سے تعبیر کیا

ہے۔ علامہ موصوف نے مردِ جوزاء کی پینتالیس خوبیاں گنائی ہیں۔ وہ ساری خوبیاں حضور مجاہد ملت کی کتابِ حیات میں بہتر انداز میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ حضور مجاہد ملت کو سمجھنے کے لیے مردِ جوزاء کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ کتاب میں پیچیدگی ہے، ژولیدگی نہیں ہے۔

''حضور مجاہد ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت'' یہ عنوان حضور مجاہد ملت کی زندگی کا سرنامہ بھی ہے اور شناخت نامہ بھی۔ حضور مجاہد ملت کی زندگی کو آپ جتنے خانوں میں تقسیم کریں ہر خانے کا رشتہ اسی عنوان سے آکر ملتا ہے۔ بلکہ آپ کی پوری زندگی اسی عنوان پر گردش کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ عنوان مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب نے تراشا ہے۔ یہ عنوان تفصیل طلب ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک ضخیم مقالے ''حضور مجاہد ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت'' ابھی حال ہی میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس مقالہ میں ڈاکٹر صاحب نے سمندر کو کوزے میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ خود ڈاکٹر صاحب کی حیات کی ساری رعنائیاں و توانائیاں اسی عنوان کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ ان کے رگ و ریشے میں مسلکِ اعلیٰ حضرت شامل ہے۔ وہ سوتے ہیں تو مسلکِ اعلیٰ حضرت کا وظیفہ پڑھ کر اور جب بیدار ہوتے ہیں تو ان کے لبوں پر مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نغمات مچلتے رہتے ہیں۔ اللہ انھیں عمرِ طویلی سے ہم دوش کرے۔ آمین

حضور مجاہد ملت کی ذات مسلک اعلیٰ حضرت کی کھلی کتاب تھی۔ انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے کسی لچک کو کبھی قبول نہیں کیا اس تعلق سے حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات میں بکثرت واقعات ملتے ہیں مولانا ابو الوفا فصیحی غازی پوری اپنے زمانے میں اہلسنت کے بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کی شرکت جلسے کی کامیابی کی ضمانت ہوتی تھی ۔حضور مجاہد ملت سے وہ بہت قریب تھے قربت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ ''آل انڈیا تبلیغ سیرت '' کے جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن جب حضور مجاہد ملت کو یہ معلوم ہوا کہ مولانا فصیحی سید احمد رائے بریلوی کے بارے میں اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں تو آپ نے اصلاح حال کی کوشش کی جب انہوں نے کسی طرح کی اصلاح قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرلیا اور ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے منصب سے

بھی فوراً برطرف کر دیا۔ اس کی کچھ تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں۔

مولانا فصیحی نے اپنے دادا پیر سید احمد رائے بریلوی کو ہرزد اور ہر نشانے سے محفوظ بتایا۔

سید احمد رائے بریلوی کے بارے میں دنیا جانتی ہے کہ وہ مولوی اسماعیل دہلوی کے پیر تھے اور ان کی تحریک وہابیت کے پر جوش نمائندہ بھی۔ اس سلسلے میں پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

> علمائے دیوبند کا یہ کہنا کہ سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی اس لڑائی میں شہید کر دیئے گئے مگر تاریخی قرآئن یہ بتاتے ہیں کہ سکھوں کے ہاتھ نہیں بلکہ ان کی بدعقیدگی کی بنا پر افغانی پٹھانوں نے انھیں قتل کر دیا۔ گویا ایک شاتم رسول کی جو سزا ہونی چاہیے تھی اس کو پٹھانوں نے اس کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ (خون کے آنسو، ص ۲۷)

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> دیوبند کے یہ شہید اعظم جنہوں نے کرشمہ سازی میں دنیا کے تمام شہیدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے کس طرح کی جنگ میں قتل کیے گئے وہ کوئی جہاد فی سبیل اللہ تھا یا جنگ آزادی؟ لادینی حکومت اور ملی جلی سرکار بنانے کے لیے جو فوج اکٹھا کی جائے گی نہ وہ مجاہدین اسلام کی فوج کہلا سکتی ہے اور نہ اس فوج کے مقتول سپاہی کو اسلامی شہید قرار دیا جا سکتا ہے۔ (زلزلہ، ص ۱۴۱)

حضور مجاہد ملت نے مولانا فصیحی صاحب کی اصلاح کی بہت کوشش کی تا کہ آدمی کا جماعتی دھارے سے رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ چونکہ مسئلہ بہت نازک تھا حضور مجاہد ملت کو مسئلہ کی نازکی کا خوب احساس تھا۔ مگر فصیحی صاحب کی سوچ حضور مجاہد ملت کی سوچ سے یکسر مختلف تھی۔ فصیحی صاحب سید احمد رائے بریلوی کی حمایت میں مسلسل بیان بازیاں کرتے رہے ان کا انداز قدرے جارحانہ تھا۔ یہاں تک کہ الزام تراشی پر اتر آئے ان کی ذہنی وفکری سطحیت کو ماہر ہفت لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن صاحب قادری حبیبی کی درج ذیل تحریر

سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

جناب ابوالوفا فصیحی کا حضور مجاہد ملت کے متعلق یہ کہنا درست ہے ''مولانا سے برسوں میرا قریبی تعلق رہا ہے''، لیکن ان کا یہ کہنا کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے جد اعلیٰ، حضرت مولانا محمد فصیحی صاحب علیہ الرحمہ سید احمد بریلوی علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے، بالکل غلط ہے۔ حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ کا مزاج ایسا نہ تھا کہ آپ احمد رائے بریلوی کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہوئے یہ جاننے کے باوجود کہ ابوالوفا صاحب کے جد اعلیٰ مذکور رائے بریلوی صاحب کے مرید وخلیفہ تھے خاموش رہتے اور فصیحی صاحب سے اپنا قریبی تعلق باقی رکھتے۔ حضور مجاہد ملت ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے صدر تھے ۱۳۶۹ھ میں اس جماعت کی تاسیس کے وقت سے لیکر ۱۴۰۱ھ میں اپنے وصال کے وقت تک اس کے صدر رہے ایک زمانے میں (۱۹۵۶ء) میں جناب ابوالوفا فصیحی صاحب اس جماعت کے جنرل سکریٹری رہے۔ اس طرح دونوں میں بہت قریبی تعلق رہا۔ لیکن امر مذکور کے سامنے آنے کے بعد جب فصیحی صاحب نے رائے بریلوی صاحب کو ہرزداور ہرنشانے سے پاک کہا، تو حضور مجاہد ملت نے اس کا رد فرمایا اور دونوں کا تعلق ختم ہو گیا۔ (مرد جوزاء، ۲۵۴، ۲۵۵)

حضور مجاہد ملت نے جناب ابوالوفا فصیحی صاحب سے فرمایا کہ آپ کا یہ کہنا کہ سید احمد رائے بریلوی صاحب ہرزداور ہرنشانے سے پاک ہیں اسے ثابت کریں مگر فصیحی صاحب نے اسے دوسرے وقت پہ ٹال دیا پھر حضور مجاہد ملت نے اتمام حجت کے لیے ان کے نام ایک کھلا خط جاری فرمایا اس خط میں آپ نے فصیحی صاحب کو ملنے کی دعوت دی اور وقت، جگہ کا تعین کر کے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک اطلاع دینے کو کہا حضور مجاہد ملت کا کھلا خط ذیل میں ملاحظہ کریں۔

جناب مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی زید لطفہ، بعد ما ھوالمسنون آنکہ جناب کا بیان مورخہ ۲۳؍رمضان المبارک ۹۴ھ جمعۃ الوداع ابھی ابھی بنارس پہنچ کر دیکھا اور مضمون سنا جس کی سرخی میں ''حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلوی''

لکھا ہے۔ یہ سچ ہے یا جھوٹ؟

جواباً تحریر ہے کہ آپ کے اس تحریری دعوے پر کہ ''حضرت سید احمد صاحب ہر زد اور ہر نشانے سے محفوظ اور مصوٴن ہیں۔'' فقیر نے گذارش کی بھی کہ جناب کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ آپ نے فرمایا میں صحیح ثابت کرونگا۔ اس پر فقیر نے کہا کہ ابھی ثابت کیجئے تو آپ نے فرمایا ابھی نہیں پھر ثابت کرونگا لہٰذا آپ کا اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنا فقیر کے بیان پر موقوف نہیں ہے آپ کو یاد ہوگا۔ الکریم اذا وعد وفیٰ۔

اس لیے آپ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اتر دریا پور یا کلیا چک ضلع مالدہ میں کس تاریخ اور کس وقت تیار ہیں؟ بواپسی ڈاک جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الٰہ آباد نمبر ۳ کے پتہ پر بذریعہ رجسٹری مطلع فرمائیں اسی گفتگو میں آپ کے بیان کی صداقت اور الزامات کی حقیقت کھل جائے گی۔ چونکہ فقیر بیرون ہند کے سفر کے لئے منتظر ویزا ہے جلد سے جلد ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ فقط

وھو الھادی الی سواء السبیل ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ۔

فقیر محمد حبیب الرحمٰن القادری غفرلہٗ

جب جناب فصیحی صاحب نے حضور مجاہد ملت کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا تو حضور مجاہد ملت نے ان سے اپنی برأت کا اعلان فرما دیا۔ اعلان برأت کا فرمان ذیل میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وحزبہٖ اجمعین

فقیر غفرلہ القدیر کے نزدیک مولانا ابوالوفا فصیحی صاحب غازیپوری کا یہ لکھنا کہ حضرت سید احمد صاحب ہر زد اور ہر نشانے سے محفوظ اور مصوٴن ہیں (انتہیٰ بلفظہ) غلط ہے لہٰذا ان کے سلسلے میں جو لوگ داخل ہیں انقطاع سے بچنے کے لیے دوسرے صحیح ومتصل سلسلہ میں ان کو بیعت کر لینا چاہئے۔ فقیر اس کو ثابت کرنے کے لیے اصالۃً یا وکالۃً ہر طرح تیار ہے، ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ وھو الھادی الی سواء السبیل اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

فقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ اڑیسوی

۱۵ /شعبان المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۳ /ستمبر ۱۹۷۴ء بروز سہ شنبہ

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی جد و جہد سے عبارت تھی وہ خواب میں بھی قومی، ملی فلاح کی راہیں ڈھونڈ تے تھے زندگی کے ہر شعبے میں قوم مسلم کو وہ سرفراز دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ قومی فلاح کے لیے قوم مسلم سے چندے کی اپیل کرتے تھے مگر ان کی کوئی بھی تحریک قومی تعاون پہ منحصر نہیں ہوتی تھی۔ جب وہ دینی مقاصد کے حصول کی غرض سے گھر سے نکلتے تھے تو بورے میں پیسے لے کر نکلتے تھے جب پیسے ختم ہو جاتے پھر گھر واپس آجاتے اور تازہ دم ہو کر پھر سفر پہ نکل جاتے۔ تاحیات ان کی یہی عادت کریمہ رہی، قومی و ملی فلاح کی راہ میں انہوں نے کبھی تکان کی کسی سے شکایت نہیں کی۔ ان کی کوئی تحریک ان کی حیات میں زبوں حالی کی شکار نہیں ہوئی۔ یہ بات درست ہے کہ ان کو جس اشتراک عمل کی ضرورت تھی ان کو نہیں مل پا رہا تھا پھر بھی ان کی پیشانی کبھی بھی شکن آلود نہیں دیکھی گئی، وہ فولادی عزم لیکر پیدا ہوئے تھے۔ دینی قدروں کے فروغ کی راہ میں ان کو جن صبر آزما لمحات سے گذرنا پڑا ان کی جگہ کوئی پہاڑ ہوتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتا، ان کو جب بھی اذیت کا سامنا ہوتا تو ان کی پیشانی پہ مسرت کے تارے بکھر جاتے۔ انھیں اذیتوں میں لذت عشق ملا کرتا تھا۔، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی ایک پل سکون سے بیٹھنا قبول نہیں کیا۔ بنارس میں انھیں بلوائیوں نے اتنی اذیتیں دیں کہ ہوش کھو بیٹھے۔ بلوائیوں نے انھیں اسی حالت میں ریلوے لائن پہ ڈال دیا جیسے ہی آپ کو ہوش آیا آپ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ عقیدت مندوں کو ایسا احساس ہوا کہ آپ کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ وہ عشق و عرفان کے باب میں پتھر کی صلابت لیکر پیدا ہوئے تھے وہ پورے ملک کو تربیت گاہ میں تبدیل کر دینا چاہتے تھے ان کی دلی خواہش تھی کہ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہو جہاں عشق کے نغمات نہ الاپے جائیں، جب عشق کے نغمات ان کے کانوں سے ٹکراتے تو ان کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھتا، ان کی تحریکات میں قوم مسلم کو ترجیحی حیثیت

حاصل تھی بلکہ ان کی تمام جدوجہد قومی مفادات کے گرد گردش کرتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ پورے ہندو پاک میں مدارس و مساجد کا جال بچھادیں اور ہر سمت سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز سماعتوں سے ٹکرائے ۱۹۵۶ء کی ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ اس وقت ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے زیر اہتمام تین سو سے زائد مدارس ومکاتب مصروف عمل تھے ۱۹۸۱ء میں ان کا وصال ہوا اس پچیس سالہ مدت میں انہوں نے مزید کتنے مدارس، مکاتب اور مساجد کو وجود بخشا ہوگا۔ ۱۹۵۶ء ہی کی روشنی میں اندازہ لگانا ہوگا یہ بات اپنی جگہ سوفی صد درست ہے کہ وہ جہاں جاتے ضرورت کے تحت کسی نہ کسی ادارے کی بنیاد ضرور رکھتے۔ انہوں نے اپنی جد جہد اور اپنے ذاتی صرفے سے کتنے اداروں کو وجود بخشا ہے یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ مٹھی بند کر کے کام کرنا ان کی عادت تھی، وہ تشہیر کے ہرگز قائل نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اہل علم کو ان کے قائم کردہ اداروں کی فہرست سازی میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ جو بھی ادارہ قائم فرماتے اس کا دستور بھی بناتے اور اس دستور میں ناقابل تبدیل اصول میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل ہوتا اس حوالے سے خانقاہ حبیبیہ دھام نگر شریف اور انجمن مسجد اعظم الہ آباد کے دستور اساسی کے حوالے سے ماہر ہفت لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی کی ایک مفصل تحریر ذیل میں پیش ہے۔

بمبئی میں منعقد صد سالہ جشن ولادت حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ کی کیفیت، اس کے نتیجے اور اس کے اثر سے متعلق کچھ ذکر کرنے سے قبل بندہ کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ یہاں اس مسلک کا ذکر کر دے، جس پر حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ زندگی بھر گامزن رہے۔ اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں آپ کے حکم کے مطابق خانقاہ حبیبیہ، دھام نگر کے لیے بندہ نے جو وقف نامہ مرتب کیا اور جس کے اڑیہ ترجمہ کی رجسٹری ہوئی، اس کی شرط نمبر ۴ کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں۔

''جس اعتقاد اور دین کی تبلیغ حضرت مجاہد ملت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ فرما رہے ہیں اور کتاب حسام الحرمین جس اعتقاد اور دین کی

آئینہ دار ہے۔‘‘

خانقاہِ حبیبیہ دھام نگر کے وقف نامے سے بہت پہلے ۲۳؍نومبر ۱۹۳۹ء کو انجمن مسجد اعظم، الٰہ آباد کا رجسٹریشن ہوا۔ ۲۱؍نومبر ۱۹۳۹ء کو اس کا دستور تحریر کیا گیا تھا، جس پر حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ حضرت مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں صاحب چھپروی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم محمد یونس صاحب نظامی مرحوم کے دستخط تھے۔ اس دستور کے ناقابل تبدیل اصول میں سے اول کی عبارت حسب ذیل تھی۔

’’ا۔ضروری ہے کہ ہر رکن صحیح العقیدہ سنی ہو، کسی حالت میں بھی کوئی غیر سنی اس انجمن کا ممبر یا رکن ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی وقت ثابت ہوجائے کہ کسی رکن میں کسی طرح کی بد مذہبی آگئی ہے یا پہلے سے تھی اور اب ظاہر ہوئی اسی وقت وہ شخص رکنیت سے خارج ہوجائے گا۔

تشریح

سنی سے مراد وہ قدیم طریقہ اور قدیم عقائد کے مسلمان ہیں جنہوں نے عرب وعجم میں اسلام کے علم بلند کئے اور ہندستان میں اسلام کی اشاعت کی اور دنیا کو اسلام سے فیض یاب کیا، جیسے کہ سلطان محمود غزنوی اور سید سالار مسعود غازی، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری اور ان حضرات کے سلسلوں کے اولیاء اور دیگر سلاسل قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ وغیرہ کے اولیاء اور الٰہ آباد کے مشہور دینی پیشوا حضرت مولانا سید شاہ فخر الدین احمد صاحب معروف بہ حکیم بادشاہ اور مولانا شاہ عبدالسبحان صاحب ناروی اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور مولانا فضل رسول صاحب بدایونی اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم۔‘‘

۱۹۷۷ء کے بعد جب حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ جامعہ حبیبیہ کے لیے کمیٹی کی تشکیل پر رضا مند ہوئے اور حکم دے کر اس کے لیے دستور مرتب کروایا، اس کے غیر متبدل مذہبی

اصول کو چھوڑ کر دوسرے قواعد مرتب کیے گئے۔ برادر طریقت جناب سید غربت علی صاحب حبیبی مرحوم کے مکان پر آپ کو جب وہ دستور سنایا گیا، آپ نے صرف قاعدہ ۹ ر تک سماعت فرمایا، ان قواعد میں حسب منشاء ترمیمات فرمائیں، قاعدہ ۱۰ ر یعنی ''انجمن کا غیر متبدل مذہبی اصول'' خود لکھوایا اور دوسرے قواعد کی سماعت آئندہ کے لیے ملتوی فرمادی۔ اس کے بعد آپ نے بھدرک میں پورا دستور سماعت فرمایا اور حسب ضرورت اس کے قواعد میں ترمیمات فرمائیں۔ لیجئے انجمن جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد کے غیر متبدل مذہبی اصول ملاحظہ کیجئے۔

''۱۰۔ انجمن کا غیر متبدل مذہبی اصول (جو کسی بھی زمانے میں نہیں بدل سکتا) انجمن کے اراکین اس کے ہر قسم کے ذمہ داران اور اس کے تحت جامعہ حبیبیہ کے مدرسین اور اس کے ذمہ داران مذہب اہل سنت کے پابند ہونگے۔ مذہب اہل سنت سے مراد وہ قدیم مذہب ہے جس کی انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے تبلیغ کی، صحابہ کرام تا تابعین ائمہ مجتہدین وصوفیائے کرام نے جس کی توضیح وتفصیل واشاعت فرمائی اور قرناً بعد قرنٍ جب کبھی کسی شخص نے کسی طرح غبار آلود کیا تو اس سے حسب موقع بصورت تجدید جس کو مصفیٰ بنایا جیسے دور اخیر میں حضرت علامہ سید شاہ محمد حسینی گیسو دراز، حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مولانا سید شاہ فخر الدین احمد قادری نسباً وسلسلۃً نقشبندی، حضرت مولانا عبد السبحان صاحب الٰہ آبادی، حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، اعلیٰ حضرت علامہ شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی حضرت علامہ شاہ امجد علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم عنا نے منقح فرمانے کی خدمت کو انجام دیا، اور آپ حضرات جس مذہب مہذب کے پابند رہے اور جس مذہب کی آئینہ دار کتاب ''المعتقد المنتقد'' کتاب ''المستند المعتمد'' کتاب حسام الحرمین اور کتاب سیف الجبار ہیں۔''

متذکرہ بالا امور سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ اسی قدیم اعتقاد پر، اُسی قدیم دین پر، اُسی قدیم مذہب پر اور اسی قدیم طریقے پر زندگی بھر چلے جس قدیم اعتقاد پر، جس قدیم دین پر جس قدیم مذہب پر اور جس قدیم طریقے پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ محمد احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ چلے یعنی حضور مجاہد ملت کا مسلک مسلک اعلیٰ حضرت تھا۔ اسی لیے بمبئی میں صد سالہ جشن ولادت حضور مجاہد ملت سے متعلق بندہ نے یہ پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس میں شرکت کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کے کسی مخالف کو دعوت نہ دی جائے۔ (مرد جوزاء مجاہد ملت)

مسلک اعلی حضرت حضور مجاہد ملت کی زندگی کا حاصل ہے اعلی حضرت کی تحریک تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ جاں فروش سپاہی تھے مسلک اعلی حضرت عشق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بے غبار آئینہ ہے اس آئینے کو انہوں نے کبھی غبار آلود ہونے نہیں دیا اگر کسی نے غبار آلود کرنے کی کوشش کی تو آپ نے شدت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور اس وقت تک اس کے تعاقب کا سلسلہ جاری رہا جب تک اس نے اپنی شناعتوں سے توبہ و رجوع نہیں کیا آپ نے اعلیٰ حضرت کی تحریک کے تحفظ میں جو کردار ادا کیا ہے اسے تا قیامت فراموش نہیں کیا جا سکتا اس تعلق سے حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مجاہد ملت کون ہیں؟ تو چند جملوں میں میرا جواب ہوگا کہ مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظ ناموس رسالت کو مرنے نہ دیا بلکہ اپنی علمی شان اور عملی آن بان سے اس کے تن نازنین میں نئی جان ڈال دی...... مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے حضور حجۃ الاسلام کی اجازت و خلافت کا نہ صرف بھرم رکھا بلکہ دنیا کے سامنے اپنے کردار و عمل سے رضوی خلافت کا اصلی مقام اس سوز و گداز سے پیش فرمایا کہ دنیا عش عش کر اٹھی...... مجاہد ملت وہ ہیں جنہوں نے اپنے شخصی طنطنہ اور بے تکلفانہ دوستی

کے باوصف حضور مفتی اعظم سے نیازمندانہ ہی ملنے میں اپنی سعادت سمجھی......
مجاہد ملت وہ ہیں جن کے تخیلاتی سرو کی شاخ طوبیٰ پر بریلی کی یادوں کا عندلیب
بے تکان چہکتا ہی رہا......مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنی مجاہدانہ للکار سے قوم و
ملت کو سنوارنے میں اپنی زندگی گذار دی ...... اور مجاہد ملت وہ ہیں کہ جس
سرزمین نے ولادت و وفات کے لیے آپ کا انتخاب کرلیا وہ رفعتوں کا گلاب
بن گئی، جس کی خوشبوئے دلنواز سے ہند و بیرون ہند کا خطہ خطہ معطر و معنبر ہو رہا
ہے اور وہ خود دھام نگر سے دھام نگر شریف کہی جانے لگی۔'' ۱۸؎

حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت

حضور مجاہد ملت فضائل و کمالات کے جامع تھے۔ ہر وقت رحمتِ الٰہی انھیں اپنی آغوش میں جھولے جھلاتی تھی۔ اہلِ زبان و قلم اور خاصانِ خدا نے ان کی حیات کے بہت سارے عناوین متعین کیے ہیں لیکن انہوں نے اپنی ذات کو صرف ایک عنوان دیا تھا اور وہ فقیر کا عنوان تھا۔ آپ تاحیات خود کو فقیر حبیب الرحمٰن قادری لکھتے رہے۔ یہ ایسا عنوان ہے جو ان کی زندگی سے وابستہ تمام عناوین پر حاوی ہے۔ حضور سیدنا سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں لنگر سے کھانا لینے والے فقیروں کی لائن میں انھیں دیکھا گیا۔ سلطان الہند عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں بھی لنگر سے کھانا لینے والے فقیروں کی صف میں انھیں دیکھنے والے اب بھی بکثرت لوگ موجود ہیں۔ اہلِ عقیدت روکتے تو فرماتے کہ اگر انہوں نے اپنے در کے فقیروں میں قبول کرلیا تو دارین کی سعادتیں ہمارے دامن میں سمٹ آئیں گی۔

حضور مجاہد ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کی ایک طویل تحریر ذیل میں ملاحظہ کریں:

یہ دین اسلام کی امتیازی خصوصیت ہیکہ جب جب اور جیسی جیسی ضرورت
جس جس دور میں پڑی ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ویسا ویسا ہی انتظام
فرماتا رہا ہے اور اپنے کرم سے فرماتا رہے گا، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ لگتا تھا

اس کی کشتی ڈوب جائے گی، سورج گہنا جائے گا، خزاں پورے چمن کو اپنے ی لپیٹ میں لے لیگی، مگر اچانک کوئی مرد آہن جلوہ گر ہوا اور اس نے اپنی کدوکاوش سے ڈوبتی کشتی کو سنبھال لیا، گہن کا سینہ چاک کر دیا، خزاں کا دور گیا بہاروں کا موسم آیا اور ایسا آیا کہ نسیم جانفزا کے جھونکوں سے شہر کا شہر جھومنے لگا، کچھ ایسا ہی منظر ہمیں چودھویں صدی ہجری میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جب انگریزوں نے اپنے شاطرانہ ذہن سے ایک طرف ہمارے ملک پر قبضہ کیا تو دوسری طرف مسلمانوں کے اقلیم دل پر قبضہ جمانے کے لیے کشور دل سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو نکالنا ضروری سمجھا اور کچھ مولویوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے میں ایسا بامراد ہوا کہ اب تک اسلامیانِ ہند کے سینے سے اختلاف کا خون ٹپک رہا ہے، مگر اسی آزردہ اور افسردہ ماحول کے بطن سے امام احمد رضا حق وصداقت کا آفتاب عالمتاب بن کر کیا رونما ہوئے کہ ہر طرف چراغاں ہو گیا، چارسو عظمت مصطفیٰ کے دیپ جل گئے۔ آپ نے جان جوکھم میں ڈال کر ایسی محنت کی اور اس خلوص سے کی کہ مذہب سے لیکر سیاست تک آپ کی عظمت کا ڈنکا بج گیا، درسگاہ کے عالی جاہ مدرسین نے، خانقاہ کے عظیم القدر سجادہ نشین نے اور دیگر علم وفضل کے مسند نشین نے مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے پورے دین کو آپ سے منسوب کر دیا، یہی مسلک اعلیٰ حضرت عام لوگوں کی زبان پر حق و باطل کے درمیان نشان امتیاز بنکر لفظ ''بریلوی'' سے پورے ملک میں مشتہر ومشہور ہو گیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ وبقا اور عروج وارتقاء میں امام احمد رضا کے تلامذہ وخلفاء نے اور پھر ان کے تلامذہ وخلفاء نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ لوح تاریخ پر آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، امام احمد رضا کے تلمیذ وخلیفہ میں ایک بہت ہی فروزاں نام حضرت صدر الشریعہ کا ہے اور صدر الشریعہ کے تلامذہ میں

ایک بہت ہی درخشاں نام حضور مجاہد ملت کا ہے،امام احمد رضا کا جب وصال ہوا ہے اس وقت مجاہد ملت کی عمر صرف ۱۹ سال تھی ،مگر چمکتی پیشانی سے چھنتا نور آپ کے جاہ واقبال کی گواہی دے رہا تھا،کسی دانشور کا قول ہے ''قدرت جب کومل کونپلوں، نازک غنچوں کی شگفتگی وبرنائی چاہتی ہے تو اس پر شبنم کے چھینٹے دے دیتی ہے،حضور مجاہد ملت کی خوش قسمتی سے اساتذہ بڑے لائق وفائق ملے ،ان میں دو نام تو ایسے ہیں کہ اس وقت علمی سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑی بنے ہوئے ہیں۔اس وقت پوری دنیا میں جتنی بھی درسگاہیں ہیں اگر ان کا طغرائے افتخار سنی بریلوی ہے تو اس کی نسبت یا تو حضور صدرالافاضل سے ملتی ہے یا حضرت صدرالشریعہ سے،اوریہی دونوں حضور مجاہد ملت کے منتخب اورممتاز اساتذۂ کرام ہیں،حضرت صدرالافاضل نے فضل وشرف کے انوار کا گوہر تابدار بنانے میں اگرکوئی کسر نہ چھوڑی تو حضرت صدرالشریعہ نے شریعت کے اسرار ونکات سے مرصع اورمزین کرنے میں ذرہ بھر کمی نہ کی ،تمام اساتذہ خصوصاً ان دونوں کی مشترکہ خواہش وکوشش نے اڑیسہ کی سرزمین سے اٹھایا اور عظمتوں کے عرش اعظم تک پہنچادیا،قارئین کے ذہن میں یہ سوال کلبلا سکتا ہیکہ مجاہدملت پیدا ہوئے دھام نگر اڑیسہ میں،تعلیم حاصل فرمائی الٰہ باد،مرادآباد اور اجمیر میں پھر یہ بریلی کے ہوکر کیسے رہ گئے؟ بریلی کی محبت کا خمار ان کے ذہن میں اُنڈیلنے والا کون ہے؟ان کی جلوت وخلوت میں بریلی،رزم وبزم میں بریلی،کرب وطرب میں بریلی،مجمع اورتنہائی میں بریلی،سوئیں تو بریلی،جاگیں تو بریلی،آخر ان کے نہاں خانۂ دل میں بریلی کا طوفان آیا کدھر سے؟اس تعلق سے جہاں تک میرا مطالعہ ساتھ دے رہا ہے اس کی دو وجہیں ہیں ،ایک تو صدرالافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی جیسے شیدائے اعلیٰ حضرت کی قربت اوردوسرے صدرالشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی صاحب جیسے

فدائے اعلیٰ حضرت کی صحبت، یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر سوتے میں بریلی کا خواب دیکھتے تھے، تو جاگتے میں تعبیر مجسم نظر آتے تھے، ان دونوں کی مسلسل اور مکمل مصاحبت و مقاربت نے بریلی اور فکر بریلی کا پیکر جمیل بنا دیا، دوسرے خود اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی اپنی دینی خدمات کے تحفظ و بقا کی فکر نے حضور مجاہد ملت کو چن کر چنیدۂ اقران و اماثل کر دیا، جیسا کہ سب جانتے ہیں چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا تجدید و احیائے دین کے منصب پر قدرت کا نمائندہ بن کر جلوہ بار ہوئے، اس زمانے اور حالات کو جیسی ضرورت تھی آپ نے اس سے بڑھ کر فریضۂ اصلاح و ہدایت، تحفظ دین و شریعت کا حق ادا فرمایا، اور ایسا کہ مجدد تو ہر دور میں آئے مگر یہ تنہا آپ ہیں جنہیں مجدد اعظم کے اعلیٰ لقب سے یاد کیا گیا، محنت آپ کی تھی، خدمت آپ نے کی تھی، مشقت آپ نے اٹھائی تھی اس لیے اپنے بعد بھی اس گلشن کو سدا بہار و نو بہار دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے، اپنے بعد کے لیے جو آپ نے انتخاب کیا اس انتخاب کو قدرتی انتخاب کہیے، فروزاں شمع دین محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو ناموافق حالات کی آندھی سے بچانے کے لیے آپ کی نظر حضور مجاہد ملت پر پڑی۔ واقعہ یہ ہیکہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے وصال کے بعد چہار طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا، سرکار حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ ہر وقت اشکبار رہتے کہ اب دین و سنیت کی حفاظت کون کرے گا، باطل قوتوں کے خلاف آواز حق اتنی شدت کے ساتھ کون بلند کرے گا، دیوبندیت و وہابیت اور قادیانیت کے امنڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف بندھ کون باندھے گا، سرکار اعلیٰ حضرت کے وصال کے ٹھیک تیس دنوں کے بعد سرکار حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اشکبار آنکھوں سے دربار اعلیٰ حضرت میں عرضی پیش کی، کچھ دیر کے بعد خلف اکبر پر بیٹھے بیٹھے غنودگی طاری

ہوگئی، سرکار اعلیٰ حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ تم پریشان کیوں ہو؟ ادھر دیکھو اس شخص کا نام حبیب الرحمان ہے، یہ صوبۂ اڑیسہ کے دھام نگر کا رہنے والا ہے، لاکھوں کی زمینداری وصول کرتا ہے، مگر اس شاہی میں بھی فقیری کو عزیز رکھتا ہے، یہی وہ مجاہد ہے جو باطل کے خلاف آواز حق بلند کرنے میں سستی نہیں کرے گا، جو قوم وملت کی رہنمائی میں اپنا سب کچھ قربان کر دے گا، حضرت حجۃ الاسلام کے سامنے ۱۹ر برس کے ایک نوجوان کا سراپا کھڑا تھا، لمبا کرتا...... چک کی لنگی ......سر پر دو پلی ٹوپی...... پتلی سیاہ داڑھی ......سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا، کہ اب تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، سرکار حجۃ الاسلام کی آنکھیں کھلیں تو بے قراری اور بڑھ گئی، کہ اس نوجوان سے ملاقات کی کیا سبیل ہوگی۔ اوّل عرسِ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے موقع پر حضور مجاہد ملت کی بریلی شریف تشریف آوری ہوئی۔ یہ ان کی اس آستانے پر پہلی حاضری تھی۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت میں قدمبوسی کی آرزو پوری نہ ہوسکی تھی، حضور مجاہد ملت ایک گوشے میں تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے، کہ حجۃ الاسلام کی نظر پڑ گئی وہ خواب والا نوجوان فوراً یاد آ گیا، بے قرار ہوکر آگے بڑھے پوچھا تمہارا نام حبیب الرحمان ہے؟ تم اڑیسہ کے رہنے والے ہو؟ زمین دار ہو؟ سرکار مجاہد ملت نے انتہائی انکساری سے ان تمام باتوں کا جواب اثبات میں دیا، تو حجۃ الاسلام نے خواب والی بات بتائی، فوراً دونوں گلوگیر اور اشکبار ہوگئے، پھر تو حضور حجۃ الاسلام کی توجہ کا مرکز مجاہد ملت اور مجاہد ملت کے تمام تر فکر وشعور کا قبلہ بریلی شریف ہوگیا، حضور حجۃ الاسلام نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اور مجاہد ملت اس قادری ورضوی دولت لازوال سے مالا مال ہوگئے۔

حضرت مولانا سید اولادِ رسول قدسیؔ لکھتے ہیں:

''حضور غوثِ اعظم سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ بغداد

شریف تشریف لے جاتے تو گرمی کے موسم میں دھوپ کی شدّت کے باوجود حضور غوثِ اعظم کے لنگر شریف کا تبرّک حاصل کرنے کے لیے خود لائن میں کھڑے رہتے۔ آپ کے عقیدت مند عرض کرتے حضور! آپ قیام گاہ میں تشریف رکھیں۔ ہم آپ کے لیے تبرک لے آئیں گے۔ مگر آپ جواب دیتے میں بھی درِ غوث کا ایک کتّا ہوں۔ مجھے بھی لائن میں کھڑا رہنے دو۔ جب میرا نمبر آئے گا تب میں غوثِ اعظم کے در کی بھیک سے آسودگی حاصل کروں گا۔ یہی میری زندگی کی معراج ہے۔ اور اگر میری یہ ادا میرے غوثِ اعظم کو پسند آ گئی تو میری نجات یقینی ہے۔''

صدقہ رسولِ پاک کا جھولی میں ڈال دو
ہم قادری فقیر ہیں یا غوث المدد

(حضور تاج الشریعہ) [19]

حضور مجاہد ملت کو غوثیت مآب کی غلامی پہ ناز بھی تھا اور اعتماد بھی تھا یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی مشکلات کے شکار ہوتے تو غوثیت مآب کا کرم ان کا دستگیر ہو جاتا۔ مشکلات میں غوثیت مآب کو کثرت سے یاد کرنا ان کی عادت تھی۔ غوثیت مآب کی کرم نوازی کے حوالے سے ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالواجد صاحب لکھتے ہیں:

حضور مجاہد ملت نے اپنا ایک واقعہ حضرت مولانا نعیم اللہ خان صاحب بستوی صدر المدرسین دارُالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے بیان فرمایا کہ یوں تو مجھے کئی بار حق گوئی و بے باکی کے سبب جیل جانا پڑا اور سخت اذیتیں برداشت کرنا پڑیں مگر اس بار مجھے روحانی تکلیف ہوئی کہ میں جیل کے جس وارڈ میں بند تھا وہیں ایک منسٹر کا بیٹا بھی خون کے مقدمہ میں ماخوذ ہو کر پہنچا مگر اس کی طرف سے سفارشات اور رشوتوں کا سلسلہ جاری تھا اس لیے وہ چند ہی دنوں کے بعد رہا

کر دیا گیا اور میں حسب سابق اسی وارڈ میں مشقتیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے اپنے رب تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا یا اللہ! حکومت تو میرے غوث کی ہے اور حکم غیروں کا چل رہا ہے۔ آخر کب تک میں مسلمانوں سے دور رکھا جاؤں گا۔ اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ میں زینوں سے نیچے اتر رہا ہوں پھر میں نے جب اوپر نگاہ کی تو اوپری زینہ پر حضور مفسر اعظم ہند کو دیکھا کہ ان کے پاؤں میں تکلیف ہے مگر وہ نیچے آئے اور میرے کاندھوں پہ اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ ہاں! حکومت ہمارے غوث ہی کی ہے پھر میری آنکھ کھل گئی نماز کا وقت ہونے والا تھا ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے دوگانہ ادا کیا پھر اپنے معمولات میں لگ گیا۔ اشراق کے بعد جیلر میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کی رہائی کا آڈر آ گیا ہے لہٰذا آپ جا سکتے ہیں۔ پہلے تو میں بے شان وگمان رہائی کی خبر پا کر متعجب ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ میرے مرشد زادہ حضور مفسر اعظم ہند کو حضور سیدنا سرکار غوث اعظم کی نیابت عظمیٰ حاصل ہے اور یہ سب آپ کی عظمت روحانی کا فیض ہے۔ (حیات مفسر اعظم ہند، ص ۲۵۴)

حضور مجاہد ملت نے رئیسِ وقت ہوتے ہوئے بھی اپنی تمام اداؤں کو فقیرانہ لباس دے دیا تھا۔ ان کے لمحاتِ حیات کو دیکھ کر حضرت ابراہیم بن ادھم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ مفتی شاہ عاشق الرحمن صاحب قبلہ نے انھیں مردِ جوزاء سے ملقب کیا ہے اور مردِ جوزاء کے انہوں نے جو حالات وصفات گنائے ہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) شرافت: جہاں تک شرافتِ نسبی کا تعلق ہے، آپ کا شریف ہونا مشہور ومعروف ہے کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد میں سے ہیں۔ (۲) چہرے اور آنکھوں کی خوب صورتی (۳) بچپن میں پیار سے پالا جانا (۴) دولت مندی (۵) خانگی سطح کا اونچا ہونا (۶) دولت جمع کرنے کا موقع نہ ملنا لیکن کمی کا احساس نہ ہونا (۷) مذہبی ہونا (۸) عبادت

گذاری (۹) میٹھی چیز کا محبوب ہونا۔ ثمر بہشت ایسے میٹھے آم آپ کو بہت پسند تھے (۱۰) شگفتہ روئی یعنی ہنس مکھ ہونا (۱۱) محنتی ہونا (۱۲) علوم و فنون حاصل کرنا (۱۳) دل چسپ اُمور کو اہمیت دینا اور طبیعت میں ظرافت کا ہونا (۱۴) اپنے سماج، وطن اور خاندان میں زیادہ علم رکھنے والا ہونا (۱۵) اخلاق مندی (۱۶) دوستی کا باقی رکھنا (۱۷) اتباعِ بزرگان و اساتذہ (۱۸) پاکیزگی فطرت و راست گوئی (۱۹) صاحب عظمت ہونا زندگی کا باوقار ہونا (۲۰) عقل مندی اور ہوش مندی، غور و فکر کر کے کام کرنے کا عادی ہونا (۲۱) باہمت ہونا (۲۲) مردانگی کا کام انجام دینا (۲۳) حوصلہ مندی (۲۴) تیرہ سال کی عمر سے سولہ سال کی عمر تک کے درمیانی زمانے میں یا اُنیس سال کی عمر سے پچیس سال کی عمر تک کے درمیانی زمانے میں شادی کرنا (۲۵) کامیاب ازدواجی زندگی گزارنا (۲۶) دریائے لطف کی موجزنی کے عالم میں خرچ کی پرواہ نہ کرنا (۲۷) جود و عطا (۲۸) پرورش کرنے میں کمال رکھنا (۲۹) سادہ زندگی بسر کرنا (۳۰) تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگی کی کامیابی کا ان کے احساسِ کامیابی میں مددگار رہنا (۳۱) زندگی کے ہر زاویے میں تکلیف برداشت کرنا (۳۲) مشکلات اور مصائب کا بار بار پیش آنا (۳۳) گھر میں بھی تکلیف اُٹھانا (۳۴) متفکر رہنا (۳۵) حادثاتِ سے جسمانی تکالیف لاحق ہونا (۳۶) سفروں کے دوران حادثات کا رونما ہونا (۳۷) احباب کہلانے والے لوگوں کا ان کے پیچھے بُرائی کرنا (۳۸) مریض رہنا۔ آپ ذیابیطس کے مریض تھے (۳۹) پیٹ کا مرض۔ اپنے وصال کے وقت آپ جن امراض کے مریض تھے فم معدہ کا ورم ان میں سے ایک تھا۔ (۴۰) تقریباً اسّی سال کی عمر پانا (۴۱) جلد کاموں کی تکمیل کرنے کی مہارت (۴۲) رہنما ہونا (۴۳) تصنیف کرنا (۴۴) تقریر کرنا (۴۵) فنِ مناظرہ کی مہارت۔ یہ بات صبح روشن کی طرح واضح ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے مردِ جوزاء مجاہد ملت، ص ۸۷ تا ۸۳۔

حضور مجاہد ملت اپنے عہد میں محبوب خلائق تھے۔ بڑے بڑے لوگ آپ کے قرب کی لذتوں سے آشنا ہونے کی تمنا اپنے دلوں میں لیے رہا کرتے تھے۔ آپ کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ آپ کسی کو محرومِ تمنا دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ خود تکلیف برداشت کر لیتے تھے لیکن دوسروں کی تکلیف آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ یہ بھی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت ہے۔ آپ صرف زبان سے دعوت و تبلیغ نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے خود عمل کرتے تھے، پھر دعوت دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی باتیں دلوں پر اثر کرتی تھیں۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ علما و مشائخ اور اہلِ زبان و قلم نے آپ کے دینی، ملّی اور سیاسی کارناموں کو بکثرت عناوین دیئے ہیں۔ ذیل میں چند عناوین پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) خاکی و نوری نہاد (۲) ایک شخص ایک انجمن (۳) جہاں گیر و جہاں دار (۴) کلام اقبال کے آئینے میں (۵) آفتابِ سنّیت (۶) جامع علوم و فنون (۷) طبیب حاذق (۸) دارا و سکندر سے (۹) آفتاب علم و فن (۱۰) رئیسِ وقت کا اندازِ فقیرانہ (۱۱) دانائے راز (۱۲) آفتابِ علم و معرفت (۱۳) میدانِ عمل کا مجاہد (۱۴) رہبر راہِ معرفت (۱۵) سرفروشانِ حق کے امیر (۱۶) مجاہدانہ کردار کے پیکر (۱۷) فلک انتساب مجاہد ملت (۱۸) میدانِ جہاد کے مظلوم مسافر (۱۹) ایک پیکر عزیمت (۲۰) مردِ حق شناس (۲۱) اہلِ سنّت کا تاجور (۲۲) اقبال کا مردِ مومن (۲۳) ایک مردِ قلندر (۲۴) آئین جواں مرداں (۲۵) ایک صوفی ایک مجاہد (۲۶) ایک مشعلِ راہ (۲۷) ایک قائد عظیم (۲۸) روشنی کے مینار (۲۹) ایک تاریخ ساز شخصیت (۳۰) ایسا کہاں سے لاؤں (۳۱) گم جس میں ہے آفاق (۳۲) شخص سے شخصیت تک (۳۳) مجاہد ملت کا تحریکی شعور (۳۴) آسمانِ رضویت کا بدرِ کامل (۳۵) اقوال سے افعال تک (۳۶) مجاہد ملت درس گاہ سے خانقاہ تک (۳۷) فکرِ رضا کے عظیم داعی و مبلغ (۳۸) حضور مجاہد ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت (۳۹) سیاسی زندگی منظر پس منظر۔ (۴۰) حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات۔

مذکورہ عناوین حضور مجاہد ملت کی کتابِ حیات سے لیے گئے ہیں۔ مگر یہ سارے عناوین ان کی زندگی کے ظاہری گوشوں کو سامنے رکھ کر قائم کیے گئے ہیں۔ ان کی حیات کی داخلی تہیں اسرار سے پُر ہیں اور ان اسرار تک عام لوگوں کی رسائی بہت مشکل ہے، بلکہ بعض خواص بھی ان کی سمندر صفت حیات کے ساحل پہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن دونوں پُرکشش تھے اور دونوں پہ انوار و تجلیات کا پہرہ رہا کرتا تھا۔ اور یہ چیزیں سب کو نظر نہیں آتی تھیں۔ جن لوگوں کو نظر آ گئیں وہ ہمیشہ کے لیے انہی کے ہو گئے۔ ان کی زندگی میں کرامتوں کو تلاش کرنا عبث ہے۔ اس لیے کہ ان کی ذات سر سے پاؤں تک کرامت ہی کرامت تھی۔

ان کی سب سے بڑی کرامت دین پر استقامت تھی۔ انہوں نے شریعت کے کسی بھی اُصول کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ جماعت سے نماز ادا کرنے میں کبھی کسی سستی کے شکار نہیں ہوئے۔ سفر میں ہوتے تو بھی جماعت سے نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ ٹرین میں ہوتے تو جب نماز کا وقت آ جاتا، ٹرین سے اُتر جاتے۔ ٹرین کے چلے جانے کی کبھی فکر نہ کرتے۔ احباب ٹرین کے چھوٹ جانے کا خدشہ ظاہر کرتے تو فرماتے ٹرین چھوٹتی ہے تو چھوٹ جانے دو، نماز نہیں چھوٹنا چاہیے۔ ٹرین کے چھوٹ جانے کے بارے میں ربّ کی جانب سے سوال نہیں ہوگا، لیکن نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ٹرین چلی جاتی مگر خشوع خضوع میں کوئی فرق نہ آتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ٹرین آپ کے انتظار میں اس وقت تک کھڑی رہتی جب تک آپ نماز سے فارغ نہ ہو جاتے۔ ایسا انہی شخصیات کے لیے ہوتا ہے جنھیں رب کی بارگاہ میں وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ آپ چلتی ٹرین میں نماز ادا کرنے کے قائل نہ تھے۔ آج بعض حضرات چلتی ٹرین میں نماز کے جواز کی باضابطہ تحریک چلا رہے ہیں اور بے وقوفی یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری تحقیق بڑوں کی تحقیق کے خلاف نہیں ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ع

وحشت میں ہر اِک نقشہ اُلٹا نظر آتا ہے

عوام کا ایک بڑا طبقہ کرامات میں بڑی دل چسپی رکھتا ہے۔ جس ولی کی کتابِ حیات

میں ظاہری کرامات کا باب نہیں ہوتا، اسے وہ طبقۂ ولی میں شمار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ کوئی آج کی پیداوار نہیں، بلکہ ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ان کی ولایت و بزرگی کا شہرہ سن کر ایک شخص اس لیے اپنے گھر سے نکلا کہ چلتے ہیں کوئی کرامت دیکھیں گے، تو مرید ہو جائیں گے۔ وہ حضرت کی خانقاہ میں آیا اور مہینوں قیام پذیر رہا لیکن جس چیز کی اسے تلاش تھی بظاہر اسے نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر اس نے گھر واپسی کا ارادہ کر لیا۔ رخصت کی اجازت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت جنید نے پوچھا کہ کس لیے آئے تھے اور کیوں واپس جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مقصد سفر اور حاصلِ سفر آپ کی خدمت اور زیارت تھی۔ اس نے حقیقت واقعہ کو چھپانے کی کوشش کی لیکن حضرت جنید ولایت و بزرگی کی اس منزل پہ فائز تھے جہاں اچھے اچھوں کی رسائی مشکل سے ہوتی ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بات ہے جو تم چھپا رہے ہو؟ اس نے محسوس کر لیا کہ ہمارا مقصودِ سفر ان پہ ظاہر ہو چکا ہے۔ تھوڑی خاموشی کے بعد اس نے مقصودِ سفر بیان کیا۔ حضرت جنید نے اس سے فرمایا کہ تم اتنے دنوں سے میری خانقاہ میں قیام پذیر ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرا کوئی عمل شریعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف دیکھا؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شریعت کی روشنی میں زندگی گذارنا اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو سکتی ہے؟

معجزہ اور کرامت دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ہیں ان میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی نبی سے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جو انسانی عقل کو حیران کر دے، اسے معجزہ کہتے ہیں اور یہی چیز کسی ولی سے ظاہر ہو تو اسے کرامت کا نام دیا جاتا ہے۔ معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے لیکن کرامت دلیلِ ولایت نہیں ہوتی۔ اولیا کو اخفائے کرامت کی تاکید ہوتی ہے۔ جیسے میدانِ کربلا میں حضرت امام عالی مقام نے کیا۔ جبر وظلم کے ہر تیر آپ پہ آزمائے گئے پھر بھی آپ نے کرامت سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ اشارہ فرما دیتے تو فرشتوں کی جماعت اُترتی اور یزیدیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی۔ تاریخ کا کوئی ورق ایسا نہیں جو اولیا اللہ کے ذکر سے خالی

ہو۔ اس لیے کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دین کی کشتی کی بادبانی کی ذمے داری اولیا و علما ہی کے سر ڈالی گئی۔ اولیا اور علما کے وجود سے زمین کبھی خالی نہ ہوگی۔ اولیا اور علما ہی کے قدموں کی برکتوں سے آسمان سے پانی اُترتا ہے اور زمین سبزہ اُگاتی ہے۔ جس وقت اس تقدس مآب جماعت سے زمین خالی ہوجائے گی، اس وقت قیامت آجائے گی۔ پہلے اولیا اللہ سے خانقاہیں آباد تھیں لیکن آج اصل پردے میں ہے اور نقل نے دکان سجا رکھی ہے۔ آج حال یہ ہے کہ وہ لوگ ولایت کے دعوے دار ہیں، جنہیں زمین پہ چلنے کا شعور نہیں ہے، جن کا شریعت سے برائے نام رشتہ ہوتا ہے ان کی بے سر و پا باتوں کو ان کے عقیدت مند کرامت کا نام دیتے ہیں۔ جب کوئی ذی علم ان سے کہتا ہے کہ آپ کے افعال شریعت سے میل نہیں کھاتے، تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ ہم اہلِ طریقت ہیں اس لیے ہمارے افعال کو شریعت سے جوڑ کے نہ دیکھو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے ایسے دریدہ دہنوں کے بارے میں سوال ہوا ہے، آپ نے جو جواب دیا ہے اس سے شریعت وطریقت کی پیشانیاں روشن ہوگئی ہیں اور دنیادار، بداطوار اور فریب خوردہ افراد کے چہرے بے نقاب ہو گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا رسالہ کیا ہے؟ کوزے میں سمندر ہے۔ اس عنوان پر اس سے اچھی، جامع اور مستند بحث شاید دوسری جگہ نہ مل سکے۔ رسالہ کی اندرونی پیشانی پر ناشر نے جو حاشیہ لگایا ہے، ہمارے دعوے کو اس سے بھرپور روشنی ملتی ہے۔ وہ حاشیہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

الحمدللہ عزَّ وعلَا کہ رسالۂ ہدایت قبالہ جس میں اس امر کا ثبوت تام و تحقیق تمام کہ شریعت اصل ہے اور طریقت اوس کی فرع ومنبع اور یہ اس میں سے نکلا ہوا دریا۔ اوس کی جدائی اوس سے محال ودشوار۔ اسی پر اس کا دار و مدار، وہی محتاج الیہ واصل کار، وہی محک ومعیار، علمائے ظاہر و باطن دونوں وراثت انبیا علیٰ نبینا وعلیھم الصلوٰۃ والسلام کے حقدار اور ان کی خلافت کے تاجدار، قرآن وحدیث و اقوالِ علمائے باطن سے ان جملہ اُمور کی تحقیق آبدار جس میں کسی کو نہ یاری دم

زدن نہ محال گفتار۔ قابل عمل صوفیان و مشائخ کبار، لائق مطالعۂ ابرار و اخیار۔
واقعی ایسا رسالہ نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، مسمیٰ باسمہ تاریخی ''مقال عرفا باعزاز شرع وعلما''۔ ۱۳۲۷ھ

رسالہ مبارکہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے اجمالی بحث کی ہے، اگر اس کی تفصیل کر دی جائے تو مجلدات تیار ہو جائیں۔ پھر بھی شارح کو یہ کہنا پڑے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ رسالہ میں سائل کے دس ۱۰؍ سوالات ہیں۔ ذیل میں سوالات کے اجمالی جوابات پیش ہیں، جنھیں تفصیل کی حاجت ہو، وہ رسالے سے رجوع کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال ۔ ۱: زید کہتا ہے حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء میں علمائے شریعت وطریقت دونوں داخل ہیں اور جو جامع شریعت وطریقت ہیں، وہ وراثت کے رتبۂ اعظم واجل و درجۂ اتم واکمل پر فائز ہیں اور عمرو کا بیان ہے شریعت نام ہے چند فرائض و واجبات و سُنن واستحباب و چند مسائل حلال و حرام کا، جیسے صورت وضو و نماز وغیرہ۔

سوال ۔ ۲: اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔

سوال ۔ ۳: اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

سوال ۔ ۴: یہ بحر ناپید کنار و دریائے ذخار ہے اور وہ بمقابلہ اس دریا کے ایک قطرہ ہے۔

سوال ۔ ۵: وراثت انبیاء کا یہی وصول الی اللہ تعالیٰ مقصود و منشا اور یہی شانِ رسالت و نبوت کا مقتضیٰ۔ خاص اسی کے لیے وہ مبعوث ہوئے۔

سوال ۔ ۶: بھائیوں علمائے صوری و قشری کسی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

سوال ۔ ۷: نہ وہ علمائے ربانی وغیرہ کہے جا سکتے ہیں۔

سوال ۔ ۸: ان کے دامِ تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا والعیاذ باللہ تعالیٰ یہ شیطان ہیں۔

سوال ۔ ۹: منزل اصلی طریقت کے سد راہ ہوئے ہیں۔

سوال ۔ ۱۰: یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بہت سے علمائے حقانی و اولیائے

ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے لکھا ہے۔ الیٰ آخرالهذ یانات التماس یہ کہ ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح اور اس مسئلے کی کیا تنقیح ہے، اگر عمرو غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں۔ وہ کہتا ہے میری غلطی جب ثابت ہوگی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے، ورنہ نہیں۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الذی انزل الشریعۃ و جعلھا للوصول الیہ ھی الذریعۃ لمن ابتغی الیہ طریقا دونھا فقد خاب و ھویٰ۔ وضل و غویٰ و افضل الصلاۃ واکمل السلام علی اکرم الرسل وافضل داع الی سبل السلام الذی شریعتہ ھی الطریقۃ بعین الحقیقۃ فبھا الوصول الی العلی الاکبر ومن خالفھا فسیصل ولکن الی این الی سقر و علےٰ اٰلہٖ واصحابہ وعلمائہ واحزابہ وارثی علم و حامل آدابہ آمین یا رب العٰلمین۔ اللھم لک الحمد رب انی اعوذبک من ھمٰزات الشیٰطین و اعوذبک رب ان یحضرون۔

’’تمام حمدیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے شریعت نازل فرمائی اور اس کو اپنی طرف وصول کا ذریعہ بنایا۔ یہی وسیلہ ہے اس کی طرف جانے والے کا۔ کوئی اور راستہ ہو تو وہ ناکام ہو اور خواہشِ نفس، گمراہی اور ضلالت میں مبتلا رہے، تمام رسولوں سے اکرم رسول پر افضل صلوٰۃ واکمل سلام ہو جو سب سے بہتر دعوت دینے والا سلامتی کی راہ کا۔ یہ وہ ذات ہے جس کی شریعت ہی طریقت اور عین حقیقت ہے۔ اسی کے سبب اللہ تعالیٰ کے دربار میں وصول ہے اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پہنچے گا کہاں، جہنم میں۔ آپ کی آلِ پاک وصحابہ وعلماء اور جماعت پر جو آپ کے علم کے وارث ہیں اور آپ کے آداب کے حامل ہیں آمین یارب العالمین۔ یا اللہ حمد تیرے ہی لیے، میرے رب میں تیری پناہ لیتا ہو شیطان کے وسوسوں

سے اور تیری پناہ لیتا ہوں میرے رب! ان کے حاضر ہونے سے۔ (ترجمہ)

زید کا قول حق و صحیح اور عمرو کا زعم باطل قبیح والحاد صریح ہے اس کے کلام شیطنت نظام میں دس فقرے ہیں ہم سب کے متعلق مجمل بحث کریں کہ ان شاء اللہ الکریم مسلمانوں کو مفید و نافع اور شیطانوں کی قالع وقامع ہو۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) عمرو کا قول کہ شریعت چند احکام فرض و واجب و حلال و حرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے، جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول۔ تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی محک و معیار ہے۔ شریعت ''راہ'' کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیہ کا ترجمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ، یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔ یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اُس کا مانگنا اور اُس پر ثبات و استقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ چلا، اُن کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔ عبداللہ بن عباس و امام ابو العالیہ و امام حسن بصری رضی اللہ تعالےٰ عنہم فرماتے ہیں: الصراط المستقیم رسول اللہ ﷺ و صاحباہ صراط مستقیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق و عمر فاروق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما رواہ عن ابن عباس الحاکم فی صحیہ و عن ابی العالیۃ من طریق عاصم الاحول عنہ عبد بن حمید وابناء جریج و ابی حاتم و عدی و عساکر و فیہ فذکرنا ذلك للحسن فقال صدق ابو العالیۃ و نصح یہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے۔ قرآنِ عظیم میں فرمایا: ان ربی علی صراط مستقیم۔ بے شک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے۔ قرآنِ عظیم نے فرمایا: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا

فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ (سورہ انعام آیت ۱۵۳) شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرماتا ہے اور اے محبوب تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے اللہ تمھیں اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔ دیکھو قرآنِ عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اُس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

(۲) عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون و جہالت ہے۔ ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق طریقہ طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو تو یقیناً یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآنِ عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنّت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل و مردود فرما چکا لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے۔ اُس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے جو اُسے شریعت سے جدا جانتا ہے، اُسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا طریقت حقہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

(۳) طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اُسی نارِ جحیم و عذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔

(۴) شریعت کو قطرہ طریقت کو دریا کہنا اُس مجنون پکّے پاگل کا کام ہے جس نے دریا کا پاٹ کسی سے سن لیا اور نہ جانا کہ یہ وسعت اُس میں کہاں سے آئی۔ اُس کے خزانے سے اُس کے منبع سے خزانے میں وسعت نہ ہوتی تو اُس میں کس گھر سے آتی۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اُس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے اُنھیں سیراب کرنے میں اُسے منبع کی احتیاج

نہیں نہ اُس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت۔ مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اُس کی احتیاج ہے منبع سے اُس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لیے مدد موقوف ہو جائے فی الحال جتنا پانی آ چکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں باغات سینچنے کا کام دے، نہیں نہیں منبع سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا۔ بوند تو بوند نم کا نام نظر نہ آئے گا۔ نہیں نہیں میں نے غلطی کی کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا، پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہاں اُس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریاو **البحر المسجور** ہوکر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں۔ پھر کاش وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے والے جلے، خاک سیاہ ہوئے تھے اُتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ اُن کا یہ بدانجام دیکھ کر عبرت پاتے مگر نہیں وہ تو **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ** ہے اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اندر سے دل جل گئے، ایمان خاک سیاہ ہوا اور ظاہر میں وہی پانی نظر آ رہا ہے۔ دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دہر! آہ آہ آہ کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا۔ پھر دریا و منبع کی مثال سے ایک اور فرقِ عظیم ہے جس کی طرف اشارہ گزرا کہ نفع لینے والوں کو اس وقت منبع کی حاجت نہیں مگر حاشا یہاں منبع سے تعلق نہ بھی توڑیئے کہ پانی باقی رہے اور آگ نہ ہو جائے جب بھی ہر آن منبع سے اس کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے وہ یوں کہ یہ پاکیزہ شیریں دریا جو اُس برکت والے منبع سے نکل کر اس دار الالتباس کی وادیوں میں لہریں لے رہا ہے یہاں اس کے ساتھ ایک سخت ناپاک، سخت کھاری دریا بھی بہتا ہے۔ **ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج**۔ ایک خوب میٹھا شیریں ہے اور ایک سخت نمک کھاری۔ وہ دریائے شور کیا ہے۔ شیطان ملعون کے وسوسے، دھوکے تو دریائے شیریں سے نفع لینے والوں کو ہر آن احتیاج ہے کہ ہر نئی لہر پر اُس کی رنگت، مزے، بو کو اصل منبع کے لون طعم ریح سے ملاتے رہیں کہ یہ لہر اُسی منبع سے آئی ہوئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبو کھاری دھار دھوکا دے رہی ہے۔ سخت وقت

یہ ہے کہ اس پاک مبارک منبع کی کمال لطافت سے اُس کا مزہ جلد زبان سے اُتر جاتا ہے۔ رنگت، بو کچھ یاد نہیں رہتی اور ساتھ ہی ذائقہ، شامہ، باصرہ کا معنوی حسن فاسد ہو جاتا ہے کہ آدمی منبع سے جدا ہو اور پھر اُسے گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی۔ ابلیس کا کھاری بد بو بدرنگ موت غٹ غٹ چڑھاتا اور گمان کرتا ہے کہ دریائے طریقت کا شیریں، خوشبو، خوش رنگ پانی پی رہا ہوں لہٰذا شریعت منبع و دریا کی مثال سے بھی نہایت متعالی ہے۔ وللہ المثل الا علیٰ شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اُس کے سوا کوئی روشنی نہیں اُس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں زیادت چاہیے افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اُس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نورِ حق تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اُس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا اور اس سے کہتا ہے **اطفی المصباح فقد اشرق الاصباح** چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی۔ اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہوگیا ابلیس کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا آفتاب روشن ہے احمق اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے ؏

ابلہے روزِ روشن شمع کافوری نہد۔

(بیوقوف روشن دن کافوری شمع رکھتا ہے (ت))

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اُس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ او عدو اللہ یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے اُسی فانوس کا تو نور ہے اُسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا۔ اُس وقت وہ دغاباز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ **نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء** کی حمایت میں نورِ حقیقی تک پہنچتا ہے اور اگر دم میں آگیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہوگیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت رہی ادھر فانوس بجھایا اور معاً اندھیرا گھپ کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں

سجھائی دیتا جیسا کہ قرآنِ عظیم نے فرمایا: ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ (سورہ نور آیت ۴۰) ایک پر ایک اندھیریاں ہیں اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اُس کے لیے نور کہاں۔ یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے اور ابلیس کے فریب میں آ کر اُس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے کاش یہی ہوتا کہ اُس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا اُن کی آنکھوں میں چھایا جس نے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا ان کو اُس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے پھر انھیں روشنی دیتا مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس خاموش کرائی اُس کے ساتھ ہی معاً اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی یہ اُسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقتاً نار ہے، یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے ایک چراغ ہے ہمارا نور آفتاب کو لجا رہا ہے وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے اور یہ دھوکے کی ٹٹی آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا۔ ع

کہ با کہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

(اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی۔ (ت)

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اُسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت ولہٰذا حدیث میں آیا حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون** بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکّی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔ **رواہ ابو نعیم فی الحلیة من واثلة بن الاسقع رضی الله تعالیٰ عنه** (اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ت)۔ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: **قصم ظهری اثنان جهل متنسك وعالم متهتك**۔ دو شخصوں نے میری پیٹھ

توڑ دی۔ یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں جاہل عابد اور عالم کہ علانیہ بیبا کانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔ اے عزیز شریعت عمارت ہے اُس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی۔ پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اُس بنیاد پر ہوا میں چُنے گئے اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل حصّے کا بھی محتاج ہے اگر دیوار نیچے سے خالی کر دی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی۔ احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اُس کی چُنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گذر گئے ہمیں اُس سے تعلق کی کیا حاجت ہے نیو سے دیوار جدا کر لی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآنِ عظیم نے فرمایا کہ **فانہا ربہ فی نار جھنم** اُس کی عمارت اُسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی۔ **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** اسی لیے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد**۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ **رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما** بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے **وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا**○ وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

(۵) عمرو کا طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کر دینا کہ یہ مقصود ہے انبیاء صرف اسی کے لیے مبعوث ہوئے۔ صراحۃً شریعت مطہرہ کو معاذ اللہ معطل و مہمل و باطل کر دینا ہے اور یہ صریح کفر وارتداد و زندقہ و الحاد و موجب لعنت و ابعاد ہے ہاں یہ کہتا تو حق تھا کہ اصل مقصود وصول الی اللہ ہے مگر حیف اُس پر جو اپنی جہالتِ شدیدہ سے نہ جانے یا جانے اور عنادِ شریعت کے باعث نہ مانے کہ وصول الی اللہ کا راستہ یہی شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے وبس۔ ہم اوپر قرآنِ عظیم سے ثابت کر آئے کہ شریعت کے سوا اللہ تک راہیں بند ہیں طریقت اگر وہ اپنے زعم میں کسی راہ مخالف شریعت کا نام سمجھا ہے تو حاشا وہ خدا تک پہنچائے بلکہ وہ مسدود

اور اُس کا چلنے والا مردود اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اُس کی تہمت ملعون ومطرود۔ کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی کو شریعت کے خلاف دوسری راہ کی طرف بلایا ہے حاشا وکلا۔

(۶) جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمر بھر اسی کی طرف بلایا اور یہی راستہ ہمارے لیے چھوڑا تو اس کا حامل، اس کا خادم اس کا حامی اس کا عالم کیوں کر اُن کا وارث نہ ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں اگر بالفرض شریعت صرف فرض، واجب، سنّت، مستحب، حلال، حرام ہی کے علم کا نام ہو تو یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے یا اُن کے غیر سے۔ اگر اسلام کا دعویٰ رکھتا ہے تو ضرور کہے گا کہ حضور ہی سے ہے پھر اس کا عالم حضور کا وارث نہ ہوا تو اور کس کا ہوگا۔ علم اُن کا ترکہ، پھر اُس کا پانے والا اُن کا وارث نہ ہو اس کے کیا معنیٰ۔ اگر کہے کہ یہ علم تو ضرور اُن کا ہے مگر دوسرا حصّہ یعنی علم باطن اس نے نہ پایا لہٰذا وارث نہ ٹھہرا تو اے جاہل کیا وارث کے لیے یہ ضرور ہے کہ مورث کا کل مال پائے یوں تو عالم میں کوئی عالم، کوئی ولی، کوئی صدیق اُن کا وارث نہ ٹھہرے گا اور ارشادِ اقدس: **ان العلماء ورثة الانبياء** معاذ اللہ غلط بن کر محال ہو جائے گا کہ اُن کا کل علم تو کسی کو مل ہی نہیں سکتا اور اگر بفرض غلط شریعت وطریقت دو جدا راہی مانیں اور قطرہ و دریا کی نسبت جانیں جس طرح یہ جاہل بکتا ہے جب بھی علمائے شریعت سے وراثت انبیاء کا سلب کرنا جنون محض ہوگا کیا ترکۂ مورث سے تھوڑا حصّہ پانے والا وارث نہیں ہوتا جسے ملا اُن کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا ہے **وما اوتيتم من العلم الا قليلا**○ اگر یہ شریعت وطریقت کی معاذ اللہ جدائی فرض کر لیں تو انصافاً حدیث ان مسخرگانِ شیطان پر الٹی پڑے گی یعنی علمائے ظاہر ہی وارثانِ انبیاء علیہ الصلاۃ والثنا ٹھہریں گے اور علمائے باطن عیاذاً باللہ اس سے محروم، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی اُن کے علوم نبوت یہ ہیں جن کو شریعت کہتے ہیں جن کی طرف وہ تمام امت کو دعوت کرتے ہیں اور علومِ ولایت وہ ہیں جن کو یہ جاہل طریقت کہتا ہے اور وہ خاص خاص لوگوں کو خفیہ تعلیم ہوتے ہیں تو علمائے باطن کہ علومِ ولایت کے وارث ہوئے وارثانِ اولیاء ٹھہرے

نہ کہ وارثانِ انبیاء۔ وارثانِ انبیاء یہی علمائے ظاہر رہے جنھوں نے علومِ نبوت پائے۔ مگر یہ اُس جاہل کی اشد جہالت ہے۔ حاشا نہ شریعت و طریقت دو راہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علما ہو سکتے ہیں۔ علامہ مناوی شرح جامع صغیر پھر عارف باللہ سیّدی عبد الغنی نابلسی حدیقۂ ندیہ میں فرماتے ہیں: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **علم الباطن لا یعرفہ الا من عرف علم الظاھر** علم باطن نہ جانے گا مگر وہ جو علم ظاہر جانتا ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **ما اتخذ اللہ ولیا جاھلاً** اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ بنایا یعنی بنانا چاہا تو پہلے اُسے علم دے دیا اُس کے بعد ولی کیا کہ جو علم ظاہر نہیں رکھتا علم باطن کہ اُسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے کیوں کر پا سکتا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے متعلق بندوں کے لیے پانچ علم ہیں علمِ ذات، علمِ صفات، علمِ اسما، علمِ افعال، علمِ احکام۔ ان میں ہر پہلا دوسرے سے مشکل تر ہے جو سب سے آسان علم احکام میں عاجز ہو گا سب سے مشکل علمِ ذات کیوں کر پا سکے گا۔ اس جاہل نے تو علمائے شریعت کو معاذ اللہ مطلقاً وراثت سے محروم کر دیا اور قرآنِ عظیم اُنھیں مطلقاً وارث بتا رہا ہے حتیٰ کہ اُن میں کے بے عمل کو بھی یعنی جبکہ عقائد حق پر مستقیم اور ہدایت کی طرف داعی ہو کہ گمراہ اور گمراہی کی طرف بلانے والا وارث نبی نہیں نائب ابلیس ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ہاں! رب عزّ وجل نے تمام علمائے شریعت کو کہاں وارث فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے بے عمل کو بھی۔ ہاں! وہ ہم سے پوچھیے مولیٰ عزّ وجل فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ (سورہ فاطر آیت ۳۲) ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چُنے ہوئے بندوں کو تو اُن میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی متوسط حال کا اور کوئی بحکم خدا بھلائیوں میں پیشی لے جانے والا یہی بڑا فضل ہے دیکھو بے عمل کہ گناہوں سے اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں اُنھیں بھی کتاب کا وارث بنایا اور نرا وارث ہی نہیں بلکہ اپنے چُنے ہوئے بندوں میں گنا۔ احادیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

سابقنا سابق و مقتصدنا ناج و ظاعنا فغفور له۔ ہم میں کا جو سبقت لے گیا وہ تو سبقت لے ہی گیا اور جو متوسط حال کا ہو وہ بھی نجات والا ہے اور جو اپنی جان پر ظالم ہے اُس کی بھی مغفرت ہے۔ والحمدلله رب محمد الرؤف الرحیم علیه وعلیٰ اٰله افضل الصلاۃ والتسلیم رواه العقیلی وابن لال وابن مردویه والبیهقی فی البعث والبغوی فی المعالم عن امیر المومنین عمر و ابن النجار عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ عالم شریعت اگر اپنے علم پر عامل بھی ہو، چاند ہے کہ آپ ٹھنڈا اور تمھیں روشنی دے ورنہ شمع ہے کہ خود جلے مگر تمھیں نفع دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مثل الذی یعلّم الناس الخیر وینسی نفسه مثل الفتیلة تضیء للناس وتحرق نفسها رواه البزار عن ابی هریرۃ والطبرانی عن جندب بن عبدالله عن الازدی و عن ابی برزۃ الاسلمی رضی الله تعالیٰ عنهم بسند حسن حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اذا قرأ الرجل القراٰن واحتشی من احادیث رسول الله وکانت هناك غریزۃ کان خلیفة من خلفاء الانبیاء۔ جب آدمی قرآنِ مجید پڑھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں جی بھر کر حاصل کرے اور اس کے ساتھ طبیعت سلیقہ دار رکھتا ہو تو وہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائبوں سے ایک ہے۔ رواه الامام الرافعی فی تاریخه عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه دیکھو حدیث نے وارث تو وارث خلیفۃ الانبیا ہونے کے لیے صرف تین شرطیں مقرر فرمائیں قرآن وحدیث جانے اور اُن کی سمجھ رکھتا ہو خلیفہ و وارث میں فرق ظاہر ہے آدمی کی تمام اولاد اُس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔

(۷) جب قرآنِ عظیم نے سب وارثانِ کتاب کو اپنے چُنے ہوئے بندے فرمایا تو وہ قطعاً اللہ والے ہوئے اور جب اللہ والے ہوئے تو ضرور ربانی ہوئے۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے:

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

(سورۂ آل عمران آیت ۷۹) ربانی ہوجاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لیے کہ تم پڑھتے ہو اور فرماتا ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ۔ (سورہ مائدہ آیت ۴۴) بے شک ہم نے اُتاری توراۃ اُس میں ہدایت ونور ہے اُس سے ہمارے فرمانبردار نبی اور ربانی ودانشمند لوگ یہودیوں پر حکم کرتے تھے یوں کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان ٹھہرائے گئے اور اُس سے خبردار تھے۔ ان آیات میں اللہ عزّوجل نے ربانی ہونے کی وجہ اور ربانیوں کی صفات اسی قدر بیان فرمائی کتاب پڑھنا پڑھانا، اُس کے احکام سے خبردار ہونا، اُس کی نگہداشت رکھنا، اُس کے ساتھ حکم کرنا ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف علمائے شریعت میں ہیں تو وہ ضرور ربانی ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ربانیین فقہاء معلمین ربانی کے معنیٰ ہیں فقیہ مدرس رواہ ابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر نیز وہ اور اُن کے تلامذہ امام مجاہد وامام سعید جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: ربانیین علماء فقھا۔ ربانی عالم فقیہ کو کہتے ہیں۔ رواہ عن ابن عباس ابن جریر و ابن ابی حاتم وعن مجاھد ابن جریر وعن ابن جبیر الدارمی فی سننه۔

(۸) جبکہ اللہ عزّوجل علمائے شریعت کو اپنا چُنا ہوا بندہ کہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُنھیں اپنا وارث، اپنا خلیفہ اور انبیاء کا جانشین بتاتے ہیں تو اُنھیں شیطان نہ کہے گا مگر ابلیس یا اُس کی ذریت کا کوئی منافق خبیث۔ یہ میں نہیں کہتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق بین النفاق ذوالشیبة فی الاسلام و ذوالعلم وامام مقسط۔ تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق۔ منافق بھی کون سا کھُلا منافق ایک بوڑھا مسلمان جسے اسلام ہی میں بڑھاپا آیا۔ دوسرا عالم دین، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔ رواہ ابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنهما بسند حسنه الترمذی فی

غیر ھذا الحدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: لا یبغی علی الناس الا ولد بغی والا من فیہ عرق منہ۔ لوگوں پر زیادتی نہ کرے گا مگر ولد الزنا یا وہ جس میں اُس کی کوئی رگ ہو۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جب عام لوگوں پر زیادتی کے بارے میں یہ حکم ہے پھر علماء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ بلکہ حدیث میں لفظ ناس فرمایا اور اُس کے سچّے مصداق علماء ہی ہیں۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہٗ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: سئل ابن المبارك من الناس فقال العلماء۔ یعنی ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلمیذ رشید عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حدیث وفقہ ومعرفت وولایت سب میں امامِ اجل ہیں اُن سے کسی نے پوچھا کہ ناس یعنی آدمی کون ہیں۔ فرمایا علماء۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو عالم نہ ہو امام ابن المبارک نے اُسے آدمی نہ گنا اس لیے کہ انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے۔ انسان اُس سبب سے انسان ہے جس کے باعث اُس کا شرف ہے اور اُس کا شرف جسمانی طاقت سے نہیں کہ اونٹ اُس سے زیادہ طاقت ور ہے نہ بڑے جثّہ کے سبب کہ ہاتھی کا جثّہ اُس سے بڑا ہے۔ نہ بہادری کے باعث کہ شیر اُس سے زیادہ بہادر ہے۔ نہ خوراک کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اُس سے بڑا ہے۔ نہ جماع کی غرض سے کہ چڑوٹا جو سب میں ذلیل چڑیا ہے اُس سے زیادہ جفتی کی قوت رکھتا ہے۔ آدمی تو صرف علم کے لیے[1] بنایا گیا اور اسی سے اُس کا شرف ہے انتہی۔

(۹) بیاناتِ بالا سے واضح ہے کہ علمائے شریعت ہرگز طریقت کے سدراہ نہیں بلکہ وہی اُس کے فتح باب اور وہی اُس کے نگاہبانِ راہ ہیں۔ ہاں! وہ طریقت ہے جسے بندگانِ شیطان طریقت نام رکھیں اور اُسے شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جدا کریں، علما اُس کے لیے ضرور سدراہ ہیں۔ علما کیا خود اللہ عزّوجل نے اُس راہ کو مسدود و مردود وملعون ومطرود

---

[1] قال تعالیٰ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ سیّدنا اُستاذ ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ۔۔ صوفیا کرام سے ہیں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ولیعرفون یعنی ہم نے پیدا کیا جن وانس کو مگر معرفت حاصل کرنے کے لیے۔

فرمایا۔ او پر گزرا کہ علمائے شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر آن ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والے کو اور زیادہ ورنہ حدیث میں اُسے چکّی کھینچنے والا گدھا فرمایا تو اگر علما نے تمھیں گدھا بننے سے روکا کیا گناہ کیا۔

(۱۰) عمرو کا اپنی خرافاتِ شیطانیہ، توہین شریعت وسبّ وشتم علماء شریعت، علمائے حقانی و اولیائے ربانی کی طرف نسبت کرنا اُس کا محض کذب مہین و افترائے لعین ہے اُس کی خواہش کے مطابق ہم صرف حضرات اولیاء کرام قدست اسرارہم کے ارشاداتِ عالیہ محض بطور نمونہ ذکر کریں جن سے شریعت مطہرہ کی عظمت ظاہر ہو اور یہ کہ طریقت اُس سے جدا نہیں اور یہ کہ طریقت اُس کی محتاج ہے اور یہ کہ شریعت ہی اصل کار و مدار و معیار ہے۔ غرض جو بیانات ہم نے کیے اُن سب کا ثبوت وافی اور عمرو کے دعاوی و خرافات ملعونہ کا ردّ کافی **وبالله التوفيق**۔ قولِ اوّل حضور پُرنور سیّد الافراد قطب الارشاد غوثِ اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **لاترى لغير ربك وجودامع لزوم الحدود وحفظ الاوامر والنواهى فان انخرم فيك شئى من الحدود فاعلم انك مفتون قد لعب بك الشيطان فارجع الى حكم الشرع والزمه ودع عنك الهوى لان كل حقيقة لاتشهد لها الشريعة فهى باطلة**۔ غیر خدا کو موجود نہ دیکھنا اس کے ساتھ ہو تو اُس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جدا نہ ہو اور اُس کے ہر امر و نہی کی حفاظت کرے۔ اگر حدودِ شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔ بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آ اور اُس سے لپٹ جا اور اپنی خواہشِ نفسانی چھوڑ اس لیے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔ [۲۰]

سعادت مند کے لیے حضور پُرنور سیّد الاولیاء غوث العرفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہی ارشاد کافی ہے کہ اُس میں سب کچھ جمع فرما دیا ہے وللہ الحمد قول ۲ /حضور پُرنور غوث الثقلین غیاث الکونین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **اذا وجدت فى قلبك بغض شخص او**

حبه فاعرض افعاله على الكتاب والسنة فان كانت محبوبة فيهما فاحبه وان كانت مكروهة فاكرهه لئلا تحبه بهواك وتبغضه بهواك قال الله تعالىٰ ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله۔ جب تو اپنے دل میں کسی کی دشمنی یا محبت پائے تو اُس کے کاموں کو قرآن وحدیث پر پیش کر۔ اگر اُن میں پسندیدہ ہوں تو اُس سے محبت رکھ اور ناپسند ہوں تو کراہت۔ تاکہ اپنی خواہش سے نہ کسی کو دوست رکھے نہ دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکا دے گی خدا کی راہ سے۔ ۲۱

قول ۳ / حضور پُرنور سیّدنا غوث الاغواث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: الولاية ظل النبوة والنبوة ظل الالٰهيةِ وكرامة الولى استقامة فعل على قانون قول النبى ﷺ۔ ولایت پرتوِ نبوت ہے اور نبوت پرتوِ الوہیت اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اُس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔ ۲۲

قول ۴ / حضور سیّدنا محی الدین محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: الشرع حكم لحق سيف سطوة قهره من خالفه ونأداه واعتصمت بحبل حمايته وثيقات عرى الاسلام وعليه مدار امر الدارين وباسبابه انيطت منازل الكونين۔ شرع وہ حکم ہے جس کے صولت قہر کی تلوار اپنے مخالف ومقابل کو مٹا دیتی ہے اور اسلام کی مضبوط رسیاں اُس کی حمایت کی ڈوری پکڑے ہوئے ہیں دونوں جہاں کے کام کا مدار فقط شریعت پر ہے اور اُس کی ڈوریوں سے دونوں عالم کی منزلیں وابستہ ہیں۔ ۲۳

حضور مجاہد ملت دریائے شریعت وطریقت کے انتہائی ماہر شناور تھے۔ ان کی پوری زندگی مجاہدات وریاضات سے عبارت تھی۔ وہ لاموجود الا اللہ ولامشہود الا اللہ کے رمز شناس تھے۔ ثقہ راوی کا بیان ہے کہ جب وہ رات کی تنہائی میں محو عبادت ہوتے تو ان کے جسم کے سارے اعضا ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے۔ ان کی عادت تھی کہ کبھی کبھی ملّی وعوامی ضروریات وحاجات سے فرصت پاتے تو کچھ اوقات تنہائی میں گذارنے کی خواہش کا اظہار فرماتے۔ اس شرط کے ساتھ کہ تنہائی میں کوئی خلل انداز نہ ہو۔ حجرے کا دروازہ بند ہوجاتا اور

وہ اپنے مالک و مولیٰ سے مناجات میں مصروف ہوجاتے۔ ویسے ہجومِ کار نے کبھی ان کو پُرسکون رہنے نہیں دیا۔ وہ ہر وقت ملّتِ بیضا کی سربلندی و سرفرازی کی فکر میں ہوتے۔

ان کے القاب و آداب میں رئیس التارکین، سلطان المناظرین اور سراج السالکین کے القاب بھی آتے ہیں۔ پہلے کسی کو کوئی لقب دینے میں اکابر و اصاغر دونوں بہت محتاط تھے۔ القاب حال و احوال اور حقائق کے تناظر میں دیئے جاتے تھے۔ لیکن بعض شخصیات ایسی بھی ہوتیں جو اپنے القاب و آداب سے بھی بالاتر ہوتیں۔ حضور مجاہد ملت کے عہد میں تارکین، مناظرین اور سالکین کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ یہ تعداد بھی علمائے حال و قال کے افاداتِ عالیہ میں ملتی ہے۔ حضور مجاہد ملت کا ان تارکین، مناظرین اور سالکین میں مقام و مرتبہ جداگانہ تھا۔ ان کی کشکولِ گدائی میں تاجِ شاہی کے انبار لگے رہتے تھے۔ وہ انتہائی سادہ لباس تھے، لیکن ان کے سادگی کی رعنائیاں بلائیں لیا کرتی تھیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

وہ ریتیلی زمینوں پہ جنت کے محلّات بنایا کرتے تھے۔ عام لوگ دیکھتے اور دیکھ کر گذر جاتے تھے، لیکن جن کی نگاہیں باطن پہ ہوتیں، وہ اپنے عقیدت مندوں کا ہجوم ان کے پیچھے چھوڑ دیتے۔ اسی تناظر میں حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ آج چند کو تیرایا ہے، کل نہ جانے کتنوں کو تیرائیں گے۔ ان کے عہد نے ان کی عظمتوں کا بھرپور اظہار و اعلان کیا ہے۔ ہم نے ان کی عظمتوں کے تناظر میں کبھی ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی شخصیت کو ہم نے صرف عرس اور چادر، گاگر تک محدود کر دیا ہے۔ ہم سے ان کا مطالبہ چادر، گاگر کا نہیں ہے۔ وہ ہم سے کردار و عمل میں شفافیت چاہتے ہیں۔ وہ ہم سے دین و شریعت میں استقامت چاہتے ہیں اور وہ ہم سے مسلکِ اعلیٰ حضرت میں تصلب چاہتے ہیں۔ اگر ہم ان کے مطالبات پورے نہیں کرتے تو ہمارا دعویٰ محبت جھوٹا ہے۔ ان کی شخصیت بحر ذخار کی حیثیت رکھتی ہے، جو اس میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ مراد کو پہنچتا ہے۔ ان کی شخصیت کا ہر پہلو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ان کے سینے میں جو درد تھا، جو راز پنہاں تھے، انھیں اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت کرامت نواز، شرافت نواز اور وجاہت نواز تھے۔ ان کی حیات کی کوئی سانس ایسی نہیں ہے، جسے کرامت کا نام نہ دیا جاسکے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اتباعِ شریعت کے نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ادائے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ایسا بے غبار آئینہ تھے کہ اب ایسا آئینہ دکان آئینہ ساز میں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ انسان کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اس کا کوئی عمل میزانِ شریعت سے باہر نہ ہو۔ حضور مجاہد ملت عاملِ شریعت بھی تھے اور ناشر اصولِ شریعت بھی۔ ان کی زندگی کی ہر ادا کرامت تھی۔ ان کی ذات اہلِ باطن کے لیے چراغِ راہ تھی۔ اہلِ ظاہر تو ان کے ظاہری خدوخال ہی میں اُلجھ کر رہ گئے۔ ان کی ظاہری کرامات کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے۔ ذیل میں ان کی چند کرامات پیش کی جاتی ہیں۔

ماہانہ پاسبان الٰہ آباد شمارہ ۱۲ بابت ماہ مئی ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۷ پر علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کے قلم سے مجاہدِ ملّت مولانا حبیب الرحمٰن کے عنوان سے ایک مضمون تحریر ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون کو مرزا غالب کے اس شعر سے شروع فرمایا ہے۔ ؎

بنا کے فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

وہ بیان فرماتے ہیں کہ فقیروں کے لباس میں اس درویشِ کامل کو بہت سی نگاہوں نے دیکھا۔ مگر خال خال ہیں وہ لوگ جنھوں نے صحیح معنوں میں انہیں پہچانا ہو۔ میری نظر میں اس کے بہت سے علل واسباب ہیں۔ اس وقت مجاہدِ ملّت ہی کی روایت کو سپردِ قلم کرتا ہوں جو خود میری آپ بیتی سے متعلق ہے۔

برسہا برس سے میں فکر مند تھا کہ جس کسی کو بھی دیکھا جائے وہ کسی نہ کسی بشری کمزوری میں مبتلا ضرور نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جو قلب وجگر میں کانٹا بن کر چبھتا تھا مگر میرے پاس اس کا کوئی حل نہ تھا۔ دل چاہتا ہے کہ حضرت مجاہدِ ملّت کے جواب سے پیشتر اپنے سوال کی ہلکی سی تفصیل پیش کردوں۔ مثلاً آپ کی نظر میں بھی کتنے ایسے ہوں گے جن کی عبادت و

ریاضت اور زہد و تقویٰ پر آپ کو کوئی شبہہ نہیں مگر اسی کے ساتھ آپ نے کسی مجلس میں اس کو دیکھا تو وہ اپنی تعریف و توصیف میں مست و بے خود نظر آیا۔ جھوم جھوم کر اپنی تعریف کرا رہا ہے۔ ویسے ہی کسی دوسرے عابد کے یہاں پہنچے تو وہاں دوسروں کی مذمت اور برائی سے دل بہلا یا جارہا ہے اور کسی تیسرے زاہد کے یہاں پہنچے تو بغض وعناد اور کینہ پروری کی باتیں ہو رہی ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس جہاں کہیں جاتے ہیں کچھ ایسی ہی باتیں سنائی دیتی ہیں۔ جس سے دل و دماغ پر کچھ ایسے تاثرات پڑتے ہیں کہ اس پارسا کی ساری عبادت و ریاضت تو پیٹھ پیچھے رہ جاتی ہے اور اس کی بشری کمزوری سراپا عیب بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔

دل یہ چاہتا تھا کہ کبھی مجاہدِ ملّت کے حضور اس سوال کا حل دریافت کیا جائے۔ اتفاق دیکھیے کہ سلطان پور کی طرف سے واپس آیا اور حضرت دفترِ ''پاسبان'' میں موجود تھے حسبِ عادت و معمول میں حضرت کے پاؤں دبانے لگا نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس درمیان میں حضرت نے از خود فرمایا۔ بزرگوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ بزرگوں کی صحبت سے زیادہ مفید ہے۔ یہ سنتے ہی میرے کان کھڑے ہوئے اور پورے انہماک سے متوجہ ہو گیا۔ اتنا فرما کر حضرت خاموش ہو گئے مجبوراً میں نے عرض کیا کہ حضور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ بزرگوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ، بزرگوں کی صحبت سے زیادہ مفید ہے۔ تب حضرت مجاہدِ ملّت نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ بزرگوں کی سوانح حیات میں علی العموم ان کے کشف و کرامات وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے جس کو پڑھ کر ان کی طرف دل جھکتا ہے۔ لیکن بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے والا ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھتے ہوئے جب ان کی بشری لغزش یا بشری کمزوری کو دیکھ لیتا ہے تو اس کے دل میں تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل میں کوئی پھوڑا تھا جس کا ابھی آپریشن کر دیا گیا اور ساری آلائش باہر پھینک دی گئی۔ میں ہفتوں حیران رہا کہ یا اللہ! ابھی تو بات قلب کے گوشے میں تھی۔ ایک سوئی ہوئی خلش تھی جو کبھی کبھی دل کی دھڑکنوں میں جاگ اٹھتی تھی، ابھی کوئی حرف نوکِ زبان پر نہ آیا تھا کہ اس کا جواب مل گیا۔ مگر رفتہ رفتہ دل اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ اللہ

والوں کے قلوب آئینہ سے زیادہ صاف اور چاند سے زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ ۲۴؎

جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں حضور مجاہدِ ملّت منصبِ تدریس پر فائز تھے۔ کسی جلسے کے سلسلے میں شہر سے متصل دیہات اگّا میں جانا ہوا۔ درمیان میں ایک ندی بھی پڑتی تھی۔ رات میں موسلا دھار بارش ہوئی تمام علاقے جل تھل ہو گئے ندی بھر گئی صبح دیکھا گیا کہ تمام علاقے زیرِ آب ہیں۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ پانی اتر جانے پر واپسی کا قصد کیا جائے لیکن حضور مجاہدِ ملّت فوری واپسی کے خواہاں تھے تا کہ درس کا ناغہ نہ ہو کیونکہ آپ نے اپنے استاد حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ سے وعدہ کرلیا تھا۔ آپ کے ساتھ جامعہ کے چار طلبہ (شمس العلما مفتی) نظام الدین بلیاوی (مفتیٔ اعظم اڑیسہ) مولانا عبد القدوس بھدرکی، مولانا مسعود الحسن موضع اگّا، مراد آباد اور راقم الحروف (عبدالرب خان) شامل تھا۔

حضرت مولانا عبدالرب صاحب آگے بیان فرماتے ہیں کہ مجھ پر زمانۂ شاگردی سے حضور مجاہدِ ملّت کی نظرِ عنایت تھی لہٰذا میں نسبتاً بے تکلف تھا۔ واپسی کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس حالت میں جبکہ آس پاس کے علاقے زیرِ آب ہیں کیونکر واپسی ہوسکتی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے کچھ دیہاتیوں کو دکھایا جو گاؤں سے باہر اسی حالت میں جا رہے تھے۔ اس زمانے کے دیہاتی لوگ ایسے مواقع کے لیے بڑے سائز کے کدو، کنہڑے کو خشک کر کے رکھ لیتے تھے اور پانی میں اس کے سہارے بہتے تھے جیسے آج کل کے زمانے میں تیراکی سیکھنے والے ٹائر میں استعمال ہونے والے ٹیوب کی مدد لیتے ہیں۔ میں نے کہا ان کے پاس پانی میں بہنے کے لیے اسباب ہیں ہمارے پاس کیا سامان ہے۔ حضرت مجاہدِ ملّت نے فرمایا دیہاتی لوگ تو اپنی ضروریات کے لیے چلے جائیں اور ہم مولوی صاحبان دیکھتے رہ جائیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایک لڑکا میری انگلی پکڑ لے دوسرا اس کی تیسرا دوسرے کی اور چوتھا تیسرے کی اس طرح باہر نکل جائیں گے۔ میں نے کہا میں کسی لڑکے کی نہیں بلکہ براہِ راست آپ کی انگلی پکڑوں گا۔ بہر حال اس طرح حضرت شاگردوں کے ہمراہ جامعہ واپس آگئے

اور حسبِ معمول درس دیا۔ دن کے وقت صدر الا فاضل علیہ الرحمہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم تو حضرت کے ساتھ فلاں علاقے میں گئے تھے وہ تو نشیبی علاقہ ہے۔ موسلا دھار بارش کی وجہ سے زیرِ آب ہوگا واپس کیسے آئے۔ کہا حضرت قسمت تھی کہ واپس ہو گئے ورنہ حضور مجاہدِ ملّت نے تو ڈبو ہی دیا تھا۔ دریافت فرمایا کیا ہوا تھا کہا حضرت ہونا کیا تھا ہم لڑکوں کو لے کر پانی میں اتر گئے اور واپسی اختیار فرمائی۔ پہلے ٹخنوں تک پانی میں آئے پھر گھٹنوں تک پھر پاؤں کے نیچے زمین نہیں تھی پتہ نہیں کیا کیا پڑھتے ہوئے چلے آئے۔ یہ سن کر حضرت صدر الا فاضل علیہ الرحمہ آب دیدہ ہو گئے فرمایا آج تم چاروں کو ترایا ہے میدانِ حشر میں نہ جانے کتنے گنہگاروں کا بیڑا پار لگا دیں گے۔ ۲۵

ممبئ میں ایک غیر مقلد سے مناظرہ ٹھن گیا۔ شرائط مناظرہ طے کرنے حضور مجاہدِ ملّت اور راقم الحروف (عبدالرب مرادآبادی) اور دیگر دو تین آدمی گئے وہ غیر مقلد قریب ہی میں ایک دو منزلہ عمارت میں مقیم تھا وہاں شرائطِ مناظرہ طے ہوئے جب حضور مجاہدِ ملّت اپنے قافلہ سمیت واپس چلنے لگے تو غیر مقلد کہتا ہے کہ حبیب الرحمٰن! جس طرح اس وقت تمہارا پیٹ دیکھ رہا ہوں اسی طرح کل مناظرے میں تمہاری پیٹھ دیکھوں گا۔

حضور مجاہدِ ملّت نے مسکرا کر فرمایا کہ کل مناظرے میں تمہارا منھ ہی نہیں دیکھوں گا۔ مشیتِ الٰہی سے اسی رات اس غیر مقلد کا انتقال ہو گیا، یہ تھی غیبی نظر جو آپ کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں اہلِ دنیا اس سے نا آشنا تھے۔

حضرت مولانا عبدالرب صاحب مرادآبادی کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں، قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد میں میری نسبت کے سلسلے میں بات چلی اور کسی حد تک بات طے بھی ہو چکی تھی خود میری مرضی بھی یہیں کے لیے تھی لیکن حضرت نے فرمایا کہ ہم یہاں شادی نہیں کریں گے لڑکی والوں کی طرف سے کافی زور ڈالا گیا۔ مکان تک دینے کا وعدہ ہوا لیکن حضرت نے مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس سے بہتر خاندان میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں اور شادی وہاں نہ ہو کر ضلع باندہ میں حضرت نے طے کر دی اور باندہ میں میری شادی ہو گئی۔

دوسری طرف اس لڑکی کی بھی کسی دوسری جگہ شادی ہوگئی اسی سال لڑکی کا بچہ ہوا اور مشیتِ الٰہی کہ زچہ اور بچہ دونوں کا انتقال ہوگیا۔ ۲۶

اس واقعہ کے راوی بھی حضرت مولانا عبدالرب صاحب ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور مجاہد ملت دہلی سے حیدر آباد کے لیے سفر فرمارہے تھے۔ ایک سید صاحب حضرت کے ہمراہ تھے۔ اس زمانے میں ٹرین کا ریزرویشن ٹکٹ کمپیوٹرائزڈ نہیں ہوتا تھا بلکہ جس طرح آج بھی غیر معروف ریلوے اسٹیشن سے خاکی رنگ کا کارڈ ٹکٹ ملتا ہے، وہی ملتا تھا۔ البتہ ریزرویشن کے لیے اسی سائز کا سفید ٹکٹ بھی شامل کر دیا جاتا تھا۔ اصل ٹکٹ پر سفر کی تاریخ اور ٹرین نمبر درج کیا جاتا تھا جب کہ ریزرویشن ٹکٹ پر نام برتھ نمبر وغیرہ درج کیا جاتا تھا۔

اتفاق سے جب ٹی ٹی چیکنگ کے لیے آیا تو ہر چند کہ اس کی لسٹ میں نام ٹکٹ نمبر وغیرہ موجود تھا لیکن میرا ٹکٹ نہ ملا بڑی پشیمانی ہوئی اور ٹی ٹی کا لب ولہجہ جارحانہ سے گستاخانہ ہونے لگا۔ تب حضرت کو جلال آیا اور فرمایا ٹکٹ پوچھتے ہو تو یہ لو یہ کہہ کر صدری کے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا ٹکٹوں کا پورا گچھا نکال کر ٹی ٹی کے ہاتھ پر رکھ دیا ہر ٹکٹ کا نمبر یکساں تھا۔ ایک ہی نام، ایک ہی برتھ اور تاریخ درج تھی۔ یہ دیکھ کر ٹی ٹی مرعوب ہوا اور اپنے رویے کی معذرت چاہی۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت نے سید صاحب سے فرمایا کہ سیّد صاحب یہ آپ کی حرمت کے لیے تھا للہ اس کا تذکرہ دوسروں سے نہیں کیجیے گا۔ لہٰذا حضرت کی حیاتِ ظاہری میں یہ تذکرہ نہیں کیا۔

۱۹۷۳ء میں عید الفطر کے کچھ دنوں بعد حضرت اڑیسہ سے کلکتہ تشریف لائے۔ ممبئی میل براہِ الٰہ آباد سے ریزرویشن کرایا۔ حضرت کو حسبِ معمول الٰہ آباد میں بریک جرنی کر کے ۲/ ۳/ یوم کے بعد ممبئی جانا تھا۔ فرمایا اڑیسہ اور الٰہ آباد کے کچھ حاجی صاحبان حج کے لیے روانہ ہونے والے ہیں انہیں الوداع کہنے کے لیے ممبئی جاؤں گا۔ کلکتہ سے روانگی کے وقت میرے علم کے مطابق حضرت کے پاس بہت معمولی رقم تھی۔ حسبِ پروگرام حضرت الٰہ آباد میں قیام فرما کر ممبئی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس انگریزی سال میں دو بار ماہِ جنوری کے اوائل پھر

ماہِ دسمبر کی آخری تاریخوں میں حج ہوا تھا۔ ماہِ جنوری ۱۹۷۳ء میں حضرت حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دسمبر کے حج کا ہے۔ ممبئی پہنچ کر حضرت نے وہاں مقیم مریدین ومتوسلین سے فرمایا کہ میرے لیے بھی کوشش کرو کہ ایک اور حج کرلوں، سرکار کے روضۂ انور کی زیارت کرلوں (اس زمانے میں پانچ سال کی قید تھی کہ جو ایک بار حج کر چکا ہے۔ پانچ سال سے پہلے دوبارہ نہیں جاسکتا ہے) متعلقین نے تعمیلِ حکم کے مطابق کوشش شروع کردی لیکن یکے بعد دیگرے بحری جہاز روانہ ہوتے گئے حضرت کے لیے گنجائش نہیں نکل سکی متعلقین نے ناکامی کا اعتراف کرلیا بلکہ آخری جہاز نے بھی شام ۴ بجے لنگر اٹھا دیا۔ رات کے آٹھ بجے کے لگ بھگ پھر وہی جہاز جسے ساحل چھوڑے تقریباً ۴ گھنٹے بیت چکے تھے پھر لنگر انداز ہوا اور اعلان ہوا کہ آٹھ افراد کی مزید گنجائش ہے۔ متعلقین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی حضرت کے علاوہ ڈاکٹر مزمل حبیبی صاحب اور ان کی اہلیہ مرحومہ اور دیگر صاحبان جو حضرت علیہ الرحمہ کی ذات سے وابستہ تھے جن کے نام میری یادداشت میں اس وقت نہیں ہیں سوار ہوئے تب کہیں جا کر جہاز نے اپنا سفر شروع کیا۔ حضرت مولانا سیّد عبدالتواب حبیبی صاحب پکسراواں ضلع رائے بریلی کا بیان ہے کہ عارف باللہ حضرت دولہا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوٹوپی والے بابا کے نام سے مشہور تھے مجھ سے فرمایا کہ اس مرتبہ حضرت تشریف لائیں تو مجھے بھی ان سے مرید کرا دینا۔ دریافت کیا کیوں؟ فرمایا کہ پوچھوں گا کہ جہاز کا راستہ کیسے روکا جاتا ہے۔ کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا مولانا صاحب یہ تو ہوسکتا تھا کہ جہاز نہ جاتا لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ حضرت نہ جاتے۔ [۲۷]

شمس العلماء حضرت علامہ مفتی نظام الدین الٰہ آبادی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے حکم فرمایا کہ تم میرے ساتھ بند کی چلو وہاں جلسہ ہے تھوڑی دیر تقریر کر دینا۔ میں ہمیشہ نزلے کا مریض رہا چنانچہ ان دنوں نزلہ شباب پر تھا۔ میں نے اپنا حال ظاہر کیا حکم فرمایا نہیں تم کو چلنا ہے۔ میں خاموش ہوگیا اور حضرت کے ساتھ کفش برداری میں چل پڑا جب وہاں پہنچے تو جس کے یہاں جلسے کی تقریب تھی وہ ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تھے۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد مجھ کو مسلسل کھانسی آنے لگی اور آواز بیٹھ گئی۔ اب حضرت کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ میزبان کو بلایا اور فرمایا کہ میں ان کو تقریر کے لیے لایا تھا ان کا یہ حال ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ کیوں پریشان ہیں؟ یہ ابھی تقریر کریں گے، نہیں معلوم انہوں نے کیا دوا دی، مگر حضرت کی توجہ نے کچھ ایسا کام کیا کہ میری آواز کھل گئی دوا کا بہانہ رہا اور میں تقریر کے قابل ہوگیا۔ ۲۸؎

حضرت مولانا عبد الرشید صاحب اشرفی حضور مجاہدِ ملّت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں کہ جب میں جامعہ عربیہ سلطان پور میں پڑھتا تھا۔ ایک شب حضور مجاہدِ ملّت جامعہ عربیہ میں تشریف لائے اور ایک کمرے میں قیام پذیر ہوئے۔ رات کا اخیر حصہ تھا میں اپنی ضرورت کے لیے اٹھا حضور مجاہدِ ملّت کے کمرے کے پاس سے گذرا کمرے سے کچھ آواز آئی دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا میں نے جھانک کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ حضور مجاہدِ ملّت کا ہر عضو الگ الگ ہے اور ہر حصّے سے تسبیح کی آواز آرہی ہے اس حال کو دیکھ کر میں برداشت نہ کرسکا اور پلٹ کر بستر پر سوگیا۔

حضرت بیکل اتساہی کا بیان ہے کہ میں پہلی بار بالاسور اڑیسہ کے عرس میں حاضر ہوا تھا۔ حکم تھا حضور مجاہدِ ملّت علیہ الرحمہ کا۔ ممبئ کے ایک عظیم مشاعرے سے پہلے ہی میری آواز جانے کیسے گرفتہ ہوگئی تھی۔ ممبئ مشاعرے کے داعی شکیل بدایونی تھے۔ ممبئ ایک دن پہلے پہنچا تھا۔ مشاعرے میں پہنچنے سے کچھ گھنٹے قبل مجھے بولنا دشوار ہوگیا، معلوم نہیں کیا کھلا دیا گیا تھا۔ اچانک ایسا ہونا بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔ وہاں ڈاکٹروں نے دیکھا بھالا اور یہ تشخیص کی کہ مجھ کو کچھ کھلا دیا گیا ہے علاج کیجیے صرف گلا متاثر ہوگا۔ جسم کے اور کسی حصے پر کوئی اثر نہ ہوگا مگر علاج مہینوں کرنا ہوگا۔ میں دوا دارو لے کر گھر آگیا اور یہاں بھی لوگوں کو دکھایا مگر کسی طبیب ڈاکٹر کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، کوئی نہ کوئی گولی، مکسچر دے دیا جاتا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد حضور مجاہدِ ملّت کا حکم نامہ ملا کہ تجھے بالاسور عرس میں پہنچنا ہے۔ میں بلا عذر تاریخ عرس سے پہلے چل پڑا اور عرس میں حاضر ہوگیا۔ اسٹیج پر تقریریں زوردار ہورہی

تھیں نعت خواں نعتیں لہک لہک کر پڑھ رہے تھے۔ اور ایک میں تھا کہ دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا۔ حضور مجاہدِ ملّت نے سارا حال پوچھا اور کہا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں تم مداحِ رسولِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہو تمہاری آواز کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ چلو اسٹیج پر دعا کرائی جائے گی ان شاء اللہ آواز کھل جائے گی۔ میں حضور مجاہدِ ملّت کے ساتھ اسٹیج پر پہنچا تو حضور مجاہدِ ملّت نے اپنی صدری کی جیب سے سیاہ مرچیں نکالیں اور مجھے دیا کہ اسے چبا کر چوس لو۔ میں نے مرچیں چبائیں اور چوسنا شروع کیا میرے خیال سے پانچ دس منٹ ہوئے تھے کہ میرے گلے میں خراش سی محسوس ہوئی اور کھانسی جیسی آئی۔ بس کیا تھا آواز صاف سریلی ہوگئی۔ میں نے عقیدت سے اسٹیج پر نعتِ رسول پیش کی پھر مجاہدِ ملّت نے دیر تک دعائیں فرمائیں۔ اسی وقت حضور مجاہدِ ملّت نے اپنی ٹوپی اتار کر مجھے پہنا دی جسے اب تک تبرک کی طرح میں نے محفوظ رکھا ہے۔ ۲۹؎

جناب بیکل اتساہی صاحب ہی کا بیان ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ دھام نگر حضور مجاہدِ ملّت کی حویلی پر حاضر ہوا تو احاطے میں ایک کٹیا جس میں حضور قیام فرمایا کرتے تھے۔ اسی کٹیا کے فرش پر کھجوروں کی چٹائی پر میرا بھی قیام ہوا۔ گرمیوں کا زمانہ تھا کٹیا کے بغل میں ایک کنواں ہے جس کا پانی بے حد ٹھنڈا اور میٹھا ہے۔ وہیں حضور مجاہدِ ملّت کی عدم موجودگی میں ناشتہ ہوا۔ دوپہر کا کھانا جو کی روٹی اور کھجور کی چٹنی ملی۔ مجھے زندگی کا مزہ آ گیا۔ دوپہر کو جب آرام کرنے لگا تو کٹیا کے چھپر سے لپٹے ہوئے دو خطرناک سانپ برابر رینگتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ چٹائی پر کھٹملوں کا ہجوم تھا۔ اب نہ تو کھٹمل کوئی اپنی فطرت کے مطابق نقصان کر رہے ہیں اور نہ سانپ ہی کوئی ایذا پہنچا رہے ہیں صرف پہریدار کی طرح برابر ٹہل رہے ہیں اب مجھے مارے ڈر کے نیند نہیں آ رہی تھی کہاں آرام کرنے چلا تھا مگر آرام مجھ سے کوسوں دور تھا۔ حضرت دوپہر کے بعد تقریباً ۴ بجے تشریف لائے تو میں نے دست بوسی کی حضرت نے سینے سے لپٹا لیا اور پوچھا کہ آپ رئیس زادے ہیں بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں نے کہا حضرت مجھے بڑا آرام ملا مگر یہ کھٹمل اور سانپ ہی کو حکم تھا کہ پہرہ دیں حضرت مسکرائے اور کہا

کہ بھائی میں غریب آدمی میرے ہی سب ساتھی ہیں۔ پھر بولے شام میں آپ والدہ محترمہ کے مہمان ہوں گے۔ میں نے سوچا یہ بات کیا ہے کہ دو پہر میں حضرت کی مہمان نوازی سے میں نے بے حد لطف اٹھایا شام میں والدہ محترمہ کا مہمان ہونا بات سمجھ میں نہیں آئی۔ جب شام ہوئی اور عشائیہ کا وقت ہوا تو بعد نماز عشا حویلی میں لے جایا گیا جہاں دسترخوان شاہانہ تھا، ظروف نہایت قیمتی تھے کھانے میں مختلف انداز، انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ میں دیر تک فلسفے میں گم تھا کہ جس کا خاندان اتنا شاہانہ ہو وہ اپنی زندگی فقیرانہ گذار رہا ہو۔ یہی فقیر ہزاروں شاہوں کے تخت و تاج اپنی ٹھوکر پر رکھتا ہے اب میری عقیدت اور احساسات اور پختہ ہوگئے اور یقین مستحکم ہوگیا کہ میرے حضرت کا اتقا، توکل، بزرگی بہت نرالی اور عظیم ہے یہ عاشقِ رسول ایک ولی ہے جس کا احترام یقیناً لازمی ہے۔

جب میں کٹیا میں دو پہر کے وقت بیٹھا تھا تو احاطے میں سیمل کے کئی درختوں کو دیکھ کر اس کی روئی سے تکیہ بنوانے کو سوچا تھا۔ بعد میں یہ بات ذہن سے نکل گئی۔ مگر جب میں واپس ہو رہا تھا تو اسٹیشن پر چار تکیے بنے ہوئے حضور مجاہدِ ملّت نے اپنے ہاتھوں سے عطا کیے۔ یہ کشف و کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ بڑا خوش نصیب ہوگا جو حضور مجاہدِ ملّت کی شفقت ومحبت سے فیض یاب ہوا ہوگا۔ [۳۰]

شاعرِ اسلام جناب راز الہٰ آبادی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور مجاہدِ ملّت کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا اور آپ معرفت وحقیقت کی اس منزل پر فائز تھے جہاں سے مستقبل کے حالات کو مشاہدہ فرمالیا کرتے تھے۔

اڑیسہ کی سرحد جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں ایک شہر آباد ہے جس کا نام راج گانگ پور ہے۔ اس علاقے کے ایک جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ چونکہ لوگ آپ کی شکل وشباہت سے واقف نہیں تھے گاؤں پہنچنے پر لوگوں نے آپ کی سادگی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ کوئی مولوی صاحب ہیں۔ رات کے جلسے میں بہت سے علما مدعو تھے مگر کوئی نہ پہنچا میں بھی دوسرے دن اس گاؤں میں پہنچا تو سب سے پہلے حضرت کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے

بتایا کہ ابھی تک صدرِ جلسہ پہنچے ہی نہیں۔ جب میری نظر ایک کمرے پر پڑی جہاں کچھ سن رسیدہ حضرات موجود تھے میں اس کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت تشریف فرما ہیں جب میں قدم بوسی سے شرف یاب ہوا تو لوگوں نے پوچھا یہ کون حضرت ہیں؟ میں نے کہا یہی حضور مجاہدِ ملّت ہیں لوگوں نے عرض کیا ہم حضرت کی ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ جلسہ کے اختتام کے بعد رخصتی کے وقت لوگوں نے حضرت کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کیا آپ نے فرمایا یہ رقم کسی غریب کو دے دینا لوگوں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا ایسا کیجیے یہ رقم کسی غریب مسافر کی تجہیز و تکفین میں لگا دینا کچھ دنوں کے بعد اس گاؤں کے ایک عالم صاحب سے جمشید پور میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت کی رخصتی کے دوسرے ہی دن ایک مسافر کی لاش ملی اور حضرت کے نذرانے کو ہم لوگوں نے اس کے کفن دفن میں لگا دیا۔

اس واقعہ سے حضور مجاہدِ ملّت کی نگاہِ ولایت و کرامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ [۱۳]

حضور مجاہد ملت خوبی و کمالات کے جامع تھے۔ قدرت نے انھیں علم و عمل کا شاہکار بنایا تھا۔ جماعتی شیرازہ بندی میں انہوں نے جو رول ادا کیا ہے اس کی اب تک کوئی دوسری نظیر سامنے نہ آسکی ہے۔ انہوں نے زندگی برائے بندگی اور بندگی برائے رضائے الٰہی کا جو فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پریشان حال لوگ انھیں دیکھ کر اپنی پریشانی بھول جاتے تھے۔ وہ طبیب حاذق بھی تھے اور مسیحائے قوم و ملت بھی۔ وہ پیر طریقت بھی تھے اور رہبر شریعت بھی۔ وہ مناظر بھی تھے اور مناظر گر بھی۔ وہ خوبیوں اور کمالات کا جہان تھے۔ اپنے بزرگوں کی بارگاہ کے ادب نواز بھی تھے اور ادب ساز بھی۔ نسبتوں کے احترام کا ان کا جو اپنا انداز تھا وہ ان کے عہد کی دوسری شخصیات میں بہت کم ملتا ہے۔ عہدِ نو کو ان کی شخصیت سے پورے طور پر آشنا کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اسلاف بیزاری کی تحریک زوروں پر ہے۔ اسلاف بیزاری کے جذبے کو کچلنے کے لیے حضور مجاہد ملت کے کردار و عمل کو عام کرنا وقت کا جبری تقاضا ہے۔

کسی کی آنکھ میں آنسو دیکھنا حضور مجاہد ملت کو پسند نہ تھا جبکہ خود اکثر اشک بار رہا کرتے

تھے۔ تقریر ہو رہی ہے، جہاں آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا، آنکھیں برسنے لگتیں۔ آخری عمر میں اس عادت میں شدت آ گئی تھی۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کا عشق کامل ہوتا ہے۔ دنیا درد سے بھاگتی ہے، لیکن آپ کو درد میں لذت ملتی تھی۔ آپ ساری دنیا کا درد اپنے سینے میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ عزم و ہمت کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ مصائب کی آندھیاں ان سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی تھیں۔ جبر وظلم کے سامنے جھکنا اپنی غیرتِ عشق کی توہین سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اہلسنّت کے دلوں میں ان کی بے پناہ عظمت و محبت کا چراغ پورے آب وتاب کے ساتھ روشن ہے۔ آج قدم قدم پر اہلسنّت کو ان کی کمی کا احساس ہو رہا ہے۔ لیکن اپنے اہلِ عقیدت کو وہ اپنے مزار سے آواز دے رہے ہیں کہ تم مجھ سے خود کو دور نہ سمجھو۔ میرا مشن زندہ ہے۔ میرا مشن مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے۔ تم میرے مشن کو فروغ دو، میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا، تمہاری دستگیری کرتا رہوں گا، مصائب کی دھوپ سے تمہاری حفاظت کرتا رہوں گا۔ اور اگر تم نے میرے مشن کی صحیح ترجمانی کی تو حشر تک ہمارا تمہارا ساتھ رہے گا۔ بلکہ جنت میں بھی ہمارے رفیق رہو گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حضور مجاہد ملت کی بڑی وجاہت تھی ان کا عہد اہل علم، اہل فضل اور اہل کمال سے بھرا ہوا تھا۔ جس سمت نگاہ اٹھتی تھی اہل عشق وعرفان ہجوم کی شکل میں نظر آتے تھے اس ہجوم میں تحفظ تقدیس الوہیت، تحفظ عظمت رسالت اور فروغ حق وصداقت کے لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ جن مقاصد کے لیے آپ کا انتخاب ہوا تھا وہ مقاصد تا حیات آپ کے پیش نگاہ رہے۔ حق کی سربلندی اور باطل شکنی میں آپ کا رول کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ترویج حق وصداقت کی راہ میں آپ نے کبھی کسی کے روٹھنے کی پرواہ نہیں کی۔ آپ دنیا کے کسی حصے میں رہے اعلیٰ حضرت کے روضے کا گنبد و مینار لمحے بھر کے لیے آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ آپ تا حیات اعلیٰ حضرت اور حضور حجۃ الاسلام کے فیضان کی بارش میں نہاتے رہے۔ بریلی شریف کے احترام کا یہ عالم تھا کہ اسٹیشن پر گاڑی سے اترتے ہی برہنہ پا ہو جاتے، محلہ سوداگران میں جب

داخل ہوتے تو درودیوار کو بوسے دیتے، جنونِ عشق کی ایسی نظیریں کتابوں میں تو ملتی ہیں نگاہیں نہیں دیکھتیں۔ اپنے عاشق زار کو اعلیٰ حضرت نے بھی کبھی تنہا ہونے نہیں دیا جب بھی آپ کی کشتی بھنور میں آئی تو اعلیٰ حضرت کا کرم دستگیر بن گیا اگر آپ چاہتے تو اس حوالے سے ضخیم کتاب ترتیب دے سکتے تھے مگر باطل شکنی کے جنون نے دوسری طرف دیکھنے کا موقع نہیں دیا اعلیٰ حضرت کے کرم کی مدھم سی جھلک ذیل کے واقعے میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جناب مدثر حسین صاحب راوی ہیں ان سے خود حضور مجاہد ملت نے بیان فرمایا کہ اہل تشیع سے مناظرہ طے پایا تاریخ مقرر ہوگئی اور مجھے صدارت کی ذمہ داری سونپی گئی مجھے اپنے دلائل کے اثبات کے لیے جس کتاب کی ضرورت تھی وہ میرے پاس موجود نہ تھی ہر امکانی جگہ تلاش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ یہاں تک کہ بریلی شریف حاضر ہوا وہاں کے کتب خانے میں مذکورہ کتاب موجود نہ تھی مایوس ہوکر واپسی کے لیے بریلی اسٹیشن آیا وہاں مطلوبہ گاڑی لیٹ تھی لہٰذا پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ ایک ضعیف شخص قریب آئے اور کہا کہ مولانا صاحب میرے پاس کچھ پرانی مذہبی کتابیں ہیں ابھی تو ٹرین آنے میں دیر ہے اور میرا غریب خانہ پاس کی گلی میں ہے، لہٰذا آپ کتابوں کو دیکھ لیں ممکن ہے کوئی کتاب آپ کے مطلب کی ہو میں ان کے ساتھ ہولیا ان کے گھر میں بہت ساری کتابیں تھیں پہلی کتاب جو میں نے اٹھائی وہ وہی کتاب تھی جس کی مجھے تلاشش تھی لطف کی بات یہ ہے کہ اس پہ اعلیٰ حضرت کا تحریر کردہ غیر مطبوعہ حاشیہ بھی تھا طبیعت خوش ہوگئی ساری تکلیفیں دور ہوگئیں کتاب لیکر واپس ہوا پلیٹ فارم پر آکر خیال ہوا کہ ابھی تو ٹرین آنے میں کافی وقت ہے کچھ اور کتابیں دیکھ لیتا۔ پھر الٹے قدم لوٹے لیکن نہ اس گلی کا پتہ چلا اور نہ اس بوڑھے کا کوئی سراغ ملا فرمایا یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی۔ (تبلیغ سیرت مجاہد ملت نمبر، ص ۳۹۹)

حضور مجاہد ملت اپنی خصوصیات میں تنہا تھے۔ لیکن ان کے ساتھ پورا زمانہ تھا۔ آپ کا رُخ دیکھ کر عقیدت کا قبلہ بدلتا تھا۔ عوام کی بات تو چھوڑیے آپ کی عظمت و محبت کا چراغ تو آپ کے بڑوں کے دلوں میں بھی روشن تھا۔ آپ کے معاصر بھی آپ کو انتہائی تکریم کی نظروں سے

دیکھتے تھے۔ آپ کے رفقائے درس بھی آپ کی علمی، فنی اور روحانی فردیت کے قائل تھے۔ بڑا ہو یا چھوٹا، اکبر ہو یا اصغر، ہندی ہو یا پاکستانی، عربی ہو یا عجمی سب کے طاقِ دل میں آپ جلوہ طراز تھے۔ بلکہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بارگاہِ غوث الوریٰ میں بھی آپ کی پذیرائی تھی۔ حضرت الحاج اسحاق نوری لاہوری بارگاہِ رسالت میں آپ کی پذیرائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ادھر سعودی حکومت نے حضرت مجاہد ملت کو گرفتار کر کے بیرِ عثمانی جیل میں بند کر دیا۔ اُدھر مجھے خواب میں کچھ اس طرح زیارت ہوئی کہ آپ فوجی وردی میں ملبوس بارگاہِ مصطفیٰ میں سنہری جالیوں کے سامنے ایک وسیع وعریض دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ رنگ برنگ کے کھانے، قسما قسم مشروبات آپ کے سامنے ہیں۔ اس دسترخوان پر چار پانچ اور بزرگ بھی جلوہ افروز ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے دسترخوان سے اُٹھا اُٹھا کر عطا فرما رہے ہیں اور بعد از فراغت آپ ایک فوجی مجاہد کی حیثیت سے حضور کے مواجہہ کی طرف مارچ کرتے ہوئے سلوٹ سے سلامی دیتے ہوئے غائب ہو جاتے ہیں۔'' ۳۲؎

حضور مجاہد ملت کو اہلِ علم کی دنیا کس نگاہ سے دیکھتی تھی، ذیل میں ملاحظہ کریں:

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ

''فقیر پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ حضور مجاہد ملت قبلہ مدظلہ العالی کا کوئی قول و فعل ہرگز ہرگز اہلسنّت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ''جماعت کل ہند خاکسارانِ حق'' قائم کی ہے تو اس میں ان شاء اللہ تعالیٰ اہلِ سنّت ہی کا مفاد و فائدہ ہوگا۔''

حضور قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی

''میں نے زندگی بھر ایسا مردِ مجاہد نہیں دیکھا جو گستاخانِ رسول کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مشن کی تکمیل میں سرگرداں رہا ہو۔''

حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی قدس سرہٗ

''حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن قادری قدس سرہٗ العزیز اہلسنّت کی شمشیر برہنہ تھے۔ حق کہنے میں کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔ اپنا گوشت پوست کا ہاتھ بے دھڑک لوہے کے ہاتھ میں دیتے تھے۔ غیروں کی حکومت اور پھران کے سامنے اپنے عقائد بیان کرنے اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید فرمانے میں اپنے زمانے میں آپ وحید اور اپنی مثال آپ تھے۔ سیدنا غوثِ اعظم سے جو آپ کو عشق تھا یہ ان ہی کا حصہ تھا۔ جس نے آپ کو اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز حیثیت اور اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی مدینہ طیبہ سے محبت اور بقیع شریف کی طلب مومن کے دل کو تڑپا کر رکھ دیتی۔ اپنے مشائخ کی جس قدر تعظیم آپ فرماتے تھے کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ حضرت سیدی والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں آپ کا خاص مقام اور قدر و منزلت تھی۔''

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی علیہ الرحمہ

''ہمارا اور مولانا حبیب الرحمن کا یہ فرق ہے کہ ہم لوگ سب سے ڈرتے ہیں۔ خدا سے نہیں ڈرتے اور مولانا حبیب الرحمن کسی سے نہیں ڈرتے صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔'' ۳۳؎

صدر العلما حضرت سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی بڑے فخر کے ساتھ فرماتے تھے کہ لائے زمانہ میرے ساتھیوں کا جواب، پھر فرداً فرداً ہر ایک کا نام اور ان کی جلالتِ شان بتاتے مگر حضرت مجاہد ملت کا نام نہ لے کر صرف مجاہد ملت فرماتے، پھر آپ کا بڑے والہانہ انداز میں خصوصی ذکر فرماتے کہ ایک بڑا رئیس زادہ تھا مگر انداز فقیرانہ تھا۔ دل بڑا دردمند پایا تھا۔ ان سے میری دوستی تھی۔

فرماتے تھے کہ پورے نو برس کے عرصے میں صرف تین اسباق ناغہ ہوئے، وہ بھی مجاہد

ملت کی دوستی میں۔ وہ کہتے جیلانی آج کلکٹریٹ کا گھیراؤ کرنا ہے اور تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا اور کبھی کمشنری کا گھیراؤ کرتے اور دوستی کی وجہ سے کبھی کبھی مجھے بھی ساتھ دینا پڑتا تھا۔'' ۳۴؎

حضور امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین اشرفی قادری علیہ الرحمہ نے ایک بار حضور مجاہد ملت کی شدتِ اتباع (اتباعِ سنّت) کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ہمیشہ کھلی تہبند زیب تن فرماتے تھے اور جب اس موضوع کے فنی پہلوؤں پر گفتگو ہوتی تو آپ کا یہ سوال سب کو خاموش کر دیتا کہ سلی ہوئی تہبند زیب تن فرمانے کی کوئی سند عطا فرمائیں۔
(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۷۵)

حضور حافظِ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی

''حضور مجاہد ملت کو نیکی کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا یک بیک نیک ہو جائے مگر ان کی یہ خواہش عین سنّتِ رسول ہے۔'' ۳۵؎

حضرت مولانا مفتی سید شاہ محمد قائم چشتی قتیل داناپوری

''حضرت مجاہد ملت کی ذات دین و دنیا دونوں کی سنگم تھی۔''

شمس العلما حضرت مولانا مفتی نظام الدین حبیبی الہٰ آبادی

''حضرت مجاہد ملت کی پوری زندگی پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کی بلندی کا راز ذکر الٰہی میں ہی تھا، جس نے فنا فی اللہ و فنا فی الرسول کی منزل پر فائز کر دیا تھا۔

سرکار کلاں سید شاہ مختار اشرف اشرفی الجیلانی

''حضرت مجاہد ملت کی ذات ۔۔۔۔۔۔ اہل سنت و جماعت کی آبرو اور دین و دنیا کی رونق تھی۔''

شارح بخاری حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی

''حضرت مجاہد ملت جیسی جامع، عبقری شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ وہ دیکھنے میں ایک فرد تھے مگر اپنے اندر نہ جانے کتنی دنیا رکھتے تھے۔''

محدثِ کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ امجدی

''حضرت مجاہد ملت منقول و معقول کے متبحر عالم تھے۔ اگر چہ آپ نے ایک عرصے سے سلسلۂ تدریس کو خیر باد کہہ رکھا تھا، تاہم ہر موقع اور ہر محفل میں آپ کے علم کو مستحضر پایا گیا۔''

پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ

''حضرت مجاہد ملت ایک ایسی فقید المثال و نادرِ روزگار شخصیت کا نام ہے جس کی زندگی کے عام گوشوں میں ''انفرادیت'' ایسی کوٹ کوٹ کر بھری ہے جو اُن کے معاصرین اور ان کے درمیان خطِ فاصل کا کام کرتی ہے۔''

حضرت مولانا سید شاہ عزیز احمد ابوالعلائی

''حضرت مجاہدِ ملت کی حیاتِ برکات سے نہ جانے کتنی علمی وروحانی تاریخیں وابستہ ہیں آپ کے علمی وروحانی فیضان سے دنیائے اسلام ہمیشہ فیض یاب ہوتی رہے گی۔''

حضرت مولانا شبنم کمالی پوکھریروی

''حضرت مجاہد ملت صاحبِ علم تھے وہ بھی کوئی معمولی علم والے نہیں، علومِ فرنگیہ سے نفرت اور علومِ دینیہ کی بے انتہا محبت ہی نے ان کو بلند پایہ عالموں کی صف میں ایک ممتاز حیثیت عطا فرمائی۔''

حضرت مولانا ظفر الحسین قادری حامدی پوکھریروی

''حضرت مجاہد ملت کے عشق و عمل کی چادر پر کبھی کوئی داغ دھبّہ نہ دیکھا گیا۔ آپ تا حیات باطل قوتوں سے محاذ آرا رہے۔''

حضور مجاہد ملت مقبول خلائق تھے۔ ان کی مقبولیت کا دائرہ صرف عجم ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ عرب دنیا بھی ان کی مدّاح تھی۔ عرب دنیا میں بھی ان کی جرأت و ہمت، شرافت و نجابت اور صدق و صداقت کے چرچے تھے۔ عرب دنیا بھی ان کی حرارتِ عشق سے متاثر تھی۔ ان کی شخصیت پہ فقیری اور خدا دوستی کی تہیں اتنی گہری تھیں کہ تعریف و تعارف کا تسلسل

ان کے خیالات پہ اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ ان کی نگاہ ہمیشہ مقاصد پہ ہوتی تھی۔ ان کی مقبولیت اس بنیاد پر نہیں تھی کہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت تھی۔ دنیا کے امیر ترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ایک بڑا اسٹیٹ ان کی ملکیت میں تھا۔ ان کا جذبۂ سخاوت ہر وقت شباب پر ہوتا تھا۔ ان کا بابِ کرم ہر وقت کھلا رہتا تھا بلکہ ان کی مقبولیت وشہرت کی بنیادی وجہ ان کی خدا دوستی تھی۔ ان کی تمام مصروفیات اور جدوجہد کا محور ومرکز رضائے الٰہی تھا۔

ایک مرتبہ ہائی کورٹ کے جج نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ احباب نے جج کی خواہش کا آپ کے سامنے اظہار کیا۔ آپ ملاقات کے لیے تیار ہو گئے۔ جب چلنے کا وقت آیا تو احباب نے کہا کہ حضور! لباس تبدیل کرلیں، جج سے ملنا ہے۔ لباس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میں اسی لباس میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہوں، جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ احباب اصرار کرتے رہے مگر آپ کے فیصلے میں کوئی لچک نہیں آئی اور اسی لباس میں جج کے پاس تشریف لے گئے۔ عام لباس میں دیکھ کر جج بڑا متاثر ہوا اور آپ کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

حضور مجاہد ملت ہر طبقے میں مقبول تھے، چاہے وہ علما کا طبقہ ہو یا مشائخ کا۔ اہلِ دین کا طبقہ ہو یا اہلِ دنیا کا۔ اہلِ کروفر کا طبقہ ہو یا اہلِ زبان وقلم کا۔ آپ جہاں بیٹھ جاتے اہلِ عقیدت کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقے نے آپ کی دینی، ملّی اور شخصی وجاہت کا اعتراف کیا ہے۔ اس حوالے سے جہاں علما ومشائخ نے اپنی کشادہ قلبی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، وہیں دوسرے طبقاتِ حیات سے تعلق رکھنے والوں کے اعترافات بھی آپ کی کتب حیات میں بکثرت ملتے ہیں۔ ہم ذیل میں شعرا کے اعترافات پیش کرتے ہیں۔

بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی

عالمِ امر سے پیغامِ طرب آیا ہے — اِک مجاہد نے اڑیسہ میں جنم پایا ہے
اسکے قدموں کے تلے تخت بھی ہے تاج بھی ہے — زیر فرمان شہی راج بھی ہے تاج بھی ہے
وہ ہے اسلام کا دل، دل میں مدینہ اس کے — قوم کے غم میں نمکداں سر وسینہ اس کے
وہ شہِ خاک نشیں زینتِ محرابِ رسول — جس نے سکھلائے غلاموں کو سیاست کے اصول

زلزلے پڑ گئے باطل کے شبستانوں میں
اس نے نعرے جو لگائے کبھی زندانوں میں

حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن حبیبی

تجلی گاہِ باعظمت کا جس کو آسرا ہوتا
وہ انساں صاحبِ ثروت کے در کا کیوں گدا ہوتا
ترا جس پر کرم ہوتا وہ بندہ کیا سے کیا ہوتا
حقیقت فخر کرتی اور تصوف ہمنوا ہوتا
وہ اک ذاتِ عجب تھی کون جانے کون پہچانے
اگر پہچان لی ہوتی تو کوئی باصفا ہوتا
وہی مردِ مجاہد ہے کہ جس نے سر کو باطل کے
کچل کر رکھ دیا اس سے پریشاں وہ بھلا ہوتا
مصائب ہیں بہت لیکن کرم بھی ہے بڑا ورنہ
خمارؔ قادری کس طرح ایسا خوش نوا ہوتا

حضرت مولانا مفتی محمد اسلم بستوی

وہ پیشوائے طریقت وہ رہنمائے سلوک
وہ ایک ذرہ مگر کوہِ استقامت تھا
وہ ایک نقط مگر جوہرِ شرافت تھا
وہ ایک نقش، محبت کی جو علامت تھا
وہ ایک قطرہ مگر عزم کا سمندر تھا
نحیف جثہ مگر وہ جہاد پیکر تھا
بلند جس نے کیا تھا صداقتوں کا علم
رہِ وفا میں ہمیشہ رہا جو تیز قدم
وہ بے قرار کہ رگ رگ میں جس کی قوم کا درد
صلیبِ وقت پہ بن کر رہا جو مشق ستم
وہ خارزاروں میں دیوانہ وار پھرتا تھا
وہ دشتِ ظلم میں مردانہ وار پھرتا تھا
مگر جبیں پہ شکن تھی نہ لب پہ شکوہ تھا
رضائے مولیٰ پہ راضی رہے وہ بندہ تھا
دلوں میں آج بھی اس کا مقام روشن ہے
جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے
عمل پسند رہو اور ''خاکسارؔ'' بنو
حیاتِ نو کے لیے تم وفا شعار بنو

حضرت مولانا سیّد اولادِ رسول قدسیؔ

وہ میرے مرشدِ اعلیٰ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
دردِ دل کے وہ مداوا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
پھیلتا ان سے گیا مسلکِ اعلیٰ حضرت
چرخِ حق کے وہ ستارا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
حضرت حجۃ الاسلام کی آنکھوں کی ضیا
فیض یابِ شہِ والا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ہیں وہ ملّت کے مجاہد اسے سب نے مانا
رہروِ نقشِ صحابہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

حوصلہ علم، عمل، عشق، ولایت، حکمت — سامنے ان کے صف آرا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

حسن رضا اطہرؔ

نوکِ سناں پہ شانِ شہادت کہیں جسے — خنجر بکف مجاہد ملّت کہیں جسے
ہر وقت جس کے لب پہ ہے لبیک یا حسین — میدانِ کربلا کی شجاعت کہیں جسے
تبلیغِ دیں کی جس نے امامت قبول کی — ''میر یقیں'' امیرِ جماعت کہیں جسے
زندوں کو بھی جو ورطۂ حیرت میں ڈال دے — نظارۂ ادائے کرامت کہیں جسے
حامد رضا نے اپنے گلے سے لگا لیا — حامد رضا کا بازوئے ہمت کہیں جسے

حضرت مولانا نسیمؔ شاہجہاں پوری

بے ریا تھے مجاہد ملّت — باصفا تھے مجاہد ملّت
درحقیقت سفینۂ دیں کے — ناخدا تھے مجاہد ملّت
کیوں نہ کہہ دوں کہ رازِ فطرت سے — آشنا تھے مجاہد ملت
دامن آلودۂ ہوس نہ ہوا — پارسا تھے مجاہد ملّت
متقی، باعمل، نڈر، بیباک — حق نما تھے مجاہد ملّت

حضرت مولانا قاری محمد عثمان اوجؔ اعظمی

وقارِ اہلِ شریعت مجاہد ملّت — بہارِ باغِ طریقت مجاہد ملّت
امین رازِ حقیقت مجاہد ملّت — چراغ بزمِ ولایت مجاہد ملّت
نہ آسکی کبھی پائے ثبات میں لغزش — بلا کی تھی تری ہمت مجاہد ملّت
کہاں سے لائیں گے اہلِ سنن بدل تیرا — کہاں ملے گی وہ صحبت مجاہدِ ملّت
خلافِ دیں کسی سازش کا ہمنوا نہ ہوا — یہی تھی تیری سیاست مجاہد ملّت

حضرت مولانا ملک الظفر اکملؔ سہسرامی

وہ ذات جس کو شریعت کا پاسباں کہیے — نقیب دین و طریقت کا رازداں کہیے
وہ جس کو عشقِ رسالت کا نغمہ خواں کہیے — وہ ذات کلمۂ حق کی جسے زبان کہیے

ہر ایک بزم ہے سونی ہر انجمن خاموش — زمیں کی گود میں اِک آسماں ہوا روپوش
وہ جس نے عشق رسالت کی شمع روشن کی — لگادی حق کے لیے بازی اپنے تن من کی
وہ جس کے دم سے تھی توقیر اپنے گلشن کی — وہ جس نے نجد میں تحقیرِ رسمِ قدغن کی
وہ جس کا دامنِ دل، ہجرِ یار میں نم تھا — مجاز اور حقیقت کا ایک سنگم تھا
ہر ایک لمحہ جسے دینِ پاک کا غم تھا — کہ اس کے عشق کا اکملؔ عجیب عالم تھا

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

محبت سے، عقیدت سے، ادب سے اور قرینے سے — سب اپنی جھولیاں بھر لو مجاہد کے قرینے سے
فروغِ دین کی خاطر لٹاکر مایۂ ہستی — مجاہد سو رہا ہے اپنی تربت میں قرینے سے
رضا و حجۃ الاسلام کی نسبت کا کیا کہنا — اُبلتا نور کا دریا ہے گنبد اور زینے سے
نظر آتا ہے پل پل میں بریلی سے مدینے تک — جو اپنی آنکھیں ملتے ہیں تمہارے آستانے سے
وہابی، دیوبندی، صلح کلّی سر اٹھاتے ہیں — بچالو سنّیت کو تم ہو عباسی گھرانے سے

جناب احمد کمال، جمشید پور

صدائے حق، نقیب و وفا شعار تھا جو — طبیب روح کا، ملّت کا غم گسار تھا جو
فقیہ عصر، ولایت کا تاجدار تھا جو — کمالؔ اپنی جماعت کا افتخار تھا جو
میانِ رزم جسے تیغ برہنہ کہیے — صفا و صدق کا شفاف آئینہ کہیے
متاعِ لوح و قلم، دین کی قبا کہیے — حصارِ ظلمت باطل میں پرضیا کہیے
رہا زمانے میں جو میرِ کارواں بن کر — امینِ مہر و وفا، دیں کا پاسباں بن کر
زمینِ عدل و صداقت کا آسماں بن کر — نبی کے عشق و محبت کا رازداں بن کر
جو قید و بند کے لمحوں میں مسکرا کے جیا — ستم گروں کی نظر سے نظر ملا کے جیا
غمِ حبیب کلیجے سے جو لگا کے جیا — جو سنگِ سخت میں بھی راستہ بنا کے جیا

دیارِ نجد سے لوٹا تو سرخرو لوٹا
بچاکے اپنی جماعت کی آبرو لوٹا

حضرت مولانا محمد نذیر احمد نظیر نعیمی

رئیس جادۂ پاکاں مجاہد ملّت — فقیرِ کوچۂ عرفاں مجاہد ملّت
تمہارے نام کی ہیبت تمہاری ہستی سے — جنود نجد تھی لرزاں مجاہد ملّت
تمام عمر مصائب سے ہمکنار، رہے — اسیرِ گوشۂ زنداں مجاہد ملّت
سکون بخشیِ دل عاشقانِ صادق تھا — تمہارا روئے درخشاں مجاہد ملّت
چمک رہا ہے تصور کے دوش پر اب بھی — نظرؔ وہ عارض خنداں مجاہد ملّت

ترنم فیضی وارثی جمشید پوری

دہر میں عظمت انسان حبیب الرحمٰن — کتنی اونچی ہے تیری شان حبیب الرحمٰن
تو ہے معیارِ صداقت، تو ہے آوازۂ حق — جسم اسلام کی تو جان حبیب الرحمٰن
تیرا ہر ایک عمل پرتوِ فرمانِ رسول — تو ہے اللہ کی برہان حبیب الرحمٰن
شمع ایمان و یقیں کر کے فروزاں تو نے — کر دیا کتنوں پہ احسان حبیب الرحمٰن
اللہ اللہ وہ تیری سوز بھری تقریریں — وہ انوکھے ترے عنوان حبیب الرحمٰن
نقش ہے دل میں ابھی تک ترا اندازِ خطاب — واعظوں میں تھا تو سلطان حبیب الرحمٰن
علم و فن ایسا کہ ثانی نہیں کوئی تیرا — سادگی وہ کہ دل قربان حبیب الرحمٰن
بارہا مجھ کو نوازا ہے کرم سے اپنے — ہے ترنمؔ پہ بھی احسان حبیب الرحمٰن

حسان الہند حضرت بیکل اتساہی القادری، بلرام پور

ح حرمانِ تشنگانِ محبت کہیں جسے — حُسنِ کرم کہ حُسنِ طریقت کہیں جسے
ض ضبطِ خودی کا ضابطۂ راہِ بیخودی — ضربِ کلیم، ضیغمِ فطرت کہیں جسے
و واقف حدیث سرورِ ہر دو جہاں کا تھا — وقفِ اصول صاحب عظمت کہیں جسے
ر راضی ہر ایک حال میں وہ دھوپ ہو کہ چھاؤں — ایسا فقیر، شاہ طبیعت کہیں جسے
م مخدوم ما، مجاہد ملت کہیں جسے — معیارِ زندگی کی حقیقت کہیں جسے

ج جاوید علم و فضل، جہاں گیر لطف و فیض — جانِ بہار عشقِ رسالت کہیں جسے
ا اخلاق و احتیاط کا اِک پیکرِ شعور — احساسِ سنّیت کی وجاہت کہیں جسے
ھ ہے سادگی میں جس کے وسیلے سے بانکپن — ہر آن اِتّقا کی متانت کہیں جسے
د دیوانہ ایسا جس پہ امارت بھی تھی نثار — دستورِ زیست، فقر و قناعت کہیں جسے
م مخمور جام عشق شہنشاہِ دوجہاں — مست رضائے غوث فضیلت کہیں جسے
ل لب پہ ہمیشہ جس کے درود و سلام تھا — لاکھوں میں ایک لائقِ نسبت کہیں جسے
ت توقیر ملک فخر چمن زار قادری — تہذیب بزمِ صدر شریعت کہیں جسے

حضور مجاہد ملت وحیدِ عصر تھے۔ وحیدِ عصر اسے کہتے ہیں جس کا اپنے زمانے میں کوئی ثانی نہ ہو۔ آپ کے وحیدِ عصر ہونے کا علما و مشائخ اور اہلِ زبان وقلم نے اعتراف کیا ہے اور آج کی دنیا بھی آپ کے اس وصف کا اعتراف کرتی ہے۔ آپ کے وحید عصر ہونے کے بے شمار شواہد ہیں۔ آپ ایک عظیم ریاست کے مالک تھے۔ لیکن آپ نے پوری ریاست کو دین کی چوکھٹ پر قربان کر دیا۔ آپ نے رئیسانہ زندگی پہ فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی۔ یہاں فقیری سے مراد گداگری نہیں ہے بلکہ خدا پرستی ہے۔ یعنی حصول رضائے مولیٰ وہ آپ کی زندگی کا جلی اور بہت ہی نمایاں عنوان تھا۔ آپ نے رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی پوری ریاست قربان کر دی۔ مگر آپ کے رب کا آپ پر کچھ ایسا انعام ہوا کہ آپ جہاں ٹھوکر مار دیتے ریاست پیدا ہوجاتی۔ آپ کا یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی ماضی قریب میں کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

حضور مجاہد ملت اپنے ہر وصف میں وحیدِ عصر تھے۔ آپ کی حیات کا کوئی ورق ایسا نہیں ہے جو جہاد کے جذبے سے خالی ہو۔ آپ کی زندگی میں جہاد کی تمام صورتیں عملی شکل میں ملتی ہیں۔ قرآن واحادیث میں جہاد کی جو قسمیں ملتی ہیں ان میں نفس سے جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ جو شخص نفس سے جہاد میں کامیاب ہوگیا اس کے لیے جہاد کی دوسری تمام راہیں آسان ہوجاتی ہیں۔ نفس اگر زندہ ہے تو رضائے الٰہی کی راہ میں قدم قدم پر رُکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو شخص نفس سے جہاد میں کامیاب ہوجاتا ہے دنیا کی ہر شئے اس کی نظروں

میں بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے۔ نفس سے جہاد کے بعد انسان خدائی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے انسانی عقیدتیں اور ضرورتیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کسی طاقت سے وہ خوف زدہ نہیں ہوتا بلکہ ہر طاقت اس سے خوف زدہ رہتی ہے۔ حضور مجاہد ملت کے پاس مال سے جہاد کا بھی تجربہ تھا، جان سے جہاد کا بھی تجربہ تھا اور نفس سے جہاد کا بھی تجربہ تھا۔ آپ جہاد کی ہر راہ سے کامیابی کے ساتھ گذر چکے تھے۔ اس کے بے شمار شواہد ہیں جو کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ذیل میں صرف ایک مثال ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا شبنم کمالی صاحب لکھتے ہیں:

"جہاد کے بغیر مجاہد کا لقب حاصل کرنے والے لوگوں کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں۔ سرزمین ہند ایسے نام کے مجاہدین سے خالی نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں جو ان کے لقب کی صداقت پہ دلیل ہو۔ ہاں! صرف حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمن علیہ الرحمہ ہی کی ذات دورِ موجودہ کے ہندستان میں مجاہد ملت کہلانے کی مستحق نظر آتی ہے۔"

امر بالمعروف (بھلائیوں کے ساتھ حکم دینا) اور نہی عن المنکر (ناگوار باتوں سے روکنا) خیر اُمت کی علامت بتائی گئی ہے۔ پھر منکراتِ شریعہ (شریعت اسلامیہ نے جنھیں ناپسند اور ناگوار کہا ہے) کے خلاف جہاد کی تین صورتیں احادیث کریمہ میں بیان کی گئی ہیں۔ فعلی، قولی اور قلبی۔ اس پر درجۂ کمال و بہ درجۂ تمام صادق آنے والی ہستیاں عہدِ صحابہ و تابعین میں تو بہت سی دکھائی دیتی ہیں لیکن بعد کے عہدوں میں ان کا وجودِ مسعود خال خال ہی نظر آتا ہے۔ خصوصاً چودھویں صدی کا نصف آخر مجاہدانہ حق گوئی اور بے باکی کے اعتبار سے خالی ہے۔ خاص کر ہندستان کی سرزمین آزادیِ ہند کے بعد معاملاتِ دینیہ میں کوئی ایسی نظیر نہیں پیش کرتی۔

اس دور میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ایک ایسے ولی کامل کی تھی جو تاجدارِ روحانیت اور سلطانِ ولایت تھے۔ آپ کی خاموشی ہزاروں تقریروں پر بھاری تھی۔ ان کی حیثیت ایک ایسے روحانی بادشاہ کی تھی جن کے اشارۂ ابرو پر معرکہ ہائے نمایاں انجام

پاتے رہے۔ ان کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم لیکن ہر بادشاہ اور تاجدار کے لیے سپہ سالار اور کمانڈر اِن چیف کی ضرورت بھی ہوتی ہے جو میدانِ کارزار میں دشمنوں کے مقابلے میں کھل کر صف آرا ہو۔ حق گوئی، بے باکی اور دلیری جس کا شیوہ ہو۔ جو بذاتِ خود بھی مقامِ ظاہری و باطنی کی معرفت رکھتا ہو۔ بس یہی مثال حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی ہے کہ ہر معرکۂ حق و باطل میں وہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ کبھی عقائدِ باطلہ کے محاذ پر شیر کی طرح گرجتے ہوئے نظر آرہے ہیں تو کبھی عام مسلمانوں کے مفاد کی خاطر سیاستِ فاسدہ سے نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی ظالم حکمرانوں کے ظلم کو واضح کررہے ہیں اور کبھی حاکموں اور شہنشاہوں کو زجر و توبیخ کررہے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی ذمے داری صرف اپنی ذات پر لیتے ہیں تا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں پر مصیبت نہ آئے۔'' ۳۶

حضور مجاہد ملت انقلابی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تاحیات یہ کوشش رہی کہ دنیا کے ہر خطے میں انقلاب برپا ہوجائے۔ مذہبی انقلاب، مسلکی انقلاب اور سیاسی انقلاب۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ زمین کا ہر حصہ فساد سے پاک ہوجائے۔ اگر کسی پر ظلم ہوتا ہوا دیکھتے تو ان کی آنکھیں برسنے لگتیں۔ اگر زمین کا کوئی حصہ فساد کے شعلوں کی لپیٹ میں آجاتا تو انھیں ان شعلوں میں اپنا گھر جلتا ہوا محسوس ہوتا۔ ان کا سینہ انسانی درد کا ایک ایسا آتش فشاں تھا جو ہر وقت شعلہ زن رہتا۔ دنیا اس بات پہ حیرت کناں ہے کہ ایک خالص مذہبی رہنما کو حکومتِ وقت چین سے باہر دیکھنا کیوں پسند نہیں کرتی۔ انھوں نے مذہب اور سیاست دونوں کو بدعات و منکرات سے پاک کرنے کا اپنی آنکھوں میں خواب سجا رکھا تھا۔ ان کی پوری زندگی اپنے خواب کی تعبیر ڈھونڈنے میں گذری۔ ان کے پاس بہت بڑی دولت تھی، بہت بڑا خزانہ تھا۔ انھوں نے اپنی پوری دولت، اپنا سارا خزانہ، اپنے خواب کی تعبیر تلاش کرنے میں لٹا دیا۔ دین کے لیے دولت کو لٹانے میں وہ حضرت صدیق اکبر کے پَرتو تھے۔ وہ اسی فطرت پہ پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے عہدِ طفلی میں بھی غریب اور بے سہارا بچوں کے لیے اپنے طور پر لنگر کھول رکھا تھا۔ جیسے جیسے شعور میں بالیدگی آتی گئی، غربا پروری کے جذبے میں اضافہ ہوتا

رہا۔ ان کی حیات کا کوئی ورق غربا پروری کے جذبے سے خالی نظر نہیں آتا۔ ان کے زندگی گذارنے کے طریقوں پہ جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اسلام کا قرنِ اوّل یاد آجاتا ہے۔ ان کی حیات کی ہر سانس میں تجسس ہے۔ ان کی شخصیت کو سمجھنے کی ہم نے آج تک کوشش نہیں کی ہے۔ دنیا شخصیت میں کرامت ڈھونڈتی ہے۔ ان کی ذات سر سے پاؤں تک کرامت تھی۔ شاہانہ کروفر کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی کو قبول کرنا اور اسی پہ فخر کرنا کیا کرامت نہیں ہے؟ ان کی کتابِ حیات میں اس طرح کی کرامتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ دنیا سمندر کی موجوں پہ مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرنے ہی کو کرامت سمجھتی ہے۔ جبکہ سب سے بڑی کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ انہوں نے شریعت کے کسی اُصول کو اپنے عمل سے کبھی میلا ہونے نہیں دیا۔ شریعت کو مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنا یہی ان کا مقصودِ حیات تھا اور جب تک سانسوں کا سفر جاری رہا، وہ اپنی کوششوں میں مصروف رہے۔ ہمیشہ ان کے قریب مسائل کا ہجوم رہا۔ پھر بھی ان کی زبان پہ کبھی شکوہ نہیں دیکھا گیا۔ وہ اپنے سینے میں ساری دنیا کے درد کو سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے عقیدت مندوں کو ہمیشہ سربکف رہنے کی تلقین وتاکید کیا کرتے تھے۔ مسائل سے پر ان کے چند اوراقِ حیات ذیل میں ملاحظہ کریں:

ولادت باسعادت ۸/محرم الحرام ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء

وصالِ پُرملال والد ماجد ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۹/سال کی عمر میں آپ والد ماجد کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے۔

جب آپ کی عمر شریف ۱۸/سال کی ہوئی یعنی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں آپ شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا یہی سنِ وصال ہے۔ ۱۳۴۱ھ میں آپ کی اعلیٰ حضرت کے مزارِ پاک پر حاضری ہوئی اور رضوی نوازشات سے آپ نوازے گئے۔ اور اسی سال یعنی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں آپ حج بیت اللہ وحاضریِ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوئے۔

یہ آپ کا عہدِ طالب علمی تھا۔ حج بیت اللہ سے واپسی پر یعنی ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں

آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حصولِ علم کے لیے داخل ہوئے۔ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں آپ دو سال تک زیر تعلیم وتربیت رہے۔ پھر ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں آپ نے اجمیر معلیٰ کے لیے رخت سفر باندھا اور مدرسہ معینیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے میکدۂ علم وعرفان سے آپ نے خوب خوب بادہ کشی کی۔ حضور صدر الشریعہ نے آپ کو اتنا پلایا کہ علم کے میدان میں آپ یگانۂ روزگار ہو گئے۔ آپ کی علمی وفکری جہات کا آپ کے رفقائے درس نے بھی اعتراف کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے دین اسلام یعنی اہلِ سنت و جماعت کی سرفرازی کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا تھا۔ اور اپنے فیضانِ علم وعرفان سے مالا مال کرنے کی غرض سے ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۱ء میں آپ کو اپنی بارگاہ میں طلب فرمایا تھا۔ اور آپ کے جذبۂ دینی وسراپا سے اپنے جانشین حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی شاہ حامد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کو آگاہ فرمایا تھا۔ خانقاہِ رضویہ بریلی شریف میں دونوں شخصیات پہلی بار ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئیں۔ حضور حجۃ الاسلام نے آپ پر ایسی نگاہ ڈالی کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہی کے ہو کر رہ گئے۔ حضور حجۃ الاسلام نے آپ کو عشق وعرفان کی دولت سے کتنا دیا اور آپ نے کتنا لیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ اس مختصر سی تحریر میں اس کا احاطہ بہت مشکل ہے۔

حضور حجۃ الاسلام سے حضور مجاہد ملت کی پہلی ملاقات ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں حضور حجۃ الاسلام کی آپ پر جو نوازشات ہوئی تھیں، ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۰ء میں دھام نگر شریف میں آکر ان نوازشات کو سند کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ حضور حجۃ الاسلام نے آپ کو جو سند خلافت عطا کی ہے، اس میں آپ کی عظمتوں کا جس انداز میں اعتراف کیا ہے اسے ایک سنجیدہ قاری جب پڑھتا ہے تو ہر لفظ پر آنکھیں اشکوں سے وضو کرنے لگتی ہیں۔ حضور مجاہد ملت کو تو بہت ساری شخصیات نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن ان کی ذات میں پنہاں کمالات کی دنیا کا صحیح عرفان صرف حضور حجۃ الاسلام کو ہوا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ رضوی بھٹی میں تپ کر ہی آپ کو کندن ہونا تھا۔ حامدی

عشق کی آگ میں جل کر حضور مجاہد ملت اتنا نکھر گئے کہ دنیا کی کوئی طاقت کبھی آپ کی کوئی قیمت نہ لگا سکی۔ حضور مجاہد ملت کے دل سے تا حیات یہی صدا نکلتی رہی کہ ؎

میری قیمت بھلا کون دے پائے گا
مجھ کو عظمت یہ حامد رضا سے ملی

حضور مجاہد ملت نے جب تعلیم و تربیت سے فراغت پائی تو آپ نے باضابطہ عملی میدان میں قدم رکھا۔ عملی زندگی کی ابتدا، ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء کے بعد ہوتی ہے۔ اس وقت جماعتی حالات اور ملی حالات دونوں انتہائی افسوس ناک تھے۔ ملک ابھی آزاد نہیں ہوا تھا۔ اہلِ وطن آزادی کے لیے کمربستہ ہو چکے تھے۔ انگریزی حکومت اپنے لیے مسلمانوں کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتی تھی۔ اس نے مسلمانوں کو آپس ہی میں اُلجھا دیا تھا۔ مسلم نما بہت ساری تحریکات کی حکومتِ وقت پشت پناہ تھی۔ تقدیس اُلوہیت اور عظمت رسالت سے اُلجھنا ان تحریکات کے ترجیحی مقاصد تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے عشقِ رسالت کا جو چراغ روشن کیا تھا حضور مجاہد ملت اسی چراغ کے تحفظ کے لیے میدان میں اُترے تھے، اس لیے باطل تحریکات کے ساتھ حکومت وقت کی بھی آپ پہ کڑی نظر تھی۔ ملک آزاد ہوا، حکومت تبدیل ہوئی لیکن آپ کی مشکلات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ مسلمانوں کے مسائل اور بھی پیچیدہ ہو گئے۔ صاحبِ ثروت طبقہ ہجرت کر گیا۔ جن کے پاس سفر کی سہولت نہیں تھی یا جن کے پاس زادِ سفر نہیں تھا وہ اپنی مٹی سے چمٹے رہے۔ مسلمانوں کو حکومت اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ رہی تھی۔ سیاست فاسدہ جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، وہ اپنی بقا کے لیے ہر اس کانٹے کو راستے سے ہٹا دیتی ہے، جو اس کے لیے کبھی دردِ سر بن سکتا ہے۔

حضور مجاہد ملت ظلم کہیں ہو کسی پر ہو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ظلم اور ظالم کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا۔ مظلوم کو جب تک انصاف نہیں مل جاتا آپ کو کسی کروٹ سکون نہیں ملتا تھا۔ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء میں آپ کی پہلی بار گرفتاری ہوئی۔ یہ گرفتاری پانی پر بے جا ٹیکس لگانے کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کی بنیاد پر ہوئی۔ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء میں

ہی مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں بحیثیت صدر مدرّس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء بریلی شریف میں آپ کی صدارت میں مناظرہ ہوا۔ مناظر محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی شاہ سردار احمد لائل پوری تھے۔ ۱۳۵۴ء/ ۱۹۳۵ء میں ہی عیسائی پادری عبد الحق سے الٰہ آباد میں مناظرہ کیا۔ عیسائی مناظر آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اس طرح فتح مبین کا سہرا آپ کے سر باندھا گیا۔ ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء آپ کے لیے غم و اندوہ کا سال رہا۔ یعنی حضور حجۃ الاسلام کی ظاہری رفاقت سے آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء بھی آپ کے لیے حادثاتی سال ثابت ہوا۔ یعنی حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ حج بیت اللہ کے لیے گھر سے نکلے تھے، بمبئی میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور اسی سال حضور صدر الافاضل حضرت علامہ مفتی سید شاہ نعیم الدین مراد آبادی بھی اس عالمِ ناپائیدار سے عالمِ جاودانی کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ حضور مجاہد ملت کے اساتذہ کی فہرست میں یہ دونوں شخصیات ہر اعتبار سے نمایاں تھیں۔ ان دونوں شخصیات کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کو کچھ کھو جانے کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ آپ کے دل میں بریلی کی محبت انڈیلنے میں مذکورہ دونوں شخصیات کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ عالمی پیمانے پر فکرِ رضا کی ترسیل میں حضور صدر الافاضل اور حضور صدر الشریعہ کی بے پناہ قربانیوں سے انکار بہت مشکل ہے۔ ربّ کائنات دونوں شخصیات کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے روحانی فیضان سے کشت سنّیت کو شادابی عطا فرمائے۔ آمین

حضور مجاہد ملت عزم و ارادے کے اعتبار سے پتھر کی چٹان سے بھی زیادہ سخت تھے۔ طوفانِ جور و جفا ان کے حوصلوں کو دیکھ کر اپنا رُخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے۔ مصائب کے ہجوم میں مسکرانا ان کی عادت تھی۔ دنیا ہواؤں کا رُخ دیکھ کر سمتِ سفر متعین کرتی ہے لیکن ہوائیں آپ کو دیکھ کر اپنا سمتِ سفر متعین کرتی تھیں۔ جب کسی کو معلوم ہو جائے کہ حکومت کے نمائندے اس کے تعاقب میں ہیں تو اس کے ہوش اُڑ جاتے ہیں اور وہ محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں ہوتا ہے، لیکن جب آپ کو خبر لگ جاتی کہ حکومت انھیں تلاش کر رہی ہے تو آپ محفوظ پناہ

گاہ سے باہر آجاتے۔ جو بات حق ہوتی آپ اس کا برملا اظہار و اعلان فرماتے۔ آپ چاہتے کہ حکومت کے خفیہ مقاصد طشت از بام ہو جائیں اور دنیا پہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ حبیب الرحمٰن کا احتجاج بے جا نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے قید و بند کی ایک طویل روئیداد ہے، جسے پڑھ کر پتھر دل کی آنکھیں بھی اشک آلود ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں آپ کے قید و بند کی اجمالی تصویریں ملاحظہ کریں۔

پہلی گرفتاری ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۴ء میں ہوئی، بھدرک جیل میں رکھا گیا۔

دوسری گرفتاری ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶ء دھام نگر شریف سے ہوئی اور بھدرک جیل میں رکھا گیا۔

تیسری گرفتاری ۱۳۷۵ھ-۱۹۵۶ء غازی پور جیل سے سلطان پور جیل

غالباً بھدرک جیل سے آپ کو غازی پور جیل منتقل کیا گیا ہوگا اور وہیں سلطان پور سے گرفتاری کا وارنٹ آ گیا ہوگا۔ پھر غازی پور جیل سے آپ کو سلطان پور جیل منتقل کیا گیا ہوگا۔ اس لیے اسے دوسری گرفتاری کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

چوتھی گرفتاری ۱۳۸۴ھ-۱۹۶۵ھ برہم پور جیل

پانچویں گرفتاری ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۲ء پکسرانواں، ضلع رائے بریلی

چھٹی گرفتاری ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵ء دھام نگر (بھدرک جیل)

ساتویں گرفتاری ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵ء النتی ضلع کٹک (بالیسر جیل)

آٹھویں گرفتاری ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء مدینہ منورہ بیئر علی جیل

حضور مجاہد ملت اپنی زندگی میں کل چھ مرتبہ حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے شادکام ہوئے۔ حج بیت اللہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلا حج ---۱۳۴۱ھ-۱۹۲۳ء

دوسرا حج --۱۳۷۴ھ-۱۹۵۵ء

تیسرا حج --۱۳۸۶ھ-۱۹۶۷ء

چوتھا حج --۱۳۹۳ھ-۱۹۷۳ء

پانچواں حج --- ۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۹ء

۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن اظہارِ حق کی بنیاد پر نجدی حکومت نے آپ کو حج سے روک دیا۔ اس سفر کی سرگذشت بے پناہ دل خراش ہے۔سعودی حکومت کی درندگی خود حضور مجاہد ملت نے مختلف مقامات پر بیان کی ہے آپ کا بیان مختصر ہے پھر بھی پڑھنے کے بعد آنکھیں برس جاتی ہیں نجدی درندگی پہ حضرت مولانا سیّد شمیم گوہر نے درد و کرب مین ڈوبا ہوا تبصرہ کیا ہے اس کے کچھ پیراگراف ذیل میں ملاحظہ کریں۔اس کی مزید تفصیلات کے لیے حضرت علامہ مفتی عاشق الرحمن صاحب حبیبی کی کتاب ''حضور مجاہد ملت کا حرفِ حقانیت'' اور دوسرے کتب ورسائل دیکھیے۔

چھٹا اور آخری حج ---۱۴۰۰ھ-۱۹۸۱ء

حضور مجاہد ملت کو غوثیت مآب سے بہت گہری وابستگی اور عقیدت تھی۔ ہم ان کی عقیدتوں کو لفظوں کا پیرہن نہیں دے سکتے۔غوثیت مآب سے ان کی عقیدت کو اس بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جب غوثیت مآب کی بارگاہ میں ان کی حاضری ہوتی تو غوثیہ لنگر سے کھانا لینے والے فقیروں کی لائن میں آپ کھڑے ہوجاتے۔اہلِ عقیدت عرض گذار ہوتے کہ حضور! آپ یہاں کھڑے نہ ہوں۔آپ اپنی قیام گاہ پہ جائیں۔ہم آپ کے لیے لنگر کا کھانا لے کر آجائیں گے۔اہلِ عقیدت کے اس سوال کا آپ جواب دیتے کہ غوثِ اعظم کی بارگاہ کے فقیروں میں اگر میرا نام آجاتا ہے تو میری نجات ہوجائے گی۔اہلِ عقیدت نے عرض کیا کہ حضور آپ کے وصال کے بعد آپ کا مزار تو بہت عالی شان بنے گا اور اس کے لیے بڑے پیمانے پر چندے کی ضرورت پڑے گی۔فرمایا کہ میرے مزار کی تعمیر چندے سے نہیں ہوگی۔میرا مزار غوثِ اعظم کے فیضان سے بنے گا اور یہی ہوا بھی۔تعمیر پہ خرچ ہونے والی ساری رقم ایک ہی شخص نے ادا کردی۔آپ کے مزارِ پاک کی تعمیر کی روئداد کچھ یوں ہے، ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ جناب ٹوپی والے بابا ماہم شریف کو حضور مجاہد ملّت سے بہت گہری عقیدت تھی۔دونوں ایک دوسرے سے بڑے بے تکلف بھی تھے۔عقیدت کا عالم یہ تھا کہ

حضور مجاہد ملّت کے وصال سے کچھ دیر پہلے دونوں شخصیات میں محبتانہ نوک جھونک بھی ہوئی۔
حضور مجاہد ملّت نے بابا سے فرمایا کہ میں جارہا ہوں۔ بابا نے عرض کیا میں آپ کو جانے نہیں دوں گا اس لیے کہ اگر مجھ سے پہلے آپ چلے جائیں گے تو میرا جنازے کون پڑھائے گا۔
حضور مجاہد ملّت نے فرمایا کہ اگر آپ پہلے جائیں گے تو میرے جنازہ کو کاندھا کون دے گا؟
جس وقت دونوں شخصیات کے درمیان یہ مکالمہ ہورہا تھا اس وقت حضور مجاہد ملّت کا سر ٹوپی والے بابا کی گود میں تھا۔ حضور مجاہد ملّت کا یہ بالکل آخری وقت تھا، دونوں شخصیات کے درمیان مکالمہ جاری رہا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی، اس کے بعد بابا نے فرمایا کہ لو کام ہوگیا۔
اس طرح بابا کی گود ہی میں آپ کی روح ہمیشہ کے لیے عالمِ بالا کے سفر پر روانہ ہوگئی۔
بہرحال ٹوپی والے بابا سے بہت سارے واقعات وابستہ ہیں، یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔

تعمیر مزار کے حوالے سے راوی کا بیان ہے کہ ایک پانچ رکنی وفد بابا کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے سربراہ حضرت علامہ مفتی عاشق الرحمٰن حبیبی جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد تھے اور جناب شوکت صاحب بھدوہی بنارس وفد کے پانچویں فرد تھے اور قضیہ انہی کا تھا۔ پہلے چار افراد بابا کے حجرے میں حاضر ہوئے۔ بابا نے ان چار افراد کو دیکھتے ہی فرمایا کہ پانچویں کو باہر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اسے بھی بلا لو۔ بابا نے ان سے آنے کا شانِ نزول دریافت کیا۔
حضرت علامہ مفتی عاشق الرحمٰن صاحب قادری حبیبی نے وفد کی قیادت کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ جناب شوکت صاحب ہیں، بھدوہی بنارس سے ان کا تعلق ہے اور آقائی حضور مجاہد ملّت کے ارادت مندوں میں ہیں۔ یہ ایک مشکل ترین کیس میں ماخوذ ہیں، ممکن ہے فیصلہ ان کے خلاف آجائے۔ ہم لوگ آپ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی بن کر آئے ہیں، اس کیس میں آپ کی مدد درکار ہے۔ اگر آپ کی توجہ نہ ہوئی تو ممکن ہے انھیں جیل جانا پڑے۔ بابا نے گفتگو کے آخر میں فرمایا کہ کیس میں یہ ماخوذ نہیں ہیں بلکہ شریک ہیں۔ بہرحال فیصلہ یہ ہوا کہ یہ اپنے پیر کا مزار بنوا دیں، کیس کا فیصلہ ان کے حق میں آجائے گا۔ اس طرح خالص شوکت صاحب کے تعاون سے مزار مجاہد ملّت کی تعمیر کے تمام مراحل طے ہوئے۔

ممبئ حضور مجاہد ملّت کا آنا جانا لگا رہتا تھا، چھ مرتبہ تو حج بیت اللہ ہی کی غرض سے حاضری ہوئی ہے۔ ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کے حوالے سے بھی آپ نے ممبئ کا متعدد بار سفر فرمایا ہے۔ ممبئ کی سرزمین پر ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا دفتر بھی تھا۔ آج ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' قزاقوں کے چنگل میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے، اور حضور مجاہد ملّت کے عقیدت مندوں سے فریاد کناں ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی کتابِ حیات کے بہت سارے اوراق ممبئ کے بعض افراد و شخصیات کے سینوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اگر ان اوراق کو سینوں سے نکال کر کتابی شکل دی جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہوسکتی ہے، اس پہلو پہ اب تک کسی عقیدت مند کی توجہ نہ ہوسکی ہے۔ راقم الحروف نے ایک بار سراجِ ملّت حضرت سیّد شاہ سراج اظہر صاحب قادری رضوی کے سامنے حضور مجاہد ملّت کا ذکر اس مقصد کے تحت کیا کہ ان کے سینے میں حضور مجاہد ملّت کی جو یادیں محفوظ ہیں وہ باہر آجائیں۔ حضور مجاہد ملّت کا ذکر سنتے ہی وہ آبدیدہ ہوگئے۔ ان کی آنکھیں اشکوں سے وضو کرنے لگیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مولانا ہم نے بہت ساری شخصیات کی زیارت کی ہے، ان کی صحبت پائی ہے اور ان کے کرم سے شادکام ہوئے ہیں، ان میں حضور مجاہد ملّت ہمیں کئی جہتوں سے ممتاز نظر آئے۔ ان کے جانے کے بعد کوئی دوسرا ان کا بدل اب تک نگاہوں نے دیکھا نہیں ہے۔ دین وشریعت کے تعلق سے ان کے جذبات، احساسات اور خیالات میں جو تقدس اور شفافیت تھی اس کی مثال سے ان کا پورا عہد خالی ہے۔ انہوں نے ایثار و قربانی کی جو تاریخ رقم کی ہے اسے بڑے پیمانے پر اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عہدِ نو اس کی روشنی میں سمت سفر متعین کرسکے۔ اسلاف بیزاری، مسلک فروشی اور اقربا پروری کے ماحول میں ان کی ذات چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عشق وعرفان کا وہ ایک ایسا چراغ تھے جس میں دھواں نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے لیے کبھی کسی منصب کی خواہش کا اظہار نہیں کیا، انہوں نے ہمیشہ زمین پر ہی بیٹھنا پسند کیا۔ بوریہ نشینی انہیں بہت زیادہ عزیز تھی۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا جو انداز تھا اسے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

بہت ساری شخصیات افق سنیت پر نمودار ہوئیں، زمین نے ان کے نقوشِ حیات کو اپنے

سینے میں ایسا جذب کیا کہ تلاشِ بسیار کے بعد بھی ہماری رسائی ان نقوش تک نہیں ہو پا رہی ہے، لیکن حضور مجاہد ملّت کی حیات کا ہر نقش اب بھی اتنا واضح اور روشن ہے کہ اسے آسانی کے ساتھ سمیٹا جا سکتا ہے۔ سمیٹنے والے افراد تو موجود ہیں، وہ اخلاقی عدم تعاون سے پیش رفت کے لیے قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہیں کرتے۔ کوئی بھی کام اشتراکِ عمل چاہتا ہے اور اشتراکِ عمل کے لیے ہمارا شعور بیدار نہیں ہے۔ اگر یہ شعور بیدار ہو جائے تو بہت سارے اہم کام بآسانی سرانجام پا سکتے ہیں۔

آپ کی خلوت وجلوت سے غوثِ اعظم کی محبت کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ اور یہ دولت بھی آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ سے ملی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے غوثِ اعظم کی محبت کا جس انداز میں اظہار واعلان فرمایا ہے تاریخ اسلامی میں اب تک اس کی کوئی دوسری نظیر سامنے نہ آسکی ہے۔ آپ کے منصبِ تجدید میں غوثِ اعظم کی بے غبار عقیدت کا نفاذ میں بھی شامل تھا۔ آپ نے نغمۂ غوثیت مآب اس انداز میں گنگنایا کہ غیر منقسم ہندستان کی ساری فضا غوث اعظم کی محبت میں نہانے لگی۔ ان کے نغمات عشق ملاحظہ کریں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا ترا ۔۔۔ اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ ترا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا ترا ۔۔۔ اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا ترا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ ترا ۔۔۔ شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتّا ترا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف ۔۔۔ کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا ترا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی غوثیت مآب سے عقیدت کے یہ اشارات ہیں۔ ان کی تالیفات وتصنیفات میں غوثیت مآب سے محبت اور ان کی بے غبار عظمت کا سمندر موجیں مارتا ہے۔ حضور مجاہد ملت نے اعلیٰ حضرت کے ان شہ پاروں کا بڑی گہرائی سے مطالعہ فرمایا تھا اور اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ غوثیت مآب میں رسائی کے جو اُصول بتائے ہیں آپ نے ان اُصولوں کو برتنے میں شدید قسم کے مجاہدات کیے تھے۔ ان مجاہدات کی برکتیں ان کی کتابِ حیات کے ہر ورق میں واضح انداز میں دکھائی دیتی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی بارگاہِ غوثیت مآب میں حاضری

پہلی حاضری: ۲۰؍ربیع الاول ۱۳۷۴ھ/ ۲۰؍نومبر ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔

دوسری حاضری: ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ / 1981ء میں ہوئی۔

حضور مجاہد ملت اپنے بڑوں کی بارگاہ میں بڑے باادب تھے۔ بڑے تو بہر حال بڑے تھے آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی چھوٹا آپ کی دست بوسی کرتا تو آپ اس کی بھی دست بوسی کر لیتے۔ یہ انداز عاجزانہ آپ اپنے ساتھ لے گئے۔ اب ایسی شخصیات کو نگاہیں دیکھنے کو ترستی ہیں۔ بڑوں نے چھوٹوں پہ دستِ شفقت رکھنا چھوڑ دیا تو چھوٹے ان کے احترام سے غافل ہو گئے۔ جس معاشرے میں بڑوں کا احترام نہیں ہوتا وہ معاشرہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ حال یہ ہو گیا ہے کہ چھوٹوں کا ایک ایسا دستہ تیار ہو گیا ہے جو باضابطہ اسلاف بیزاری کی تحریک چلا رہا ہے۔ اور بعض بڑے چھوٹوں کی اس تحریک کو رنگ و روغن فراہم کر رہے ہیں۔ ہم نے ''پیغامِ رضا'' کے مختلف شماروں میں اس جانب واضح اشارے کیے ہیں، لیکن حال یہ ہے کہ ع

کون سنتا ہے یہاں رازِ فغانِ درویش

یہی وجہ ہے کہ حالات دن بہ دن بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس آگ کو سلگانے میں جن لوگوں نے بارود فراہم کیا تھا، اب ان کا اپنا وجود اس آگ میں جلنے لگا ہے۔ اور ان کی بے چینی میں دن بدن اضافہ ہونے لگا ہے۔ کاش یہی احساس انھیں آگ لگانے سے پہلے ہو جاتا تو آج انھیں ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور جماعت اہلِ سنّت اتنے بڑے نقصان سے دوچار بھی نہ ہوتی۔ آزاد خیالی اور بے راہ روی کا یہ حال ہے کہ حضور تاج الشریعہ جیسی دانائے راز شخصیت بھی محفوظ نہ رہی۔ اس لیے جماعت کے حق میں جو لوگ مخلص ہیں وہ بلا کسی تاخیر آگے بڑھیں اور آوارہ ذہنوں کو ہمیشہ کے لیے کچل ڈالیں۔ تاکہ حضور مجاہد ملت جیسی پاکباز شخصیات نے جماعت کا جو شگفتہ اور پرسکون ماحول ہمیں عطا کیا تھا پھر وہی ماحول، وہی آب و ہوا اور وہی زمانہ لوٹ آئے۔

حضور مجاہد ملت کا زمانہ اہلِ علم، اہلِ فضل اور اہلِ کمال کا زمانہ تھا۔ بڑی بڑی قدآور

شخصیتیں جماعت میں موجود تھیں، جن کے نام ہی سے مخالفین پہ لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔ ان شخصیات میں چند کے اسماء ذیل میں پیش ہیں:

حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم ہند، حضور شاہ عبدالکافی، حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں، حضور صدر الافاضل، حضور محدثِ اعظم ہند، حضور ملک العلماء، حضور صدر الشریعہ، حضور برہانِ ملت حضور شیر بیشۂ اہلسنت، حضور امین شریعت اور حضور غزالی دوراں۔

مذکورہ شخصیات پہ پوری جماعت کو ناز تھا۔ ان میں بعض شخصیات کے دنیا سے چلے جانے کا غم تو پوری جماعت کو تھا لیکن حضور مجاہد ملت کو کچھ زیادہ ہی غم لاحق ہوا۔ اس لیے کہ ان میں آپ کے کچھ شفیق اساتذہ بھی ہیں۔ آپ کے مرشدانِ اجازت وخلافت بھی ہیں اور خود آپ کے مرشد بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت کی شادابی میں مذکورہ تمام شخصیات کی محنت وشفقت اور دعائیں شامل تھیں۔ حضور حجۃ الاسلام نے آپ کو آلاتِ حرب وضرب سے لیس فرما کر جو میدانِ جہاد میں اُتارا تھا، پھر آپ نے تاحیات ان آلاتِ حرب وضرب سے خود کو الگ نہیں کیا۔ لڑتے رہے، لڑتے لڑتے جب کبھی تکان محسوس ہوتی تو مذکورہ شخصیات میں بعض کی طرف دیکھتے، ان سے دعائیں لیتے پھر جہاد میں مصروف ہوجاتے۔ مذکورہ شخصیات کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کو تنہائی کا احساس ستانے لگا، لیکن آپ کے حوصلوں میں کسی طرح کا ضعف نہیں آیا۔ مذکورہ شخصیات میں بعض کا سنِ وصال ذیل میں پیش ہے:

حضرت مولانا شاہ عبدالکافی علیہ الرحمہ۔ مرشد گرامی ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۰ء

حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ۔ مرشدِ اجازت ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء

حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ ۔ مرشدِ اجازت ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء

حضرت صدر الافاضل سید شاہ نعیم الدین مرادآبادی۔ استاذ گرامی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

صدر الشریعہ حضرت شاہ حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ۔ استاذ گرامی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

حضور مجاہد ملت کی زندگی کی ہر سانس عبادت میں ڈھلی ہوئی تھی۔ انہوں نے دینی قدروں کے فروغ کے لیے گھر بار یہاں تک کہ وطن چھوڑ دیا تھا۔ ان کا وطن جانا مسافر کی

طرح ہوتا تھا۔ ویسے بھی ان کے اکثر اوقات سفر میں گذرتے تھے۔ جماعتی وقار کی بحالی کے لیے ان کی صحرا نوردی شہرت رکھتی ہے۔ ان کی دینی تڑپ دیکھ کر پتھروں کی آنکھیں بھی برسنے لگتی تھیں۔ آپ اپنے جذبات و احساسات میں طاق تھے۔ طاق رہے اور اسی انداز میں ہی دنیا سے عالم بالا کا سفر اختیار فرمایا۔ دنیا ان کے ظاہر ہی پر مچلتی رہی۔ اگر ان کا باطن دیکھ لیتی تو دن رات ان کے عقیدت مندانہ طواف میں مصروف رہتی۔ جن کی رسائی ان کے باطن تک ہو گئی تھی، انہوں نے ان کی تصویر اپنے دل میں سجا رکھی تھی۔ خود درد ڈھونڈتے تھے اور اہلِ دنیا کو درد کی دوا بانٹتے تھے۔ ان کی مسیحائی کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ جبینوں کو ایسی زمین دینا چاہتے تھے جس سے سجدوں کا تقدس گرد آلود نہ ہو۔ وہ محبتوں کو ہر جہت سے بے غبار دیکھنے کے قائل تھے۔ آپ مومنین کے قلوب میں عشقِ رسالت کا اُجالا دیکھنا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے آپ تا حیات جد و جہد فرماتے رہے۔ آپ مسلمانوں کا ایک ایسا دستہ، ایک ایسی فوج تیار کرنا چاہتے تھے جو ملکی سطح پر بحالیِ امن کی پُر جوش جد و جہد کرتی رہے۔ اس فوج سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ بھی ہو اور ہنگامی حالات میں حکومتِ وقت کی معین و مددگار بھی ہو۔ آپ نے ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء ''کل ہند خاکسارانِ حق'' کی بنیاد رکھی۔

اگر کوئی عزم و حوصلے کو مجسّم دیکھنا چاہے تو حضور مجاہد ملت کو دیکھ سکتا ہے۔ زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا طوفان ان کے عزم و ارادے کو کبھی متاثر نہ کر سکا۔ قبر کی آغوش میں جانے تک ان کی ذات ملک و ملت کے لیے متحرک اور فعال رہی۔ جب انسان پہ ضعف طاری ہوتا ہے تو اسے تکان محسوس ہوتی ہے اور اس کی سوچ کی رفتار دھیمی ہو جاتی ہے۔ وہ قدم قدم پر سہارے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لیکن حضور مجاہد ملت نے عمر کی بالکل آخری منزل میں بھی کسی سے اپنے ضعف کی شکایت نہیں کی۔ ان کی ذات ہمیشہ پُر عزم رہی اور دوسروں کو حوصلہ دیتی رہی۔ ''تحریک خاکسارانِ حق'' کے حوالے سے ان کے حوصلے کیا تھے، اس تعلق سے ڈاکٹر شوکت علی صدیقی لکھتے ہیں:

> ''مجاہد ملت کی دور رس نگاہیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں کہ جو قوم پورے حوصلے کے ساتھ جینے کا سلیقہ نہ رکھتی ہو، دوسروں کے دُکھ درد کا احساس نہ کرتی

ہو اور خود اپنی جان، مال، عزت و آبرو کی مدافعت کا حوصلہ جو اس کا اخلاقی، سیاسی اور مذہبی حق ہے نہ رکھتی ہو ایسی قوم کے تابناک مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اسی لیے آپ نے ۱۹۷۲ء میں ایک اور فعال و متحرک ٹیم عسکری تنظیم کو وجود بخشا۔ جس کا نام ''تحریک خاکسارانِ حق'' ہے۔ آپ نے اسے ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کی کوشش کی اور یہ آپ کے اخلاق کا روشن ثبوت ہے کہ تحریک نے تھوڑے عرصہ میں ملک گیر پوزیشن حاصل کرلی۔ ''کل ہند خاکسارانِ حق'' میں علاوہ عوام کے ہزارہا سرگرم وکلا، دانشور، پروفیسر، ڈاکٹر اور سماجی قائدین بھی ہیں۔ اس تنظیم نے ظلم و ستم کے انسداد، امن و شانتی کے قیام اور ملک کے دینی اور ملّی جلسے، کانفرنسوں اور مختلف قومی تقریبات اور اعراسِ بزرگانِ دین میں اپنی رضا کارانہ خدمات سے اہلِ ملک کو کافی حد تک متوجہ کیا۔ غرض کہ ''تحریک خاکسارانِ حق'' کے سپاہی ہر موقع پر اپنی خدمات نذر کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ۳۷ ؎

''حضور مجاہد ملت کی ''تحریک خاکسارانِ حق'' سے متعلق کیا حوصلے، کیا ولولے تھے، اس کی ہر کس و ناکس کو خبر نہیں۔ اگر حضور مجاہد ملت کے متعین کردہ ضوابط کے مطابق خاکسارانِ حق کے اعلیٰ عہدہ داران سرگرم عمل ہوئے تو وہ دن دور نہیں جب تحریک کے مثبت نتائج ملک و قوم کو نصیب ہوں گے۔ اور پورا ملک امن و شانتی کا گہوارہ بن کر اُبھرے گا اور قوم کا ہر فرد ٹھنڈی سانس لے کر چین و سکون کی زندگی بسر کرے گا۔''

''تحریک خاکسارانِ حق'' دینی، ملّی، سیاسی اور عالمی امن کے لیے قائم کی گئی تھی۔ اس تحریک میں شمولیت کے لیے مذہب و مسلک کی کوئی قید نہیں تھی۔ ہر مذہب و مسلک کے ماننے والوں کے لیے اس کے دروازے کھلے تھے۔ ہر فرد کے لیے تحریک کے اُصول و ضوابط کی پابندی لازمی تھی۔ اس تحریک کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط پر زعمائے جماعت اور دانشورانِ قوم و ملت نے سنجیدگی سے غور و خوض کیا ہوتا اور اس کے فروغ و استحکام میں حصہ لیا ہوتا تو اس کے دور رس نتائج سامنے آتے اور باشندگانِ ملک عمومًا اور مسلم قوم

خصوصًا بہت سارے نقصانات سے بچ جاتی۔ ایک امن پسند معاشرے کی تعمیر کے لیے جن بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ایک امن پسند معاشرہ جن عناصر سے تشکیل پاتا ہے وہ سارے عناصر اس کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط میں موجود ہیں۔ ذیل میں تحریک کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط ملاحظہ کریں۔

اغراض و مقاصد:

(۱) تمام انسانی ضرورتوں کو خواہ وہ انسان کسی مذہب و ملت کا ہو، انسانیت کے ناطے حتی الوسع پورا کرنا اور سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، اخلاقی، صنعتی، تجارتی، اقتصادی اور ٹھوس تعمیری خدمت و حفاظت کرنا اور اس کے استحکام کی عملی جدوجہد کرنا۔

(۲) حقیقی جمہوریت کو عملی شکل دینے کے لیے اور پسماندہ اقوام کی ترقی کے لیے جدوجہد کرنا۔

(۳) انسانی بنیادوں پر ملّی مساوات قائم کر کے بے جا تعصّب اور نفرت ختم کرنا،

(۴) عالمی امن اور انسانی تحفظ کی خاطر ہمہ وقت جدوجہد اور ایثار و قربانی کے لیے مکمل تیار رہنا۔

(۵) شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ملک کے آئین اور حکومت کے تعمیری کاموں میں تعاون کرنا، غریب انسانوں کے درمیان غربت اور افلاس کو مٹانے اور خوش حال اور معاشی وسائل پیدا کرنے کے لیے محنت کو بنیاد بنا کر تعمیری منصوبہ بندی کے ذریعے یا امدادِ باہمی کی بنیاد پر صنعتی و تجارتی مرکز قائم کرنا۔

(۶) ملک کے جوان طبقہ کے اخلاق و کردار کو بلند اور ان کی جسمانی طاقت کو مستحکم بنانے نیز اطاعت گذار نظم پیدا کرنے کے لیے ایک صف میں کھڑا کر کے جسمانی ورزش کی ترغیب دینا۔

(۷) برائیوں کو روکنا اور بھلائیوں کو پھیلانا، مظلومین کی مدد کرنا، عبادت گاہوں کی اور مقبروں کی حفاظت کے لیے عملی جدوجہد کرنا۔

(۸) غیر مسلم خاکسارانِ حق کے سپاہی کو کبھی اسلامی عبادت پر مجبور نہیں کیا جائے گا البتہ جوا، شراب، بدکاری، بے حیائی خود ترک کرنے کی ترغیب دینے کی تاکید کرنا نیز اطاعتِ امیر لازمی ہوگی۔

کُل ہند تحریک خاکسارانِ حق کے بائیس ۲۲ اُصول

۱۔ خاکسارانِ حق کا مسلمان مجاہد یا معاون کسی اسلامی اُصول کی مخالفت نہ کرے گا،
۲۔ خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرے گا۔
۳۔ مجاہدانہ اور سپاہیانہ قابلیت پیدا کرے گا۔
۴۔ اپنے مقرر کردہ سالار کے حکم کو خواہ وہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو، بلا حیل وحجّت مانے۔
۵۔ خدا اور رسول جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ہر قربانی کے لیے تیار رہنا۔
۶۔ وقت کا پابند رہنا۔
۷۔ ہر کام میں خدا کا خوف پیشِ نظر رہے۔
۸۔ اپنے اندر روحانی جذبہ پیدا کرے۔ شیطانی ونفسانی خواہشات کو کچل دے۔
۹۔ بلا معاوضہ خدمتِ خلق کرے۔
۱۰۔ ارکانِ خمسہ اور تمام ضروریاتِ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے۔
۱۱۔ متعلقہ خدمات کی انجام دہی میں تمام ہی غفلتوں اور سُستیوں کو ترک کر کے خلق کی خدمت کے بلند مقاصد کے لیے قرآنِ کریم کی (متابعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّیت میں) احادیث نبوی سمجھ کر خاکسارانِ حق بیلچہ کا اوزار اپنے پاس رکھیں۔
۱۲۔ فوج کی طرح مارچ کرے اور سپاہیانہ قواعد (پریڈ) کرے۔
۱۳۔ خاکی وردی بنائے اور اس پر خادم کا سُرخ نشان لگائے۔
۱۴۔ تمام غفلتوں اور سستیوں کو دور کرے۔
۱۵۔ قوم کے ہر شخص کو مرکزی اجتماع میں عملاً شرکت کے لیے تیار کرے۔
۱۶۔ کمزور اور ہر ضرورت مند کی حتی الوسع مدد کرے۔
۱۷۔ ہر خاکسار آپس میں جب ملے فوجی انداز میں السلام علیکم کرے۔
۱۸۔ ملک کے امن وامان اور سلامتی سالمیت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا، ملک کے آئین کا لحاظ رکھتے ہوئے تعمیری کاموں میں حتی الوسع حکومت سے منصفانہ تعاون کرنا، غیر ملکی ظالمانہ حملے کے وقت متحد ہو کر ملک کا تحفّظ کرنا۔

۱۹۔ تمام مخرب اخلاق مثلاً جوا، شراب، بدکاری، بے حیائی، بے پردگی، جہیز کی کثرت اور دولہے کے مطالبات وغیرہ کے انسداد کی پوری کوشش کرنا۔

۲۰۔ غیر شرعی رسم و رواج جو مسلمانوں میں داخل ہو گئے ہیں، ان کی جگہ صحیح طریقۂ اسلامی کو رواج دینا۔

۲۱۔ تمام انسانوں میں یک جہتی پیدا کرنا۔

۲۲۔ حالاتِ دنیا کے ساتھ آخرت سے بھی باخبر رہنے کی کوشش کرے۔

خاکسارانِ حق کے کام اور ان کا طریقۂ عمل

۱: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔

۲: مخلوق کی خدمت کرنا اور اس کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

۳: خود نیک بننا اور دوسروں کو نیک بنانے کی کوشش کرنا۔

۴: اپنے سالار کے حکم کی اطاعت کرنا۔

۵: خاکسارانِ حق کے بکھرے ہوئے امن پسند افراد کو ایک اور نیک بنانے کے لیے ایک تنظیم میں جوڑنے کی کوشش کرنا۔

۶: سالار کے حکم کی اطاعت کی تعلیم دے کر ان میں سننے اور خلوص کے ساتھ کام کرنے کی عادت ڈالنا۔

۷: خدمت خلق کے ذریعے نسلی، طبقاتی، لسانی، بے جا نفرت کو دور کر کے یک جہتی پیدا کرنا۔

حضور مجاہد ملت نے ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں خانقاہِ حبیبیہ کی بنیاد رکھی۔

۱۳۹۴ء/ ۱۹۷۴ء میں حبیب المطابع کا اجرا فرمایا۔ ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء ہی میں آپ نے مکتبۃ الحبیب قائم فرمایا۔ آپ نے خود کو تاحیات انتہائی مصروف رکھا۔ اور یہ مصروفیت اپنے لیے نہیں تھی۔ اپنے لیے سوچنا آپ غیرتِ عشق کی توہین سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں دینی تقدس کی بحالی کے لیے آپ پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عشق و عرفان کا جو سورج دھام نگر شریف، اڑیسہ کی سرزمین سے طلوع ہوا

تھا ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں ممبئی کی سرزمین پر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ؎

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

حضور مجاہد ملت کی کتابِ حیات کا کوئی ورق چھپا نہیں ہے اور انہوں نے خود کو کبھی چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ان کی ذات سے وابستہ جو چیز دنیا کے لیے حیران کن ہے، وہ یہ کہ رئیسِ وقت ہوتے ہوئے فقیری کو کیوں قبول کیا؟ آخر رئیسی پہ فقیری کو ترجیح دینے کے اسباب کیا ہیں؟ اس حوالے سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن یہاں ساری داستان کو چند جملوں میں یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنی پھٹی ہوئی گدڑی سی رہے تھے۔ کسی آشنا کی آپ پہ نظر پڑ گئی۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر اسے افسوس ہوا۔ اس نے آپ سے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ اے ابراہیم یہ بتاؤ کہ تمہیں تخت حکومت چھوڑ کر کیا ملا؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا تم دیکھنا چاہتے ہو کہ تخت حکومت چھوڑ کر مجھے کیا ملا؟ اُس نے کہا ہاں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ جس سوئی سے آپ اپنی گدڑی سی رہے تھے، اسے دریا میں ڈال دیا۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لا کر مجھے دو۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مچھلیوں کی ایک بہت بڑی جماعت دریا کے کنارے آئی اور ہر مچھلی کے منہ میں سونے کی سوئی تھی، جو آپ کی طرف بڑھا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے سونے کی سوئی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے میری وہی لوہے کی سوئی چاہیے۔ پھر ایک مچھلی وہی سوئی لے کر حاضر ہوئی اور اسے آپ نے قبول کر لیا۔

حضور مجاہد ملت نے رئیسی کو کبھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ پھر بھی جب تک رئیسی ان سے اپنا رشتہ جوڑے رہی۔ وہ اپنے اسٹیٹ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے رہے۔ اہلیانِ اسٹیٹ آپ کو محمد حبیب الرحمٰن کے نام سے جانتے تھے۔ اور جب رئیسی کو آپ نے اپنے قدموں سے ٹھوکر ماردی تو آپ حقیقت میں محمد حبیب الرحمٰن ہو گئے۔ حرارتِ عشق نے آپ کی رفعت شان کو کائنات میں خوشبو کی طرح پھیلا دیا۔ پہلے جبراً عقیدت کی جبینیں خم

ہوتی تھیں لیکن اب عقیدت کی جبینیں آپ کے دیوار و در کا طواف کرنے لگیں۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کی بکثرت جہتیں ہیں اور ہر جہت مستقل ایک عنوان کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی ولادت ایک امیر ترین گھرانے میں ہوئی۔ دولت وثروت کے عشرت کدے میں آپ کی پرورش ہوئی۔ بے پناہ دولت وثروت کے آپ تنہا وارث و مالک تھے۔ عشرتوں کی بھیڑ میں درویشی کو آپ نے ترجیح دی۔ علما و مشائخ کے ہجوم میں آپ کے خصوصی امتیازات تھے۔ مفتیانِ عظام کی جماعت میں آپ کا جداگانہ مقام تھا۔ مناظرین کی صف میں آپ کی صدارت مسلّم تھی۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ میں وحید دہر تھے۔ عشق وعرفان کی بزم میں آپ کی حیثیت ماہِ کامل کی تھی۔ جرأت و بے باکی آپ کے خمیر میں شامل تھی۔ خود کو مصیبت میں ڈالنا اور دوسروں کو مصیبت سے بچانا، آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ علما نوازی اور غربا پروری آپ کو محبوب تھی۔ ظلم و جبر سے آپ کو شدید نفرت تھی۔ زہد و پارسائی آپ کی شناخت تھی۔ حکمت و دانائی آپ کی زینت تھی۔ فروغِ عشق رسالت آپ کا مقصدِ حیات تھا۔ اس طرح کے بکثرت عناوین آپ کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں جو تفتیش، تحقیق اور تشہیر کا تقاضا کرتے ہیں۔

علما و مشائخ اور اہلِ زبان وقلم نے اپنے اپنے طور پر مذکورہ خصوصیات کا اظہار واعتراف کیا ہے۔

ایک پودا مختلف مراحل سے گذرتا ہے تب جا کر اسے تناور درخت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک شخص کی تعمیر میں بھی مختلف افراد کی جد وجہد شامل ہوتی ہے، ایک انسان کا خود سے کچھ بن جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔، ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے، تب جا کر کوئی مفتی اعظم ہند پیدا ہوتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کی شخصی تعمیر میں گھر سے لیکر مکتب تک، مکتب سے لیکر اعلیٰ درسگاہوں تک اور اعلیٰ درس گاہوں سے لیکر خانقاہوں تک جو معماروں کا سلسلہ ہے اس میں وقت کی ایسی ایسی شخصیات شامل ہیں جن پہ علمی، درس گاہی اور خانقاہی دنیا ناز کرتی ہے ذیل میں اس کی جھلکیاں ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز اجمیری

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب

حضرت مولانا شفقت حسین مرادآبادی

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب

حضرت مولانا نجم الدین صاحب بہاری

حضرت مولانا شاہ ظہور حسام مانکپوری

حضرت مولانا عابد حسین صاحب

حضرت مولانا عبدالحی سرحدی

صدرالافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مرادآبادی

صدرالشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی

حضرت مولانا مفتی سید شاہ مصباح الحسن پھپھوند شریف

حضرت مولانا محمد منیر الدین ناروی

(حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت)

حضرت مولانا شاہ عبدالکافی علیہ الرحمہ الہ آبادی

ولادت: ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء وفات: ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۰ء

حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھہ شریف ولادت: ۱۲۶۶ھ/ وفات: ۱۳۵۵ھ

حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حامد رضا خان بریلوی

ولادت: ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء وفات: ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء

حضرت مولانا شاہ محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی قطب مدینہ

ولادت: ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۸ء وفات: ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء

حضرت مولانا مفتی سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی ولادت: ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۴ء وفات: ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

حضرت مولانا مفتی شاہ حکیم امجد علی اعظمی صدرالشریعہ ولادت: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء وفات: ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالقدیر بدایوں یولادت: ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۸۳ء وفات: ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء

حضرت مولانا مفتی سید شاہ مصباح الحسن پھپھوند شریف ولادت: ۱۳۰۴ھ وفات: ۱۳۸۳ھ
حضرت مولانا شاہ سعد اللہ مکی
حضرت مولانا شاہ ظہور حسام مانکپوری

(ماہنامہ اشرفیہ مجاہد ملت نمبر تبلیغ سیرت، دھام نگر)

حضور مجاہد ملت کے چند مشاہیر رفقائے درس جو آپ کی خلوت وجلوت کے امین بھی تھے اور مشاہد بھی۔ جن سے آپ نے زندگی کے سفر کا حوصلہ پایا اور جنہیں آپ سے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع ملے ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان ولادت: ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء وفات: ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء
حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی ولادت: ۱۳۱۸ھ/ ۱۳۰۰ء وفات: ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۲ء
حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مبارکپوری ولادت: ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء وفات: ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء
حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور ولادت: ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء وفات: ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء
حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مصنف قانون شریعت ولادت: وفات: ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۹۸ء
حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب اعظمی ولادت: وفات: ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء
حضرت علامہ محمد محسن صاحب، شافعی ولادت: ۱۳۰۶ھ/ ۱۹۰۸ء وفات:

انسان کی زندگی کا ایک خوبصورت دور ایسا بھی ہوتا ہے جس میں اس کی ذات تعمیری مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔ قدم قدم پر اسے سیکھنے، اپنے بڑوں سے تربیت پانے اور خود کو علم واخلاق کے زیور سے مزین کرنے کی دھن ہوتی ہے جب وہ تربیتی مراحل سے گزر جاتا ہے علم واخلاق کا تاج اس کے سر پر سجا دیا جاتا ہے اور اس کی شخصیت کو تکمیل کی سند دے دی جاتی ہے۔ تو ایک دور ایسا آتا ہے کہ اس نے جو اپنے بڑوں سے حاصل کیا ہے اسے بانٹنے اور پھیلانے کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس ضرورت کے لیے وہ اپنی مسند درس و تدریس، مسند فقہ وفتاویٰ اور مسند رشد و ہدایت آراستہ کرتا ہے چونکہ دولت تقسیم سے ختم ہوتی ہے لیکن علم بانٹنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ انسان کے مقاصد حیات میں بھی یہ

بات شامل ہے کہ خود سنورے اور دوسروں کو بھی سنوارے ۔حضور مجاہد ملت اپنے عہد کو سنوارنے کے لیے ہی پیدا ہوئے تھے۔ان کی کتاب زندگی میں ایسے مثبت شواہد ملتے ہیں ۔آپ تاحیات انسان سازی کے لیے جد و جہد کرتے رہے،آپ کی تعمیری شخصیت سے علم و عرفان اورفقہ وفتاویٰ کی جوکرنیں پھوٹی ہیں اس کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے۔آپ کی ذات سے جن پاکیزہ نفوس نے علم وعرفان،فقہ وفتاویٰ اورتعمیری تربیت پاکراپنے زمانے کوروشن ومنورکیا ہےان کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ذیل میں چندمشیرخلفاء وتلامذہ کےاسماءپیش ہیں۔

شمس العلماءمولانامحمدنظام الدین صاحب بلیاوی

حضرت مولاناعبدالرب صاحب مرادآبادی

شیربہارحضرت مفتی محمداسلم صاحب مظفرپوری

حضرت علامہ محمدعاشق الرحمٰن صاحب الہٰ آباد

حضرت علامہ مشتاق احمدنظامی صاحب الہٰ آباد

حضرت مولانامجیب الرحمٰن صاحب بھاگلپوری

حضرت مولاناسیدمقبول حسین صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد

حضرت مولاناغلام مصطفیٰ صاحب بھاگلپوری

حضرت مولاناعبدالقدوس صاحب مفتی اعظم اڑیسہ

حضرت مولانانعیم اللہ خانصاحب الہٰ آباد

حضرت مولانامعین الدین صاحب

خلفاء

حضرت مولاناظہورحسام صاحب مانکپوری علیہ الرحمہ

حضرت مولاناعبدالرب صاحب مرآبادی

حضرت مولانانظام الدین صاحب، بلیاوی

حضرت مولانانعیم اللہ خانصاحب

حضرت مولانا سید عباس علوی مکی صاحب
حضرت مولانا عبد التواب صاحب
حضرت مولانا قاری سید مقبول حسین صاحب حبیبی
حضرت قاری نعمت اللہ صاحب حبیبی
حضرت علامہ مفتی سید عبد القدوس صاحب مفتی اعظم اڑیسہ
حضرت شر بہار مفتی محمد اسلم رضوی صاحب مظفر پور
حضرت مولانا عاشق الرحمٰن صاحب الہ باد
حضرت مولانا محمد علی جناح صاحب بھدرک
حضرت مولانا وکیل الرحمٰن صاحب مظفر پوری
حضرت مولانا الحاج ظفر الحسین قادری پوکھریروی
حضرت مولانا محمد علی جناح صاحب حبیبی بھدرک
حضرت مولانا محمد ارشد علی اجمیری
حضرت مولانا سید عباس علوی مکی
حضرت مولانا محمد سلیم صاحب سلطان پوری
حضرت مولانا سید شمیم گوہر الہ آباد
حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی
حضرت مولانا محمد شمس عالم حبیبی
حضرت مولانا شاہ نور محمد صاحب

''حضور مجاہد ملت حیات و خدمات اور اعترافات'' اس عنوان پر اب تک باضابطہ کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری ہے۔ بعض رسائل و جرائد اور نمبرات میں اس موضوع پر گفتگو ملتی ہے لیکن اس کی حیثیت تمہیدی ہے۔ جبکہ یہ ایک مستقل عنوان ہے۔ ہماری یہ کوشش حرفِ آخر کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس میں تفصیل کی ابھی بہت گنجائش ہے۔ ہماری اس

کوشش کو زیادہ سے زیادہ ایک خوب صورت ابتدائیہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی کتاب کے حوالے سے قارئین کا فیصلہ اہم ہوتا ہے۔ لیکن اس دور کا المیہ یہ ہے کہ کتاب کو قارئین نہیں ملتے۔ ہاں حضور مجاہد ملت کے اہلِ عقیدت سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان کے عقیدت مندوں میں یہ کتاب پذیرائی حاصل کرے گی اور علم دوست حضرات سے بھی ہمیں بہتر سلوک کی اُمید ہے۔ کتاب کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو کافی اضافہ کے ساتھ قارئین کے ہاتھوں کی زینت ہے، اضافات کا اندازہ اس بات سے سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلا اور دوسرا ایڈیشن ۸۸ رصفحات پر مشتمل تھا اور زیر نظر ایڈیشن سات سو پچاس صفحات پر مشتمل ہے اس ایڈیشن میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے مطالعہ کے بعد قاری کے تجسس میں اضافہ ہو جائے گا اور اس کے جستجو کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ ہماری یہ حقیر کوشش آپ کی نگاہ میں اگر کسی لائق ہے تو اپنے قیمتی تاثرات لکھ بھیجیں۔ آپ کے تاثرات سے ہمارے حوصلوں کو توانائی ملے گی اور ہمارے اندر مزید سے مزید تر کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ کسی کی دینی، ملّی ااور علمی خدمات کا اعتراف خدمت دین ہی میں شامل ہے۔ رائے مثبت ہو یا منفی انشراحِ صدر کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

دُعاؤں کا طالب

ابوالعاکفؔ

محمد رحمت اللہ صدیقی

۱۷ ء ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ / ۷ رفروری ۲۰۱۵ء

کتابیات

۱۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۷۔۴۸

۲۔ نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر، ص ۱۲۲

۳۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۱۲

۴۔ نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر، ص ۶۷، ۶۸

۵۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۴۳، ۱۴۴

۶۔ میر حکمت در اردو، ج ۱، ص ۴۸

۷۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۶۳، ۱۶۴

۸۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۶۷، ۱۶۸

۹۔ نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر، ص ۱۷۳، ۱۷۴

۱۰۔ نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر، ص ۱۷۵ تا ۱۷۸

۱۱۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۸۱، ۱۸۲

۱۲۔ لمحہ لمحہ، ص ۶۹، ۷۰

۱۳۔ لمحہ لمحہ، ص ۹۷، ۹۸، ۹۹

۱۴۔ اخبار سیاست جدید، کانپور، مورخہ ۲۷/اگست ۱۹۸۰ء

۱۵۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۱

۱۶۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۶

۱۷۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۶۶، ۱۶۷

۱۸۔ حضور مجاہد ملت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت

۱۹۔ حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات، ص ۵۷

۲۰۔ طبقات الاولیاء امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی جلد اوّل مطبع مصر ص: ۱۳۱

۲۱۔ طبقاتِ کبریٰ ص: ۱۳
۲۲۔ بہجۃ الاسرار شریف امام اجل سیّدی ابوالحسن نورالدین علی بن جریر شطنوفی قدس سرہٗ مطبع مصر ص: ۳۹
۲۳۔ بہجۃ الاسرار شریف ص: ۴۰
۲۴۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸
۲۵۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۱۹، ۱۲۰
۲۶۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۱۹
۲۷۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۵۶، ۵۷
۲۸۔ ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۰
۲۹۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۲۴
۳۰۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۲۵
۳۱۔ ماہنامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر ، ص ۲۰۸
۳۲۔ تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۷۳
۳۳۔ تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۷۴
۳۴۔ تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۳۸
۳۵۔ تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۷۴
۳۶۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۵
۳۷۔ نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۷۰
۳۸۔ تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۴، ۴۵

محمد رحمت اللہ صدیقی

انتخاب اعلیٰ حضرت حضور مجاہد ملت

زبان پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے
بیاں لفظوں میں کرسکتا نہیں میں ان کی چاہت کو
وہ جب بھی یاد آتے ہیں تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں
بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہو دستور میخانہ

حضور مجاہد ملت کا دنیا کی عظیم شخصیات میں شمار ہوتا ہے، ان کے ہاں صرف دین تھا دنیا کا وہ تصوراتی خاکہ بالکل نہ تھا جو دین سے غافل کرنے کا سبب بن جائے، یادالٰہی، ذکر الٰہی اور فکر الٰہی ان کے جسم وروح کی محبوب ومرغوب غذا تھی، فسانہ شناسی انھیں پسند نہ تھی وہ حقیقت شناس تھے انھیں زمانہ سازی نہیں آتی تھی، وہ انسان ساز تھے، ان کے ہاں ریا، فریب اور دھوکہ نہ تھا، ان میں ماہیت تبدیل کرنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔

حضور مجاہد ملّت کی صحیح تصویر ہم لفظوں سے نہیں بنا سکتے۔ لفظوں سے جو ہم ان کی تصویر بناتے ہیں اس میں ہمارا علمی، فکری اور لسانی وزن ہوتا ہے، حضور مجاہد ملّت کا نہیں۔ ان کے علمی وزن کی تفہیم کے لیے علمی، فکری اور لسانی اعتبار سے ہمیں ان کا ہم وزن ہونا ہوگا۔ بعض جہات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کا ہم وزن ان کے عہد میں بھی نہیں تھا۔ برصغیر ہندو پاک کی تاریخ ان کے ہم وزن سے خالی ہے، بلکہ ان کے عہد میں پورے عالمِ اسلام میں ان

کا کوئی مثل نہ تھا۔ ان کی ذات پورے عالمِ اسلام میں طاق تھی۔ ان کی آنکھوں میں اشکوں کا سمندر تھا۔ جب عشق کی چنگاری بھڑکتی تو ان کی آنکھوں سے اشکوں کی نہریں جاری ہو جاتیں۔ مگر ان کے عشق کی آگ اشکوں کی نہریں بجھا نہیں پاتیں بلکہ اشکوں کے ساتھ عشق کی آگ اور تیز ہوتی چلی جاتی۔ جب بھی کوئی عشق کا ساز چھیڑتا، چاہے کسی زبان میں ہو اس ساز میں ان کا اپنا درد آئینہ ہو جاتا۔ ان کی طبیعت پھول کی پتی سے کہیں زیادہ لطیف تھی، مگر ظلم و جبر دیکھ کر ان کا پورا وجود فولاد بن جاتا۔ مذہبی اصولوں کے خلاف ظلم و جبر دیکھ کر ان کے جوشِ جنوں میں مزید شدت آجاتی۔ اس حوالے سے ان کے ہاں کبھی کوئی رعایت نہیں دیکھی گئی۔ جیل کی جبری سلاخیں بھی ان کے جوشِ جنوں کو متاثر نہ کر سکیں۔

حضور مجاہد ملّت کے وزن کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ حضرت اور حجۃ الاسلام کی ضرورت ہے۔ دونوں شخصیات کا وجود اب محالات سے ہے۔ حضرت امام بخاری کے بعد اعلیٰ حضرت سے زیادہ ذہین و فطین انسان اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور حجۃ الاسلام اعلیٰ حضرت کے جانشین تھے۔ اپنی خصوصیات میں ان کی ذات بھی طاق تھی۔ اعلیٰ حضرت اپنے عہد میں پوری دنیا کے اہلِ علم و تقویٰ کے امام تھے۔ ان کی امامت اور علمی قیادت کو اب تک کوئی ایسی طاقت پیدا نہ ہو سکی ہے جو چیلنج کر سکے۔ بلکہ اب تو ان کے علوم و فنون کو سمجھنے والے بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ ان کی تحقیقات کا ہر لفظ حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی تالیفات و تصنیفات کی شان یہ ہے کہ ان کی ہر کتاب کے ایک ورق سے اس دور کی ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت اسلاف کی روایتوں کے آخری نمائندہ تھے۔ ان کی تالیفات و تصنیفات میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کو بہتر انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ علوم سے بنے ہوئے انسان تھے۔ ان کی تحقیقات میں چاہے وہ کسی بھی فن میں ہو، کسی بھی زاویے سے ہو اس میں تشنگی نہیں ہے۔ جہاں امیدیں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں وہاں ان کی ذات نشانِ منزل بن جاتی ہے۔ وہ روشنی کا قطب مینار تھے، عشق کا تاج محل تھے اور انوار و تجلیات کا لال قلعہ تھے۔ تاریکیوں کے حصار میں گھری ہوئی امت کے لیے ان کی ذات آج بھی چراغِ

رہگزر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ امت کو آج ان کی زیادہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت متن تھے تو حضور حجۃ الاسلام اس متن کا خوبصورت اور غیر مبہم حاشیہ۔

جس اعلیٰ حضرت کا علمی دنیا اب تک جواب تلاش نہ کر سکی ہے، حضور مجاہد ملّت اس اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے۔ اور اعلیٰ حضرت کے جس حاشیے کی تفہیم میں علمی دنیا آج تک الجھی ہوئی ہے، حضور مجاہد ملّت اس حاشیے یعنی حضور حجۃ الاسلام کی مراد تھے۔ دستورِ زمانہ ہے کہ دنیا خلافت کے لیے مرشد کی دہلیز پہ حاضر ہوتی ہے، مگر حضور حجۃ الاسلام حضور مجاہد ملّت کو اجازت وخلافت سے سرفراز کرنے کے لیے حضور مجاہد ملّت کے گھر تشریف لاتے ہیں۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی جب ولادت ہوئی تو اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف میں تشریف فرما تھے۔ نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت کو حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ولادت کی بشارت دی۔ ان کا نام رکھا، مرید کیا اور کچھ امانتیں یہ کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے سپرد کیں کہ میں بریلی آؤں گا تو بچے کو دیکھوں گا اور اس کی بقیہ امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔ چھ ماہ کے بعد نور العارفین حضور نوری میاں بریلی شریف تشریف فرما ہوئے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کو اپنی آغوش میں لیا اور اپنی انگشت شہادت حضور مفتیٔ اعظم ہند کے دہن مبارک میں ڈال دی۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند حضور نوری میاں کی انگشت شہادت کو اس طرح چوسنے لگے جیسے بچہ شیر مادر کو چوستا ہے۔ تھوڑی دیر تک گود میں رکھنے کے بعد نور العارفین حضور نوری میاں نے حضور مفتیٔ اعظم ہند کو اعلیٰ حضرت کی گود میں ڈال دیا اور جو بقیہ امانتیں تھیں وہ یہ کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے سپرد کر دیں کہ بچہ جب ان امانتوں کا اہل ہو جائے تو اسے دے دیجیے گا۔ مرید ہونے اور خلافت کے لیے دنیا مارہرہ شریف حاضر ہوتی رہی ہے۔ میرے علم اور معلومات کی حد تک یہ پہلا واقعہ ہے کہ تاجدارِ مارہرہ ایک بچے کو مرید کرنے اور سند خلافت و اجازت سے نوازنے کے لیے بریلی شریف تشریف فرما ہوتے ہیں۔ نور العارفین حضور نوری میاں کے اس روایت شکن عمل سے حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بے پناہ عظمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

مشائخ بریلی شریف کی بھی ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ انھوں نے کسی کو سند خلافت سے

سرفراز کرنے کے لیے کبھی کوئی سفر کیا ہے۔ سفر میں دورانِ قیام کسی کی پیشانی کی چمک دیکھ کر سند خلافت سے سرفراز کر دینا یہ الگ بات ہے۔ مشائخ دہر کے ہاں اس طرح کی بکثرت روایتیں ملتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی بشارت کے بعد حضور حجۃ الاسلام کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا تھا، ہاں اضطراب کے زاویے بدل گئے تھے۔ پہلے تنہائی کا کرب تھا، اب خواب والے نوجوان کو پانے کی بے قراری تھی۔ جو بھی نوجوان چہرہ نگاہوں سے ٹکراتا، اسے بار بار سر سے پاؤں تک دیکھتے۔ آنکھوں میں محفوظ اور بسی ہوئی تصویر سے تصویر کو ملاتے۔ جب تصویریں نہیں ملتیں تو بے قراری سوا ہو جاتی۔ اسی عالمِ بے قراری میں اعلیٰ حضرت کا عرس سراپا قدس آجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے جلوؤں کی خیرات لوٹنے کے لیے حضور حجۃ الاسلام اعلیٰ حضرت کے درِ دولت پہ حاضر ہیں، آنکھوں میں جستجو کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ یک بیک مزارِ پُر انوار کے ایک گوشے میں نگاہ پھیل کر ایک نوجوان پہ ٹھہر جاتی ہے۔ نوجوان اپنے وجود کو سمیٹے ہوئے مقصودِ سفر کو پانے کے لیے سراپا التجا بنا ہوا ہے۔ دفعتاً اپنے قریب قدموں کی آہٹ محسوس کرتا ہے، اس کی محویت کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پلٹتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک چاندنی میں نہایا ہوا چہرہ اسے گھور رہا ہے۔ آنے والا بہت قریب ہو جاتا ہے، اتنا قریب کہ دونوں کو ایک دوسرے کی سانسوں کی خوشبو محسوس ہونے لگتی ہے۔ دونوں کی نگاہوں کے پیمانے سوالات سے بھرے ہوئے ہیں۔ حضور حجۃ الاسلام خواب کی ساری باتیں ایک ہی سانس میں نوجوان کے سامنے بیان کر دیتے ہیں۔ نوجوان کی طرف سے ہر سوال کا اثبات میں جواب پا کر دونوں ایک دوسرے سے اس طرح بغل گیر ہوتے ہیں جیسے مدتوں کے بچھڑے گلے ملے ہیں۔

حضور حجۃ الاسلام کی حضور مجاہد ملّت سے یہ اوّلین ملاقات ہے۔ حضور مجاہد ملّت اعلیٰ حضرت کے مہمان تھے اس لیے کہ اعلیٰ حضرت نے انھیں بلایا تھا۔ اعلیٰ حضرت جسے بلائیں اس کی عظمتوں کی پیمائش کے لیے ہمارے پاس پیمانہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک حضور مجاہد ملّت کی عظمتوں کے سمندر کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ دنیا ان کی سادگی اور

فقیرانہ رنگ و آہنگ میں الجھ کر رہ گئی۔ لوگ ان کی خاک نشینی کو دیکھتے تھے، ان کی عرش نشینی تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہو سکی۔ دین کی شوکتوں کی بحالی کے لیے اعلیٰ حضرت نے ان کا انتخاب فرما کر ان کی شخصیت کو ملک گیر ہی نہیں بلکہ عالمگیر بنا دیا اور حضور حجۃ الاسلام نے ان کو سینے سے لگا کر ان کی عالمگیری پہ مہر تصدیق ثبت کر کے انھیں زمین کی وسعتوں سے اُٹھا کر عرش نشین کر دیا۔

حضور مجاہد ملّت جب تک بریلی شریف میں قیام پذیر رہے حضور حجۃ الاسلام نے انھیں اپنی نظروں کے حصار میں رکھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ امیر ترین شہزادے تھے، وہ بہت بڑے رئیس تھے اور روٗفیہ اسٹیٹ کے تن تنہا مالک تھے۔ بلکہ اس لیے کہ ان میں دین وشریعت کے لیے اپنی متاعِ کائنات کو لٹا دینے کو جو جذبہ تھا، دین وشریعت کے لیے دریا کے اس پار اُتر کر کشتی میں آگ لگا دینے کا جو شوق فراواں تھا اور ان کے سینے میں عشق وعرفان کا جو آتش فشاں سلگ رہا تھا، اس عہد بے اماں میں اس کی دور دور تک نظیر نہ تھی۔ خاندانِ اعلیٰ حضرت کی یہ خصوصیت ہے کہ جس دل میں علم، عمل اور عشق کا بے غبار چراغ روشن ہوتا ہے اس کی ہر زاویے سے عزت افزائی کی جاتی ہے۔ تاریخ کے سینے میں اس کی بکثرت نظیریں ستاروں کی طرح دمک رہی ہیں اور حضور مجاہد ملّت تو اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے۔ اعلیٰ حضرت نے جس کو قریب کیا ہے ساری دنیا اس کے قریب ہو گئی ہے بلکہ دنیا اس کے قدموں میں سمٹ آئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی قربت کی یہ کرامت ہماری آنکھیں آج بھی دیکھتی ہیں۔ انتخاب اور قربت میں بہت فرق ہے۔ اعلیٰ حضرت نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے مگر ان کا حاشیہ موجود تھا۔ ان کے حاشیے پہ جو شخصیات تھیں ان کی کوئی دوسری نظیر پیش کرنے سے اب تک دنیا قاصر ہے۔ ان شخصیات سے حضور مجاہد ملّت کا مقابلہ مقصود ہے نہ موازنہ۔ شخصیتوں کے امتیازات ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے حاشیے کے امتیازات کو دنیا کی کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی۔ اعلیٰ حضرت کے حاشیے پر حضور مجاہد ملّت کے اساتذہ بھی ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کا انتخاب اس حاشیے کی حفاظت وصیانت کے لیے ہوا تھا۔ ملت کو بہت سارے خطرات درپیش تھے۔ ان خطرات سے نمٹنے کے لیے فولادی عزم کی ضرورت تھی اور حضور مجاہد ملّت اس فولادی عزم کے پیکر تھے۔

حضور مجاہد ملّت جب تک بریلی شریف میں قیام فرما رہے، حضور حجۃ الاسلام کے جلوؤں میں نہاتے رہے۔ اس چند روزہ قیام میں حضور حجۃ الاسلام نے حضور مجاہد ملّت کو کتنا نوازا الفاظ کے ذریعہ ہم اس کی کوئی حد متعین اور مقرر کرنے سے قاصر ہیں۔ اس حوالے سے حضور حجۃ الاسلام نے کچھ اشارات کیے ہیں۔ ان اشارات کی تشریح وتوضیح ہم اپنے طور پر کر سکتے ہیں۔ ان اشارات کی صحیح تشریح وتوضیح کے لیے حامدی علوم ومعارف کی ضرورت ہے۔

حضور حجۃ الاسلام چاہتے تو اس پہلی ملاقات ہی میں اپنی نوازشات وعنایات کے ابواب کی وضاحت کر دیتے۔ یہاں پینے اور پلانے کی ساری منزلیں آنکھوں ہی آنکھوں میں طے ہوئیں۔ تاریخ میں اس کی صراحتاً کنایتاً کوئی وضاحت نہیں ملتی ہے۔ ہمارا جماعتی مزاج کبھی حساس نہیں رہا۔ ہم بڑی شخصیات کو ان کی حیات میں وہ مقام نہیں دیتے جس کی وہ حقدار ہوتی ہیں۔ ان کے وصال کے بعد ہم ماتم کناں ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ بھی دیرپا نہیں ہوتا۔ ہماری شخصیت نوازی کا دائرہ جلسے جلوس تک محدود ہے۔ جلسے جلوس سے شخصیت کو دیرپا تحفظ نہیں ملتا۔ جلسے جلوس پانی کا بلبلہ ہوتے ہیں۔ ہواؤں کے ساتھ اپنا وجود کھو دیتے ہیں۔ ہم جلسے جلوس کے قطعی مخالف نہیں۔ اپنے وجود کا احساس دلانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے ریسرچ اور تحقیق سے شخصیات محفوظ ہوتی ہیں اور شخصیت کی قیمت متعین ہوتی ہے۔ دنیا کی کسی قوم میں اعلیٰ حضرت کا کوئی متبادل نہیں ملتا۔ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ہم میں جو بیداری ہونی چاہیے، ان کے وصال کے سو سال بعد بھی وہ بیداری نہیں آئی ہے۔ ان کی حیات کی ہر سانس تحفظ چاہتی ہے۔ اور اب تو ہم میں ایسے افراد بھی پیدا ہو رہے ہیں جو ان کی شخصیت کو تسلسل کے ساتھ نشانہ بنا رہے ہیں۔ یہ جماعتی اعتبار کو بے اثر کرنے کی مجرمانہ کوشش ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر مسعود صاحب گہر ریز ہیں:

> علمائے اہلِ سنّت میں ایک نیا رجحان جنم لے رہا ہے نہ جانے کیوں؟ وہ رجحان یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ہر بات کو حرفِ آخر نہ سمجھا جائے، تنقید کی چھوٹ دی جائے۔ بے شک دی جانی چاہیے مگر امام احمد رضا سے کوئی بلند تو ہو، بلند نہ

سہی برابر تو ہو، برابر نہ سہی اس قابل تو ہو جو ان کی بات سمجھ سکے اور ان کے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال سکے۔ ان کی شان تو یہ تھی کہ علمائے عرب و عجم ان کے در پر سوالی بن کر آئے۔ علماء کی کثیر جماعت نے ان کے سامنے اپنے استفتاء پیش کیے اور سیر حاصل جواب پا کر شاد ہوئے۔ ہم میں کون ایسا ہے؟ امام احمد رضا کا عظیم احسان ہے کہ انھوں نے ''فتاویٰ رضویہ'' کی صورت میں علمائے اہلِ سنّت کے لیے علم و دانش کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ ہم نے اب تک اسی کو نہیں پڑھا۔ پھر غیر ضروری مسائل پر غیر ضروری مباحث کی ضرورت؟ امام احمد رضا کے زمانے میں ان سے بڑا نہ سہی مگر ایک سے ایک بڑا عالم موجود تھا۔ علمائے اہلِ سنّت کی اکثریت امام احمد رضا کی بات کو حرفِ آخر سمجھتی تھی، اور اب بھی سمجھتی ہے۔ امام احمد رضا کو حرفِ تنقید بنانا، ان کی علمیت اور مجددیت کو موضوعِ سخن بنانا، رہے سہے فکری اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ یہ بڑی غیر دانشمندانہ بات ہوگی، اس رجحان سے جتنا بچا جائے اتنا ہی ہمارے لیے مفید ہوگا۔ اس رجحان کے محرکات علاقائی اور خانقاہی عصبیت بھی ہوسکتی ہے۔ خود نمائی کی خواہش اور خود پسندی کا جذبہ بھی ہوسکتا ہے۔

امام احمد رضا اتنے عظیم ہیں، ان سے اختلاف کرنے والا نیک نام نہیں بدنام ہوگا۔ دنیا اور آخرت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اپنے اکابر کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور امام احمد رضا کی فکر و دانش سے بھرپور استفادہ کرکے دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(رضا بک ریویو پٹنہ کا حجۃ الاسلام نمبر ص ۸۲، ۸۳۔ ۲۰۱۷ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے جس میکدۂ عشق و عرفان کی بنیاد رکھی تھی، اب حضور حجۃ الاسلام اس میکدے کے مہتمم، محافظ اور ساقی تھے۔ انھیں پینے اور

پلانے کا پورا پورا اختیار حاصل تھا۔ اس حوالے سے انھیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی اور خود ان کو ان کے مرشدانِ کرام نے اتنا پاورفل بنا دیا تھا کہ وہ زمین نشین کو لمحوں میں عرش نشین بنا دیا کرتے تھے۔ حضور مجاہد ملّت ان کی سانسوں کی خوشبو، ان کے بے قرار دل کا قرار اور ان کی جستجو تھے۔ اعلیٰ حضرت جب اپنے مرشد گرامی حضور سیّد شاہ آلِ رسول احمدی میاں کے حضور حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ آیئے مولانا صاحب میں بہت دنوں سے آپ کے انتظار میں تھا۔ حضور حجۃ الاسلام حضور مجاہد ملّت کے منتظر بھی تھے اور بے قرار بھی تھے۔ حضور مجاہد ملّت کی شخصیت خالی نہیں تھی وہ مختلف زاویے سے بھرے ہوئے تھے، مگر حامدی میکدے میں ان کا جو حصہ تھا اسے سب نے چھوڑ دیا تھا۔ حضور مجاہد ملّت کے مرشدان کرام جانتے تھے کہ یہ سونا حامدی بھٹی میں جا کر ہی کندن بنے گا۔ حضور مجاہد ملّت نے اعلیٰ حضرت کی حیاتِ ظاہری کا بھی اچھا خاص زمانہ پایا تھا۔ جس سال اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا، اسی سال حضور مجاہد ملّت حضرت علامہ عبد الکافی علیہ الرحمہ سے سہسرام کی سرزمین پر سلسلۂ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ اگر حضور مجاہد ملّت اعلیٰ حضرت کی حیاتِ ظاہری میں بریلی شریف حاضر ہوتے تو ان کا نام اعلیٰ حضرت کے مریدین، خلفاء اور مستفیدین میں بہت نمایاں ہوتا۔ حضور مجاہد ملّت اعلیٰ حضرت کی نگاہِ کرم سے کبھی اوجھل نہیں ہوئے۔ اعلیٰ حضرت چاہتے تو اپنی حیاتِ ظاہری میں بھی انھیں بریلی شریف طلب کر لیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ ان کی تربیت حامدی مکتب میں مقدر ہو چکی تھی۔ حضور مجاہد ملّت بریلی شریف کی سرزمین پر جب حجۃ الاسلام سے ملے اور دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے تو خانقاہِ رضویہ کے در و دیوار سے یہ صدا آنے لگی کہ دریا بدریا پیوست یعنی دریا دریا سے مل گیا۔ حضور مجاہد ملّت کے لیے یہ بہت بڑا حامدی انعام تھا۔ اس کا اظہار و اعلان نہیں ہوا، سلوک کی ساری منزلیں آنکھوں ہی آنکھوں میں طے ہوئیں۔ حضور حجۃ الاسلام نے حضور مجاہد ملّت کو بریلی شریف سے یہ کہتے ہوئے رخصت کیا کہ بسلامت روی و باز آئی۔ کون آیا؟ کس لیے آیا؟ اور کیوں چلا گیا، اس راز سے پردہ نہیں اُٹھ سکا۔

حضور حجۃ الاسلام کو مسائل کے ہجوم میں تنہائی ڈس رہی تھی۔ انھیں ایک سرفروش مجاہد کی ضرورت تھی۔ دردِ ملّت کی ٹیس میں جب بھی اضافہ ہوتا، آپ اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے دربارِ دُربار میں حاضر ہوتے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی روئدادِ غم بیان کردیتے۔ ایک روز عرض و معروض کرتے کرتے آنکھ لگ جاتی ہے، اعلیٰ حضرت جلوہ بار ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سامنے دیکھو۔ یہ نوجوان اڑیسہ کا رہنے والا ہے، حبیب الرحمٰن نام ہے۔ اپنے وقت کا زمیندار ہے، یہ سر سے پا تک قربانی کے جذبے سے سرشار ہے۔ کار گہہ حیات میں یہ قدم قدم پر تیرا رفیق ہوگا۔

قدرت اپنے جس بندے سے کام لینا چاہتی ہے، اسے ہر طرح کے معائب سے بچاتی ہے، اس کی اعلیٰ تربیت کے اسباب مہیا کرتی ہے اور اس کے لیے دلوں کو کشادہ کردیتی ہے۔ اس لیے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ کردار میں شفافیت چاہتی ہے، جو خود تاریکی میں ہوگا دوسروں کو روشنی نہیں دے سکتا اور اگر روشنی دے گا بھی تو وہ روشنی موثر نہیں ہوگی۔ موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔ مبلغین کی اکثریت قوم سے اپنی ہر سانس کی قیمت مانگتی ہے۔ اس جذبے کی تاریخی روایات سے نفی ہوتی ہے۔ کربلا کے میدان میں دین کے لیے صرف وقت ہی نہیں دیا گیا تھا بلکہ جانوں کی قربانیاں بھی پیش کی گئی تھیں۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جگر پاروں کے خون سے زمین کربلا سرخ ہوگئی تھی۔ دین کے ان جاں فروش سپاہیوں نے اپنی قربانیوں کی قوم سے کوئی قیمت نہیں مانگی۔ دورِ حاضر کے مبلغین و مصلحین کے لیے کربلا آزمائش کا معیار ہے۔

حضور مجاہد ملت یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کی عملی تفسیر تھے۔ حوادث سے اُلجھتے ہوئے مقاصد تک پہنچنا اُن کی فطرت تھی۔ ان کی ذات معمارِ سُنّیت بھی تھی اور شعارِ سنّت بھی۔ زمین پر بیٹھ کر افلاک کی وسعتوں میں ٹہلنا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔ آپ کی ذات جماعت اہلِ سنّت کے لیے انعامِ الٰہی بھی تھی اور اسرارِ الٰہی بھی آپ کی ذات میں بیک وقت صدیق و فاروق، عثمان و حیدر اور اصحاب مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے پناہ ایثار و

قربانی کے جلوے محسوس پیکر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ تجلیات عشق سے آپ کا سینہ منور تھا جہاں عشق وعرفان کے جلوے بکھرے ہوتے وہاں آپ سراپا نیاز بن جاتے۔ ناز و نیاز کے فلسفے سے آپ خوب واقف تھے۔ سجدۂ عبودیت سروں کا سجدہ اور سجدۂ عقیدت دلوں کا سجدہ دونوں کے تقاضے اور مطالبات ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعض حضرات پر جب عشق کا جنون حاوی ہوتا ہے تو ایک ظاہر بیں کو کبھی کبھی دونوں کا فرق مٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مگر آپ نے کبھی کسی ناظر کو ایسا محسوس ہونے نہیں دیا۔ جب کبھی ایسے لمحات آتے تو آپ کی زبان پر اعلیٰ حضرت کا یہ شعر رقص کرنے لگتا: ؎

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

حضور مجاہد ملت کی ذات خود سپردگی کی اس منزل پہ فائز تھی جہاں اچھے اچھوں کی رسائی بہت مشکل سے ہوتی ہے بندہ ہونے کا حق اس شخص کو حاصل نہیں ہے جو بندگی کے تقاضے اور اسکے اسرار سے فقیہانہ واقفیت نہ رکھتا ہو آپ کی کتاب حیات میں بندہ اور بندگی کے اسرار کی اٹھتی ہوئی لہروں کو دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کو آپ کے عہد نے نہیں سمجھا۔ آپ کو آپ کا عہد سمجھ لیتا تو برصغیر میں آج مسلمانوں کی تاریخ مختلف ہوتی۔ جس طرح ماضی میں آپ کے نقوشِ پا مینارۂ نور تھے، اسی طرح آج بھی ہیں۔ مگر آج کا معاشرہ آپ کے جذب دروں کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے حضور مجاہد ملت کو اقبال کا مرد مومن بھی کہا جاتا ہے۔ اور حق یہ ہے کے جن لوگوں نے کہا ہے ایک سو ایک فی صد سچ کہا ہے۔ حضور مجاہد ملت تا حیات قوم کی زبو حالی، مذہب و مسلک سے دوری مرکز اور مرکزی شعور سے ناواقفیت پہ اشک کناں تھے اور آج بھی ان کے مرقد پاک کی سمت کان لگایا جائے تو یہی آواز بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوگی کہ ؎

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
رہ گئی رسم ِاذاں روحِ بلالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں وہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب ِاوصاف حجازی نہ رہے

حضور مجاہد ملت کے مذہبی اضطراب کی آگ میں بڑی شدت تھی اور جب یہ شدت ضبط کی سرحدیں پار کر جاتیں تو اشکوں کی صورت میں بہنے لگتیں۔ آج کی قیادت آپ کے نقوشِ حیات کو رہنما بنا کر جماعتی مسائل کی بہت ساری پیچیدہ گتھیاں سلجھا سکتی ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام تر نقوش روشن ہیں لیکن ان نقوش کو اپنی حیات کا حصہ بنانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ آپ کی ذات تا حیات فانوس عشق و عرفان کی صورت میں روشن رہی۔ آپ نے جماعت اہلسنّت کو جو وقار و اعتبار بخشا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ باطل قوتیں آپ کے وجود سے ہراساں رہا کرتی تھیں۔ بلا ضرورتِ شرعیہ کسی بھی باطل قوت سے اشتراک عمل کے آپ سخت مخالف تھے۔ آج بعض حضرات بلا ضرورت شرعیہ باطل تحریکات سے اشتراک عمل کی تحریک چلا رہے ہیں ان کی نیت میں کھوٹ ہے وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر جماعتی مفادات کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔ باطل تحریکات سے اشتراک عمل کی تحریک چلانے کا حق اس کو حاصل ہے جس کی فکر و نظر کا پیمانہ حضور مجاہد ملت سے ملتا ہو۔ آپ کی شخصیت اپنے عہد میں کئی جہات سے ممتاز تھی۔ آپ کی شخصیت میں ملّی درد کو مجسّم دیکھا جا سکتا ہے۔ ملک و ملت کے حوالے سے آپ کے جذبات و خیالات میں جو پاکیزگی تھی وہ اب کہیں نظر نہیں آتی۔ آپ کا علم، آپ کا عمل اور آپ کا عشق تقلیدی تھا۔ حرارتِ عشق آپ کو ہر وقت بے چین کیے رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا بستر ہر وقت بندھا رہتا تھا۔ تا عمر آپ کی فقیرانہ زندگی کی دہلیز پر رئیسی سر پٹکتی رہی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی ظالم و جابر طاقت بھی آپ کو کبھی مرعوب نہ کر سکی۔ آپ ظلم و جبر کی ہر کلائی مروڑ دیتے تھے۔ اپنے زمانے میں پوری دنیا میں آپ سے بڑا کوئی دوسرا مجاہد نہ تھا اور اب تک آپ کا

کوئی مثل پیدا نہ ہوسکا ہے۔ جماعتی روایات کا جس انداز میں آپ نے تحفظ کیا ہے اس کی مثال سے ماضی قریب کی تاریخ خالی ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر تیور اس شعر کا آئینہ دار تھا کہ: ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہے مَردوں کی شمشیریں

حضور مجاہد ملت اسلاف و اکابر کے افکار و نظریات کے پر جوش داعی، مبلغ اور نمائندہ تھے اکابر نوازی اور نسبتوں کے احترام کی جو تڑپ ان کے ہاں ملتی ہے۔ تاریخ اسلامی ان کے بعد اس کی نظیر پیش کرنے سے ابتک قاصر ہے۔ ادب، تعظیم اور نسبتوں کا احترام ہی انسان کو رفعت شان اور خلق کی عقیدتوں کا مرکز بناتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اعلیٰ حضرت کیوں ہیں؟ اعلیٰ حضرت اعلیٰ حضرت اس لیے ہیں کہ ادب اسلامی کا جو شعور ان کی بارگاہ میں ملتا ہے اس کی مثال سے صدیاں خالی ہیں، پاکان امت، کاملان امت اور رہبران امت کو اعلیٰ حضرت نے عقیدت کی جن آنکھوں سے دیکھا ہے شرق و غرب، شمال و جنوب میں اب وہ آنکھیں نہیں ملتیں۔ اسلاف و اکابر کے احترام کے جذبے سے ہمارے دل خالی ہو رہے ہیں بلکہ بعض عاقبت نااندیشوں نے اسلاف و اکابر کو حرف تنقید بنانے کی تحریک چھیڑ رکھی ہے وہ نئی روشنی اور نئی تہذیب کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ ایسا اس لے ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ نہیں ہے۔ انہیں یہ اسباق پڑھائے جا رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی قیادت ختم ہونی چاہیئے۔ اگر حاسدین اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کرتے تو وہ اس مہلک مرض کا شکار نہ ہوتے۔ اعلیٰ حضرت کے پاس بارگاہ خدا اور رسول ﷺ میں مقبولیت کی سند ہے۔ بارگاہ غوثیت مآب میں بھی ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اس بہت کو ناپنے کا ہمارے پاس پیمانہ نہیں ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نور اللہ مرقدہٗ کے بعد ان سے زیادہ ذہین و فطین انسان اب تک پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے صرف سات گھنٹے میں پورا قرآن مجید حفظ فرمایا۔ وہ تا حیات غوثیت مآب کی عظمتوں کے پر جوش نقیب و پاسبان رہے۔ اسلاف و اکابر کے احترام کے اعلیٰ شعور سے ان کی تالیفات و تصنیفات بھری ہوئی ہیں۔ ان کا عہد

اسلاف بیزاری کا عہد تھا۔طرح طرح کی اسلاف بیزارتحریکیں سرگرم عمل تھیں ۔انہوں نے دیکھا کہ مخالفین کی اسلاف بیزارتحریک اگر کامیاب ہوتی ہےتو اسلام کا ساراتانا بھانا بکھر کررہ جائے گااوراسلامی اثاثہ شبہات کی نذر ہوجائے گا۔عالمی برادری پراعلیٰ حضرت کے جواحسانات ہیں ان کا صحیح شکریہ ادا کرنے کے لیے عالمی برادری کے منھ میں زبان نہیں ہے۔جولوگ اسلاف بیزارتحریک کی قیادت کررہے ہیں انہیں ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔اعلیٰ حضرت نے محسوس کیا کہ اسلاف نوازی کی تحریک کو پائیدار کرنا وقت کا جبری تقاضا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے پاس اہل فضل وکمال کی ایک متحرک اور فعال جماعت تھی ۔اس جماعت کوایک ایسے فرد کی ضرورت محسوس ہورہی تھی جو بے خطر آتش نمرود میں کود جانے کا جذبۂ فراواں رکھتا ہو۔اسی مقصد کے لیے اعلیٰ حضرت نے بعد وصال حضور مجاہد ملت کا انتخاب فرمایا۔آج ہم ان پاکیزہ نفوس کی دینی، ملی اورعلمی قربانیوں اوران کے نقوش حیات کو دیکھتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ ؎

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضور مجاہد ملت کی عظمتوں کی چاندنی، ان کے فضل وکمال کا سورج اوران کے کردار کی شفافیت پہ کبھی کسی کوانگلی رکھنے کی جرأت وہمت نہیں ہوئی۔ان کی کتاب حیات کا ہر ورق رحمت الٰہی کے غلاف میں ہمیشہ لپٹا رہا۔ان کی قربت سے نصیبے عروج پاتے تھے۔کردار کی سیاہی نور بداماں ہوجایا کرتی تھی اوراخلاق کی پستی ان کے نور نگاہ سے رشک ثریا بن جایا کرتی تھی ان کی حرارت روح سے دلوں کوتسکین کی دولت ملتی تھی ۔جس محفل میں ،جس بزم میں اورجس خرابے میں ان کا قدم ناز پڑ جاتا تھا وہاں خوش عقیدگی ، بلند حوصلگی اور بے ریائی کی فصلیں لہلہانے لگتی تھیں ۔انہوں نے ہمیشہ خود کوحقیر سمجھا اورآقاؤں کے در کا فقیر بھی سمجھا مگران کے آقاؤں نے ان کے قدموں میں وہ بلندی رکھ دی تھی کہ شاہی ہر وقت ان کے قدموں کی بلائیں لیا کرتی تھی ۔ان کی ذات اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھی ،اعلیٰ حضرت کی قرب

کی لذت سے آشنا ہونے کے لیے دنیا کا ہر بڑا انسان بے چین رہا کرتا تھا۔مگر جس ذات کو اعلیٰ حضرت خود قریب کرلیں اس کی عظمتوں ،رفعتوں اور شوکتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضور مجاہد ملت کا فرمان ہے کہ اعلیٰ حضرت کو کسی نے نہیں سمجھا اور میں کہتا ہوں کہ حضور مجاہد ملت کو کسی نے نہیں سمجھا اور آج بھی ان کو سمجھنے کی کوششیں نہیں ہو رہی ہیں خاکساران حق سے کل جوان کے مطالبات تھے انسانی برادری سے ان کے وہی مطالبات آج ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی مذہبی درد وکرب سے عبارت ہے درد کو کبھی ہم نے دیکھا نہیں درد عموماً مجسم نہیں ہوتا ہے نہ اس کا کوئی پیکر ہوتا ہے۔درد سے جو صورت پیدا ہوتی ہے ،جو کیفیت ابھرتی ہے ہم اس صورت اور کیفیت کو دیکھتے ہیں درد جب پیکر کی صورت اختیار کرتا ہے،درد جب مجسم ہوتا ہے تو بلال حبش ،اویس قرن ،اعلیٰ حضرت اور حضور مجاہد ملت کا سراپا وجود میں آتا ہے۔علمی دائرے اور زاویے حضور مجاہد ملت کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی جماعتی حیثیت کیا ہے ذیل کی نظموں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی اسلم بستوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

پھر دعاؤں کی شہ رگ لرزنے لگی
التجائیں بھی سب سرنگوں ہوگئیں
مسلک اہل سنت کی چٹان پر
ایک پیلی تھکن سی اترنے لگی
چرخ ملت کے روشن ستارے جو تھے
روشنی بانٹتے بانٹتے تھک گئے
تیرگی سے نبرد آزما جو رہا
آخری سانس تک،
عزم نو کا امیں ،حوصلوں کا محافظ
وہ کہ دانائے اسرار شرع مبیں

چشمۂ خون دل کی ہر اک موج سے
فصل ایماں کو سیراب کرتا رہا
ظلم اور جہل کے ہر سیہ اژدہے
اس کے سائے سے ہر دم ہراساں رہے
چشم حیراں رہے
ولولے بانٹ کر افق تا افق
حد امکاں سے آگے وہ نئی منزلوں کی طرف
وہ ہوا گامزن

اب نہ واپس وہ آئے گا ہم میں کبھی
ہاں! مگر اس کی آواز کی بازگشت
آج بھی ظلمتوں کے تعاقب میں ہے
تا قیامت رہے گی تعاقب میں وہ
اس کے نقش قدم، کہکشاں کی طرح
دل کی ہر رہگزر میں ہیں رخشندہ، تابندہ
کھٹکھٹاتے ہیں یہ، شوق کے بند در
دشمن دین وملت کا کالا لہو
کشت ایمان میں،
فصل کا لک کی دیکھو اگانے نہ پائے کہیں
بس یہی آخری آرزو اس کی تھی
وہ کہ ناموس نبوی کا سچا محافظ
جلا کر گیا ہے جو شمع وفا،

اس نے، اس نور ظلمات کی رزم گہ میں
بنایا ہے فانوس، اور
سونپ دی ہم کو اپنی امانت
تو ہم،
اعتماد اس کا جانے نہ دینگے کبھی
عزم رکھتے ہیں ہم
حوصلہ ہے یہی
شمع جاں بجھے تو بجھے!
شمع ایمان
بجھنے نہ دیں گے کبھی
حضرت احمد کمال جمشید پوری کا کرب دیکھیے
حضور حافظ ملت کا زخم دل پہ ابھی!
ہرا تھا!
دست اجل تھا!
اک اور زخم دیا!
اک اور چراغ بجھا!
اک غم گسار اٹھا
طبیب روح کا
ملت کا راز دار اٹھا!
وہ مرد حق جسے شمشیر برہنہ کہیئے!
صفا وصدق کا شفاف آئینہ کہیئے!
دیار نجد کے کوئے ستمگراں میں بھی

وہ جاں نثار، پرستار و عاشق وشیدا!
صعوبتوں کی کڑی کوس رہگزاروں میں!
لہولہان بھی رہ کر وہ سربلند رہا!
تلاش کرتی ہیں آنکھیں فضا کے سینے میں!
اس حق پسند کو!
مردِ خدا کو!
جس کا وجود
تھا اک عظیم شجر!
کہ جس کے سائے میں ملتا تھا درس بیداری
کہ جس کے قرب کے لمحوں سے لوگ پاتے تھے!
سکون قلب ونظر!
متاع فکر وعمل!
اسی کے سوگ میں مغموم ہے فضا دل کی!
گھٹی گھٹی سی ہے اک کرب میں ہوا دل کی!
فغاں کا شور دلوں کے مکاں سے اٹھتا ہے!!

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا انتخاب تھے۔ اس لیے آپ نے عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشقِ شاہِ بغداد ہی کو اپنی حیات کا ترجیحی عنوان بنایا۔ اور اس عشق کی تشہیر، ترویج اور تبلیغ کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ آپ چاہتے تھے کہ پوری دنیا کا مسلمان عشقِ شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق شاہ بغداد کی آنچ میں تپ کر کندن ہو جائے اور ہر شخص کی زبان پر نغماتِ رضا مچلتے دکھائی دیں کہ:

جان ہے عشقِ مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اُٹھائے کیوں

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں
یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
بد سہی ،چور سہی مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو میرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

حضور مجاہد ملت کے دل میں عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو چراغ روشن تھا، آپ چاہتے تھے کہ پوری دنیا عموماً اور پورا برصغیر ہند و پاک خصوصاً اس چراغ کی روشنی میں آجائے اور ہر سمت سے یہی صدا سماعت سے ٹکرائے کہ ۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

حضور مجاہد ملت کی زندگی کا دو روشن و تابناک چہرہ ہے۔ ایک مذہبی، دوسرا سیاسی۔ آپ کا مذہبی قد بڑا تھا یا سیاسی یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اتنی بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا شریعت کی روشنی میں کیا اور اسلامی اقدار و روایات کے

فروغ کے لیے کیا۔ آپ نے افکارِ رضا، پیغامِ رضا اور مسلکِ رضا کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے اس سے بہتر تصویر اب تک کوئی پیش نہ کرسکا ہے۔ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضور مجاہد ملت کی حیات کا شناخت نامہ ہے۔ آپ دنیا میں جہاں بھی گئے، سفیرِ رضا بن کر گئے۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس فکرِ رضا سے عبارت تھی۔ آج وابستگانِ حضور مجاہد ملت کو اس حوالے سے سنجیدگی کے ساتھ سوچنے، غور کرنے اور اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج خود کو حبیبی و ہاشمی کہنے والے بعض افراد اپنے افعال و کردار سے صلح کلیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ ان کا یہ عمل ان کی دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جو انھیں جہنم کا ایندھن بننے سے روک نہیں سکے گی۔

ہم لفظوں سے عقیدت کے پودے اگاتے ہیں حضور مجاہد ملت کے ہاں صرف لفظوں سے عقیدت کا اظہار روا نہ تھا۔ ان کا سینہ عشق کا آتش فشاں تھا۔ ان کے عشق میں بلال حبش، اویس قرن اور امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے عشق کا گداز دور سے نظر آتا تھا وہ اپنے عشق کو اپنے خونِ جگر سے تابانیاں دیا کرتے تھے۔ وہ جاہ و حشمت کے حریص نہ تھے بلکہ جاہ و حشمت ان سے اعتبار پاتی تھی، وہ اپنے ہر فعل کو میزان شریعت میں تولتے تھے، ان کے ہر قول میں تقدیسی تاثیر تھی، ان کا وجود اسلامی اصولوں کا بے غبار عملی آئینہ تھا، وہ گود سے گور تک امین شریعت رہے، انہیں دیکھ کر شرعی اصولوں پہ عمل کی تحریک ملتی تھی۔ آج بعض افراد مفتی، قاضی اور امین شریعت جیسے تقدیسی مناصب کو آلودہ کرنے پر آمادہ ہیں، مفتی، قاضی اور امین شریعت کے تقاضے اور مطالبات کیا ہیں اس سے دینا کا ہر ذی علم خوب اچھی طرح واقف ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بریلی شریف میں دارالقضاء کی بنیاد رکھی تھی، انہوں نے مفتی، قاضی اور امین شریعت کے منصب پر ان افراد و اشخاص کو متعین کیا تھا جن کا حال یہ تھا کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں، مگر افسوس صد افسوس آج جماعت میں چند ایسے عاقبت نا اندیش پیدا ہو گئے ہیں جو ایسے افراد و اشخاص کو مفتی، قاضی اور امین شریعت بنا رہے ہیں جن کے کردار و عمل سے تعفن اٹھ رہا ہے۔ جن کی

بدفعلی، بدعملی اور بدکرداری شہرت رکھتی ہے۔ جو ایک مہذب معاشرے کے لیے کوڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جماعت اہل سنت پہ ایسا نازک وقت کبھی نہ آیا تھا۔ وقت ہمیں ردعمل کی دعوت دے رہا ہے۔ اگر ردعمل میں تاخیر ہوئی تو اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند، حضور صدر الشریعہ، حضور برہان ملت اور حضور مجاہد ملت جیسے پاکان امت کا تقدس عوامی نگاہ میں گرد آلود ہو جائے گا۔

حضور مجاہد ملت کی ذات صراط مستقیم تھی۔ حصار شریعت سے ان کا کوئی قدم کبھی باہر نہیں ہوا۔ پاسداران شریعت میں ان کا مقام بہت نمایاں ہے۔ مصلحت کوشی ان کے ہاں جرم تھی۔ ان کی خلوت وجلوت میں کوئی فاصلہ نہ تھا۔ ہاں! کچھ اوقات ان کے ایسے تھے جہاں کسی کی شرکت ان کو قبول نہ تھی۔ کاملان شوق کی کتاب حیات عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے، وہ خواب میں بیداری اور بیداری میں خواب کی لذت اٹھاتے ہیں، وہ آنکھ بند کر کے جلوۂ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے دل میں تصویر یار ہوتی ہے وہ نظریں جھکا کر تصویر یار دیکھتے ہیں۔

دیوانے کی نظروں کو زمانہ دیکھتا ہے اور دیوانہ جہاں دیکھتا ہے وہاں عام نگاہوں کی رسائی نہیں ہوتی، پتھر چلانے والوں سے انہیں کوئی شکوہ نہیں ہوتا اور کبھی پھول کی پتی سے ان کا وجود لہولہان ہو جاتا ہے۔ وہ ریتیلی زمین پر جنت کے محل بناتے ہیں اور اسے بیچتے بھی ہیں۔ وہ لوح محفوظ دیکھ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں۔ دنیا کعبے کی زیارت کے لیے جاتی ہے اور کعبہ کبھی ان کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ حضور مجاہد ملت جیل میں قید ہیں جیلر چھٹی لے کر گھر کے لیے نکلتا ہے پلیٹ فارم پر گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہے دیکھتا ہے کہ حضور مجاہد ملت پلیٹ فارم کے ایک گوشے میں نماز میں مصروف ہیں یہ منظر دیکھ کر اس کا پورا وجود حیرتوں میں ڈوب جاتا ہے، الٹے پاؤں جیل واپس آتا ہے دیکھتا ہے کہ حضور مجاہد ملت عبادت میں گم ہیں، جیلر بدعقیدہ تھا مگر سارا فلسفہ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہل کرم دیکھنا اسی کو کہتے ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی اسیری بھی ایک کتاب کا تقاضا کرتی ہے، مگر کون سنتا ہے یہاں راز فغان درویش۔ یہاں ہر شخص اپنی خودی میں الجھا ہوا ہے یہاں خدا پرستوں کو کون پوچھتا ہے

۔جب انسان خود میں ڈوب جاتا ہے تو خدا پرستوں سے دور ہو جاتا ہے۔ ماضی کی قدروں سے حال کی شاہراہیں نور کشید کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس سے کوئی بھی صاحب بصیرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ آج ہم حال کے اندھیروں میں ڈوبتے جا رہے ہیں حضور مجاہد ملت ماضی قریب کا بے غبار اجالا ہیں اگر ہم ان سے قریب ہوتے تو حال کا اندھیرا ہمیں ڈسنے کی جرأت نہ کرتا حضور مجاہد ملت کے عزم و عمل کی کچھ روشن لکیریں ذیل میں ملاحظہ کریں:

''سرکار مجاہد ملت کی حیات میں ہمیں قدم قدم پر اسلام کی حقانیت، دین متین کی حفاظت اور سر بلندی کے لیے ہمہ تن شب و روز مصروف کار، رہنے کی شعوری کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی نگاہیں حال سے بلند ہو کر مستقبل کے خطرات کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء پر ہاتھ لگائے جانے سے بہت پہلے انہوں نے ملت کو بیدار کیا اور قانون شریعت کی حفاظت کی خاطر اس وقت سے کمر بستہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ دین کے دشمنوں کی سرکوبی کا کام جس تندہی کے ساتھ وہ انجام دے رہے تھے اتنی ہی تیزی کے ساتھ باکردار نوجوانوں کی ایک فوج بھی تیار کر رہے تھے تاکہ سرزمین ہند پر ملت اسلامیہ کو ایک باوقار، باعظمت زندگی مل سکے۔ باطل نظریات بہت تیزی سے مسلمان نئی نسل کی تباہی کا سامان کر رہے تھے۔ سرکار مجاہد ملت نے باطل نظریات سے قوم مسلم کو محفوظ رکھنے کی خاطر سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کرنے کا صرف منصوبہ نہیں بنایا بلکہ منصوبے پر عمل کر کے عملی شاہراہ بنائی بیک وقت خارجی خطرات اور داخلی خطرات سے نمٹنے کی تدبیریں کیں اور حملے کا زور توڑ دیا۔''

(نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ص ۸۰)

حضور مجاہد ملت ملی درد کا استعارہ تھے، ان کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس سے ملی درد کی شعائیں نہ پھوٹتی ہوں۔ ان کا لباس، ان کی وضع قطع، ان کی نشست و برخواست اور خلوت وجلوت سب پہ دینی شعور حاوی تھا۔ ان کے ہاں لفظوں سے کھیلنے کی غیر شعوری کوشش

بھی نہیں ملتی۔آج کا قاری جب حضور مجاہد ملت کی حیات کا سنجیدہ مطالعہ کرتا ہےتو قدم قدم پر حیرتیں اس کا سرنوچتی ہیں، وہ سوچتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ ایسی خصوصیات کا حامل شخص انسانی روپ میں فرشتہ ہی ہوسکتا ہے۔انسان زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر نفس کی گرفت میں آجاتا ہے۔مگر یہاں نفس ہے نہ نفسانیت ہے جن خوش بختوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے حضور مجاہد ملت کی زیارت کی سعادتیں حاصل کی ہیں ان کا کہنا ہے کہ تارک الدنیا شخصیات کے حالات و واقعات ہم نے کتابوں میں پڑھے تھے مگر حضور مجاہد ملت کی شکل میں ہم نے تارک الدنیا شخص کی آنکھوں سے زیارت کی ہے۔حضور مجاہد ملت کے حوالے سے ایک دردمند، وارفتہ حال اور شکستہ دل کی جنوں خیزی ذیل میں ملاحظہ کریں۔

’’سرکار مجاہد ملت کی حیات مبارکہ کا بنظر غائر مطالعہ ہمیں ایک روح پرور،سرور بخشتا ہے ’’عشق کی نئی جہتوں سے آشنا کرتا ہے اور مشکلات کی سنگلاخ وادی میں آبلہ پائی کی سوغات لے کر قربانی کی پرخار وادی میں افتاں وخیزاں ہونے کی جرأت مستانہ عطا کرتا ہے۔جب ؎

مدھم سا دیا تک بھی جلایا نہ کسی نے
احساس بھی کیا چھین لیا تیرہ شبی نے

والا ماحول ہو،اس ماحول میں تاریکی کا سینہ چاک کرنے کی خاطر چراغ جلانے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔جب جھوٹ اور فریب کا زمانہ یہ آواز دے رہا ہو ؎

ہمارے عہد میں کیا ایک بھی نہیں منصور
کہیں گے کیا رسن و دار آؤ سچ بولیں

اس ماحول میں سچ کی خاطر جان کی بازی لگا دینے کا سبق پڑھاتا ہے۔

سرکار مجاہد ملت کی زندگی کے لمحات دیکھیے اور بے خودی کی کیفیت میں گرفتار ہوجایئے۔اے رب قدیر! تونے مجاہد ملت کو کیا بنا کر بھیجا تھا ،ایک طرف جاگیرداری اور زمین داری کا ماحول دیا دوسری طرف طبیعت میں درویشی

بھر دی، ایک طرف جاگیروں سے بے شمار آمدنی کا ذریعہ دیا دوسری طرف دونوں ہاتھوں سے غریبوں، محتاجوں اور رفاہ عامہ کے کاموں میں لٹانے کا جذبہ بھی عطا فرمایا، ایک طرف علم کی دولتوں سے مالا مال فرمایا اور دوسری طرف باطن کے اسرار و رموز کا واقف کار بنا دیا، ایک طرف دن کا مجاہد بنایا تو دوسری طرف عابد شب زندہ دار بھی بنایا، عشق کی دولت لازوال بھی عطا فرمائی، علم وفن کا کوہ بے ستون بھی عطا فرمایا، فکر کی گہرائی بھی عطا فرمائی، عمل کا صحرا نورد بھی بنایا، طریقت و معرفت کا رہنما اور جدو جہد کے میدان کا پیش رو بھی بنایا، حلقۂ یاراں میں ریشم کی نرمی عطا کی اور رزم حق و باطل کا فولاد بھی بنا دیا ایک ساتھ اتنی صفتوں کی یکجائی سبحان اللہ۔''

(نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ص ۷۹، ۸۰۔)

حضور مجاہد ملت کے وجود میں آفاق کی وسعتیں پنہاں تھیں وہ کائنات کا سارا درد اپنے وجود میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ وہ مسلم معاشرے کو ہر طرح کی بدعات و منکرات سے پاک دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ملک وملت کے لیے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کی نظیر سے صدیاں خالی ہیں۔ ان کی ذات ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی قیمتی اثاثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے حق و صداقت، دین و دیانت اور عشق و عرفان کا جو چمن آراستہ کیا ہے اس کی خوشبو سے تا قیامت انسانیت کی مشام جاں معطر ہوتی رہے گی۔ یہ درست ہے کہ ان کا ظاہری وجود گھنے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا ہے مگر وہ روحانی اعتبار سے قدم قدم پر ہمارے ساتھ ہیں۔ ان کا مشن، ان کی تحریک اور ان کے پیغامات زندہ، روشن اور تابندہ ہیں اور قدم قدم پر ہمیں زندہ رہنے کی تحریک دے رہے ہیں۔ ان کے پیغامات، ارشادات اور ان کے شب و روز سے فکر رضا، پیغام رضا اور مسلک رضا کو توانائی ملتی تھی۔ انھوں نے زندگی برائے ترویج مسلک اعلیٰ حضرت کا جو فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ ہم اپنوں میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت کو رواج دینے سے ہراساں رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ

ہمارے عمل سے کوئی روٹھ جائے سر پہ موت ناچ رہی ہے ایسے حالات میں بھی حضور مجاہد ملت نے یہ عمل جاری رکھا انہوں نے دشمنوں کے نرغے میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت کی شفافیت کو گرد آلود نہیں ہونے دیا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے کسی طرح کی لچک کو وہ غیرت عشق کے دامن پر بدنما داغ سمجھتے تھے۔ ہر محفل میں ان کی زبان پر اعلیٰ حضرت کے نغمات ہوتے۔ ؎

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا
آج لے ان کی پنہہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حضور مجاہد ملت کی شخصیت کمالات اور خصوصیات کی جامع تھی۔ درسگاہوں کو ان سے زینت ملتی تھی اور خانقاہیں ان سے اعتبار پاتی تھیں۔ ان کے عہد میں علم چہروں سے جھلکتا تھا اور خوف وخشیت کے نور سے پیشانیاں چمکتی تھیں۔ روایت شکنی کا خوف مسلم معاشرے پر حاوی تھا۔ علما کی جماعت متحرک بھی تھی۔ فعال بھی اور مصروف کار بھی تھی مسلم حکومتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بیرونی طاقتیں برسر اقتدار آ چکی تھی نتیجہ کے طور پر خطرات اور خدشات بڑھ گئے تھے۔ حضور مجاہد ملت حالات کی سنگینی کو شدت سے محسوس کر رہے تھے وہ مستقبل کی تباہ کاریوں سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے ماضی سے حال کا رشتہ مربوط کرنے میں مجاہدانہ، سرفروشانہ اور قائدانہ رول ادا کیا۔ ان کی مجاہدانہ، سرفروشانہ اور قائدانہ قربانیوں کو لفظوں میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ یہ کام طویل جد وجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کام فرد سے منزل آشنا نہیں ہوسکتا، یہ اشتراک اور اجتماعیت چاہتا ہے۔ ان کے دینی، ملی اور علمی کارنامے ملک کے طول وعرض میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ سینوں میں بھی ہیں اور سفینوں

میں بھی ۔خانقاہ قادریہ حبیبیہ رضویہ دھام نگر شریف کے پاس افراد بھی ہیں اور وسائل بھی وہ اس حوالے سے پیش رفت کرتی ہے (جو اس کا حق ہے) تو مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں بیرون خانقاہ سے بھی تعاون لیا جاسکتا ہے مگر اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے ۔جن حضرات سے تعاون لیا جائے ۔وہ کاروباری اور بازاری نہ ہوں وہ فکری اور نظریاتی اعتبار سے متصلب ہوں اور انہیں قدم قدم پر حضور مجاہد ملت کی ترجیحات اور تحفظات کا احساس بھی ہو۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب جا کر حضور مجاہد ملت جیسا دانائے راز، ملت کا دردمند اور کمالات کا جامع انسان جنم لیتا ہے ۔پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کیسے کٹتا ہے حضور مجاہد ملت اس فن سے خوب اچھی طرح واقف تھے ۔حضور مجاہد ملت تاحیات میدان کارزار میں رہے ۔ان کے ہاتھوں میں کبھی تیر نہیں دیکھا گیا، کبھی تلوار نہیں دیکھی گئی اور کبھی بھالے نہیں دیکھے گئے ۔کبھی کسی نے انہیں سامان حرب وضرب سے لیس نہیں دیکھا ۔مگر ان کے اشارۂ ابرو پر فولادی جگر کو کٹتے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے آج بھی دیکھا جارہا ہے ۔وہ مومن کی فراست تھے، وہ اللہ کے نور سے دیکھتے تھے وہ پیشانیوں پر ابھری ہوئی لکیروں کے اشارات پڑھ لیتے تھے قدموں کی آہٹ سے انہیں سچائیوں کا ادراک ہوجاتا تھا وہ دل کے اندر اٹھتے ہوئے بخارات کی ماہیت سمجھ لیتے تھے ۔

حضور مجاہد ملت دانائے راز تھے جہاں دوسروں کا شاہین عقل تھک کر بیٹھ جاتا وہاں سے آپ کے شاہین عقل کی پرواز کی ابتدا ہوتی ۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ سادگی آپ پہ حاوی تھی یا آپ سادگی پہ حاوی تھے ۔اہل فہم کی ایک جماعت کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ حضور مجاہد ملت کا خمیر سادگی سے تیار ہوا تھا ۔ایک انسان میں جتنے فضائل سما سکتے ہیں وہ سارے فضائل آپ کی ذات والا صفات میں موجود تھے ۔نعمتیں آپ کا طواف کرتی تھیں قدرت نے جو قلب آپ کو عطا کیا تھا اس میں یاد الٰہی کے سوا کسی دوسری شئی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی ۔آپ کی ذات باد صبا، نسیم سحر کا جھونکا تھی ۔جس راہ سے گزرتے رہ گزر معطر ہوجاتی ۔جس آبادی سے گزرتے آبادی نور بداماں ہوجاتی ۔جس مکان میں قیام کر لیتے وہ مکان رحمتوں کا گہوارہ بن

جاتا۔ جس دکان میں قدم رکھ دیتے برکتیں اترنے لگتیں۔ جس سر پہ دست شفقت رکھ دیتے وہ سر ہجوم میں بلند ہو جاتا۔ جو سر آپ کے قدموں سے لگ جاتا اسے ثریا کی بلندی مل جاتی۔ یاد محبوب ہر وقت آپ کو بے چین کئے رہتی۔ آپ کے سامنے کوئی عشق کے ساز چھیڑتا تو آپ کی آنکھیں ساون بھادو برسانے لگتیں۔ ذیل میں آپ کی کثرتِ اشک سوئی کے حوالے سے ایک واقعہ ملاحظہ کریں:

''حضرت مولانا قاری غلام عباس صاحب نقش بندی خطیب جامع مسجد رضائے حبیب مرید کے، حج و زیارت کی سعادت پا رہے تھے کہ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا ضیاء الدین احمد قادری علیہ الرحمہ کے ہاں منعقدہ محفل میلاد میں حاضر ہوئے حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ بھی حضرت مدنی صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ مسند پر جلوہ افروز تھے قاری صاحب موصوف کا بیان ہے کہ مجھے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی ایک نعت پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ادھر نعت کے الفاظ میری زبان پر تھے اور ادھر مجاہد ملت کی آنکھیں تھیں کہ آنسو کا ریلا، گرم گرم آنسو نور کے موتی بن کر دامن میں جذب ہو رہے تھے۔

محفل کے اختتام پر تبرک تقسیم کیا جا رہا تھا کہ کسی صاحب نے حضرت مدنی صاحب سے عرض کیا: حضور آپ یومیہ میلاد مناتے ہیں وسیع و عریض دسترخوان پر رنگارنگ کے کھانے چنے ہوئے ہیں آخر اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔

یہ سنتے ہی حضور مجاہد ملت اور شیخ ملت کے تیور بدل گئے، رنگ سرخ ہو گیا، مگر کمال ضبط کہ ناراضگی کا اظہار تک نہیں۔ البتہ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی نعت کا یہ شعر حسین و جمیل جواب کی صورت میں برآمد ہوا۔

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی''

(نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ص ۱۰۸، ۱۰۹)

اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت پروفیسر شاہد اختر کی زبان سے ذیل میں ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں کہ:

''اگست ۱۹۸۰ء میں سرکار مجاہد ملت کی تشریف آوری اپنے علاقے میں ہوئی۔ فقیر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ ہوڑہ جا کر سرکار کو اپنے یہاں لاؤں۔ ایک دن پہلے فقیر ہوڑہ پہنچا ٹکیہ پاڑہ سے باؤڑیا، باؤڑیا میں شب گزاری پھر ٹکیہ پاڑہ اور ٹکیہ پاڑہ سے شیب پور، شیب پور میں پتہ چلا کہ سرکار تیلنی پاڑہ تشریف لے جا چکے ہیں، جان میں جان آئی۔ گھر آیا تو پتہ چلا کہ سرکار غسل فرما رہے ہیں غسل سے فراغت ہوئی تو کمترین نے قدم بوسی کی سرکار نے پوچھا تلاش میں زحمت تو ہوئی ہوگی۔ کمترین نے کہا سرکار زحمت تو کیا ہوئی۔ ہاں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ رہا تھا تو وحشت کلکتوی کا یہ شعر زبان پر جاری تھا۔

ہے ارزاں اس قدر دیدار جاناں ہم نہ مانیں گے
زلیخا کیا سناتی ہے خیال اس کا ہے خواب اس کا

شعر کا سننا تھا کہ چہرہ متغیر ہو گیا بار بار ع ہے ارزاں اس قدر دیدار جاناں ہم نہ مانیں گے۔ کہتے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ کمترین نے اپنے عشق کی بات کی تھی۔ سرکار مجاہد ملت اپنے معشوق کے تصور میں ڈوب گئے۔''

(نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ص ۶۸)

حضور مجاہد ملت کے حوالے سے اس طرح کے واقعات کتابوں سے اور سینوں سے اکٹھا کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کام کون کرے۔ ہر آدمی خود میں الجھا ہوا ہے ایک خطیب آتا ہے ایک گھنٹہ تقریر کرتا ہے اور دس ہزار، بیس ہزار اور تیس ہزار لے کر بڑی سہولت کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ مگر ایک صاحب قلم ایک ماہ شب و روز محنت کرتا ہے۔ اپنا خون جگر صرف کرتا ہے۔ تب جا کر ایک تحقیقی، معلوماتی مقالہ تیار ہوتا ہے۔ مگر اس کے آنے

جانے کا معقول خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ ایسی صورت میں کون اس خشک میدان میں قدم رکھے۔ جو احباب روایتوں، شخصیتوں اور تہذیبوں کی ترتیب وتہذیب میں مصروف ہیں یہ انسانی معاشرے پہ ان کا بہت بڑا احسان ہے حکومتی سطح پر فتاوٰی عالمگیری کی ترتیب عمل میں آئی۔ فتاوٰی کی ترتیب کے لئے پچاس سے زائد محقق علماء کی ٹیم بنائی گئی تھی۔ شب وروز کی محنت شاقہ کے بعد فقہ حنفی کا ایک عظیم شاہکار سامنے آیا۔ اس تحقیقی کتاب کی ترتیب پہ اخراجات کا تخمینہ بھی بتایا گیا ہے۔ خانقاہ قادریہ رضویہ حبیبیہ کے پاس وسائل وافراد کی کثرت ہے۔ اس حوالے سے حضور مجاہد ملت خانقاہ سے قربانی چاہتے ہیں۔

حضور مجاہد ملت ہماری مذہبی اور جماعتی تہذیب وثقافت کا ایک انتہائی قابل احترام نام ہے۔ ماضی قریب میں ان کے جیسی صورت دور، دور تک نظر نہیں آتی، ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر سے گھر واپس آئے ہیں، ابھی ٹھیک سے سامان بھی نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی حالت میں ڈاکیہ ہاتھ میں ٹیلی گرام تھما کر چلا جاتا ہے گلاس کا پانی ابھی ختم بھی نہیں ہوا ہے کہ حکم ہوتا کہ سامان سفر کھولا نہ جائے۔ سواری منگائی جائے ہمیں ابھی، اسی وقت فلاں مقام کے لیے سفر پہ نکلنا ہے۔ وہاں بدعقیدوں سے مناظرہ ہونا طے ہو گیا ہے۔ دینی، ملی اور جماعتی وقار کا سوال ہے افراد خانہ لاکھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ بھی جماعت میں بہت ساری مرکزی شخصیات ہیں مگر آپ کی ذات پہ کسی کی گزارش اور التماس کا قطعی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دینی وقار واعتبار کے سوال سے آپ نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ ہم میں سے بہت سارے لوگ یہ سمجھ رہے ہونگے کہ پروگرام سے پیسے کی آمد ہوتی ہے اور پیسہ کس کو اچھا نہیں لگتا۔ آج دینی روایتیں اسی لیے سسک رہی ہیں کہ خطباء، شعراء اور مبلغین نے باضابطہ اپنی فیس متعین کر رکھی ہے۔ اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ مطلوبہ فیس پہلے کھاتے میں ڈال دیں تب تاریخ فائنل سمجھی جائے گی۔ مگر حضور مجاہد ملت کا عمل ایسا نہ تھا۔ نذرانے کے لیے سفر کو وہ اپنی غیرت عشق کی توہین سمجھتے تھے۔ ان کے سفر کا مقصود صرف اور صرف دینی قدروں کا فروغ تھا۔ ذیل کے واقعہ سے ان کا مقصود سفر آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

ایسے دور کساد میں جب ہم حضور مجاہد ملت کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ہر رخ سے خلوص کا آبشار پھوٹ رہا ہے۔ للّٰہیت کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ بے نیازی کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ جب جب امت مرحومہ پر خطرات کے بادل منڈلائے تو آپ انجام سے بے خبر ہو کر فوراً میدان میں نکل آئے ہزاروں مثالیں موجود ہیں کبھی آپ سیاسی افق پر نظر آئے اور کبھی مذہبی جولان گاہ میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیکھے گئے اور لاریب ہر منزل پر سر بسر للّٰہیت تھی، ہر کوشش میں خلوص کار فرما تھا اور ہر قدم پر قومی وملی خدمات کا جذبہ انگڑائی لے رہا تھا۔

اخبار و پریس کے نام پر لوٹتے ہوئے بہتوں کو دنیا نے دیکھا ہے۔ ملک و ملت بچاؤ تحریک کے نام پر ذخیرہ اندوزی کا کسے علم نہیں ہے۔ قومی قیادت اور جماعتی سیاست کا پرچم لہرا کر کتنوں نے اقتدار کی کرسی سنبھالی ہے ایسے لوگ اوروں کے مجاہد ملت ہوں تو ہوا کریں میرا اور میری جماعت کا مجاہد ملت تو وہ تھا جو صداقت کا علمبردار تھا، حلم و بردباری کا بحر ناپیدا کنار تھا، صبر و استقلال کا کوہ گراں تھا، فکر رازی اور شعور غزالی اس کی آنکھوں سے نمایاں تھا، گلیم بوذر کی عظمتوں کا محافظ اور دلق اویس کی حرمتوں کا پاسدار تھا۔

مذہبی جلسوں میں تشریف لے جاتے تو نذرانہ وصول کرنے سے گریز کرتے۔ مریدوں کی بزم میں آتے تو تحفہ قبول کرنے سے احتراز فرماتے۔ کسی ایسی محفل میں جلوہ فرما ہوتے جہاں جماعتی کار کے لیے وہ مسئلہ درپیش ہوتا جو اخراجات کا ہو تو سبھوں سے بڑھ کر آپ اس میں حصہ لیتے۔ علما میں گو آپ کی مالی حیثیت ممتاز تھی ہی عوام میں بھی کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر پاتا۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کر رہا ہے تو ۱۹۶۵ء کی بات ہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر گھوسی میں سید العلماء آقائے نعمت حضور حافظ ملت وغیرھم اکٹھا ہوئے۔ دن کے وقت ایک مجلس میں صدر الشریعہ کے روضے کی تکمیل کا مسئلہ درپیش ہوا۔ ترغیباً پہلے ہمارے اکابر ہی نے حصہ لیا وہاں ہر حیثیت کے لوگ جمع تھے مگر آگے حضور مجاہد ملت ہی نظر آئے۔

غالباً ۱۹۷۷ء میں ادارۂ شرعیہ بہار کے زیر اہتمام ریاست کے مختلف اضلاع میں سات تنظیمی کانفرنسیں منعقد ہوئی تھیں نتائج کے اعتبار سے یہ کانفرنسیں چاہے زیادہ مفید نہ رہی ہوں چونکہ یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا لیکن وقتی طور پر نہایت کامیاب تھیں میر کارواں امین شریعت حضرت مولانا شاہ مفتی رفاقت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت علامہ ارشد القادری تو محرک اور داعی ہی تھے شرکا میں مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی ،فخر بہار حضرت مولانا محمد میاں صاحب کامل سہسرامی اور خطیب الہند حضرت مولانا شاہد رضا صاحب، ایم۔اے کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

رانچی، جھریا، بکارو، پورنیہ، دربھنگہ، مظفر پور اور ویشالی میں جو سلسلہ وار کانفرنسیں ہوئی تھیں اس میں مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف رانچی، دھنباد اور بائسی پورنیہ یہ تین کانفرنسوں میں جلوہ افروز رہے، رانچی میں حضور مجاہد ملت کا ورود انتہائی مسعود ثابت ہوا جس کا مظہر اسلامی مرکز کا وجود ہے اس کے بعد آپ بائسی ضلع پورنیہ کی مہتم با لشان کانفرنس جس کا انتظام انجمن تنظیم المسلمین نے کیا تھا جس میں پورنیہ کے تمام اصاغر و اکابر شریک تھے حضور مجاہد ملت پہلے اجلاس میں شریک ہو کر عازم سفر ہوئے چوں کہ آپ کا الہ آباد پہنچنا ضروری تھا مالیات کا شعبہ میرے ذمہ تھا اس لیے حضرت علامہ ارشد القادری نے فرمایا کہ میں حضرت کی خدمت میں سوا سو ۱۲۵؍روپے بطور سفر خرچ پیش کر دوں۔ میں نے یہ حقیر سی رقم نذر کی تو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ادارے سے لینا کیا معنٰی مجھے تو دینا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب سامنے آئے اور اصرار کرتے ہوئے کہا کہ حضور یہ توزادراہ ہے اس کے قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اتنا زیادہ تھوڑے ہی کرایہ لگے گا۔ علامہ نے عرض کیا کہ پورنیہ سے الہ آباد تک دو آدمیوں پر اس سے زیادہ ہی خرچ ہو جائے گا کم نہیں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم مناظر آدمی ہو تم سے میں جیت تھوڑی ہی پاؤں گا اور میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ سید صاحب ماموں جان کی ضد پر قبول کر لیتا ہوں لیکن اس نیت کے ساتھ کہ سفر سے واپسی پر دھام نگر پہنچ

کر آپ کے نام ادارہ کے لیے گیارہ سو گیارہ پے بذریعہ ڈاک ارسال کردوں گا۔ مہینہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ دھام نگر سے گیارہ سو گیارہ روپے کا منی آرڈر وصول ہوگیا۔ رسید کاٹتے وقت میری آنکھوں میں آنسو بھر آیا تھا اور دل میں رہ رہ کر یہ کسک پیدا ہو رہی تھی کہ کاش ہم پر اپنے اکابر کی ان اداؤں کی چھینٹ بھی پڑ جاتی اور ہم اپنے اسلاف کے پاؤں کی دھول بھی پاتے۔ ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اوروں کو آمدنی سفر میں ہوا کرتی ہے لیکن حضور مجاہد ملت تو سفر میں صرف خرچ کرنا ہی جانتے تھے اسی لے تو امدادی رقوم بھیجنے کے لیے گھر جانا پڑتا تھا یہ بھی تو ممکن تھا کہ نیت کرلی تھی آپ نے لیکن سفر کی ہماہمی، عقیدت مندوں کی بھیڑ بھاڑ اور کاموں کا ہجوم نیت کی تکمیل میں مانع ہوجاتا مگر یہ تو مجھ جیسے بے مایہ کے لئے تو ممکن ہے حضور مجاہد ملت کی ذات تو اس سے بہت بالا تھی۔''

(نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ص ۳۲۴/ ۳۲۵)

اس ضمن میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی ابن بحر العلوم کا آنکھوں دیکھا ایک واقعہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

''اسی سادگی کا یہ تاثر تھا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ مجاہد ملت تشریف لے جا رہے ہیں تو میں بھی انھیں اسٹیشن چھوڑنے کے لیے آیا، اسٹیشن پر ایک منتظم صاحب نے مصافحہ کی شکل میں ایک لفافہ پیش کرنا چاہا مجاہد ملت نے مصافحہ تو کیا لیکن یہ بھی فرمایا کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں ایسے مصافحے پسند نہیں کرتا اسے رکھیے آئندہ تحریک کے لیے یہ کام آئیں گے۔ مجھے اللہ نے اپنے حبیب کے کرم سے بہت کچھ دے رکھا ہے۔

میں سوچنے لگا کہ کاغذ کے انہی چند ٹکڑوں کے حصول کے لیے بڑے سے بڑا جاگیردار بھی استحصال کی سرحدوں سے گزر جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا

اور یہ اڑیسہ کا کیسا جا گیر دار ہے جو کہہ رہا ہے کہ مجھے اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے اسے رکھو تحریک کے کام آئے گا۔ معاً ذہن پکار اٹھا نادان! ملت کا دردمند سکوں کی کھنک، مال و متاع اور زر و جواہر کی دمک کے پیچھے نہیں بھاگتا بلکہ قوم کی سالمیت، مذہب کی اشاعت، جماعت کی بقا، تحریک کا بڑھاوا اور ملت کا فروغ اس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

دوران گفتگو مجاہد ملت نے اس منتظم سے یہ بھی فرمایا کہ میاں دیکھو! قوم بیدار ہے، لوہا گرم ہے صرف مہر لگانے کی دیر ہے اگر اب بھی کچھ نہ کیا گیا تو میں ہرگز کبھی بھی ایسے اجتماعات میں شرکت نہ کروں گا۔"

(مجاہد ملت نمبر ص ۱۶ ۳ /آل انڈیا تبلیغ سیرت دھام نگر شریف)

حضور مجاہد ملت کی ذات اپنے عہد میں یکا و تنہا تھی۔ انہوں نے زمین کے سینے پر اپنے جو نقوش اجاگر کئے ہیں انہیں سخت سے سخت آندھی و طوفان کا زور بھی مٹا نہیں سکتا۔ ان کی حیات کا ہر نقش کالحجر ہے۔ انہوں نے دینی، ملی، علمی اور سیاسی خدمات کا جو شفاف آئینہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ صبح قیامت تک گرد آلود نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی خدمات کی بنیاد پر برسوں اذہان و قلوب میں زندہ رہیں گے۔ آج ہر سمت علما و مشائخ کا ہجوم نظر آتا ہے۔ مگر اس میں کوئی مجاہد ملت نظر نہیں آتا۔ ایثار و قربانی ان کی شناخت تھی۔ انہوں نے اپنے ذاتی صرفے سے اتنے مدارس مساجد اور مکاتب قائم کئے ہیں کہ ہمارے پاس ان کی صحیح فہرست نہیں ہے۔ "آل انڈیا تبلیغ سیرت" کی ایک رپورٹ میں ۳۰۰ / سے زائد مساجد، مدارس اور مکاتب کا ذکر آیا ہے یہ بات ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء کی ہے۔ نام و نمود سے انہیں شدید نفرت تھی۔ ہم اپنے ہر کام کی شہرت چاہتے ہیں ان کے ہاں تشہیر کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ دائیں ہاتھ سے جو کام کرتے تھے بائیں کو اس کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسلاف کی وہ روشن علامت تھے۔ اکابر کے پر جوش نمائندہ تھے اور اصاغر کے لئے چراغ رہ گزر تھے۔ انہوں نے اشکوں کی روشنائی سے اپنی کتاب زندگی ترتیب دی ہے، انہوں نے اپنا خون جگر جلا کر

تاریکیوں کا سینہ چاک کیا ہے، ان کے فولادی عزم کو دیکھ کر باطل سراسیمہ ہو جایا کرتا تھا ۔فرعون وقت کے لیے ان کا ہر وار ضرب ید اللّٰہی کی حیثیت رکھتا تھا، بنجر زمینوں کو چمن زار بنانے کا انہیں خوب ہنر آتا تھا۔ نسل نو کا کارواں تاریکیوں کی سمت اس لیے محو سفر ہے کہ اسے حضور مجاہد ملت جیسی شخصیات سے آشنائی نہیں ہے۔ ماضی بہتر تھا اس لئے کہ اس میں حضور مجاہد ملت اور ان کی ہم شکل شخصیتیں تھیں حال اس لیے رسوا ہو رہا ہے کہ اس میں حضور مجاہد ملت ہیں اور نہ ان سے مشابہ شخصیتیں۔ ہم ذاتی مفادات کے خول میں اس طرح لپٹ گئے ہیں کہ تاریکیوں کا شور ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ حضور مجاہد ملت کے ہاں ذاتی مفادات کا کوئی تصور نہ تھا ۔ ذاتی مفادات کے ہر بت کو انھوں نے اپنے آہنی پنجوں سے پاش پاش کر دیا تھا ان کی شخصیت کی شفاف چاندنی کو چاند و سورج رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے، وہ اپنی ہر خوبی، ہر کمال اور ہر وصف میں اپنے عہد میں تنہا تھے ان کی تنہائی کا ان کا عہد معترف ہے ان کا وطن مالوف دھام نگر تھا۔ مگر وہ ملک کی ہر بستی کو دھام نگر ہی کی نظر سے دیکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ملک کے ہر خطے میں ان کی قبولیت یکساں ہے غریب پریشان حال اور مظلوم کوئی بھی ہو اس کو وہ ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے۔ زمینی تعصب کی دھول سے ان کا دامن کبھی بھی گرد آلود نہیں ہوا۔ وہ کرم کا بادل تھے جہاں زمین زیادہ پیاسی ہوتی وہاں ٹوٹ کر برستے تھے ۔آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حاجت مندوں کو دیکھ کر راستہ بدل دیتے ہیں مگر حاجت مندوں کو ان کی نگاہیں ڈھونڈتی تھیں ہم سائل کو بسا اوقات جھڑک بھی دیتے ہیں مگر ان کا حال یہ تھا کہ سائل کو بھیک بھی دیتے تھے اور ان کی صحت و سلامتی کی دعائیں بھی کرتے تھے۔ وے

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور کہیں منگتا کا بھلا ہو

حضور مجاہد ملت عشق و عرفان کا تاج محل تھے، خوف و خشیت کا لال قلعہ تھے اور زہد و پارسائی کا قطب مینار تھے۔ یہ تشبیہ بعض افراد پہ گراں گزری ہوگی۔ مگر اس میں بہت حد تک معقولیت ہے چونکہ مذکورہ مقامات کا شمار تاریخی آثار میں ہوتا ہے۔ یہ مقامات پوری دنیا کے

لیے مرکز توجہ ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے پوری دنیا سے سیاح آتے ہیں اور متاثر ہو کر واپس جاتے ہیں حضور مجاہد ملت کی شخصیت بھی پوری دنیا کے لیے مرکز توجہ ہے۔ جو ان کی حیات و خدمات کا مطالعہ کرتا ہے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ جس آگ میں ان کا وجود سلگ رہا تھا ہر آدمی کو وہ آگ اپنی آگ محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس آگ سے قریب ہونا ہر کہہ ومہ کے بس کا روگ نہیں قریب ہونے کے لیے برسوں ریاضت اور مجاہدے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد قادری برکاتی قدس سرہٗ کا انتخاب تھے۔ اور اعلیٰ حضرت عالم کا انتخاب تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی خدمات سے پوری عالمی برادری کو متاثر کیا اور انتخاب اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے افعال، کردار اور کارناموں سے عالمی برادری کو متاثر کیا۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کی سیکڑوں جہتیں ہیں اور ہر جہت عالم گیر ہے وہ اپنے ہر فن میں امام ہیں۔ عالمی برادری جب اعلیٰ حضرت کی حیات، خدمات اور کارناموں پہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرتی ہے تو حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتی ہے اور انتخاب اعلیٰ حضرت کی روشنی میں جب کاروانِ علم وفن، حاملان فکر ونظر اور ماہرین زبان وقلم حضور مجاہد ملت کے جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالمال پہ غور کرتے ہیں تو قدم قدم پر ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کی شخصیت اہل سنت و جماعت کے لیے قدرت کی عظیم نعمت تھی اس نعمت کی ہر جہت سے ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ وہ تا حیات ایوان سنیت کو اپنے خون جگر سے روشن کرتے رہے۔ ہماری دینی، ملی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے ارشادات، پیغامات اور نظریات کو زیادہ سے زیادہ عام وتام کریں ان کی بارگاہ میں ہمارا یہ سب سے قیمتی خراج عقیدت ہوگا۔

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے اور اعلیٰ حضرت عالم کا انتخاب تھے بلکہ اعلیٰ حضرت انتخاب الٰہی تھے، انتخاب رسالت پناہی تھے قدرت جس شخص پر بہت زیادہ فیاض ہوتی ہے وہ عالمگیر، جہاں گیر اور کائنات گیر ہوتا ہے، اعلیٰ حضرت کی حیات کی ہر سانس سے ان کے کائنات گیر ہونے کا اظہار واعلان ہوتا ہے کائنات کے دہانوں پر وہ تا حیات ابر کرم

بن کر برستے رہے۔ ان کے اقبال کا سورج کبھی گہن آلود نہ ہوا۔ ان کا علم وعشق گلاب کی خوشبو بن کر کائنات میں پھیل رہا ہے ان کے نور عرفان سے کائنات کی تاریک گھاٹیاں نور بداماں ہو رہی ہیں، ان کی ذات ظاہری رکھ رکھاؤ کی قائل نہ تھی، ان کی نگاہ ہمیشہ باطن کی درستگی پر رہی، باطن کی درستگی انسان کو ملکوتی صفات کا حامل بنا دیتی ہے۔ مکتب صوفیا کے اسباق میں یہ ترجیحی سبق مانا گیا ہے۔ ظاہر کی درستگی قرب الٰہی سے آشنائی نہیں دیتی، آگ میں کوئی شئی اپنا رنگ برقرار نہیں رکھ پاتی۔ اعلیٰ حضرت کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو ان کے در سے قریب ہوا اس نے تا زندگی دوسرے در کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ان کی دستار کرامت سے دینی قدروں کی جو پاکیزہ لہریں اُٹھ رہی تھیں کم از کم عجم کی سرزمین اس کی نظیر سے خالی تھی۔ ان کے علوم وفنون کی حضوری کے سامنے اونچی گردنیں خم تھیں۔ وہ تاحیات رحمت الٰہی کی تربیت میں رہے یہی وجہ ہے کہ انسانی معائب کی کوئی آنچ ان کے دامن تقدس کے قریب نہ ہوسکی وہ چودہویں صدی کے مجدد تھے اور مجدد کی کوئی سانس عبادت سے خالی نہیں ہوتی۔ جبل پور کا ٹرین سے سفر ہو رہا تھا آپ آرام کر رہے تھے خادم کے دل میں خیال گذرا کہ مجدد کی کوئی سانس عبادت سے خالی نہیں ہوتی، مگر آپ تو آرام کر رہے ہیں یہاں کون سی عبادت ہو رہی ہے۔ جب آپ جبل پور اپنے میزبان کے دولت کدے پہ پہنچ گئے اور میزبانی کی رسوم کی ادائیگی سے آپ کو فرصت ملی تو خادم سے فرمایا کہ کاغذ قلم لایئے ٹرین میں کچھ اشعار موزوں ہو گئے تھے۔ انھیں لکھ لوں ورنہ ذہن سے نکل جانے کا خطرہ ہے جب لکھنے بیٹھے تو ایک سواڑسٹھ اشعار پہ جا کر قلم رکا یہی وہ اشعار ہیں جو ''الاستمداد'' کی شکل میں اہل علم وفن کی میز کی زینت ہے جب خادم نے اشعار دیکھے تو اسے اپنے دل کے وسوسے پر ندامت ہوئی۔

سید غلام سمنانی یہ حضور علی حسین اشرفی میاں کے نواسے تھے، دلی یونیورسیٹی میں انگریزی کے پروفیسر تھے، بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب کے توسط سے راقم کی ان کے حضور، رسائی ہوئی، ان کی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات

سے لگایا جاسکتا ہے کہ شرر صاحب نے فرمایا کہ اگر سمنانی صاحب نہ ہوتے تو میں ''حدائق بخشش'' کو اس انداز میں لانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا، انگریزی کے ساتھ فارسی زبان وادب پہ بھی ان کی گہری نظر تھی۔ شرر صاحب کی کوششوں سے وہ ''پیغام رضا'' کے امام احمد رضا نمبر کے ٹائیٹل پیج کے لیے تاثر لکھنے کے لیے تیار ہوگئے اپنی تاثراتی تحریر میں انہوں نے ایک جگہ لکھا کہ سوال یہ نہیں ہے کہ امام احمد رضا کیا تھے؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ امام احمد رضا کیا نہیں تھے۔ ایسی بات اسی شخص کو کہنے کا حق حاصل ہے جس نے امام احمد رضا کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت اپنے اندر جادوئی اثر رکھتی ہے۔ ان کی ذات شعار الٰہی بھی تھی اور معجزۂ رسالت پناہی بھی تھی ان کی حیات کا ہر تیور انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ہمارے پاس ان کی شخصیت پہ سوچنے کے لیے وقت نہیں ہے اور ان کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے علم نہیں، پہلے عقیدتوں سے دلوں کے آفاق روشن تھے۔ اس لیے اہل علم کے قرب کی لذتوں سے آشنائی کی شعوری کوشش ہوتی تھی۔ عصر حاضر میں لبرل ازم کو فروغ مل رہا ہے۔ اسی لئے اسلاف کی نمائندہ شخصیات سے فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے نسل نو کی نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں نتیجہ کے طور پر روایتوں کے احترام کا جذبہ ان کے دلوں سے رخت سفر باندھنے پر آمادہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے اسلاف کی امانتوں کے آخری نمائندہ تھے۔ اسلاف کی امانتوں کی شادابی، تازگی، تحفظ اور نفاذ میں انہوں نے جو رول ادا کیا ہے اس کی تاقیامت تحسین وتشہیر ہوتی رہے گی۔ ان کی حیات وخدمات کے اوراق گم ہوئے ہیں نہ گرد آلود ہوئے ہیں بلکہ نصف سے زائد اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں اور جو یاران صداقت بقیہ کی جستجو میں مصروف ہیں ان کی جستجو کو جو کامیابی ملنی چاہیے وہ نہیں مل رہی ہے پھر بھی ان کا سفر جاری ہے۔ جب جذبے سالم ہوتے ہیں تو منزلیں خود بخود قدموں میں سمٹ آتی ہیں اور اب وہ وقت قریب آنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ان کی ہر تحریر نور کا حالا وقبالہ ہے وہ

تا حیات عشق کے کٹورے میں تقدس کا نور بھرتے رہے، صداقت کی راہیں ہر زمانے میں پر خار رہی ہیں مگر ان کا عہد کچھ زیادہ ہی کربناک تھا۔ ایسی طاقتیں بے لگام تھیں جن کا محبوب مشغلہ عشق وایمان کی دولت پہ شب خون مارنا تھا۔ خود انہوں نے اپنے عہد کی نازکی کو یوں بیان کیا ہے۔ ع

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھیں ملت کی چوکیداری کا منصب ملا تھا اسی لیے وہ تا حیات پیغام بیداری یوں نشر کرتے رہے۔ ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدی کالی ہے
سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

ان میں مصلحت کوشی نہیں تھی چہرہ دیکھ کر حکم شرع بیان کرنے کے وہ سخت مخالف تھے ان کی ہر سانس شریعت کے تابع تھی۔ ان کے ہاں احکام شرع کی ترویج، تشہیر اور تبلیغ کے لیے فقہ وفتاویٰ کے ماہرین کی ایک بہت بڑی ٹیم تھی ان کی ضروریات کا وہ خود خیال رکھتے تھے اس حوالے سے انہوں نے عوام سے کبھی کوئی اپیل نہیں کی بلکہ بعض ناواقفین نے دینی مسائل پہ اجرت کی پیش کش کی تو ان کی سخت انداز میں تحدید فرمائی نواب نانپارہ کی شان میں کسی نے قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی تو اسے اس انداز میں جواب دیا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

ان کا قدم ناز کبھی منبر رشد وہدایت سے جدا نہیں ہوا۔ درد ملت کی ٹیس ہر وقت انھیں بے چین کئے رہتی، ملت کے نام ان کی پیغام رسانی کا انداز دیکھئے ؎

سونا بن ہے، سونا پاس ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

انہوں نے دنیوی فرمارواؤں کو کبھی اپنے حضور باریابی کی اجازت نہیں دی اور نہ کسی

کے سامنے دست سوال دراز کیا، انہوں نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا قبلۂ حاجات تصور کیا۔ جب بھی کرب کی دھوپ میں شدت آتی وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمت دل و جان سے متوجہ ہو جاتے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انھیں ہر وقت بارگاہ رسالت کی حضوری حاصل تھی، بارگاہ رسالت سے ان کی وابستگی کو ان کے شعری اظہارات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
کس کا منھ تکئے کہاں جایئے کس سے کہیے
ترے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
اس گلی کا گدا ہوں میں، جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں
مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہی آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
اپنے دل کا ہے انھیں سے آرام سونپے ہیں اپنے انھیں کو سب کام
لو لگی ہے کہ اب اس در کے غلام چارۂ درد رضاؔ کرتے ہیں
ان کے سوا رضا کوئی حامی نہیں جہاں
گذرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے شعری اظہارات کے بانی بھی ہیں اور خاتم بھی ان کے مکتب شعر وسخن ہی کا فیضان ہے کہ برصغیر کا گوشہ گوشہ نعتیہ نغمات سے گونج رہا ہے اور مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان کے اظہار کا حال یہ ہے کہ کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا علمی، فکری اور لسانی قد ان کے عہد میں عالم اسلام میں سب سے بلند تھا۔ بہت سارے علوم وفنون کو انہوں نے زندہ کیا، بہت سارے علوم وفنون کے حدود میں وسعت پیدا کی اور بہت سارے علوم وفنون کی ایجاد کا سہرا ان کے سر سجتا ہے۔ انہوں نے ایسے تلامذہ بھی پیدا کیے جو پورے برصغیر میں مختلف جہات سے طاق تصور کیے جاتے تھے۔ ان کے مخالفین ان سے کسی بھی اختلافی مسئلہ پر بالمشافہہ گفتگو کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب بھی ایسے مواقع آتے ان کے تلامذہ ان کی نمائندگی کرتے۔ انسانی کمالات کے ظاہراً جتنے بھی ابواب ہیں آپ کی شخصیت ان سارے ابواب کی جامع تھی۔ عموماً عرب علماء نے کسی عجمی عالم کو اس اعتماد کی نگاہ سے نہیں دیکھا جس کے وہ حقدار تھے یا کسی بھی عالم کے علمی، فکری اور لسانی کمالات کو عرب علما نے کبھی تسلیم نہیں کیا، اعلیٰ حضرت تاریخ کی اولین شخصیت ہیں جن کے علمی کمالات کے سامنے علمائے عرب جمع نظر آتے ہیں اس کے شواہد آپ کی مختلف تصنیفات میں بکثرت موجود ہیں ''الملفوظ شریف'' سے چند نظائر ذیل میں ملاحظہ کریں۔

مکہ معظّمہ میں بنام عالم کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں سوا شیخ عبد اللہ بن صدیق بن عباس کے کہ اس وقت مفتی حنفیہ تھے اور وہاں مفتی حنفیہ کا منصب شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے اپنے منصب کی جلالت قدر نے انھیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا اپنے

ایک شاگرد خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں مولانا سید اسماعیل کہ اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں مگر اللہ اعلم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا اور فرمایا واللہ یہ نہ ہوگا تمام علما ملنے آئے ہیں وہ کیوں نہیں آئے میں ان کی قسم کے سبب مجبور رہا مگر تقدیر الٰہی میں ان سے ملنا تھا اور نئی شان سے تھا۔

(الملفوظ حصہ دوم، ص ۲۹۔ مرتب مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی)

وہ حضرات علماء بہت اس کے متمنی رہتے کہ کسی طرح میرا وہاں قیام زائد ہو۔ حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا یہاں کی شدت گرمی تمہارے لیے باعث تپ ہے۔ طائف شریف میں موسم نہایت معتدل اور وہاں میرا مکان بہت پر فضا ہے۔ چلیے گرمی کا موسم وہاں گذاریں میں نے گذارش کی کہ اس حالت مرض میں قابلیت سفر ہو تو سرکار اعظم ہی کی حاضری ہو۔ فرمایا میرا مقصود یہ تھا کہ چند مہینے وہاں تنہائی میں رہ کر تم سے کچھ پڑھتے کہ یہاں تو آمد وشد کے ہجوم سے تمہیں فرصت نہیں۔ مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا اجازت ہو تو ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں، میں نے کہا وہ کنیز بارگاہ الٰہی جسے میں اس کے دربار میں لایا اور اس نے مناسک حج ادا کیے کیا اس کا بدلہ یہی ہے کہ میں اسے یوں مغموم کروں فرمایا ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں یہاں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا۔

(الملفوظ حصہ دوم، ص ۲۹۸، مولانا مفتی عیسیٰ رضوی)

حضرت مولانا صالح کمال کو اللہ تعالیٰ جنات عالیہ عطا فرمائے باآں فضل وکمال کہ میرے نزدیک مکہ معظّمہ میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا اس فقیر حقیر کے ساتھ غایت اعزاز بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے، بار بار کے اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا جسے میں نے ادباً کئی روز ٹالا جب مجبور فرمایا لکھ دیا۔

تین تین پہر میری ان کی مجالست ہوئی اور اس میں سوا مذاکرات علیمہ کے کچھ نہ ہوتا جس زمانہ میں قاضی مکہ معظّمہ رہے تھے اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے حقیر جو بیان کرتا اگر انکے فیصلہ کے موافق ہوتا بشاشت وخوشی کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا اور مخالف ہوتا تو ملال وکبیدگی اور یہ سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی۔

(الملفوظ حصہ دوم، ص ۲۹۴، مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی)

اس تقریباً تین مہینے کے قیام میں میں نے خیال کیا کہ حدیث میں کسی کی سند میری سند سے عالی ہوتو میں ان سے سند لے کر علو حاصل کروں مگر بفضلہٖ تعالیٰ تمام علماء سے میری ہی سند عالی تھی۔

یہ بھی خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع وملجا ہے اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں ممکن ہے کوئی صاحب جفر داں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔

ایک صاحب معلوم ہوئے کہ جفر میں مشہور ہیں نام پوچھا معلوم ہوا مولانا عبدالرحمٰن دہان، حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے۔ میں نام سن کر اس لیے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا سعد دہان کہ اب قاضی مکہ معظّمہ ہیں مجھ سے سند حدیث لے چکے تھے میں نے مولانا عبدالرحمٰن کو بلایا وہ تشریف لائے کئی گھنٹے خلوت رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جو ان کے پاس ناقص تھا۔ قدرے اس کی تکمیل ہوگئی۔

اسی کے قریب سرکار مدینہ میں واقع ہوا وہاں بھی ایک صاحب عبدالرحمن نام ہی کے ملے یہ عبدالرحمٰن دہان عربی مکی ہیں اور وہ عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی، کئی روز متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر چلے جاتے ہجوم حضرات اہل علم ومعززین کے سبب انھیں بات کا موقع نہ ملتا۔ ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی۔ کہا تنہائی میں کہوں گا، دوسرے دن ان کے لیے وقت نکالا کہا میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا یہاں نہ میرا، اب زیادہ دن قیام ہے نہ تیرا میں خاص اس کی تحصیل کو تیرے پاس ہندستان میں آؤنگا۔

(الملفوظ حصہ دوم، ص ۳۰۳، مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی)

عرب دنیا میں اعلیٰ حضرت کی شہرت ومقبولیت کا اندازہ "الدولة المكية" پہ عرب دنیا کے علماء کی تقاریظ، تائیدات وتصدیقات سے بھی لگایا جا سکتا ہے ذیل میں موئدین مشاہیر علما، ومشائخ کے اسماء ملاحظہ کریں۔

علماء مکہ:

(۱) سید اسماعیل بن خلیل محافظ کتب حرم
(۲) شیخ العلماء مفتی شافعیہ محمد سعید بن بابصیل مکہ معظّمہ
(۳) مفتی مالکیہ محمد عابد مکہ معظّمہ
(۴) مفتی حنابلہ عبداللہ بن حمید مکہ معظّمہ
(۵) سابق مفتی حنفیہ محمد صالح بن شیخ صدیق کمال مکہ معظّمہ
(۶) امام ومدرس وخطیب مسجد حرام احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد
(۷) مدرس مسجد حرام محمد علی بن شیخ صدیق کمال حنفی
(۸) استاذ العلماء مسجد حرام عبداللہ بن محمد صدقہ بن زینی دحلان جیلانی
(۹) مدرس مسجد حرام عمر بن ابی بکر باجنید
(۱۰) مدرس مسجد حرام محمد صالح بن محمد بافضل امام شافعیہ در مقام ابراہیم
(۱۱) مدرس مسجد حرام ابوحسین محمد مرزوقی مکہ معظّمہ
(۱۲) امام مالکیہ مدرس بلاد حرم محمد علی بن حسین مالکی
(۱۳) مدرس وامام بلاد حرم محمد جمال بن محمد امیر بن حسین مفتی مالکیہ
(۱۴) مدرس مسجد حرام اسعد بن احمد دہان
(۱۵) محمد بن یوسف خیاط مکی
(۱۶) مدرس حرم عبدالرحمٰن بن احمد دہان
(۱۷) مدرس مسجد حرام سید محمد بن واسع حسینی ادریسی

(۱۸) مدرس حرم مکی محمد مختار بن عطارد جاوی

علمائے مدینہ طیبہ:

(۱) مفتی مالکیہ احمد الجزائری بن سید احمد مدنی مدینہ منورہ

(۲) مفتی مدینہ منورہ عثمان بن عبد السلام داغستانی

(۳) مفتی مدینہ محمد تاج الدین بن مصطفیٰ الیاس حنفی

مدینہ منورہ، مدرس مسجد نبوی شریف:

(۴) سید حسین بن سید عبد القادر طرابلسی

(۵) شیخ حمدان ونیسی قیطنی جزائری

(۶) مفتی شافیہ سید احمد علوی بن سید احمد بافقیہ حسینی علوی مدینہ طیبہ

(۷) خادم حرم نبوی عبداللہ نابلسی حنبلی

(۸) شیخ العلم والدلائل محمد عبد الباری

(۹) مدرس مسجد نبوی عباس بن سید محمد رضوان

(۱۰) شیخ مالکیہ احمد بن سعد احمد حسینی

(۱۱) شیخ الدلائل محمد سعد بن محمد حسن ادریسی

(۱۲) سید احمد علی ہندی مہاجر مدینہ منورہ

(۱۳) مدرس حرم نبوی علی بن احمد محضار

(۱۴) غلام محمد برہان الدین سید نور الحسن مدینہ منورہ

(۱۵) مدرس حرم نبوی محمد عبد الوہاب بن محمد یوسف نقشبندی خالدی ضیائی

(۱۶) مدرس حرم نبوی عطیہ محمود

(۱۷) مدرس حرم نبوی مصطفیٰ بن تارزی بن عزوز تونیسی مالکی

(۱۸) احمد بن محمد خیر السناری مقیم مدینہ منورہ

(۱۹) محمد کریم اللہ مہاجر مدینہ منورہ

(۲۰) موسیٰ علی شامی ازہری احمدی درویری مدنی
(۲۱) مدرس حرم نبوی محمد یعقوب بن رجب
(۲۲) مدرس حرم نبوی یٰسین احمد الخیاری
(۲۳) مدرس حرم نبوی محمد یٰسین بن سعید
(۲۴) مدرس حرم نبوی عبدالرحمٰن دو یدار مصری حنفی
(۲۵) علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی مدینہ منورہ
(۲۶) حسین بن محمد بن علی مدینہ منورہ
(۲۷) صبغۃ اللہ مدراسی مدینہ منورہ
(۲۸) محمد توفیق ایوبی انصاری مجاور مدینہ منورہ
(۲۹) استاذ العلماء حرم علی بن علی الرحمانی

دوسرے بلاد اسلامیہ کے موئدین علماء:

(۱) عبدالحمید بن محمد ادیب عطار شافعی دمشقی
(۲) محمد یحییٰ مکتبی حسینی مدرسہ دارالحدیث دمشق شام
(۳) عبدالوہاب مدرس حانوتیہ
(۴) سید یوسف عطاء مدرسہ درگاہ قادریہ
(۵) سید محمد عثمان قادری حیدرآبادی وارد مدینہ طیبہ
(۶) محمد سوید دمشقی وارد مدینہ منورہ
(۷) مدرس ازہر ابراہیم عبدالمصطفیٰ السقا
(۸) مدرس ازہر عبدالرحمٰن احمد حنفی
(۹) مدرس جامعہ ازہر محمد دمشقی وارد مدینہ منورہ
(۱۰) شیخ الدلائل محمد سعید بن محمد حسنی حسینی ادریسی قبادی مدرس اول آستانہ امام اعظم محمد سید بن عبدالقادر نقشبندی

(۱۱) مدرس اول آستانہ امام اعظم محمد سعید بن عبد القادر نقشبندی

(۱۲) احمد اسعد گیلانی حسنی حسینی حما شریف

(۱۳) مولانا عبد القادر محمد بن سودہ القرشی

(الملفوظ حصہ دوم، ص ۲۵۰، مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی)

زیر نظر مقالے کا عنوان ہے انتخاب اعلیٰ حضور مجاہد ملت اور مذکورہ گفتگو سے بعض قارئین کو یہ احساس ہوگا کہ اعلیٰ حضرت پہ تفصیلی گفتگو غیر ضروری ہے میں اپنے قارئین کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کا مقام و مرتبہ کیا تھا، اعلیٰ حضرت چاہتے کیا تھے اور انتخاب اعلیٰ حضرت حضور مجاہد ملت کیا چاہتے تھے کیا دونوں شخصیات کی سوچ میں فرق تھا یا دونوں کی سوچ کا محور ایک ہی تھا۔ اعلیٰ حضرت کے ذہن کی رفتار سے حضور مجاہد ملت کے ذہن کی رفتار کا کوئی مقابلہ نہیں ہے اعلیٰ حضرت کے ذہن کی رفتار کی نظیر سے صدیاں خالی ہیں عالمی طور پر اسلام کے خلاف جو سازشیں ہو رہی تھیں اعلیٰ حضرت انہیں دیکھ رہے تھے ان کا یقین تھا کہ اگر اسلام مخالف طاقتیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو اسلام پوری دنیا میں غربت کا شکار ہو جائے گا اور اسلاف سے جو ہمیں امانتیں ملی ہیں وہ کل کی کل شبہات کی زد میں آجائیں گی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت پوری اسلامی دنیا کو اسلام مخالف سازشوں سے آگاہ کرنا اور انہیں ایک متحدہ پلیٹ فارم دینا چاہتے تھے اور اس کے لئے عرب اور دوسرے بلاد اسلامیہ کے علماء کو اسلام مخالف سازشوں سے آگاہ کرنا اور انھیں اپنا ہم خیال بنانا بہت ضروری تھا۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے اپنی زندگی میں اعلیٰ حضرت کو دوسرا حج کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر بھی اعلیٰ حضرت نے دوسرے حج کا ارادہ فرمالیا اور اس کے لیے اپنی والدہ کو بھی تیار کر لیا۔ دوسرے حج میں آپ نے جو فتوحات حاصل کیں یہ پہلو تفصیلی بحث کا متقاضی ہے اور یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ ہمارے دانشور علما کو اتنی فرصت نہیں وہ اپنی ذات ہی میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ انھیں اپنے پاس پڑوس میں اٹھنے والے طوفانوں کی خبر نہیں ہوتی۔ حضور مجاہد ملت کی شخصیت اس حوالے سے بڑی حساس تھی، پل پل بدلتے ہوئے

حالات پہ ان کی گہری نظر رہتی تھی۔ وہ پوری دنیا کو ایک ہی نعرہ دنیا چاہتے تھے ۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت کی سوچ کا ایک عکس جمیل تھے۔ ان کی تمام تر جد و جہد کا خلاصہ اسلامی روایات کی بالا دستی تھی۔ انہوں نے رضویاتی ادب کے مطالعہ سے یہی شعور پایا تھا۔ یہ بات بھی پیش نگاہ رہے کہ حضور مجاہد ملت ابتدا ہی سے صراط مستقیم پہ تھے۔ انھیں جانا وہیں تھا اس لیے قدرت ان کی حنا بندی کرتی رہی۔ انہوں نے ابتدائی عمر میں بھی کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے شرافت کی پیشانی شکن آلود ہو۔ ان کی کتاب حیات کے کسی ورق پہ کوئی ایسا دھبہ نظر نہیں آتا جس سے ان کے طہارت نفس کی نفی ہوتی ہو۔ اسلاف شناسی کا جذبہ ان کے خمیر میں شامل تھا۔ ان کی ہر بات قرآن و احادیث کی خوشبوؤں میں بسی ہوتی تھی اُن کی زندگی ایک ایسی کتاب ہے جسے بار بار پڑھنے کے بعد بھی طبیعت بوجھل نہیں ہوتی بلکہ ہر بار ایسا محسوس ہوتا کہ یہ کتاب پہلی مرتبہ میرے سامنے آئی ہے۔ ان کی شخصیت عجائب کا بہتر اور شاندار نمونہ تھی۔ ان کا قاری اور شیدا ان کی شخصیت کے مطالعے کے بعد یہی کہتا ہے کہ ایسا کہاں سے لائیں کہ۔۔۔

اعلیٰ حضرت حالات شناس، وقت شناس اور جوہر شناس تھے انھیں زمینوں کے خواص کا بھی اچھا خاصا عرفان تھا۔ ان کی ذات امت مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے طبیب حاذق کی حیثیت رکھتی ہے، انھیں امت کا مرض بھی معلوم تھا اور اس کی دوا بھی معلوم تھی حضور مجاہد ملت کا انتخاب امت میں تیزی کے ساتھ پھیلتے ہوئے مرض کی روک تھام ہی کے لیے ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جن امراض کی رگوں کو کاٹ دیا تھا ان کے پھر سے جڑ جانے کا خطرہ بڑھ رہا تھا حالانکہ اعلیٰ حضرت کے حاشیے پر جو شخصیات تھیں وہ بہرحال مصروف کار تھیں ان

میں کا ہر شخص اپنی ذات میں ادارہ تھا، انجمن تھا اور نیورسیٹی تھا۔ محاذ جنگ پہ دشمن سے صف آرا ہونا اور دشمن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر محاذ جنگ پر لانا دونوں میں بہت فرق ہے، حضور مجاہد ملت دشمن کی تاک میں رہا کرتے تھے خیر یہ بحث آگے آرہی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ ہر جہت، ہر زاویئے اور ہر طور سے فاتح عرب وعجم تھے۔ آج القاب وآداب ساگ سبزی کے بھاؤ بک رہے ہیں بلکہ القاب وآداب کی فصلیں بوئی جارہی ہیں۔ ہر آدمی کھیتوں میں جاتا ہے اور اپنی مرضی سے القاب وآداب اکھاڑ لاتا ہے اگر کھیتوں میں فصل کٹ جاتی ہے تو کھلیان سے القاب وآداب اُٹھالاتا ہے، پہلے علامہ کی بڑی ارزانی تھی اگر کسی سی گریڈ مولوی سے خطاب کے وقت اگر خوش قسمتی سے علامہ کہنا بھول گئے تو آپ کا شجرۂ نسب خراب کرتے ہوئے اسے دیر نہ لگے کی خیر اب علامہ کا چلن ختم ہورہا ہے بلکہ اس بامعنی اور سمندر نواز لفظ سے چشم پوشی برتی جارہی ہے چشم پوشی برتنے کا سلسلہ یونہی چلتا رہا تو خوف ہے کہ یہ لفظ متروک الفاظ والقاب کی صف میں نہ آجائے۔

پہلے کا حال یہ تھا کہ کھیت کے ہر ڈھیلے کے نیچے سے علامہ نکل آتا تھا جس طرح ایک پرندے کو قید سے رہائی پر خوشی ہوتی ہے اسی طرح مولوی حضرات کا لفظ علامہ کو نظر انداز کئے جانے پر علامہ کو خوشی ہورہی ہے یہ لفظ بہت دنوں سے قید بامشقت کا شکار تھا اب اسے کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔

راقم نے ایک صاحب کو ایک پوسٹر میں مولانا سے خطاب کیا جب ان سے ایک علمی محفل میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو راقم سے دوران گفتگو فرمایا کہ فلاں شہر میں اہلسنت کی ایک اہم میٹنگ بلائی گئی تھی اس میٹنگ میں اساطین جماعت بڑی تعداد میں شریک تھے اس میں فلاں شخصیت نے اس حقیر فقیر کو مفکر اسلام کے خطاب سے مشرف فرمایا تھا اور میٹنگ میں شریک ہر بڑی شخصیت نے اس کو پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ تحسین کی نظروں سے دیکھا یہ خطاب اتنا عام ہو چکا ہے کہ بہت سارے احباب مرا نام بھول گئے ہیں راقم کو اس طرح کے واقعات وحادثات کا اکثر سامنا ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ شخصیت کا عرفان القاب وآداب سے

نہیں ہوتا شخصیت فہمی کے لیے علمی، فکری اور لسانی نگارشات ہی، بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنی تصنیفات وتحقیقات کے باعث علمی دنیا میں پیش لفظ تصور کیے جاتے ہیں۔ ان کی علمی وجاہت کا یہ عالم ہے کہ جو شخص ان کی کتب ورسائل کے اسماء درست تلفظ کے ساتھ پڑھ دے تو اسے وقت کا بڑا علامہ سمجھا جاتا ہے۔ القاب وآداب کی ناز برداری بے مایہ لوگ ہی اٹھاتے ہیں اعلیٰ حضرت تا حیات خود کو عبد المصطفیٰ احمد رضا لکھتے رہے انھیں علمی دنیا کی طرف سے جو القاب وآداب ملے ہیں اس کی تعداد تین ہزار سے زائد ہے، انہوں نے اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ جلد اول پہ جو عربی میں خطبہ لکھا ہے اسے پڑھنے اور سمجھنے والے آج کم یاب ہیں۔

عصر حاضر میں القاب وآداب جبر کی چکی میں پس رہے ہیں القاب وآداب کے ساتھ آج جو سلوک ہو رہا ہے اس کی نظیر سے تاریخ خالی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہے کہ علم اُٹھتا جا رہا ہے خودنمائی حاوی ہوتی جارہی ہے۔ پہلے ماننے کا رواج تھا اور اب منوانے کا رواج عام ہو رہا ہے۔ صلاحیتوں کی بنیاد پر نہیں ڈگریوں کی بنیاد پر لوگ اعلیٰ منصب پہ بٹھائے جارہے ہیں۔ جس کی حیثیت چپراسی کی ہوتی ہے اس کو علمی ادارے کا پرنسپل بنا دیا جاتا ہے بکری شیر کو جنم نہیں دے سکتی، جو قلب نور علم سے خالی ہو وہ دوسروں کو روشنی کیسے دے سکتا ہے۔

الفاظ اپنی واقعیت نہیں کھوتے، بے جا استعمال سے لفظوں کا بدن ٹوٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال جیسے فرد فرید کو جب علامہ لکھا گیا تو علمی دنیا میں قیامت بر پا ہوگئی۔ لوگوں کو احساس ہوا کہ لفظ علامہ میں جو وسعت و گہرائی ہے ڈاکٹر اقبال کی ذات میں وہ وسعت نہیں پائی جاتی۔ آج علامہ لکھنے پر اعتراض نہیں ہوتا بلکہ نہ لکھنے پہ اعتراض ہوتا ہے۔ لفظ علامہ کی جو حیثیت ڈاکٹر اقبال کے زمانے میں تھی وہی حیثیت آج بھی ہے فرق وسعت نظر کا ہے آج ذہن وفکر میں وہ وسعت نہیں ملتی، علمی، فکری اور لسانی گہرائی نہیں۔ کہتے ہیں کہ وبا چہرہ نہیں دیکھتی جب کوئی وبا پھوٹتی ہے تو ڈاکٹر اور حکیم بھی لقمۂ اجل بنتے ہیں۔ وبا کا کوئی مذہب بھی نہیں ہوتا کوئی بھی وبا سماجی مساوات کا بھرپور خیال رکھتی ہے۔ ان دنوں پوری دنیا کو رونا سے

خوف زدہ ہے خوف کا اندازہ اس بات سے لگا یا جاسکتا ہے کہ قریب قریب دنیا کے تمام ممالک اپنی اپنی سرحدیں سیل کر چکے ہیں بلکہ ملک کی ریاستیں بھی اپنی سرحدوں پہ نگرانی بڑھائے ہوئی ہیں۔ حکومتیں سہمی ہوئی ہیں اور ہر آدمی خوف کے سائے میں جی رہا ہے۔ جس طرح وباؤں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اسی طرح لفظوں کا بھی کوئی مذہب نہیں ہوتا، مگر کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کی سرحدیں متعین ہیں جنھیں خاص کمیونٹی کے لوگ استعمال کرتے ہیں جیسے علامہ یہ خاص مولوی برادری میں رائج ہے غیر مولوی برادری اس لفظ کا بہت زیادہ احترام کرتی ہے، بنام مسلم دوسری باطل جماعتیں بھی اس لفظ کے استعمال میں کافی احتیاط کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ جس طرح نرگس ہزاروں سال روتی ہے اشک ریزی کرتی، خون کے آنسو بہاتی ہے تب جا کر چمن عالم میں کوئی دیدہ ور، دانائے راز پیدا ہوتا ہے اسی طرح دوسری جماعتوں اور قوموں میں کوئی علامہ پیدا ہوتا ہے۔

جب نااہلوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس کے نام کے ساتھ علامہ لگا ہوتا ہے سماج اور معاشرہ اسے عزت وعظمت کے آسمان پہ بٹھا تا ہے تو جب تک یہ لفظ ان کے نام کا حصہ نہیں ہوتا اس وقت تک ان کی انا کو تسکین نہیں ملتی۔ اگر کوئی بھولے سے انھیں مولانا سے خطاب کر دیتا تو وہ ان کی آتش غضب کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جب نااہلوں نے علامہ کو اپنی دستار کا طغرا بنالیا تو جو لوگ اس لفظ کے اہل تھے ان کی دستار کرامت شبہات کی زد میں آ گئی۔

عصر حاضر میں القاب وآداب کے ساتھ جو مذاق ہو رہا ہے تاریخ عالم میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی حالات یہ ہیں کہ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی۔ حسن پرستوں نے جب دیکھا کہ سماج اور معاشرے میں علامہ کی قدر دانی کا جذبہ رخت سفر باندھ رہا ہے تو ان کا رخ مفتی کی سمت مڑ گیا چونکہ مفتی اور فقیہ علم کا آخری زینہ ہے مسلم معاشرے میں مفتی اور فقیہ بڑی تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ان کے شرعی فیصلے کے سامنے بادشاہ وقت کا تخت بھی خم ہو جاتا ہے، تو حسن پرستوں کی سوچ کا قبلہ بدل گیا اور اپنے ناموں کے ساتھ مفتی وفقیہ لکھنے کی ایک وبا سی پھوٹ پڑی، مدارس اسلامیہ نے بھی یہ وبا پھیلانے میں اہم رول ادا کیا۔ تربیت

افتاء کے نام پر درجنوں مراکز قائم ہیں ان مراکز میں بعض مراکز ایسے بھی ہیں جہاں تربیت دینے والوں کے اردو کے املے درست نہیں ہیں۔ جب معلم کا حال یہ ہے تو متعلم کا حال کیا ہوگا۔ اس پر یہ دعویٰ کے ہمارے تلامذہ فلاں فلاں کو پڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ایسی باتیں وہی کرے گا جس کا دامن نور علم سے خالی ہوگا۔

مفتی، فقیہ اور قاضی یہ تین القاب ان دنوں بہت زیادہ استعمال ہو رہے ہیں لفظوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بے جا استعمال پر احتجاج نہیں کرتے وہ ہر ظلم خندہ پیشانی کے ساتھ سہہ لیتے ہیں۔ بھوک ہڑتال کا بھی ان کے ہاں رواج نہیں ہے، ان کی کوئی تنظیم بھی نہیں ہے جب ان کا بیجا استعمال ہوتا ہے تو ان کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں رقص کرنے لگتی ہیں پاس پڑوس کے لوگ تبسم دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ دال کالی ہو چکی ہے بقلم خود القاب وآداب کے استعمال سے شخصیت ابھرتی نہیں ہے بلکہ دبتی چلی جاتی ہے، ہمارے گاؤں میں ایک خاندان ہے اس خاندان میں بچہ پیدا ہوتے ہی بادشاہ طریقت بن جاتا ہے جبکہ خاندان کی فکری آوارگی سے قرب وجوار خوب اچھی طرح واقف ہے۔ ماضی سے حال کا رشتہ ٹوٹتا جارہا ہے، خود احتسابی کا جذبہ دم توڑ چکا ہے، ہر آدمی خوش فہمی کے حصار میں ہے، جب خوش فہمی کسی انسان پہ حاوی ہوتی ہے تو اس کی نگاہ میں دنیا کا ہر شخص چھوٹا نظر آتا ہے یہ تکبر ہے اور تکبر رب کو پسند نہیں جو خود کو حقیر سمجھتا ہے وہی عزت پاتا ہے، قابلیت سات پردوں میں رہ کے بھی خود کو منوا لیتی ہے۔ القاب وآداب کو زینہ بنا کر جو بلندیوں پہ چڑھتے ہیں جلد ہی بلندیاں انھیں زمین پر پٹخ دیتی ہیں۔ صلاحیتوں کی ہر زمانے میں تکریم ہوتی رہی ہے، صلاحیتوں کی زبان میں بڑی حلاوت ہوتی ہے، جو لوگ القاب وآداب کو ثریا تک پہنچنے کا زینہ تصور کرتے ہیں وہ بیوقوفوں کی جنت میں رہتے ہیں، سینے نور علم سے روشن ہوں حدود شریعت ہر وقت پیش نظر ہوں ایسی صورت میں انسان خود بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ رب کی رحمت خود آگے بڑھ کر بندے کو آواز دیتی ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔ اس حوالے سے حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات پڑھی جاسکتی ہے۔ رب کی رحمت

انھیں ہر وقت آواز دیتی تھی کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔ وہ عرض کرتے اے رب تیرے ذکر سے زبان غفلت کا شکار نہ ہو۔ کتنے علوم وفنون میں ان کو مہارت حاصل تھی یہ بتانا دقت طلب عمل ہے، ان کی حیثیت استاذ المناظرین کی تھی۔ انہوں نے درجنوں مناظرے کی صدارت کے فرائض انجام دیے۔ مناظرے کی دنیا میں ان کی شان یہ تھی کہ ان کا حریف ان کے علمی جال سے نکل نہیں پاتا تھا۔ مناظر بکثرت علوم وفنون کا ماہر ہوتا ہے اور جس نے تاحیات مناظرین کی صدارت کی ہو اس کے علوم وفنون کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ انہوں نے خود کو کبھی علامہ نہیں لکھا، انہوں نے خود کو مفتی کبھی نہیں لکھا اور نہ انہوں نے خود کو کبھی فقیہ لکھا ان القاب وآداب کو ان کے تلامذہ نے بھی کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ ان کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ کسی عقیدت مند نے عرض کیا کہ حضور آپ تو عباسی سید ہیں پھر لکھتے کیوں نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ گنہگار کس کس نسبت کو بدنام کرے جب کہ سید لکھنے کی ایک وباسی پھوٹ پڑی ہے کتنے افراد ایسے ہیں جو راقم الحروف کے سامنے سید بنے ہیں۔ اور یہ سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ نہ جانے لوگوں کو اپنا نسب بدلنے میں کیا لطف ملتا ہے۔ جبکہ حدیث مصطفیٰ جان رحمت میں اس کی شدید وعید آئی ہے، سید بن جانے کے بعد بہت ساری نعمتیں بن بلائے دسترخوان پہ آجاتی ہیں غالباً سید بننے میں دلچسپی کا یہی سبب ہے۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سرتاپا پیغام تھی۔ جہاں ان کے قدم ناز پڑ جاتے رحمتیں وہاں خیمہ زن ہوجاتیں، ان کی سانسیں بھی شریعت پابند تھیں۔ القاب وآداب کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ ؂

میرے اجداد قائل تو نہیں تھے خود پرستی کے
کہ عالم ہو کے بھی اپنے کو علامہ نہیں لکھا

حضور مجاہد ملت نے خود کو کبھی زمین سے بلند نہیں سمجھا

مگر ان کے رب نے انھیں اتنا بلند کیا اتنا بلند کیا کہ آسمان کی بلندی بھی انھیں جھک کر سلام کرتی تھی، آج پوری دنیا انھیں مجاہد ملت کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے۔ پھر بھی یہ کہتی

ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ ان کی حیات کا مطالعہ قدم قدم پر استعجاب میں اضافہ کرتا ہے، ان کی ذات اپنے قاری سے شریعت پہ گہری بصیرت کا مطالبہ کرتی ہے۔ ماضی میں دین کی تفہیم و تبلیغ میں جو کاروان شریعت مصروف سفر تھے ہر کارواں میں ان کا دینی درد چھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کسی کی طرف سے القاب وآداب کی کوئی بھی پیش کش انہوں نے کبھی قبول نہیں کی ان کی دعاؤں کا سرنامہ یہی ہوتا تھا قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اُٹھا، قادری ہونا ان کے نزدیک سب سے معزز، مکرم اور محترم لقب تھا، وہ تاحیات اسی لقب کو اپنے سینے سے لگائے رکھا ان کے نہاں خانۂ دل سے یہی صدا بلند ہوتی تھی ۔

مجھ کو القاب کی ضرورت کیا
ان کے در کا مجھے گدا لکھنا

حضور مجاہد ملت نے کبھی القاب وآداب کا تعاقب نہیں کیا بلکہ القاب وآداب ان کی بارگاہ میں ہر وقت دو رویہ دست بستہ کھڑے رہتے وہ حضور مجاہد ملت کی توجہ کے طالب ہوتے مگر آپ نے ان کی طرف کبھی نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا جبکہ ان کی ذات اعلیٰ سے اعلیٰ القاب وآداب کی حق دار تھی، ان کی ذات کے ساتھ جو القاب وآداب چمٹے ہوئے دکھتے ہیں یہ عقیدت مندوں کی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے تاحیات خود کو ایسی وضع قطع میں رکھا کہ جو ان سے متعارف نہ ہوتا انھیں دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو جاتا اور جب معلوم ہو جاتا کہ یہ فلاں شخص ہے تو اپنی پوری کائنات ان کے قدموں میں ڈال دیتا۔ آج ہر سمت القاب وآداب کی خرید و فروخت کا بازار گرم ہے۔ القاب وآداب اتنے ارزاں ہو گئے ہیں کہ لوگ بازار سے بورے میں بھر بھر کر لا رہے ہیں اگر بورے کا وزن زیادہ ہو جاتا ہے تو کرائے پر حمال لے لیتے ہیں اور گھر پہ آنے کے بعد سارے القاب وآداب کو سلیقے سے سجا دیتے ہیں تاکہ انھیں دیکھ کر آنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جائے جبکہ ایسا ہوتا نہیں ہے آنے والے پر اس کا الٹا اثر ہوتا ہے وہ سوچتا ہے کہ القاب تو بے زبان ہوتے ہیں بولتا انسان ہے اور جب انسان بولتا ہے تو اس کی گفتگو سے اس کے علم کا اندازہ ہو جاتا ۔

کسی کے علم کا اندازہ گفتگو سے کرو
یہ کیا ضرور کے تم اس کی ڈگریاں دیکھو

اہلسنت کا ہر عہد علم وتقویٰ سے عبارت ہے اہلسنت کا کوئی زمانہ افلاس علم کا شکار نہیں ہوا۔ ہر زمانے میں اہل علم کا ایک طویل نوری سلسلہ دور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ علمی اعتبار سے ماضی قریب کا بہت نمایاں نام ہے درجنوں علوم وفنون کو انہوں نے زندگی بخشی ہے ان کے بعد علمی آفاق پہ جو شخصیات چمک رہی ہیں انھیں دیکھ کر ہمارے حوصلوں کو بڑی توانائی ملتی ہے چند مشاہیر شخصیات کے اسماء ذیل میں ملاحظہ کریں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا خان بریلوی، ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء
حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفٰے رضا خاں نوری بریلوی ۱۳۱۰ / ۱۴۰۲ھ
حضرت مولانا مفتی سید احمد اشرف کچھوچھوی ۱۳۴۳ / ۱۹۲۴ء
حضور محدث اعظم ہند حضرت مولانا مفتی سید محمد کچھوچھوی ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء
حضرت مولانا احمد بخش صادق غازی خاں ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء
حضرت مولانا مفتی خواجہ احمد حسین امروہوی ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء
حضرت مولانا مفتی احمد مختار صدیقی میرٹھی ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء
ابوالمساکین حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین پیلی بھیتی ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۴ء
قطب مدینہ حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین مدنی ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء
حضرت مولانا مفتی پروفیسر سید سلیمان اشرف علی گڑھ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۳۹ء
مبلغ اسلام حضرت مولانا مفتی عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۴ء
حضرت مولانا مفتی عبدالسلام جبل پوری ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء
حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز محدث بجنوری ثم بریلوی ۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء
حضرت مولانا مفتی سید فتح علی شاہ سیالکوٹی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی	۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء
حضرت مولانا مفتی قاضی شمس الدین احمد جونپوری	۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء
ملک العلماء حضرت مولانا مفتی سید ظفر الدین فاضل بہار	۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء
برہان ملت حضرت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری	۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
حضرت مولانا مفتی حسنین رضا خاں بریلوی	۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء
حضرت مولانا مفتی سید دیدار علی شاہ الوری	۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۰ء
حضرت مولانا مفتی امام الدین کوٹلوی	۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء
صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء
شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مفتی ہدایت رسول رام پوری	۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۵ء
حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد کانپوری	۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء
حضرت مولانا مفتی یقین الدین بریلوی	۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء
حضرت مولانا مفتی سید احمد قادری لاہوری	۱۳۹۸ھ/ ۱۹۸۷ء

(مفتی اعظم اڑیسہ اور مسلک اعلیٰ حضرت، ص ۱۲۶)

مذکورہ شخصیات سے علمی آفاق روشن تھے، ان میں کا ہر شخص علمی اعتبار سے انجمن تھا، ادارہ تھا اور یونیورسیٹی تھا، ان کا مقصود و مطلوب عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے بندگان خدا کے سینوں کو منور کرنا تھا، ان میں کا ہر فرد القاب و آداب سے بے نیاز تھا۔ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے نام کے ساتھ مفتی بھی نہیں لکھا جاتا ہے مفتی کا اضافہ راقم نے کیا ہے، فقہ و فتاویٰ پہ سب کی گہری نظر تھی، ان کے نزدیک زر و جواہرات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مگر دنیا و آخرت کی عزتیں ان کے در دولت کا طواف کیا کرتی تھیں عہد حاضر علمی افلاس کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اپنی علمی بے مائیگی کو چھپانے کے لیے القاب و آداب کا سہارا لے رہے ہیں۔ پروفیسر اقبال جاوید نے آج کی علمی بے مائیگی کا نقشہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔

دورحاضر کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس میں تعلیم جتنی تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے اتنی ہی سرعت کے ساتھ علم گھٹتا جارہا ہے۔

حق یہ ہے کہ ہماری اکثریت اپنے علمی مرکز اور فکری سرچشمے سے کٹ کے رہ گئی ہے۔ عربی زبان کی بلیغانہ وسعتوں سے شناسائی تو دور کی بات ہے دور حاضر کے دانشوروں کی اکثریت سے قرآن مجید کی درست تلاوت کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔آج کون ہے جو اقبال کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن کے سمندر سے موتی چنے ہیں موتی چننا تو ایک طرف ہمیں تو موتیوں کی پہچان بھی نہیں ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے جس کی بنا پر کسی شخص پر علم وحکمت کے ایوان کھلتے اور اسے تفکر وتدبر کی توفیق ملتی ہے۔آج اگر ہم علمی طور پر مفلس، قلبی طور پر پریشان، ذہنی طور پر محدود اور نظری طور پر مسدود ہیں تو اس کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ ہماری سیہ دلی کی بنا پر اس علیم وخبیر ذات کی نگہ لطف ہم سے ہٹ گئی ہے اور ہم ہیں کہ اس احساس زیاں سے بھی بے نیاز ہیں جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو قلم بھی نور اگلتا ہے اور ہر لفظ شب کی ظلمتوں میں نقیب سحر بن جاتا ہے۔آج جب ہم اسلاف کے علمی نقوش دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟ اس کاروان علم وفضل کے پیچھے اڑنے والی گرد سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے اس کارواں کا ایک ایک فرد اپنی ذات میں انجمن تھا۔فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں، انکا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ وعصارہ ہوا کرتا تھا۔علمی طور پر ان کی تحریریں ان کی فکری عظمتوں کا آئینہ دار اور عملی طور پر ان کے روز وشب ان کی رفعت کردار کا پیمانہ ہوتے تھے۔

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

نور مصطفیٰ پٹنہ کا امام اہلسنت نمبر ص ۲۵ /اکتوبر ۲۰۱۹ء

اسلاف شناسی کی تحریک زوال آمادہ ہے۔علمی بے مائیگی کا شور بڑھتا جارہا ہے اور القاب وآداب کی گرم بازاری پورے شباب پر ہے حال یہ ہے کہ جو بڑھ کر تھام لے ہاتھوں

سے بس میناسی کا ہے تھوڑے بہت جو اہل خرد ہیں ان کے خیموں سے صدائیں آرہی ہیں۔

نظامِ میکدہ بگڑا ہوا ہے اس قدر ساقی
انہی کو جام ملتا ہے جنھیں پینا نہیں آتا

باطل قوتیں جسد ملت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں ہر آنے والا وقت مسلمانوں کے لیے طرح طرح کی آزمائشیں لے کر آرہا ہے۔ جنھیں دفاع ملت میں سرفروشانہ کردار ادا کرنا تھا۔ وہ القاب و آداب کے رنگ و روغن سے شخصی و ذاتی آرائش و زیبائش میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ایسے ہی حالات کے پس منظر میں ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا ہے۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

متاع دین و شریعت کا تحفظ عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ملک عزیز میں امت مسلمہ کا مستقبل بہر حال حوصلہ افزا نہیں، ملک میں مسلم برادری دوسری سب سے بڑی اقلیت ہے اتنی بڑی تعداد کو حاشیے پہ رکھ دینا کسی بھی صورت میں ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔ اسلام دشمن عناصر اپنے منصوبے میں اس لیے کامیاب ہو رہے ہیں کہ کوئی موثر مسلم قیادت نہیں ہے۔ حالات کو نیا رخ عوام سے نہیں ملتا ہے عوام کی حیثیت بکھرے ہوئے پتوں کی ہے انھیں جس طرح آپ چاہیں استعمال کر سکتے ہیں حالات کو نئی اٹھان علماء سے ملتی ہے، تاریخ کی یہ ایک ایسی عظیم سچائی ہے جس کا انکار بہت مشکل ہے۔ احادیث میں علما کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے انبیاء کی وراثت کے مطالبات بہت کٹھن ہیں عصر حاضر میں منصب کے حصول کے لیے تنازعات میں جماعت کا ہر تیسرا آدمی گرفتار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ منصب کے فرائض کا شعور ہم میں زندہ نہیں رہا۔ حکومت وقت نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کو سخت اذیتیں دی جاتیں اور کہا جاتا کہ اذیتوں سے اگر نجات چاہتے ہو تو قاضی کا منصب قبول کر لو آپ نے جان دے دی مگر منصب قبول نہیں کیا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی

قدس سرہٗ کو بھی حیدرآباد کے نواب کی طرف سے قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا۔آپ نے بھی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔آپ کے انکار سے نواب کو بہت تکلیف ہوئی لیکن اس کی ناراضگی کا آپ کی صحت پہ کوئی اثر نہیں پڑا حضور تاج الشریعہ کو کسی نے اپنی کتاب میں مفتی اعظم ہند لکھ دیا جب وہ کتاب آپ کو دکھائی گئی تو آپ شدید ناراض ہوئے۔آپ نے فرمایا کہ یہ منصب، یہ لقب اور یہ عہدہ ہمارے نانا جان حضور مفتی اعظم ہند حضرت مفتی شاہ محمد مصطفیٰ رضا علیہ الرحمہ ہی کو زیب دیتا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت اب علم کی ہوگئی ہے جب بھی کسی کی زبان پر یہ لقب آتا ہے تو حضور مفتی اعظم ہند کا سراپا نگاہوں میں گھومنے لگتا ہے۔

مذکورہ شخصیات کی علمی دنیا میں وہ حیثیت ہے کہ تمام لغات سے القاب وآداب نکال کر ان کے نام کر دیئے جائیں تو بھی یہ کہنا پڑے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

موجودہ عہد کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جو لوگ خود کو بڑا تصور کرتے ہیں وہ اپنے القاب وآداب خود تراشتے ہیں اور اپنے القاب وآداب کی خود ہی خوب تشہیر کرتے ہیں بلکہ تشہیر کے لیے باضابطہ افراد رکھے جاتے ہیں اس وقت جن القاب وآداب پہ علمی دنیا ماتم کناں ہے ان میں اسیر مفتی اعظم ہند، عطائے مفتی اعظم ہند، عطائے اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند، قائد اہلسنت امین شریعت وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ حاملان القاب کے بہت سارے ظاہری افعال سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں۔ جماعت کا سنجیدہ طبقہ تشویش میں مبتلا ہے کہ القاب وآداب کے ساتھ ایسا ہی بودا مذاق ہوتا رہا تو آنے والا وقت اور بھی تاریک ہوجائے گا اور اس کے منفی اثرات سے ماضی کی روایتیں بھی متاثر ہوں گی۔ ہماری تشویش شواہد سے جڑی ہوئی ہے۔اگر کوئی شخص جاننے کی خواہش رکھتا ہے تو ہم سے تفصیلات معلوم کر سکتا ہے۔

القاب وآداب کے حوالے سے گفتگو بہت طویل ہوگئی۔عصر حاضر حق گوئی کے جذبے سے خالی ہوتا جارہا ہے۔حضور مجاہد ملت کی ذات حق گوئی کی علامت تھی حمایت حق، نیابت حق اور اشاعت حق میں انہوں نے جو کلفتیں اٹھائی ہیں وہ ماضی قریب کی ایک ایسی داستان ہے

جسے پڑھنے کے بعد گھنٹوں انسان سوچتا رہتا ہے کہ کیا یہ حقیقت ہے؟ یا لکھنے والوں نے افسانہ لکھ دیا ہے۔نہیں یہ افسانہ نہیں ہے اس لیے کہ بہت سارے ایسے افراد و اشخاص اب بھی موجود ہیں جن کی آنکھوں میں حضور مجاہد ملت کے پاکیزہ جلوے تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھیں جیل کی تاریک کوٹھری میں دیکھنے والے لوگ بھی ابھی بقید حیات ہیں اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے نجدی بر بریت کا خندہ پیشانی کے ساتھ انہیں مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے عہد ہی میں عالمی شخصیات کی صف میں نمایاں حیثیت حاصل کر چکے تھے دینی ملی، علمی، سیاسی اور عائلی مسائل میں ان کی ذات قبلۂ حاجات بن گئی تھی، وہ اپنے تمام تر معاملات میں مدینے کی سرکار سے رجوع ہوتے تھے اور ساری دنیا ان سے رجوع ہوتی تھی۔تاریخ کے دامن میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں ہم انھیں دہرانا نہیں چاہتے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شدید خواہش تھی کہ دنیا کے ہر خطے میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چراغ روشن ہو جائے اور اسی چراغ کی روشنی میں مسلمان اپنی حیات کا پر امن سفر جاری رکھے۔ اس لیے کہ جو دل لذت عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آشنا نہیں ہوتا اسے ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوسکتی اور جو حلاوت ایمان سے نا آشنا ہو اس کے لیے رضائے الٰہی کا کوئی باب کبھی کھل نہیں سکتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنی تحریک، تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بہت سنجیدہ تھے وہ اسی کے داعی و پیامی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کا سراپا عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آتش فشاں تھا حرارت عشق سے ان کی خلوت وجلوت ہر وقت گرم رہا کرتی تھی ان کا وظیفۂ حیات تھا۔

ہمارے دردِ جگر کی کوئی دوانہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے۔

ان کا فرمان ہے کہ عشقِ مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری جان ہے یہ ہرلمحہ ترقی بکنار رہے وہ فرماتے تھے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوقرآن حکیم نے ایمان سے تعبیر کیا ہے مگر میرا ایمان یہ کہتا کہ یہ عشق ایمان کی جان ہے، اس حوالے سے ان کی دعوتی سرگرمیاں ہر وقت جاری رہتی تھیں، اسی لیے ابتدا ہی میں انہوں نے دنیا کے بیشتر مما لک سے اپنے روابط بحال کر لیے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پوری دنیا میں گھوم گھوم کر ہم اس کی ترویج وتشہیر کریں مگر ہر جگہ پہنچنے کی راہیں مشکلات سے بھری ہوئی تھیں اس لیے انہوں نے سوچا کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں بیٹھ کر ہی اپنے سوزش عشق سے پوری دنیا کے مومنین کے قلوب کو تپش آمادہ کرتے رہیں۔ حجاز مقدس اسلام کا صدر مقام ہے یہاں سے جو پیغام نشر ہوگا پوری دنیا میں یکبارگی سنا اور محسوس کیا جائے گا۔ اور علمائے مکہ ومدینہ طیبہ جس فکر، جس نشریے اور جس شرعی تحقیق کی تائید وتوثیق کردیں دنیا کا کوئی محقق اسے رد نہیں کرسکتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے اپنی حیات ظاہری میں دو حج کیے پہلے حج میں آپ کی حرارت عشق کو وہ شہرت و پذیرائی نہیں ملی جو ملنی چاہیے تھی پھر آپ کی طلبی دوسرے حج کے لیے ہوئی۔ آپ کا یہ سفر وسیلہ ظفر ثابت ہوا اس حج میں آپ نے بہت سارے شرعی فیصلے کئے اور ان کی علمائے مکہ ومدینہ سے تائیدات حاصل کیں اس سفر کے احوال کی تفصیلات الملفوظ، شریف میں دیکھی جاسکتی ہے۔ علمائے مکہ وعلمائے مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جس کے دل میں آپ کی الفت ومحبت کا چراغ روشن نہ ہوا ہو۔ محفلیں سجائی جاتیں اور ان محافل ومجالس میں آپ صدر نشین کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوتے'' الدولۃ المکیۃ'' میں بھی اس کے شواہد دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کے حولے سے علمائے حجاز مقدس کے خیالات کیا تھے چند مشاہیر شخصیات کے تاثرات ذیل میں ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا مفتی شیخ احمد ابوالخیر میرداد مکی حنفی، سابق مدرس وخطیب وامام مسجد حرام شریف

حمد و صلاۃ کے بعد بیشک وہ علّامہ فاضل کہ اپنی آنکھوں کی روشنی سے مشکلوں اور دشواریوں کو حل کرتا ہے احمد رضا خاں جو اسمِ بامسمّٰی ہے اور اُس کے کلام کا موتی اُس کے معنیٰ کے جواہر سے مطابقت رکھتا ہے تو وہ باریکیوں کا خزانہ ہے محفوظ گنجینوں سے چُنا ہوا اور معرفت کا آفتاب ہے جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا علوم کی مشکلاتِ ظاہر و باطن کا نہایت کھولنے والا جو اُس کے فضل پر آگاہ ہوا اُسے سزاوار ہے کہ کہے اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ ؎

زمانے میں مَیں گرچہ آخر ہوا وہ لاؤں جو اگلوں سے ممکن نہ تھا

خدا سے کچھ اس کا اچنبھا نہ جان کہ اک شخص میں جمع ہو سب جہان

خصوصاً اُن دلیلوں اور حجتوں اور حق و واضح باتوں کے باعث جو اُس نے اس رسالہ سزاوارِ قبول و تعظیم و اجلال مسمّٰی بہ ''المعتمد المستند'' میں ظاہر کیں جن سے اہلِ کفر و الحاد کی جڑ کھود ڈالی۔ اس لیے کہ جو اِن اقوال کا معتقد ہو جن کا حال اس رسالہ میں مشرح لکھا ہے وہ بیشک کافر ہے، گمراہ ہے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے، دین سے نکل گیا ہے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کے تمام علما کے نزدیک جو ملّتِ اسلام و مذہبِ سنّت و جماعت کی تائید کرنے والے اور بدعت و گمراہی و حماقت والوں کے چھوڑنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ مصنّف کو اُن سب مسلمانوں کی طرف سے جو ائمۂ ہدایت و دین کے پیرو ہیں جزائے کثیر دے اور اُس کی ذات اور اُس کی تصنیفات سے اگلوں پچھلوں کو نفع بخشے اور وہ رہتی دنیا تک حق کا نشان بلند کرتا اہلِ حق کو مدد دیتا رہے جب تک صبح و شام ہوا کرے اللہ تعالیٰ اُس کی زندگی سے تمام جہان کو بہرہ مند کرے اور ہمیشہ مدد و عنایاتِ الٰہی کی نگاہ اُس پر رہے قرآنِ عظیم ہر دشمن و حاسد و بدخواہ کے مکر سے اُس کی حفاظت کرے، صدقہ اُن کی وجاہت کا جن کی عزّت عظیم ہے جو انبیا و مرسلین کے ختم کرنے والے ہیں۔ اللہ اُن پر اور اُن کے آل و اصحاب سب پر درود بھیجے اسے لکھا محتاجِ اِلٰہ گرفتارِ گناہ احمد ابو الخیر بن عبد اللہ میرداد نے کہ مسجد الحرام شریف میں علم کا خادم و خطیب و امام ہے۔

حضرت مولانا مفتی شیخ صالح کمال حنفی مکی، سابق قاضیِ شہر جدّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب خوبیاں اُس خدا کو جس نے آسمانِ علوم کو علمائے عارفین کے چراغوں سے مزیّن فرمایا اور اُن کی برکات سے ہمارے لیے ہدایت اور حق واضح کے راستوں کو روشن کر دکھایا میں اُس کے احسان وانعام پر اُس کی حمد کرتا ہوں اور اُس کے خاص اور عام افضال پر اُس کا شکر بجالاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچّا معبود نہیں ایک اکیلا اُس کا کوئی شریک نہیں ایسی گواہی کہ اپنے کہنے والے کو نور کے منبروں پر بلند کرے اور کجی اور بدکاری والوں کے شبہات کو اُس کے پاس نہ آنے دے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں جنہوں نے ہمارے لیے حجت واضح کر دی اور کشادہ راہ روشن فرمائی الٰہی تو درود اور سلام نازل فرما اُن پر اور اُن کی سُتھری پاکیزہ آل پر اور اُن کے فوز وفلاح والے صحابہ اور اُن کے نیک پیروؤں پر قیامت تک، بالخصوص اُس عالم علّامہ پر کہ فضائل کا دریا ہے اور علمائے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت مولانا محقق زمانے کی برکت احمد رضا خاں بریلوی اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کرے سلامت رکھے اور ہر بُری اور ناگوار بات سے اُسے بچائے۔ حمد وصلاۃ کے بعد اے امام پیشواتم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہمیشہ۔ بیشک آپ نے جواب دیا اور بہت ٹھیک دیا اور تحریر میں دادِ تحقیق دی اور مسلمانوں کی گردنوں میں احسان کی ہیکلیں ڈالیں اور اللہ عزّ وجلّ کے یہاں عمدہ ثواب کا سامان کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لیے مضبوط قلعہ بنا کر قائم رکھے اور اپنی بارگاہ سے آپ کو بڑا اجر اور بلند مقام دے اور بیشک گمراہی کے وہ پیشوا جن کا تم نے نام لیا ایسے ہی ہیں جیسا تم نے کہا اور تم نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا سزاوارِ قبول ہے تو ان کا جو حال تم نے بیان کیا اس پر وہ کافر اور دین سے باہر ہیں۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ لوگوں کو ان سے ڈرائے اور ان سے نفرت دلائے اور ان کے فاسد راستوں اور کھوٹی رایوں کی مذمّت کرے اور ہر مجلس میں ان کی تحقیر واجب ہے اور ان کی پردہ دری صواب سے ہے۔ (فتاویٰ حسام الحرمین شریف، ص: ۹۸، ۹۹، اشاعت ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا مفتی شیخ علی بن صدیق کمال مکی، حنفی مدرس مسجد حرام وسابق قاضی عدالت شرعیہ جدّہ

حمد وصلاۃ کے بعد میں اپنے رب عزّوجلّ کا شکرادا کرتا ہوں کہ یہ بلند ستارہ چمکا اور یہ پورا نفع دینے والی دوا اس گھبراہٹ اور درد کے زمانہ میں پیدا ہوئی جس میں بدمذہبوں کو پُرزور املے کی طرح ہم دیکھ رہے ہیں اور بدمذہب لوگ ہر کشادہ اونچی زمین سے ڈھال کی طرف پے در پے آرہے ہیں۔ الٰہی اُن سے شہروں کو خالی کر اور اُنہیں تمام خلق میں نکٹا کر اور اُنہیں ہلاک کر جیسے تو نے ثمود اور عاد کو ہلاک کیا اور اُن کے گھروں کو کھنڈر کردے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ خارجی، یہ دوزخ کے کتّے، یہ شیطان کے گروہ کافر ہیں اور ماننے اور گرویدگی کے لائق ہے جس کو یہ روشن ستارہ لایا وہ وہابیہ اور ان کے تابعین کی گردن پر تیغِ بُرّاں استاد معظم اور نامور مشہور ہمارا سردار اور ہمارا پیشوا احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ اُسے سلامت رکھے اور دین کے دشمنوں، دین سے نکل جانے والوں پر اُس کو فتح دے ہمارے سردار محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عزّت کا صدقہ۔ اور آپ پر سلام ہو۔

(فتاویٰ حسام الحرمین شریف، ص: ۱۰۲، ۱۰۳۔ اشاعت ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا مفتی شیخ عبدالحق مہاجر مکی الٰہ آبادی

حمد وصلاۃ کے بعد میں اس شرف والے رسالے پر مطلع ہوا اور وہ خوشنما تحریر اور زیبا تقریر جو اس میں مندرج ہے دیکھی تو میں نے اُسے ایسا پایا کہ اسی سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں نہ غیر سے، اور وہی ہے جسے کان اور جی لگا کر سُنیں کہ اس کی خوبی اور اس کا فیض ظاہر ہے۔ اُس کے مؤلف علامہ عالم جلیل، دریائے زخّار، پُرگو بسیار فضل کثیر الاحسان، دلیر دریائے بلند ہمّت ذہین، دانشمند بحر ناپیدا کنار شرف وعزّت وسبقت والے، صاحبِ ذکا سُتھرے نہایت کرم والے، ہمارے مولیٰ کثیر الفہم حاجی احمد رضا خاں نے کہ وہ جہاں ہو اللہ اس کا ہو اور ہر جگہ اس کے ساتھ لطف فرمائے اس تفصیل وتحقیق وربط وضبط وتدقیق میں راہِ صواب پائی۔ انصاف کیا اور عدل کیا اور رہنمائی وہدایت کی تو واجب ہے کہ شبہہ کے وقت اسی تحقیق کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی پر اعتماد ہو تو اللہ اُسے پوری جزا بخشے اور اُس پر انتہا درجے کی اپنی نعمتیں کثیر ووافر کرے اور ابدالآباد تک اُس کے فضل کو ممتد کرے نہایت وسیع عیش کے

ساتھ جس سے جی نہ اُکتائے نہ کوئی حادثہ پیش آئے سردار مرسلین سیّد عالمین کا صدقہ۔ اُن پر اور اُن کی عزّت والی آل اور عظمت والے صحابہ پر اللہ کا سب سے ستھرا درود اور سب سے پاکیزہ سلام۔ لکھا اسے بندۂ ضعیف نے کہ اپنے رب رہنما کے حرم میں پناہ لیے ہے محمد عبد الحق ابن مولانا حضرت شاہ محمد الہ آبادی۔ اللہ تعالیٰ اُن دونوں کے ساتھ اپنے فضلِ عام کا معاملہ کرے۔ ۸ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ صاحبِ ہجرت پر دس لاکھ درود و سلام۔

(حسام الحرمین شریف، ص: ۱۰۴، ۱۰۵۔ اشاعت ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا مفتی شیخ تاج الدین الیاس مدنی

جو متقیوں کو عطا ہوں۔ بعد حمد و صلاۃ میں مطلع ہوا اُس پر جو عالم ماہر اور علامہ مشہور جناب مولیٰ فاضل حضرت احمد رضا خاں نے کہ علمائے ہند سے ہیں۔ اللہ عزّ وجل اُس کے ثواب کو بسیاری دے اور اُس کا انجام خیر کرے۔ اُن گروہوں کے رَد میں لکھا جو دین سے نکل گئے اور وہ گمراہ فرقے جو زندیقوں، بے دینوں میں سے ہیں اور اُس پر جو اُن کے حق میں اپنی کتاب ''المعتمد المستند'' میں فتوےٰ دیا تو میں نے اُسے پایا کہ اِس باب میں یکتا ہے اور اپنی حقّانیت میں کھَرا۔ تو اللہ اُسے اپنے نبی اور دین اور مسلمین کی طرف سے سب میں بہتر جزا عطا فرمائے اور اُس کی عمر میں برکت دے یہاں تک کہ اس کے سبب بد بخت گمراہوں کے تمام شبہات مٹا دے اور امتِ محمدیہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں اُس جیسے اور اُس کی مانند اور اُس کے شبیہ بکثرت پیدا کرے۔ اے اللہ ایسا ہی کر۔ راقم فقیر محمد تاج الدین ابنِ مرحوم مصطفیٰ الیاس حنفی مفتی مدینہ منورہ غفرلہ

(فتاویٰ حسام الحرمین شریف، ص: ۱۶۰، ۱۶۱۔ اشاعت: ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں وصال ہو جاتا ہے۔ آپ کے وصال سے پوری دنیا متاثر ہوئی اس لیے کہ نفاذ شریعت اور شرعی احکام کی ترسیل میں آپ نے جو سرفروشانہ کردار ادا کیا ہے اس کردار کا حامل کوئی دوسرا چہرہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا آپ کے خلف اکبر اور جانشین حضور حجۃ الاسلام بھی اس تعلق سے مسلسل

فکر مند رہا کرتے تھے۔ حضور حجۃ الاسلام کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے جو رابطے کی کڑیاں جوڑی ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ جائیں۔ آپ کو تنہائی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا ہم فکر، ہم خیال اور ہم زبان مل جائے جو اس سفر میں قدم قدم پر ہماری ہم نوائی کرتا رہے۔ رفقائے سفر کی ایک بہت بڑی تعداد تھی مگر آپ کو جس جذبے، جس فدا کاری اور جس جنون عشق کی ضرورت تھی رفقائے سفر میں اس جذبے، اس فدا کاری اور اس جنون عشق کا حامل کوئی نہیں تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے جانشین کی تشویش کو دیکھ رہے تھے، آپ نے خواب میں اپنے جانشین کی رہنمائی فرمائی اور حضور مجاہد ملت کو تھوڑی تفصیلات کے ساتھ سامنے لاکر کھڑا کر دیا۔ حضور مجاہد ملت کی اجمالی تفصیلات اور ان کی شبیہ نے حضور حجۃ الاسلام کو ایک نئی الجھن میں ڈال دیا انھیں یہ خوشی ڈسنے لگی کہ اس نوجوان سے دید وشنید کی سبیل کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بشارت سے حضور حجۃ الاسلام کو جو کرب پریشان کئے ہوا تھا، وہ کرب تو جاتا رہا مگر دوسرا کرب حضور مجاہد ملت سے جلد ملنے کا سر پہ سوار ہو گیا۔ باب ارادت میں ایسی نظریں ملتی ہیں خود اعلیٰ حضرت کے پیر و مرشد بہت دنوں سے اعلیٰ حضرت کے انتظار میں تھے، حضور مفتی اعظم ہند کے مرشد گرامی صاحب نور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری حضور مفتی اعظم کے انتظار میں تھے۔ جب دیکھنے کی بے قراری بڑھی تو پورا نظام میکدہ لیکر بریلی شریف آ گئے اور جی بھر کے دیکھا، نوازا اور خوب سیراب کیا پھر مارہرہ شریف واپس ہو گئے۔

حاملان طریقت میں جاکر نوازنے کی بھی روایتیں ملتی ہیں اور بلا کر نوازنے کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں دونوں پہ بکثرت شہادتیں موجود ہیں، جن کو مزید تفصیلات کی ضرورت ہو وہ کتب تصوف سے رجوع کریں۔

حضور مجاہد ملت پہلی بار ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خصوصی نوازشات سے اپنے دامن کو مشکبار کرنے کی غرض سے عرس رضوی میں

بریلی شریف حاضر ہوئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حضور مجاہد ملت آئے نہیں تھے بلکہ بلائے گئے تھے، بریلی شریف میں کوئی ان کا شدت سے مشتاق تھا جب دونوں اعلیٰ حضرت کے روضے پہ حاضر ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے کی خوشبو کو محسوس کرلیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے یہ بغل گیری درحقیقت سمندر اور دریا کا سنگم تھا۔ حضور حجۃ الاسلام نے حضور مجاہد ملت کے لیے حامدی رضوی میکدے کے سارے در کھول دیئے تھے حضور حجۃ الاسلام کی کتاب حیات میں دوسرے کسی شخص وشخصیت کے لیے نوازشات وعنایات کا یہ انداز نہیں ملتا، ان کے دامن کرم سے فیضیاب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے ان میں اکثریت علماء، فقہاء اور مدبرین کی ہے حامدی فکر واعتقاد کے باب میں بڑے، متصلب ہوتے ہیں حامدی میکدے سے پینے والے اب دنیا میں بہت کم لوگ موجود ہوں گے کسی حامدی نے اپنی جماعتی شناخت کو کبھی میلا ہونے نہ دیا۔ ہم نے بہت سارے حامدی کی زیارت کی ہے اور ان کی دعاؤں سے مستفیض ہوئے ہیں۔

حضور حجۃ الاسلام نے حضور مجاہد ملت کو جی بھر کے پلایا اور پھر رخصت کردیا حضور مجاہد ملت بریلی شریف جو رنگ لیکر گئے تھے وہ سارے رنگ اتر گئے، حامدی رنگ کی خوشبو نے انہیں اتنا متاثر کیا کہ اسی رنگ سے آپنے اپنی کتاب حیات کے ہر ورق کو رنگ دیا۔

حضور حجۃ الاسلام نے اس ایک ملاقات میں حضور مجاہد ملت کو کیا دیا، کتنا دیا اور کیا کیا دیا اس کا کوئی اظہار واعلان نہیں فرمایا اور بارگاہ حجۃ الاسلام سے انھیں کیا ملا حضور مجاہد ملت نے بھی اس کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا۔ بریلی شریف میں حضور مجاہد ملت کا قیام کتنے دنوں تک رہا تاریخ میں اس کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا، حضور حجۃ الاسلام کو حضور مجاہد ملت سے ملنے کی جو بے قراری تھی وہ ختم ہوگئی، انہیں فروغ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جس جاں فروش سپاہی کی ضرورت تھی انھیں وہ سپاہی مل گیا۔ حضور حجۃ الاسلام کے جو مقاصد تھے، جو منصوبے تھے اور ان کے سینے میں ملی درد کا جو آتش فشاں تھا حضور مجاہد ملت سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سب کچھ بتادیا حضور مجاہد ملت عشق کی بھٹی میں تپ کر آئے تھے انھیں مزید تپش آمادہ ہونا

تھا۔ ایک ہی ملاقات میں ساری منزلیں طئے ہوگئیں اور خانقاہ رضویہ کے در و دیوار سے شور اُٹھنے لگا کہ تو من شدی من تو شدم۔

حضور مجاہد ملت ہر اعتبار سے صاحب وجاہت تھے ان کے وجود مسعود پہ معائب کی کبھی کوئی دھوپ نہیں پڑی تھی۔ ان کی ذات چاند کی چاندنی سے زیادہ صاف وشفاف تھی۔ رحمت الٰہی انھیں اپنی گود میں جھولے جھلاتی تھی۔ شرعی اصولوں کی قدردانی سے وہ لمحہ بھر کے لیے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ان کی ذات سراپا اسلام کی دعوت تھی دعوت کا فریضہ صرف زبان ہی سے انجام نہیں پاتا، دعوت کی راہ میں کردار کی کلیدی حیثیت ہوتی ہے۔ اسلامی اقدار کے فروغ میں کردار نے ہمیشہ اہم رول ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے صوفیاء کی کتاب حیات پڑھی جاسکتی ہے۔

حضور حجۃ الاسلام کو نوازنے کی صلاحیت وراثت میں ملی تھی، وہ اعلیٰ حضرت کے جانشین تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خوان کرم سے اقتباس نور کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے حضور حجۃ الاسلام کے در کے ریزہ خواروں کی بھی فہرست بہت لمبی ہے۔ اس فہرست حضور مجاہد ملت کے خصوصی امتیازات ہیں۔ حضور مجاہد ملت کے ذکر وفکر سے جس طرح کل محافل ومجالس آراستہ ہوتی تھیں اسی انداز میں آج بھی ہو رہی ہیں۔ حجۃ الاسلام کے خلفاء میں آج یہ فضیلت شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ علم وعمل، دولت وثروت اور فکر امروز وفردا کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو حضور مجاہد ملت، بہت نمایاں نظر آتے ہیں حضور حجۃ الاسلام کے مشاہیر خلفا کی ایک مختصر فہرست ذیل میں ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت مولانا ظہیر الحسن، اودے پور، راجستھان
(۲) حضرت مولانا محمد میاں صاحب اشرفی رضوی، علیم آباد، دربھنگہ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء
(۳) حضرت مولانا عنایت محمد خان غوری، فیروز پوری
(۴) حضرت مولانا مفتی ابرار حسن صدیقی، تلہری
(۵) حضرت مولانا مفتی ولی الرحمٰن، پوکھریروی، مظفر پوری
(۶) حضرت مولانا حماد رضا خاں نعمانی میاں، بریلوی (خلف اصغر) ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

(٧) حضرت مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری۔ ١٣٧٩ھ ١٩٦٠ء

(٨) حضرت مولانا سردار ولی خاں عرف عزو میاں بریلوی

(٩) حضرت مولانا مفتی حشمت علی خاں لکھنوی، ١٣٨٠ھ ١٩٦٠ء

(١٠) حضرت مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد الوری۔ ١٣٨٠ھ ١٩٦١ء

(١١) محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی سردار احمد لائن پوری۔ ١٣٨٢ھ ١٩٦٢ء

(١٢) حضرت مولانا محمد اجمل سنبھلی۔ ١٣٨٣ھ ١٩٦٣ء

(١٣) حضرت مولانا مفتی ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں خلف اکبر۔ ١٣٨٥ھ ١٩٦٥ء

(١٤) حضرت مولانا سید ریاض الحسن شاہ جودھپوری۔ ١٣٩٠ھ ١٩٧٠ء

(١٥) حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی۔ ١٣٩٣ھ ١٩٧٣

(١٦) محدث اعظم بہار حضرت مولانا مفتی محمد احسان علی مظفر پوری۔ ١٤٠٢ھ ١٩٨٢ء

(١٧) حضرت مولانا محمد سید شبلی فیروز پوری ١٤٠٣ھ ١٩٨٢ء

(١٨) ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خان رحمانی میاں۔ ١٤٠٥ھ ١٩٨٥ء

(١٩) امین شریعت حضرت مولانا مفتی محمد رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور۔ ١٤٠٣ھ ١٩٨٣ء

(٢٠) حضرت مولانا احمد ماہر رضوی، مدھوبنی

(٢١) حضرت مولانا مفتی ابوسہیل انیس عالم امین شریعت بہار

(٢٢) حضرت مولانا قاضی فضل کریم صاحب قاضی شریعت بہار

(٢٣) حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ ١٤٠٦ھ ١٩٨٦ء

(٢٤) حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں رضوی بریلوی

(٢٥) حضرت مولانا خوشتر صدیقی قادری رضوی

(٢٦) حضرت مولانا مفتی ظفر علی خاں نعمانی

(٢٧) حضرت مولانا سید محمد علی اجمیری

(٢٨) حضرت مولانا محمد علی آنولوی

(ذکر جمیل خوشتر صدیقی)

حضور مجاہد ملت شہرت وعزت کی جس مسند پہ جلوہ بار ہیں حضور حجۃ الاسلام کے مذکورہ خلفاء میں عزت ورفعت کی وہ مسند کسی کو نہ مل سکی حضور مجاہد ملت جنون عشق کے باب میں بھی منفرد نظر آتے ہیں، حضور حجۃ الاسلام نے ہمیشہ انھیں خصوصی توجہات میں رکھا۔ چونکہ ان سے جہاں گیری وعالمگیری کا کام لینا تھا، حضور مجاہد ملت نے حضور حجۃ الاسلام کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے تاحیات قائدانہ جد وجہد کرتے رہے، انھوں نے اپنے کام اور نام سے اپنے ملک ووطن ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ دیار غیر میں بھی حامدی جنون عشق کا خوب مظاہرہ کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے عالمی روابط کے جو چراغ روشن کیے تھے ان چراغوں کی روشنی کو انھوں نے کبھی مدھم ہونے نہیں دیا۔ تحریک عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انھوں نے نئی تب وتاب عطا کی جو طاقتیں چراغ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بجھانا چاہتی تھیں ان طاقتوں کا وہ تاحیات تعاقب کرتے رہے، مسلمانوں کو انھوں نے دینی صف بندی کا تازہ شعور عطا کیا اور باطل سے محاذ آرائی کا حوصلہ بخشا، باطل ان کے وجود سے سراسیمہ تھا۔ وہ جہاں پہنچ جاتے خوش عقیدگی کی فصلیں لہلہانے لگتیں اور باطل اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنی کمین گاہوں میں روپوش ہوجاتا۔

حضور مجاہد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا انتخاب تھے اور جن مقاصد کے لیے آپ کا انتخاب ہوا تھا آپ نے ان مقاصد سے کبھی چشم پوشی نہیں کی وہ تاحیات کفن بدوش رہے۔ انھوں نے اپنی بے لوث خدمات سے اہل زمانہ کو یہی پیغام دیا کہ موسم کا منھ تکتے رہنا دیوانوں کا شیوہ نہیں ہوتا، زندگی صرف بندگی کے لیے ملی ہے۔ جو زندگی بندگی سے غافل ہوجائے وہ زندگی زندگی نہیں ہے۔ ان کی زبان پہ تاحیات یہی نعرہ رہا۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

حضرتِ حجۃ الاسلام کی آنکھوں کی ضیا
فیض یابِ شہِ والا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

سید اولاد رسول قدسی

باب چہارم

اشاریات

محمد رحمت اللہ صدیقی

حضور مجاہد ملّت پہ دستیاب چند کتب و رسائل کا اشاریہ

حضور مجاہد ملّت (۱۳۲۲ھ/۱۴۰۱ھ) فضائل و کمالات کے جامع تھے۔ ایک عظیم فقیہ، ایک وسیع النظر مفتی، ایک جید عالمِ دین، ایک کہنہ مشق اور کامیاب مناظر، ایک ماہر مدرس، ایک دردمند قومی رہنما، ایک سیاسی مدبر اور ایک شوریدہ حال عاشق میں جو خصوصیات ہوسکتی ہیں وہ ساری خصوصیات حضور مجاہد ملّت کی ذات میں موجود تھیں۔قومی وملکی حالات نے انھیں مسند افتاء، مسند درس وتدریس اور مسند رُشد وہدایت پر یک سوئی کے ساتھ بیٹھنے کے مواقع نہیں دیئے۔ باطل عقائد ونظریات کے طوفان بدتمیزی نے انھیں کسی بھی مقام پر چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔جس علاقے میں بدعقیدگی شورش برپا کرتی، اسے کچلنے کے لیے تنِ تنہا وہاں آپ حاضر ہوجاتے۔ جہاں قومی وملکی امن کو خطرات لاحق ہوتے آپ وہاں بحالیٔ امن کی کوشش میں مصروف ہوجاتے۔ بحالیٔ امن کے حوالے سے آپ مذہب نہیں دیکھتے، مشرب نہیں دیکھتے اور نظریاتی رکھ رکھاؤ نہیں دیکھتے۔ جب زخموں پہ کوئی مرہم رکھتا ہے تو دل میں اس کے احترام کا چراغ خود بخود جل اُٹھتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی شخصیت میں وسعت ہے، گہرائی ہے اور قومی مفادات پہ مر مٹنے کا ایک ختم نہ ہونے والا شور ہے۔انہوں نے قومی وقار کو اعتبار دینے کی ہر امکانی کوشش کی۔ انہوں نے انجام کی کبھی فکر نہیں کی۔ ان کا کہنا تھا کہ چراغِ محبت جلاتے چلو، یہ نہ دیکھو کہ رستے میں گھر کس کا آتا ہے۔ جب چراغ جلے گا تو ظاہر کے ساتھ باطن بھی روشن ہوسکتا ہے۔ ہولی کے دن تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے جدِّ اعلیٰ حضرت شاہ رضا علی خاں علیہ الرحمہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، بالاخانے سے کسی خاتون نے آپ پہ

رنگ پھینک دیا۔ آپ نے بُرا نہیں مانا، صرف اپنی زبان سے فرمایا کہ اے اللہ! جس نے میرے ظاہر کو رنگ آلود کیا ہے تو اس کے باطن کو اپنا رنگ عطا فرما دے۔ اللہ والوں کی زبان میں قدرتی فیصلے بولتے ہیں، آپ کے تحمل نے اس خاتون کو اتنا متاثر کیا کہ اس نے اسلام کی چوکھٹ پہ اپنا سر خم کر دیا۔

حضور مجاہد ملّت طرزِ اسلاف کے عامل و عارف تھے۔ جد و جہد رنگ لاتی ہے، زمین بیج کو ضائع ہونے نہیں دیتی۔ پودے نکلتے ہیں، پھول اُگتے ہیں اور خوشبو میں فضا نہانے لگتی ہے۔ جب عمل خلوص کی خوشبو میں بسا ہوتا ہے تو دلوں کے آفاق کا معطر نہ ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ اہل اللہ عمل پہ یقین رکھتے ہیں، نتائج سے بے فکر ہوتے ہیں۔ بندے کا کام سجدہ کرنا ہے قبولیت رب کی رحمت پہ منحصر ہے۔ جب بندے کی نگاہ قبولیت پہ ہوگی تو قبولیت میں تاخیر ہونے کی صورت میں سجدے کا سلسلہ ٹوٹ سکتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے نیک عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

حضور مجاہد ملّت عمل کے حوالے سے بے توجہی کے کبھی شکار نہیں ہوئے۔ ان کی پوری زندگی جد و جہد سے عبارت ہے۔ انہوں نے ہمیشہ آگے بڑھنا سیکھا تھا، پلٹ کر پیچھے دیکھنا ان کی عادت نہ تھی۔ پیچھے پلٹ کر وہ دیکھتے ہیں جنھیں اپنے عمل پہ یقین نہیں ہوتا۔ ان کی ذات یقین کی اس منزل پہ ہے جہاں اچھے اچھوں کی رسائی بہت مشکل سے ہو پاتی ہے۔ ہجومِ غم میں بھی ان کی پیشانی پہ چاندنی خیمہ زن ہوتی تھی۔ ان کی آنکھیں اشک آلود رہا کرتی تھیں، مگر ان کا دل نغمہ سرا رہا کرتا تھا۔ ذاتی فکر کبھی ان کے قریب نہ ہو سکی۔ قومی بے چارگی پہ ان کی آنکھیں ساون بھادو کی طرح برستی تھیں۔ ان کے جذبِ دروں کو ان کے عہد نے بھی نہیں سمجھا اور اہلِ علم کا طبقہ آج بھی غفلت کا شکار ہے۔ عہدِ حاضر کے سوچنے کا پیمانہ ہی بدل گیا ہے۔ ہر شخص اپنی تن پروری، تن نوازی اور تن پوشی میں مصروف ہے۔ ہزاروں قیامتیں دہلیز حیات پہ دستک دے رہی ہیں مگر نیند اتنی گہری ہے کہ دستک کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ زمینیں، عبادت گاہیں اور حقوق چھینے جا رہے ہیں پھر بھی زبان سے آواز نکلتی ہے کہ سب

خیریت سے ہے۔ بے حسی کا یہ آخری اسٹیج ہے۔ آخری اسٹیج سے پلٹنا کسی قوم کا بہت مشکل ہوتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی اشک ریزی، شب بیداری اور صحرا نوردی اسی لیے تھی۔ قومی بے چارگی، بے بسی اور بے وقعتی ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ ان کی اشک ریزی اور صحرا پیمائی کو بعض احباب نے مجنونانہ عمل سے تعبیر کیا، احباب کو قومی شجرِ حیات کی خشک ہوتی ہوئی ٹہنیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں پہ دبیز پٹیاں پڑی ہوئی تھیں، حال کا رشتہ ماضی سے ٹوٹ رہا تھا۔ قومی اثاثوں کی نیلامی کا سلسلہ عروج پہ تھا۔ پھر بھی حاملانِ جبہ و دستار کی روش میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تھی۔ حضور مجاہد ملّت حال کی تباہ کاریوں کے آئینے میں مستقبل کے خطرات کو آئینے کی طرح دیکھ رہے تھے۔ وہ ایسی دیواریں اُٹھا دینا چاہتے تھے کہ کبھی کوئی حریف قومی وقار سے کھیلنے کی کوشش نہ کر سکے۔ مسند فقہ و افتاء، مسند درس و تدریس اور بساطِ زبان و قلم کو ملی و قومی سرفرازیوں کے لیے انہوں نے سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ مذکورہ مسانید سے ان کا رشتہ واجبی تھا۔ ضرورت پڑی تو مسند فقہ و افتاء بچھا لی، ضرورت محسوس ہوئی تو مسند درس و تدریس پہ بیٹھ گئے اور ضرورت آن پڑی تو زمامِ زبان و قلم سنبھال لی۔ فقہ و افتاء اور زبان و قلم سے جو جواہرات نکلے ان کے تحفظ کا بھی کوئی معقول سامان نہ کیا گیا۔ ان کے حاشیے پہ جو لوگ تھے انھیں بھی کبھی اس کی فکر نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ زبان و قلم کو ان کی واقعی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے قدم قدم پہ دقتوں کا سامنا ہو رہا ہے۔ اہلِ زبان و قلم کے مطالبات ہوتے ہیں۔ جب تک ان کے مطالبات پورے نہیں ہوں گے ان کے قلمی سفر کو وہ رفتار نہیں مل سکے گی جس رفتار کی ہمیں ان سے توقع ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے جذبِ دروں کے اظہار و اعلان کے لیے ہمارے پاس مشاہدات کا کافی سرمایہ ہے۔ مشاہدات اور شواہدات میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کسی بھی شخصیت کو تحقیقی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے شواہدات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مشاہدات کی بنیاد پہ سفر ہو سکتا ہے مگر اس سفر میں وہ رفتار نہ ہو گی جس رفتار کا حضور مجاہد ملّت جیسی شخصیات مطالبہ کرتی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت نے اپنی زندگی کو قومی و ملّی اعتبار کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی خلوت

وجلوت سے قومی وملّی درد کی بھینی بھینی خوشبو ہر وقت پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ان کی ہر تحریک کا رشتہ دینی، ملّی، قومی اور مسلکی درد سے جڑا ہوا ہے۔ان کی حیات کا بہت بڑا حصہ مناظراتی ادب کے فروغ میں گذرا ہے۔انہوں نے درجنوں کامیاب مناظرے کیے ہیں، اکثر مناظروں کی انہوں نے صدارت وسرپرستی کی ہے۔اور ہر مناظرے میں انھیں تاریخی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔مناظر کے لیے جس رسوخِ علم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اہلِ علم، اہلِ فہم اور اہلِ شعور پہ خوب اچھی طرح روشن ہے۔اور صدرِ مناظرہ کے لیے تو رسوخِ علم کی اہمیت اور بھی بلند بالا ہو جاتی ہے۔مناظراتی ادب پہ حضور مجاہد ملّت کی وسعتِ نظر کا حال کیا تھا، رئیس القلم حضرت علّامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے ذیل کے بیان سے خوب اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ رئیس القلم مناظراتی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے۔ان کی ذات علم وفضل اور دانائی کا حوالہ تھی۔ان کی حیات کے بہت سارے لمحات حضور مجاہد ملّت کی حیات سے میل کھاتے ہیں۔حضور مجاہد ملّت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ میں نے حضرت مجاہد ملّت کی خدمت میں گذارا ہے۔سفر وحضر میں ان کی ہم رکابی کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔خصوصیت کے ساتھ بارہ مناظروں میں ان کے ساتھ میں نے سفر کی سعادت حاصل کی ہے۔جن میں سے آٹھ مقامات پر میں نے حضور مجاہد ملّت کی صدارت میں کامیاب مناظرہ کیا ہے۔ یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ مناظرے کے اصول ورموز، بحث واستدلال کے ضابطے اور گفتگو کے قواعد وآداب کا جو سرمایہ میرے پاس ہے وہ حضور مجاہد ملّت کا عطا کردہ ہے۔دو چار دن کا مجھے وقفہ ملتا تو میں چند مناظروں میں حضرت مجاہد ملّت کی علمی اور فنی عقدہ کشائی کے بصیرت افروز حقائق سے اہلِ سنّت کے عوام وخواص کو باخبر کرتا۔'' (نوائے حبیب کولکاتا، مجاہد ملّت نمبر ص:۱۰)

مناظرہ حضور مجاہد ملّت کی حیات کا سب سے پھیلا ہوا عنوان ہے۔ ملک میں جو

مناظرے آپ نے کیے اور جن مناظروں کی آپ نے صدارت و سرپرستی فرمائی اگر ان سب کی روئداد محفوظ ہوتی تو یہ ملّتِ اسلامیہ کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہوتا اور اہلِ زبان و قلم کو آپ کی شخصیت کو سمجھنے اور گفتگو کے لیے ایک وسیع میدان مل جاتا۔ مناظرے کے حوالے سے آپ کا مزاج کیا تھا، مناظرے کو آپ کس نظر سے دیکھتے تھے اور مناظرے میں آپ کی دلچسپی کیسی تھی اس تعلق سے آپ کے تلمیذِ رشید، آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کا اعتماد پاسبانِ ملّت حضرت علّامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

حضرت کو مناظرے سے والہانہ شغف تھا۔ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ مناظرے کو سونگھا کرتے تھے اور بسا اوقات بن بلائے پہنچ جاتے۔ اگر اس موضوع پر لکھا جائے تو مستقل کتاب بن جائے۔ بریلی شریف کا اہم مناظرہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی منظور سنبھلی کے درمیان ہوا، حضرت مجاہد ملّت رضی اللہ عنہ نے اس کی صدارت فرمائی تھی۔ عہدِ شباب سے پیری تک کے تقریباً تمام اہم مناظروں کی ننانوے فی صد صدارت فرمائی۔ حضرت کا آخری مناظرہ غیر مقلدین سے بجرڈیہہ ضلع بنارس کا تھا۔

نائب مفتی اعظم ہند حضرت علّامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی فرماتے ہیں:

ہندستان کے طول و عرض میں ہونے والے مناظرے شاید ہی ایسے ہوں گے جن میں مجاہد ملّت شریک نہ ہوئے ہوں۔ اور جس مناظرے میں شریک ہوئے ہمیشہ صدر بنائے گئے اور ہر جگہ ثابت فرما دیا کہ صدارت کا کام ان سے اچھا کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ مناظروں میں کبھی کبھی طرفین کے صدرین میں بھی نوک جھونک ہو جایا کرتی ہے۔ جب کبھی ایسا موقع آیا حضور مجاہد ملّت نے ہمیشہ مقابل کو ایسا ساکت کیا کہ فبھت الذی فقد کفر کا منظر سامنے آ گیا۔ بریلی شریف کے تاریخی مناظرے میں ابتداً دیوبندیوں کا صدر کوئی صدیق نام کا دیوبندی مولوی تھا، اسے آپ نے ایسا حواس باختہ کیا کہ دیوبندیوں کو سنبھل سے مولوی

اسمٰعیل کو بلانا پڑا۔ یہ آئے تو اپنا رنگ جمانے کے لیے صدارتی تقریر میں یہ کہا:
مسلمانو! ہماری صورتیں دیکھو، داڑھی رکھے ہوئے ہیں، ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، مدرسے چلاتے ہیں جن میں فقہ، تفسیر، حدیث کی تعلیم دیتے ہیں، ہمارے دیوبند کا مدرسہ اتنا لمبا چوڑا ہے مگر یہ لوگ ہم کو کافر کہتے ہیں اگر ہم کافر ہوتے تو یہ سب کیوں کرتے؟

حضور مجاہد ملّت نے برجستہ جواب ارشاد فرمایا: مولوی صاحب! آپ نے اپنی منقبت میں بہت لمبا چوڑا قصیدہ بے بحر کا پڑھ ڈالا مگر ٹیپ کا بند چھوڑ دیا جہاں آپ نے یہ سب بیان کیا! آپ یہ بھی تو کہتے کہ ان سب کے ساتھ ساتھ توہین رسول بھی کرتے ہیں۔ مولوی صاحب! ہم آپ کو داڑھی رکھنے پر کافر نہیں کہتے، نماز پڑھنے پر کافر نہیں کہتے، حج کرنے پر کافر نہیں کہتے۔ ہم آپ کو توہینِ رسول کرنے پر کافر کہتے ہیں۔ آپ نے سب بیان کیا مگر اپنا اصلی کارنامہ بیان ہی نہیں کیا۔ یہ سن کر سنبھلی صاحب کو سنبھلنا مشکل ہو گیا اور پھر ایسے چپ ہوئے کہ آخیر مناظرہ تک کچھ نہ بولے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مجاہد ملّت نمبر)

حضور مجاہد ملّت علم و فضل کے نیّر درخشاں تھے۔ زندگی کے کسی بھی میدان میں شکست کا تصور ان کے ہاں مجرمانہ عمل تھا۔ ان کو رب کی رحمت نے اپنی آغوش میں سنوارا تھا۔ ان کا وجود رحمت الٰہی پہ کامل اعتماد کا استعارہ تھا۔ ان کی ہر تحریک، ان کے ہر عمل اور ان کے قول و فعل سے رضائے الٰہی کی خوشبو پھیلتی ہے۔ ان کی ذات پہ ان کا علم حاوی تھا۔ مروجہ علوم و فنون پہ تاحیات ان کی گہری نظر رہی۔ ان سے کبھی کوئی ایسا سوال نہیں ہوا جس کا انہوں نے جواب نہ دیا ہو۔ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی آرزو تھے، حضور حجۃ الاسلام کی تمنّا تھے اور حضور مفتیٔ اعظم ہند کا یقین تھے، وہ مذکورہ شخصیات کی نگاہوں سے پل بھر کے لیے اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ ان کی ہر سوچ کا رشتہ مذکورہ شخصیات کی چوکھٹ سے جڑا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان پہ کبھی حاوی نہ ہو سکی۔ انہوں نے دشمنوں کے نرغے میں بھی صداقت کی پیشانی کو کبھی شکن آلود ہونے نہیں دیا۔ محرومی کا سامنا اس کو کرنا

پڑتا ہے جس کا دامن ذاتی مفادات سے داغدار ہوتا ہے، جس نے اپنے لیے کبھی سوچا ہی نہیں محرومی اس کی دہلیز پہ دستک کیسے دے سکتی ہے۔ وہ اپنے ہر حریف کو اپنے جال میں پھنسا کر اس کی کھال اُتار لیتے تھے۔ ان کے حریف کے پاس ان کے سوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں ہوتا تھا۔ اس کا ثبوت بعض مناظروں کی روئداد سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مناظروں کی بزم آراستہ ہوتی، علماء اور فقیہانِ وقت کی نگاہ میں حضور مجاہد ملّت کی ذات گھومنے لگتی۔ انہوں نے علما کے اعتماد کو کبھی ٹھیس لگنے نہیں دی۔ انہوں نے تاحیات سربراہ ہونے کا رول ادا کیا۔ ان کے جذبات واحساسات کو سمجھنے کی اگر شعوری کوشش ہوتی تو قومی و جماعتی فلاح کے بہت سارے ابواب کھل جاتے۔

پاسبانِ ملّت حضرت علّامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کا بیان کہ حضور مجاہد ملّت مناظروں کو سونگھا کرتے تھے، اس میں بڑی صداقت ہے۔ بلکہ پاسبانِ ملّت کے بیان کی روشنی میں یہ کہا جائے تو بھی درست ہوگا کہ آپ مناظرے کے مواقع کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔ آپ نے بہت سارے فرقِ باطلہ کے بانیوں کو مناظرے کا کھلا چیلنج دیا ہے۔ تاریخ میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔ نام نہاد جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔ ان کی تنقید کا دائرہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تک پھیلا ہوا ہے۔ جناب مودودی صاحب کے ماننے والے انھیں مجتہد تصور کرتے ہیں۔ حضور مجاہد ملّت نے ان کے سر سے اجتہاد کا نشہ اُتار دیا ہے۔ آپ نے انھیں مناظرے کا چیلنج ہی نہیں دیا بلکہ سوالوں کا راست جواب دینے کی صورت میں ایک ہزار روپے کے انعام کا بھی اعلان فرمایا۔ اس زمانے کے ایک ہزار روپے کو آج کی کرنسی کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک لاکھ سے بھی زائد رقم بنتی ہے۔ مودودی صاحب کو حضور مجاہد ملّت نے پوسٹر کی شکل میں چیلنج دیا۔ اس پوسٹر کی عبارت من وعن ذیل میں ملاحظہ کریں:

جناب مولانا مودودی صاحب! اپنی امامت کے شوق میں علماء وصلحاء کا تو آپ کے نزدیک شمار ہی کیا؟ ائمۂ مجتہدین حتیٰ کہ تابعین وصحابۂ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین پر تنقید بیجا سے آپ باز نہیں آتے، کتاب و سنّت کی آڑ لے کر مسلمانوں کو ان کے صحیح موقف سے ہٹانا چاہتے ہیں، مسلمانوں کے مسئلۂ مسلمہ، ''آج کل کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا'' کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ علماء پر طنز اور پھبتی کستے ہیں جس کی تشریح آپ کی کتاب ''تنقیحات'' سے ظاہر ہے۔ صفحہ ۲۸ / پر لکھتے ہیں کہ ''مسلمانوں کے مسائل کا حل بغیر اجتہاد ممکن نہیں اور یہ اپنے اوپر اجتہاد کو حرام کر بیٹھے ہیں'' اور اسی کتاب کے صفحہ ۷۰ / پر لکھتے ہیں کہ ''وہ (علماء) اب بھی کہہ رہے ہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا۔'' تمام ائمۂ دین، مفسرین و محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لوگوں کو مستغنی اور ان حضرات پر سے ان کے اعتماد کو ختم کرنے کے لیے اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۴ / پر لکھتے ہیں کہ ''قرآن اور سنّت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر قرآن و حدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں۔''

یہاں تک بڑھ گئے کہ بواسطۂ صحابہ و تابعین و ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرآن و سنّت کی تعلیم کو اسلام کی روح پانے کے منافی قرار دیتے ہوئے اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۷ / پر لکھ دیا کہ ''جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنّت تک بلا واسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح نہ پا سکے گا۔'' معاذ اللہ

جناب خود ساختہ مجتہد صاحب! آپ صرف اپنے ہی کو مجتہد نہیں کہتے ہیں بلکہ پروفیسروں کو بھی اجتہاد کرنے کی سرٹیفکٹ تقسیم کرتے ہیں۔

جنابِ والا! پروفیسروں کا نمبر تو بعد میں آئے گا پہلے خود کو اجتہاد کی کسوٹی پر کس کے دیکھ لیں کہ آپ اس پر کتنے کھرے اُترتے ہیں۔

اس کے اظہار کے لیے فقیر کی گذارش ہے کہ چودھویں صدی کے خود ساختہ مجتہد جناب مولانا مودودی صاحب! اگر ہندستان آ کر بجائے تمام احادیث کریمہ جن پر کامل عبور ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے، صرف ایک حدیث کے متعلق فقیر کے تمام سوالات کا شافی جواب

دے دیں تو علاوہ سفرِ خرچ کے فقیر ایک ہزار روپیہ انعام پیش کرے گا، اور اگر کسی ایک بھی سوال کا جواب معقول نہ دے سکیں تو انعامی رقم میں سے ایک نئے پیسے کے مستحق نہ ہوں گے۔ اور بلا علم و تحقیق مسئلہ بتا کر احادیث کریمہ کی رو سے زمین و آسمان کے فرشتوں کے لعنتی اور دین کی آفت نیز اجر علی النار ہوں گے۔

لٰہذا جماعت اسلامی ہند کے تمام ذمہ داروں سے گذارش ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ مجتہد صاحب کو ہندستان بلائیں اور تحقیقات کا مظاہرہ کریں اور حقیقت کے ظاہر ہو جانے پر اس گمراہی سے توبہ کریں وما علینا الا البلاغ۔

فقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری غفرلہ ناظم اعلیٰ جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الٰہ آباد ۳

مؤرخہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ

(حضور مجاہد ملّت کا گوشۂ حیات ص:۶۱)

حضور مجاہد ملّت زندہ دل، زندہ فکر اور زندہ ضمیر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ تا حیات جہاد بالقلم، جہاد بالمال اور جہاد باللسان میں مصروف رہے۔ جو فکر، جو خیال اور جو نظریہ اسلامی اصولوں سے متصادم ہوتا اس کے خلاف آپ محاذ آرا ہو جاتے۔ آپ کو مآل کی فکر کبھی نہیں ہوئی۔ ان کے اصولِ حیات کو دیکھنے کے بعد ایک بزرگ عالم دین نے کہا تھا کہ ہم میں اور مولانا حبیب الرحمٰن میں فرق یہ ہے کہ ہم سب سے ڈرتے ہیں خدا سے نہیں ڈرتے اور مولانا حبیب الرحمٰن خدا سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ یہ صد فی صد درست ہے کہ آپ کی ذات خوف وخشیت کا محسوس پیکر تھی۔ آپ نے اپنے حریف کے تعاقب کے لیے کبھی بھی کسی بھی ہم سفر کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آپ کا حال یہ تھا کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حضور مجاہد ملّت کو اپنے رب کی رحمت پہ جو اعتماد تھا ان کے عہد میں اس کی نظیر بہر حال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھی۔ ایسی شخصیات سے کوئی زمانہ کبھی خالی نہیں رہا جو تنہائی میں اپنے

نفس سے جہاد کرتی ہیں۔ انھیں ذکر وفکر میں اتنی لذت ملتی ہے کہ گوشۂ تنہائی سے باہر آنا انھیں کسی بھی صورت میں پسند نہیں ہوتا۔ وہیں دوسری طرف ایسی شخصیات سے اسلام کی ہر صدی مستنیر رہی ہے جو تیر، تلوار اور نیزے سے لیس ہو کر سرحد کے تحفظ میں مصروف رہی ہیں۔ دشمن کے دوبدو مقابلے میں انھیں جو لذتیں ملا کرتی تھیں وہ زندگی کے کسی دوسرے معرکے میں نہیں ملا کرتی تھیں۔ حضور مجاہد ملّت کا تعلق دوسری قبیل سے تھا۔ اکثر وہ تنہا سفر پر نکل جاتے تھے۔ اور دشمن کے سامنے نیزہ تان کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ افرادی تعاون انھیں بعد میں ملا کرتا تھا، وہ پہلے خود معرکۂ کارزار گرم کرتے تھے۔ اس دلیرانہ عمل سے کبھی کبھی آپ کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر کبھی آپ کو ایسے عمل پہ پشیمانی نہیں ہوئی، آپ کا جذبۂ جہاد کبھی ٹھنڈا نہیں ہوا بلکہ عمر کی رفتار کے ساتھ اس میں شدت آتی رہی۔ ۱۹۷۹ء کے حج کے حادثے سے اس کی بھرپور توثیق ہوتی ہے۔ اس عمر میں جہاد کا ایسا جذبہ، اس جذبے سے آپ کا عہد خالی ہے۔

حضور مجاہد ملّت علم وفضل کی کس بلندی پہ تھے، اس کی پیمائش بہت مشکل ہے۔ آپ کا علم درسگاہوں سے جڑا ہوا نہ تھا بلکہ سرکاروں سے جڑا ہوا تھا۔ جب انسان کو یہ مقام مل جاتا ہے تو اسے کسی مسند پہ بیٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جس کی نسبت قوی ہوتی ہے اسے کتابوں کی ورق گردانی سے کیا مطلب۔ وہ نظریں جھکا کر اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے۔ دل کے آئینے میں جب تصویرِ یار منقش ہوتی ہے تو قبلہ بدلنے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ نظریں جھکتی ہیں ساری منزلیں آئینہ ہو جاتی ہیں۔ جب انسان خود کو کسی کے سپرد کر دیتا ہے تو عمل انسان کا ہوتا ہے لیکن مرضی اس کی ہوتی ہے، جس کے وہ سپرد ہوتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت جیل میں ہیں، ایک قیدی آتا ہے اور رشوتوں کی بنیاد پر فوراً اسے رہائی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ آپ کے دل کو چوٹ لگتی ہے، آپ عرض کرتے ہیں خدایا! حکومت تو میرے غوث کی ہے پھر بھی میں صعوبتیں جھیل رہا ہوں۔ جب صبح ہوتی ہے تو جیلر آپ کے سامنے رہائی کا پروانہ لے کر کھڑا ہے۔ آپ کا ہر کام غوثیت مآب کے زیر اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تاحیات ہر کٹھن

منزل سے سرخرو گذرتے رہے، آپ نے آخری حج کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ احباب نے عرض کیا کہ حضور ابھی جس حال میں حجازِ مقدس سے آپ کی واپسی ہوئی ہے ایسی صورت میں ویزا ملنا بہت مشکل ہے۔ پاسپورٹ کو دیکھتے ہی حکامِ وقت درخواست رد کردیں گے۔ آپ نے پورے اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ غوثِ اعظم چاہیں گے تو سب اندھے ہوجائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا آپ کی درخواست قبول کرلی گئی۔ اس سفر میں آپ سے کسی نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکامِ وقت سب کے سب اندھے ہوگئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جو احباب آپ کے ہمراہ تھے ان سے بھی کسی نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ جب دنیا کا یہ حال ہے تو مجھے امید ہے کہ کل میدانِ محشر میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے بلاحساب و کتاب جنتِ نعیم میں داخل کیے جائیں گے۔

حضور مجاہد ملّت کو آقاؤں کے در کی حضوری حاصل تھی۔ حالانکہ یہ راز ان کی حیات ہی میں طشت از بام ہو چکا تھا۔ پھر بھی بہت سارے لوگوں کی آنکھوں پر حجاب پڑا رہا اور انھیں آپ کی عظمت شان کا کماحقہ عرفان نہ ہوسکا۔ آپ کی عظمت شان کو سمجھنے کے لیے حضور حجۃ الاسلام کا شعور چاہیے۔ اس حوالے سے آج بھی لوگوں میں غفلت پائی جارہی ہے۔ سمندر سے کوئی پیاسا واپس آجائے تو اس میں قصور سمندر کا نہیں ہے پیاسے کا ہے۔ ان کے روحانی فیضان کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ اہلِ ظرف سیراب ہورہے ہیں، کم ظرف قریب میں رہ کے بھی محروم ہیں۔ ان کے روحانی فیضان سے سیراب ہونے کے لیے ان کے مطلوبہ تصلب کی ضرورت ہے، حبیبی کا لاحقہ لگا لینے سے کام نہیں بنے گا شیر ملت ہونے کے لئے حضور مجاہد ملت کا جذب دروں اور کردار کی پاکیزگی چاہئے۔ انہوں نے تصلب کی جو گائیڈ لائن دی ہے، اس کا ہر حال میں احترام لازم ہے۔ جو لوگ اعلیٰ حضرت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کا فعلاً احترام نہیں کرتے انھیں کوئی نسبت کسی طرح کا فائدہ نہ دے گی وہ تاحیات محرومی کے شکار رہیں گے۔

حضور مجاہد ملّت کا دامنِ حیات ہر طرح کی نعمتوں سے بھرا ہوا تھا۔ انھیں علم، عمل اور عشق کی کائنات سے جو لافانی دولتیں ملی تھیں اس کے بیان کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے اور

اس فہم وفراست کی بھی ضرورت ہے جو سمندر کی تہوں میں اُٹھنے والی موجوں کو بہتر طور پر محسوس کر لیتی ہے۔ آج کی دنیا میں اس فہم وفراست کے حامل افراد کی بہر حال شدید قلّت ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے علم، عمل، تقویٰ، طہارتِ نفس اور اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ان کے عہد نے اعتراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر محفل میں میر محفل کی حیثیت سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ ہر محفل میں خود کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے مگر اہلِ شعور انھیں اس مسند پر بٹھا کر ہی دم لیتے تھے جس کے وہ ہر زاویے سے مستحق ہوتے تھے۔ وہ خود کو بہت چھوٹا تصور کرتے تھے۔ بابِ طریقت میں یہ بڑوں کی روشن علامت سمجھی جاتی ہے۔ ایک ملک کے بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ ملک کے تمام علماء اور صوفیاء کو جمع کرو۔ بادشاہی فرمان کے مطابق وزیر نے پورے ملک میں علماء اور صوفیاء کے جمع ہونے کا ایک اعلامیہ جاری کر دیا۔ اعلامیہ کے مطابق ملک کے سارے علماء اور صوفیاء جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ جماعتِ علماء سے جا کے کہو کہ وہ اپنا نمائندہ بادشاہ کے حضور بھیجے، علماء نے اپنا ایک نمائندہ بادشاہ کے حضور بھیجا۔ سلام ودعا کے بعد بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم میں سب سے بڑا کون ہے؟ عالم صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جماعت میں سب سے بڑا ہوں، اسی لیے میں سب سے پہلے آیا ہوں۔ بادشاہ نے عالم صاحب سے فرمایا کہ آپ جائیے اور اپنا دوسرا نمائندہ بھیجیں۔ جب دوسرا نمائندہ آیا تو بادشاہ نے اس نمائندہ سے بھی یہی سوال کیا کہ آپ میں سب سے بڑا کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جماعت میں سب سے بڑا میں ہوں۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ جماعت علماء سے جو آخری فرد آیا، اس سے بھی بادشاہ نے یہی سوال کیا کہ آپ میں سب سے بڑا کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جماعت علماء میں سب سے بڑا میں ہوں، اسی لیے سب سے آخر میں آیا ہوں۔

بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ اب جماعت صوفیاء میں جو سب سے بڑا ہو اسے طلب کریں۔ جب جماعت صوفیاء کا پہلا نمائندہ آیا بادشاہ نے اس سے یہی سوال کیا کہ آپ میں سب سے بڑا کون ہے؟ نمائندے نے جواب دیا کہ میرے بعد آئے گا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا

رہا یہاں تک کہ جو سب سے آخر میں آیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ آپ میں سب سے بڑا کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو سب سے پہلے آیا تھا ہم میں وہ سب سے بڑا ہے۔

جماعت علماء اور جماعت صوفیاء میں یہی فرق ہے۔ جماعت صوفیاء میں جو عاجزی اور انکساری پائی جاتی ہے، جماعت علماء میں وہ انکسار نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر صوفی عالم ہوتا ہے مگر ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔ حضور مجاہد ملّت جماعت علماء میں رہتے تھے مگر ان پہ صوفیت حاوی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود کو زمین سے وابستہ رکھا، اور ہمیشہ عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ان کی ذات میں ہر طرح کی خوبی موجود تھی۔ وہ زمین پہ رہتے تھے مگر عظمتوں کا یہ حال تھا کہ عرش کی بلندی انھیں جھک کر سلام کرتی تھی۔ ان کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر اکثر لوگ دھوکے میں آجاتے تھے۔ احباب عرض گذار ہوتے کہ حضور اپنی ظاہری وضع قطع میں تھوڑی تبدیلی لائیں مگر آپ صوفیاء کی روش سے ہٹنے کے لیے کسی بھی صورت میں تیار نہ ہوتے۔ ان کے نزدیک سب سے اچھی آرائش دل کی آرائش تھی۔ جب دل صاف ستھرا ہوتا ہے تو عرفانِ الٰہی کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ جس مجلس میں مرید ہوئے، اسی مجلس میں آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو اپنی خلافت واجازت کے علاوہ بہت ساری دوسری نوازشات سے بھی بہرہ ور فرمایا۔ پیر ومرشد کی عنایات پہ سوال کھڑا ہوا کہ یہاں تو طویل مجاہدات کے بعد خلافت واجازت اور دوسرے تبرکات سے نوازا جاتا ہے، آخر اس نوجوان پہ بغیر مجاہدات کے اتنی ساری نوازشات کیسے ہوئیں تو اعلیٰ حضرت کے پیر ومرشد نے جواب دیا کہ لوگ زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، انھیں مجاہداتِ شاقہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ صاف ستھرا دل لے کر آئے تھے انھیں صرف نسبت کی ضرورت تھی۔

حضور مجاہد ملّت کا دل صاف وشفاف آئینہ تھا۔ نسبتوں کی تلاش میں انھیں سرگرداں کبھی نہیں دیکھا گیا، نسبتیں خود انھیں تلاش کرتی تھیں۔ اعلیٰ حضرت جب اپنے مرشد کے دربار میں حاضر ہوئے تو انھیں دیکھتے ہی ان کے مرشد نے فرمایا کہ آیئے مولانا میں بہت دنوں

سے آپ کے انتظار میں تھا۔ بریلی شریف میں حضور حجۃ الاسلام کی بے قراری سے حضور مجاہد ملّت کے علوِ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور حجۃ الاسلام طالب تھے، تاریخ میں کبھی کبھی ایسے مواقع بھی دکھتے ہیں کہ سمندر دریا کی تلاش میں رہا ہے۔ جس کا حصہ جہاں ہوتا ہے اسے وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری مرشد کی تلاش میں محبوبِ الٰہی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ محبوبِ الٰہی نے ان کی ضیافت کی اور فرمایا کہ تمہارا حصہ یہاں نہیں ہے تم پنڈوا شریف حضرت نجیب الدین فردوسی کی بارگاہ میں چلے جاؤ وہ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔

حضور مجاہد ملّت کو نسبتیں تلاش کرتی تھیں۔ دیکھیے انھیں کیسی کیسی نسبتیں حاصل تھیں۔ حضرت مولانا شاہ عبد الکافی علیہ الرحمہ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی شاہ حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا سیّد شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ، قطب مدینہ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین مہاجر مدنی علیہ الرحمہ، صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سیّد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ، صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مفتی شاہ عبد القدیر بدایونی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مفتی سیّد شاہ مصباح الحسن علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شاہ سعد اللہ مکی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شاہ ظہور حسام مانک پوری علیہ الرحمہ۔

حضور مجاہد ملّت کے عہد میں مذکورہ شخصیات کی حیثیت سکۂ رائج الوقت کی تھی۔ ان کی عظمت و بلندی کو آسمان کی رفعتیں جھک کر سلام کرتی تھیں، ان سب کا تعلق مختلف سلاسل سے تھا مگر ان میں کا ہر فرد قادری فیضان سے مستنیر تھا۔ سب کے سب بڑی بڑی خانقاہوں اور درس گاہوں کے پیر و دستگیر تھے۔ اور حضور مجاہد ملّت سب کی توجہ کے مرکز اور اعتماد تھے۔ جب بھی دین و شریعت اور مذہب و مسلک کے لیے کٹھن وقت آتا تو سب کی نگاہیں حضور مجاہد ملّت کی سمت اُٹھتیں۔ حضور مجاہد ملّت کی ذات کو جس زاویے سے دیکھیے جامع نظر آتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ کی شخصیت شریعت وطریقت کا سنگم تھی۔ آپ کی بارگاہ میں جو بھی آتا سیراب ہوکر جاتا۔ آپ کا میکدہ کبھی کسی پر بند نہیں ہوتا۔ ہاں! یہ ہے کہ آپ ظرف

دیکھ کر پلاتے۔ ان کے میکدے سے پینے والوں کی بہت بڑی تعداد اب بھی ملک میں موجود ہے اور جو جہاں ہے وہیں جام و مینا لٹا رہا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کتنے پانی میں تھے یہ بتانا بہت مشکل ہے لیکن اتنی بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سمندر ان سے پانی مانگتا تھا۔ ایک انسان کی شخصیت جن کمالات سے مکمل ہوتی ہے وہ سارے کمالات آپ کی ذات میں موجود تھے۔ آپ کو کبھی کسی فیصلے سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ آپ کا ہر فیصلہ شرعی اصولوں کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ فقہ و فتاویٰ سے آپ کے رشتے میں تسلسل نظر نہیں آتا اور جو فتاوے آپ کے زرنگار قلم سے صادر ہوئے ان کے تحفظ کا بھی کوئی سامان نہیں کیا گیا۔ ان کی فائلیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں، مسند درس و تدریس سے بھی آپ زیادہ دنوں تک وابستہ نہیں رہے۔ درس و تدریس کی فائلیں آپ کے تلامذہ کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ فائلیں قابلِ صد رشک ہیں۔ آپ کے بعض تلامذہ پہ پوری جماعت کو ناز ہے۔ آپ کے خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے آپ کے بعض تلامذہ نے بڑی جد و جہد کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی جد و جہد کے آج بھی مثبت اثرات دیکھے جا رہے ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت پاسبانِ ملّت کی شخصیت بہت سارے اعتبار سے ممتاز نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے عہد پہ گہرے نقوش ثبت کیے ہیں، ان کے بعد جماعت میں کوئی دوسرا پاسبانِ ملّت اب تک پیدا نہ ہو سکا ہے۔ خود حضور مجاہد ملّت کا فرمان ہے کہ اگر میرے پاس دولت ہوتی تو نظامی کو سونے سے تول دیتا۔ دولت سے ان کی کیا مراد تھی یہ ہم جیسے بے مایہ لوگ نہیں بتا سکتے۔ چونکہ وہ تو رئیسِ اعظم اڑیسہ تھے۔ پورے رؤفیہ اسٹیٹ کے وہ تن تنہا مالک تھے۔ آپ کے تلامذہ میں ایک اور سمندر نواز شخصیت ملتی ہے جسے دنیا شمس العلماء کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حضرت پاسبانِ ملّت نے اپنے ایک خطاب میں حضرت شمس العلماء کے حوالے سے فرمایا تھا: ''میرے پاس علم و معرفت کا جو بھی سرمایہ ہے چالیس سالوں تک ان کی جوتیاں اُٹھانے کا نتیجہ ہے۔ راقم کو بھی ان کی جوتیاں اُٹھانے کا شرف حاصل ہے۔ میں نے بہت ساری شخصیات کو دیکھا ہے مگر ان کے جیسی

شخصیت اب تک میری نگاہ میں نہیں آسکی ہے۔ ان کی سمندر صفت شخصیت کا یہ حال تھا کہ وقت کی قدآور شخصیات ان کے تلامذہ کی صف میں نظر آتی ہیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد خدا یاد آتا تھا۔ ان کے روئے زیبا پر حبیبی رنگ دور سے نظر آتا تھا۔ ان کی ذات آلائش دنیا سے یکسر پاک تھی۔ ان کی پوری زندگی درس وتدریس میں گذری، پاسبانِ ملّت کو ان سے بہت گہری عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نظامی پاسبانِ ملّت کے نام کا لازمی حصہ ہے۔ انھیں علمی دنیا شمس العلماء مفتی نظام الدین کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے تلامذہ میں ایک انتہائی قابلِ احترام نام مفتیٔ اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی سیّد عبد القدوس قادری حبیبی کا آتا ہے۔ علم و معرفت، زہد وتقویٰ اور دنیا سے بے نیازی کا تقدس ان کے چہرے کی بلائیں لیتا تھا۔ حضور مجاہد ملّت نے ان کو پڑھایا کم اور پلایا زیادہ تھا۔ حضور مجاہد ملّت ان کے خاندانی مربی تھے۔ خود حضور مجاہد ملّت کو ان کی شخصیت اور ان کے علم پہ بڑا ناز تھا۔ حضور مجاہد ملّت کسی فقہی مسئلے میں جب بھی احتمالات کے شکار ہوتے تو مفتیٔ اعظم اڑیسہ مشیر کی حیثیت سے ان کے حضور کھڑے نظر آتے۔ حضور مجاہد ملّت کے دل میں ان کی کتنی چاہت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے جنازے کی نماز کے لیے بعد وصال آپ نے انھیں منتخب فرمایا۔ مفتیٔ اعظم اڑیسہ پہ علم حاوی تھا یا وہ علم پہ حاوی تھے، یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اتنی بات پورے اعتماد ویقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کا پورا وجود علم وتقویٰ سے عبارت تھا۔ حضور مجاہد ملّت کی سادگی اور تصلب سے بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے روحانی فیضان سے ہمیں شاد کام کرے، اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت ان کی کتابِ حیات کے نمایاں ابواب ہیں۔ انہوں نے اپنے وصیت نامے میں بھی ان دونوں ابواب کو مقدم رکھا ہے بلکہ یہی دونوں ابواب وصیت نامے کی روح ہیں۔

حضور مجاہد ملّت ہماری آنکھوں کی روشنی ہیں۔ ان کے ذکر وفکر سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے اور دل کو سرور ملتا ہے۔ آپ کے تلامذہ میں اکثر حضرات رحمت الٰہی کی آغوش میں گہری نیند سو رہے ہیں۔ موجودین میں ایک نام ہے جو جماعت اہلِ سنّت کی پیشانی کا طغریٰ تصور کیا

جاتا ہے۔ انھیں بہت ساری زبانوں پہ شاہانہ دسترس حاصل ہے۔ ان کے القاب وآداب میں ماہر ہفت لسان بھی ایک لقب ہے۔ ان کے اور عوام کے درمیان ان کا جلال حجاب بنا ہوا ہے، جس کے باعث علم ومعرفت کی خوشبو اپنے معدن میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ حضور مجاہد ملّت نے انھیں اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ علمی اعتبار سے انھیں حضور مجاہد ملّت کا جانشین کہا جا سکتا ہے۔ علمی دنیا انھیں حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی کے نام سے جانتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے باقیات کے تحفظ میں موصوف نے اہم رول ادا کیا ہے۔ جماعت اہلِ سنّت کو ان سے بہت ساری امیدیں اور امکانات ہیں ان کے بارے میں اہلِ علم کا کہنا ہے ؎

ان سے ملنا بہت کٹھن ہے مگر ان سے ملنے کی آرزو ہے بہت

حضور مجاہد ملّت سادہ دل، سادہ فکر اور انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ سادگی ان پر رشک کرتی تھی۔ ان کی ولادت رئیسانہ ماحول میں ہوئی تھی اور انہوں نے فقیرانہ انداز میں پوری زندگی گذاری۔ انہوں نے کبھی کسی امیر کے گھر میں قیام پسند نہیں کیا۔ ان کا قیام خدا کے گھر میں بصورت اعتکاف ہوتا تھا۔ ان کا بابِ کرم امیر وغریب سب کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ انہوں نے عوامی ضرورت کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ وہ صرف زبان سے مدد کے قائل نہ تھے، ان کے ہاتھ ہر وقت ان کی جیب میں ہوتے تھے۔ ضرورت مندوں کو نوازنے کا ان کے پاس جو ہنر تھا اسے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ غربت اور ضرورت ان کے قدموں سے لپٹ کر سرخ رو ہو جاتی تھی، ان کی پوری زندگی جذبۂ جہاد سے عبارت ہے۔ انہوں نے صرف زبان سے جہاد نہیں کیا۔ جہاد کی جتنی صورتیں کتاب وسنّت میں مرقوم ہیں، ان تمام صورتوں کے آپ عامل وعارف تھے۔ انہوں نے کمخواب پہ سونا کبھی پسند نہیں کیا، ان کا بستر ٹاٹ کا ہوتا تھا۔ انہوں نے لذیذ اور مرغن کھانوں کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ ان کے ذاتی باورچی خانے میں جو کھانا تیار ہوتا تھا وہ انتہائی سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ انہوں نے صوفیانہ طبیعت پائی تھی، صوفیاء قناعت پسند ہوتے ہیں، زیادہ تر سوکھی روٹیوں پر ان کی صبح و شام گذرتی ہے۔ ان کے ہاں کھانا اندوزی کا کبھی کوئی تصور نہیں پایا گیا۔ انہوں نے محلات

کی چمک دمک کو استحسان کی نظروں سے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ زندگی کو جھونپڑی میں قید رکھتے تھے۔ حضور مجاہد ملّت نے بھی اپنے محل کے پہلو میں اپنے لیے چھوٹی سی جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ اسی میں آپ قیام فرماتے تھے۔ اس جھونپڑی کے اب بھی نشانات ملتے ہیں۔ ان کے ہاں غربا و مساکین کی صفیں آراستہ رہا کرتی تھیں۔ غربا و مساکین کے ہجوم میں انھیں جو مسرتیں ملا کرتی تھیں انہیں لفظوں میں بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ ان کو دیکھنے کے بعد درویش اسلاف و اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اب آنکھیں ایسی خدا دوست تصویروں کو دیکھنے کے لیے ترستی ہیں۔

حضور مجاہد ملّت فقیہ ہی نہیں بلکہ فقیہ گر تھے، عالم نہیں عالم نواز تھے، مناظر نہیں مناظر ساز تھے، صاحبِ زبان و قلم نہیں بلکہ زبان و قلم کی لطافتیں ان کے قدموں کا بوسہ لیتی تھیں۔ فقہیات پہ ان کا قلمی ذخیرہ نہیں ملتا۔ دینیات، ادبیات اور لسانیات پہ ان کی نگارشات دستیاب نہیں ہیں۔ ان کا مناظراتی ادب بھی محفوظ نہیں رہا ہے۔ اگر ان کے مناظراتی ادب کو ہی تحفظ مل جاتا تو آج کی علمی دنیا کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہوتا۔ ان پہ بہت ساری نئی عمارتیں کھڑی ہو سکتی تھیں اور بہت سارے نئے ابواب مرتب ہو سکتے تھے۔ کسی بھی شخصیت کو حیاتِ تازہ ان کی علمی، فکری اور تحقیقی نگارشات ہی سے ملتی ہے۔ اگر شخصیت کے دامن میں علمی، فکری اور لسانی کارنامے نہیں ہیں یا اس طرح کی خدمات سے ان کا دامن حیات خالی ہے تو اس شخصیت پہ اہلِ زبان و قلم کا قلمی سفر نہیں ہو سکتا۔ اہلِ زبان و قلم کی گفتگو شواہد و مشاہدات پہ ہوتی ہے۔ محسوسات ان کے نزدیک توجہ طلب نہیں ہوتے۔ اگر محسوسات پہ گفتگو ہوگی تو اس کی حیثیت تاثراتی ہوگی۔ مگر بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی حیات کی ہر سانس سمندر نواز ہوتی ہے۔ ان کی فکر و نظر کا ہر تیور اہلِ زبان و قلم سے گہری بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کا شمار ایسی ہی شخصیات میں ہوتا ہے۔ باطل افکار و نظریات کے خلاف انہوں نے جو طویل جدوجہد کی ان کے عہد میں اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ وہ اپنے دینی، ملی اور مسلکی تصلب کی بنیاد پر نجدی جور و ظلم کے شکار ہوئے ایک غریب الوطن کے ساتھ اس طرح کے جور و ظلم کی اجازت دنیا کی کوئی عدالت نہیں دے سکتی۔ نجدی افکار و

نظریات پہ طویل گفتگو ہوسکتی ہے۔ اس حوالے سے حضور مجاہد ملّت کے ایرادات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ عنوان بھی تفصیل طلب ہے۔ بنام اسلام دنیا میں بے شمار فرقے ہیں، ان میں حق صرف اہلِ سنّت میں دائر ہے۔ جن فرقوں کے نظریات اسلامی اصولوں سے میل نہیں کھاتے، حضور مجاہد ملّت کی ان سے تاحیات محاذ آرائی رہی۔ آپ کی حیات کا یہ پہلو بھی توجہ کا طالب ہے اور اس پہ بھی طویل بحثیں ہوسکتی ہیں۔ چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی رعایت کے پیشِ نظر پہلے حرم میں چار مصلے تھے۔ دنیا کے مسلمان انہی چار مذاہب کے پیرو تھے، ہر مذہب کا ماننے والا اپنے امام کی اقتدا میں نماز پڑھ لیتا تھا، کسی کو کسی سے شکایت نہیں تھی۔ اور الگ سے جماعت قائم کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آلِ سعود نے اپنے باطل عقائد ونظریات کے پیشِ نظر ان مصلوں کی رعایت اور روایت ختم کردی۔ ان کا یہ فیصلہ جبری تھا۔ چونکہ ان کے عقائد اسلامی تصورات کے یکسر خلاف ہیں، ان کے امام کی اقتدا میں کسی مسلمان کی نماز قطعی نہیں ہوتی۔ جو لوگ ان کے عقائد وافکار سے واقف ہیں وہ آج بھی ان کی اقتدا نہیں کرتے۔ حجازِ مقدس پہ آلِ سعود کا تسلط ہے، اس لیے جو لوگ ان کے عقائد سے اتفاق نہیں رکھتے وہ خوف کے سبب چھپ کر اپنی جماعت قائم کرتے ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کی ذات خوف سے آزاد تھی، اس لیے چھپ کر جماعت قائم کرنا ان کی غیرتِ عشق کی توہین تھی۔ وہ پوری دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ نجدی امام کی اقتدا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے اپنی عبادت کو ضائع نہ کرو۔ ایک جید عالم دین ہونے کے سبب ان کا یہ فرضِ منصبی بھی تھا، حکومت کے نزدیک ان کا یہ عمل جرم تھا تو انھیں اس جرم سے روک دیا جاتا۔ انھیں سخت سزا دینے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ انھیں جس طرح کی سزا دی گئی اس سے انسانیت آج بھی شرمندہ ہے۔ انھیں قاضی کے روبرو پیش کیا گیا۔ قاضی کے ہر سوال کا انہوں نے اطمینان بخش جواب دیا لیکن قاضی کے پاس ان کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔ قاضی حرم اور حضور مجاہد ملّت کے درمیان جو مکالمات ہوئے اس کی تفصیلات کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ دوسرے سال حضور مجاہد ملّت کو حج کی اجازت ملی اور ان کے کسی بھی عمل پہ حکومت نے کوئی اعتراض

نہیں کیا۔ اس سے حضور مجاہد ملّت کے سوالات کی صحت کی بھر پور توثیق ہوتی ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی ذات سے وابستہ بے شمار عناوین ہیں اور ہر عنوان تفصیل طلب ہے۔ ان کی شخصیت کا ہر پہلو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ہم اپنے ذاتی مفادات میں اس طرح گھِر چکے ہیں کہ ہمارے پاس ان جیسی پاکباز شخصیات پہ سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ ہماری ساری توانائی نذر و نیاز پہ صرف ہوتی ہے۔ ہم نذر و نیاز پہ پانی کی طرح پیسے بہاتے ہیں، مگر تعمیری شخصیات پہ تعمیری کام کا جب سوال آتا ہے تو ہماری مفلسی رقص کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مجنوں صفت فرد کوئی تعمیری اور تحقیقی کام کا بیڑا اُٹھاتا ہے تو ہمارے پاس اس کی حوصلہ افزائی کے لیے الفاظ نہیں ہوتے۔

حضور مجاہد ملّت کی قلمی نگارشات کا کوئی ذخیرہ نہیں ہے، مگر ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق ہم سے مثبت پیش رفت کا تقاضا کرتا ہے۔ ان کی ذات نفس و نفسانیت سے قطعی پاک تھی۔ ان کا ہر عمل انسانیت، قومی اور ملکی مفادات سے جڑا ہوا ہے۔ انسانیت کی تذلیل ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیتی تھی۔ ایک بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام کے اس فلسفۂ محبت کی تفہیم کے لیے تاحیات ان کی جدوجہد جاری رہی۔ ان کا درد انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی تھا۔ یہی فلسفہ ان کی شخصیت کو عالمی پیمانے پر بلند کرتا ہے۔ انھیں جماعتی حصار میں رکھنے کی کوششیں آج بھی جاری ہیں جبکہ ان کو اس حصار سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ درد کا جو آتش فشاں ان کے سینے میں سلگ رہا تھا ان کے عہد میں اس درد سے آشنا کوئی دل نہیں تھا۔ دنیا بے گناہوں کے خون سے اقتدار کی کرسی حاصل کرتی ہے، وہ انسانیت و شرافت کے دوش پہ اقتدار کی کرسی کو دیکھنے کے قائل و حامی تھے۔

حضور مجاہد ملّت کی شخصیت دانشور علماء، مفکرین اور مدبرین کی توجہ چاہتی ہے۔ ان کی کتابِ حیات کے پنّوں پر لفظوں کی جو قطاریں نظر آتی ہیں، ہر لفظ پیغامِ سحر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بالغ فقیہہ ہونے کے باعث قانون کی زبان پہ ان کی گہری نظر تھی۔ ان کا ہر عمل قانونی حصار میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبر و ظلم کے پنجے ان کے حوصلوں کے چراغ کو

بجھانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔ ماضی، حال اور مستقبل پہ ان کی یکساں نظر تھی۔ وہ حال کے ہر فیصلے کو مستقبل کے پیمانے سے ناپتے تھے۔ ملک میں مسلمان دن بدن پستی کی سمت جارہا ہے، اس خدشے کا اظہار انہوں نے آج سے ساٹھ سال قبل کردیا تھا۔ اگر ملک کا دانشور طبقہ ان کے خدشات پہ اس وقت سنجیدہ ہوتا تو آج اس صورتِ حال کا مسلمانوں کو سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ملک کا مسلمان اس وقت افسوس ناک حالات سے دوچار ہے اور حالات مزید پیچیدہ ہوں گے۔ چونکہ مسلم قیادت کا تصور ہی مبہم ہوگیا ہے۔ ملک کی ہر قوم اپنے حقوق حکومت سے جبراً چھین لیتی ہے، مگر مسلمان اپنے حقوق مانگنا تو دور کی بات ہے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وقت ملک میں مسلمانوں کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہے۔ ملک کے قانون میں دلت برادری کو جو مراعات حاصل ہیں حکومتِ وقت اس کی بھرپور رعایت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکومتِ وقت آزمائش میں گھر جاتی ہے تو یہ برادری حکومت کے ساتھ ہوجاتی ہے۔ یہ چیز انتخابات کے وقت دیکھنے کو ملتی ہے۔ مسلمان ملک میں بکھرا ہوا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی ہے، حکومت اس آبادی کو کئی حصوں میں تقسیم کردیتی ہے، تاکہ مسلمان کوئی مثبت رول ادا نہ کرسکیں۔

حضور مجاہد ملّت مستقبل شناس تھے، وہ حکومت کی نیتوں کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے مستقبل آئینہ تھا۔ وہ مسلمانوں کی بے حسی پہ اشک ریزی کرتے تھے، مگر مسلمانوں کے نزدیک ان کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہیں تھی۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ سمجھتا تھا کہ رونا ان کی عادت کا حصہ ہے، مسلمان آنے والے طوفانوں سے بے خبر تھا اور حضور مجاہد ملّت باخبر تھے۔ اگر مسلمانوں کو حضور مجاہد ملّت کا دل مل جاتا تو ملک میں رونے والے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی۔ ایسا دل ریاضتوں کے بعد ہی ملتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی حیات کا ہر باب انتہائی حساس اور سمندر کی وسعت و گہرائی لیے ہوا ہے۔ انہوں نے تابناک مستقبل کے لیے جو منشور بنائے تھے۔ وہ ہماری بے توجہی کے سبب بکھر گئے ہیں، انھیں پھر

سے یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کام جماعت کا دانشور طبقہ ہی کرسکتا ہے۔ ان کی حیات کے بہت سارے گوشے ابھی بھی پردۂ خفا میں ہیں، انھیں رضا کارانہ طور پر اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے مطالبات کو اب تک ہم نے سمجھنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ ہم ان کا عرس بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں، اہلِ ثروت خوب لنگر لٹاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی بارگاہ میں یہی سب سے بڑی وفاداری ہے۔ جبکہ عقیدت کی یہ بے سمت لہریں ہیں، اس سے وقتی اور لمحاتی طور پر ذہن کو آسودگی مل جاتی ہے۔ اس سے ذہنوں کی تعمیر کا کام نہیں لیا جاسکتا۔ ان کی ذات ہم سے تعمیری پیش رفت کا تقاضا کرتی ہے۔ ان کے مزار پہ حاضری کے وقت ایک باشعور زائر کو گہری خاموشی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیغامات کی ترسیل چاہتے ہیں۔ چونکہ ان کے پیغامات زندگی بدوش ہیں، ان پہ عمل کی صورت میں نئے آفاق کے در وا ہوں گے اور زندگی کو نئی جہتوں سے آشنائی ہوگی۔ ان کے ہاں خاموش بیٹھنا زندگی کو بے معنیٰ بنانا تھا۔ خاموشی جائز حقوق سے بھی محروم کردیتی ہے۔ جو لوگ بے زبان ہوتے ہیں انھیں حاشیے پہ بیٹھنے کے لیے بھی جگہ نہیں ملتی۔ تدبیر سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ ان کی تحریکات سے باعزت زندگی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ ہماری بے حسی، مفاد پرستی اور بے توجہی کے باعث ان کی تحریکات کاغذ کے پنوں میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ وہ تا حیات ان قوتوں سے الجھتے رہے ہیں، جن کے افعال و کردار سے انسانیت کی پیشانی شکن آلود ہوتی تھی۔ ہمیں ان کی شخصیت کی داخلی تہوں کو سمجھنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہونا ہوگا۔ اس حوالے سے اگر ہم خود کو تیار کر لیتے ہیں تو راہ کے بہت سارے پتھر خود بخود ہٹ جائیں گے۔

حضور مجاہد ملّت کا وصال ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں ہوا۔ یہ سن جماعت اہلِ سنّت کے لیے بڑا کربناک تھا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند اور قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مہاجر مدنی کا بھی یہی سن وصال ہے۔ ان برگزیدہ شخصیات کے وصال کے بعد ہی سے جماعت اہلِ سنّت میں تقسیمی شعور کو داخلے کی اجازت ملی۔ ان شخصیات کی حیات میں جماعتی وقار سے کسی میں

الجھنے کی جرأت نہیں تھی۔ ان کی ایک آواز پہ فوراً عوامی سوچ کا قبلہ بدل جاتا تھا۔ ہم نے ان شخصیات کے عہد کے آخری عرصات دیکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یقین کا سورج دل کے آنگن میں پوری تابانی کے ساتھ روشن ہے اور روایات سے رشتہ بنا ہوا ہے۔ اگر ان شخصیات کے عہد کو نہ دیکھا ہوتا تو نہ جانے ایمان وعقیدے کا کیا حال ہوتا؟ ان شخصیات کی ہر سانس پہ روایات کا پہرہ تھا۔ ان کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے تھے وہ قرآن وحدیث کا عصارہ وافشردہ ہوا کرتے تھے۔ وہ نفس کے زیر اثر نہ تھے بلکہ نفس ان کے زیر اثر تھا۔ ان کی کتابِ حیات کے کسی ورق پہ ذاتی مفادات کی دھوپ نہیں پڑی تھی۔ ان کی محفلِ نور بار میں جو بیٹھ جاتا تھا آلائش دنیا سے اس کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا تھا، دلوں کی غلاظت کو وہ نگاہوں سے دھل دیتے تھے۔ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، ید بیضاء ان کی آستینوں میں چھپا ہوتا تھا۔ عرش کی بلندیاں ان کے تقدس نفس کی بلائیں لیتی تھیں۔ وہ جدھر سے گذرتے تھے، روشنی اس سمت پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ان کا ہر نقشِ پا چراغِ سحر ہوتا تھا۔ اب ایسی شخصیات منظر سے ہٹ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریکیاں تیزی کے ساتھ اُجالوں کو نگل رہی ہیں۔ جب وہ شخصیات اور ان کے نقوشِ حیات تصور میں آتے ہیں تو زبان یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتی ہے کہ ؎

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضور مجاہد ملّت، حضور مفتیٔ اعظم ہند اور قطب مدینہ کے محبوبِ نظر تھے۔ دونوں ان کو انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضور مجاہد ملّت دونوں شخصیات کی دست بوسی کو اپنی سعادت مندی وفیروزمندی تصور کرتے تھے۔ ان کی محافل ومجالس میں حضور مجاہد ملّت کے بیٹھنے کا جو انداز ہوتا تھا، اس انداز کو دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ ایک باوفا مرید اپنے شیخ کے حضور حاضر ہے۔ برگزیدہ شخصیات کے ادب کا یہی شعور حضور مجاہد ملّت کو اقلیم قلوب کا تاجدار بنائے ہوا ہے۔ وہ فقیروں کا بھیس بنا کر تماشائے اہلِ کرم دیکھتے تھے۔ وہ لفظوں سے عقیدت کی حویلی تیار نہیں کرتے تھے بلکہ خونِ جگر سے عقیدت کا چمن آراستہ کرتے

تھے۔ لفظوں سے عقیدت کے جو محلات تیار ہوتے ہیں اس میں پائیداری نہیں ہوتی۔ جس چمن کی شادابی خونِ جگر سے ہوتی ہے اس کی خوشبو سرحدوں کی پابند نہیں ہوتی۔ انہوں نے اصولوں کے احترام میں سرحدوں کا کبھی لحاظ نہیں کیا۔ حضور محبوبِ الٰہی کی محفل آراستہ تھی، سامنے سے ایک کتا گذرا۔ محبوبِ الٰہی کھڑے ہو گئے، ایسا کئی بار ہوا۔ جب محفل اختتام پذیر ہوئی تو اہلِ عقیدت محبوبِ الٰہی سے عرض گذار ہوئے کہ کتے کو دیکھ کر بار بار کھڑے ہونے کا فلسفہ کیا ہے؟ محبوبِ الٰہی نے فرمایا کہ میرے پیر کی گلی میں اسی شکل کا ایک کتا رہتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ اسی نسل کا کتا ہو، اس لیے جب وہ سامنے سے گذرتا میں اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ جب کتے کے احترام کا یہ عالم ہے تو مرشد کے قرابت داروں کے احترام کا کیا حال رہا ہوگا۔ حضور مجاہد ملّت اسی مزاج طریقت کے عامل، داعی اور ناشر تھے۔

حضور مجاہد ملّت انجمن نواز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی شخصیت کی خوشبو عمر کے ابتدائی دنوں ہی میں پھیل چکی تھی۔ ان کے کمالات کے متن کا اہلِ زبان وقلم کو ابتدا ہی میں احساس وادراک ہو چلا تھا۔ لیکن ان کے کمالات کے اظہار واعلان کے لیے زبانیں تو کھلتی تھیں، قلم نہیں اُٹھتا تھا۔ یہ بات راقم اپنے علم کی روشنی میں کہہ رہا ہے۔ ان کے کمالات، تصورات اور احساسات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا سلسلہ ان کے وصال ۱۹۸۱ء کے بعد شروع ہوا۔ یہ سلسلہ تسلسل چاہتا تھا مگر اہلِ علم وفن نے تسلسل کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ کسی بھی بڑی شخصیت کے بکھرے ہوئے نقوشِ حیات کو سمیٹنے کے لیے مستقل ادارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا اجماعی معاشرہ شخصیت شناسی کا ٹھوس تصور نہیں رکھتا۔ جو شخصیات منظر پہ نظر آتی ہیں، انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ اسلاف شناسی کی تحریک سے اپنا رشتہ بنائے ہوئے ہیں ان میں عقیدت کی بے غبار لہریں کام کر رہی ہیں۔ اسلاف شناسی کا عمل اشتراک اور جاں فروشانہ تعاون چاہتا ہے۔ یہ اعراس کی ہمہ ہمی عقیدت کی تیز رفتار لہریں نہیں ہیں۔ یہ زر اندوزی کا غبار آلود مظاہرہ ہے۔ کہیں کہیں سے عقیدت کی خوشبو آتی ہے، مگر یہ شمار وقطار

میں نہیں ہے۔ اگر زر اندوزی کا تصور نہیں ہوتا تو خانقاہیں مقدمات سے بھری ہوئی نہیں ہوتیں۔ اس کاروبار کے منافع بخش ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مرنے والے کا کوئی خاص مذہبی چہرہ نہیں ہوتا مگر اس کا عرس پورے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے اور عوام کو یہ تصور دیا جاتا ہے کہ صاحبِ عرس جنیدِ وقت اور شرف الدین زمانہ تھے۔ خطباء و شعراء صاحبِ عرس و بانیانِ عرس کی مدح سرائی اس انداز میں کرتے ہیں جیسے اس گرد آلود عمل کی بنیاد پر انھیں عالمی ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔ اسلاف شناسی سے دین شناسی کا شعور اُبھرتا ہے۔ اعراس شناسی سے دین شناسی کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بزرگوں کی یاد ان کے ارشادات و پیغامات کی روشنی میں منائی جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو معاشرے پہ اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ اسلاف و اکابر کی بارگاہ میں سب سے اہم اور دیرپا خراجِ عقیدت ان کے منشورِ حیات پہ عمل کرنے اور اسے مربوط انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ہے۔ مستند بزرگوں کے اعراس خوب منائے جائیں مگر مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں اگر ایسا ہوتا ہے تو اعراس میں شرکت عبادت ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات و خدمات پہ اب تک جو علمی و لسانی پیش رفت ہوئی ہے اسے قابلِ احترام تو کہا جا سکتا ہے، لائق اطمینان نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ اب تک ہمیں ان کی شخصیت کا صحیح عرفان ہی نہیں ہو سکا ہے۔ ان کی شخصیت ہم سے طویل جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے۔ ہماری ساری زور آزمائی پھول، چادر اور لنگر پہ ہوتی ہے۔ یہ چیزیں واجبی طور پر انجام دی جائیں۔ ان کی استحبابی حیثیت کا کوئی منکر نہیں ہے۔ ہمارا ہر عمل اصولِ شریعت کی تزئین سے جڑا ہونا چاہیے اس لیے کہ ہماری تخلیق کا یہی بنیادی پتھر ہے۔ جڑ کو چھوڑ دینا اور شاخوں سے لٹک جانا یہ سخت نادانی ہے۔ جس عمل کی انجام دہی میں دقتیں نہیں ہوتیں، اسے کرنے میں ہم پیش پیش ہوتے ہیں اور جس عمل کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں اس میں دقتیں اور دشواریاں ہوتی ہیں۔ ہماری توجہ اس کی طرف بالکل نہیں ہوتی۔ تالیف و تصنیف انتہائی دقت طلب کام ہے، برسوں کی ریاضت کے بعد کوئی تحقیقی کتاب منصۂ شہود پہ آتی ہے۔ کسی

شخصیت کی حیات وخدمات کو کتابی شکل میں لانا بہت اہم کام ہے، اس سے شخصیت کا صحیح چہرہ سامنے آتا ہے اور ان کی حیات کی ترجیحات کو سمجھنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ جو لوگ شخصیت فہمی کی راہیں کشادہ کرنے میں مصروف ہیں، ان کی ہر جہت سے حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم سارے کام بڑی آسانی کے ساتھ کر لیتے ہیں لیکن اہلِ زبان وقلم کی حوصلہ افزائی ہم سے قطعی نہیں ہوتی۔ ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ ہم اپنے اسلاف واکابر کو پڑھتے ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی روایات سے ہمارا رشتہ ٹوٹتا جارہا ہے۔ ہماری موجودہ نسل کا مزاج بگڑتا جارہا ہے، اس میں دین سے دوری کا احساس گہرا ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے ہم اپنی سوچ کا قبلہ بدلیں، ہم اس عمل پہ توجہ دیں جس عمل سے گھر میں دین کی روشنی داخل ہو۔ ہم اپنے گھروں کو تصویروں سے نہ سجائیں بلکہ کتابوں سے سجائیں۔ حضور مجاہد ملّت جیسی شخصیات کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتابیں گھر میں ہوں گی اور ان کے مطالعہ کا ذوق زندہ رہے گا تو گھر میں رحمت الٰہی کے داخلے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ حضور مجاہد ملّت نے دینی تصورات کے فروغ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی۔ اس راہ میں انھیں کس طرح کی کٹھنائیوں سے دوچار ہونا پڑا، اس کے تصور ہی سے دل بیٹھ جاتا ہے۔ ان کی زندگی کو پڑھنے کے بعد ہمیں جینے کا حوصلہ ملے گا اور دل میں دینی اصولوں کے تحفظ کے لیے جذبہ پیدا ہوگا۔

حضور مجاہد ملّت کے وصال کے بعد اب تک ان کی حیات وخدمات اور ان کے دینی کارناموں پہ مشتمل تین درجن سے زائد کتابیں زیوراتِ اشاعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ ذیل میں اس کی ایک نامکمل فہرست ملاحظہ کریں۔

قاضیِ حرم سے مجاہد ملّت کا مکالمہ	حضرت مولانا عبدالتواب صدیقی
مجاہد ملّت کی مجاہدانہ عزیمت	مولانا یٰسین اختر مصباحی
ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر	حضرت مولانا سید شمیم گوہر
حبیب اسیر	حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی

نوائے حبیب کا مجاہد ملّت نمبر، (اڑیا) سیّد عبدالسبوح رضوی

حیاتِ مجاہد ملّت کے چند ادوار — حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
مردِ جوزاء مجاہد ملّت — حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت — حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
بیان الحبیب، تین حصص — حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
تذکرۂ سرکار مجاہد ملّت — حضرت مولانا غلام صادق ہاشمی
مجاہد ملّت کا جیون وجیونی (اڑیا) — سیّد عبد السبوح رضوی
حضور مجاہد ملّت کا گوشۂ حیات — حضرت مولانا مفتی سیّد اولادِ رسول قدسی
نذرِ حبیب — مولانا عبد المبین نعمانی
سوانح مجاہد ملّت — مولانا ابوالکلام احسن القادری
تین برگزیدہ شخصیتیں — مولانا یٰسین اختر مصباحی
کراماتِ مجاہد ملّت — مدثر حسین حبیبی
تبلیغ سیرت کا مجاہد ملّت نمبر — حضرت مولانا مجاہد حسین حبیبی
حضرت مجاہد ملّت کے ۹۹ رقصے — حضرت مولانا مفتی عبد المسجود حبیبی
حضرت مجاہد ملّت کے ۹۹ رقصے (اڑیا) مترجم سیّد عبد السبوح رضوی
نوائے حبیب کولکاتا کا مجاہد ملّت نمبر — مدثر حسین حبیبی
صدائے اڑیسہ کا مجاہد ملّت نمبر — شیخ قریش
اخبار اڑیسہ کا مجاہد ملّت نمبر — سعید رحمانی
ہفت روزہ سیرت ممبئی کا مجاہد ملّت نمبر معین الدین اجمیری
حضور مجاہد ملّت اور مسلک اعلیٰ حضرت حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
حکایاتِ باستانی، مجاہد ملّت کی زبانی، حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
حضور مجاہد ملّت کے ملفوظات علمیہ (عربی، اردو) مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی

مجاہد ملّت کے ۹۹ رقصے، ص: ۱۵۹، ۱۶۰

حضورمجاہدملّت حیات،خدمات اوراعترافات (اشاعت اوّل) مولانامحمدرحمت اللہ صدیقی

دیدہ وری،شعور کی پختگی اور بالغ نظری کے ساتھ کام ہوتو رسائل کے نمبرات اپنے گہرے اوردیر پااثرات چھوڑ جاتے ہیں۔اعلیٰ حضرت امام احمدرضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت اوران کی دینی، ملی اور علمی خدمات پر مشتمل ہند و پاک کے اخبار و رسائل کے درجنوں نمبرات منظر عام پرآئے ہیں۔ان میں ''ماہنامہ المیز ان'' کے امام احمد رضا نمبر کی اب تک کوئی دوسری نظیر سامنے نہ آسکی ہے۔اعلیٰ حضرت کے شخصی تعارف پہ جوجمود طاری تھا، اس نمبر نے اس جمود کوتوڑ دیا۔ اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت کی تفہیم کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہند و پاک کے مختلف اداروں نے اس نمبرکوخصوصی اہتمام سے شائع کیا ہےاوراس کی اشاعت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

حضورمجاہدملّت کے وصال پُرملال کے فوراً بعد ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہدملّت نمبراورنوائے حبیب، کولکاتا کا مجاہد ملّت نمبر منظر عام پر آیا۔ دونوں نمبرات کی جامعیت سے کوئی بھی انصاف پسندآدمی انکارنہیں کرسکتا۔ دونوں نمبرات سے حضورمجاہدملّت کامختصرمگر جامع تعارف سامنے آتا ہے۔ دوسرے رسائل کے بھی نمبرات شائع ہوئے ہیں مگر مذکورہ نمبرات کی کسی سے پیروی نہ ہوسکی۔ دوسرے نمبرات کوعقیدت مندانہ خراجِ عقیدت کے باب میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے اس وقت مدیر تھے حضرت مولانا ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر صاحب، انھیں حضورمجاہد ملّت سے گہری عقیدت حاصل تھی۔ یہ نمبران کی بے غبار عقیدت مندیوں کا بےداغ اشاریہ ہے۔ اگران کی ذات نہ ہوتی تو اتنا جامع اوردستاویزی نمبر اتنے کم وقتوں میں زیورِاشاعت سے آراستہ نہ ہوتا،نمبر کے ورق ورق سے ان کی بے پناہ نیاز مندیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نمبر کی ترتیب، تدوین اور اشاعت پہ وہ خصوصی مبارکباد کے حقدار ہیں۔ ہم ان کی صحت وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ سیّد صاحب نمبر کی جامعیت کے حوالے سے خود رقمطراز ہیں:

اللہ کے ایسے نہ جانے کتنے ولی گذرے ہیں جن کی دوتین کرامتوں کے

علاوہ دنیا کو کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ مگر برسہا برس سے ان کی کرامتوں کا ذکر کیا جارہا ہے اور قلم تھکنے کا نام نہیں۔ ایک ہی موضوع سے متعلق اگرچہ قارئین کو متعدد مضامین نظر آئیں گے مگر کسی نہ کسی اعتبار سے ہر مضمون معلومات میں اضافہ ضرور کرے گا۔ بعض علمی اور معلوماتی مضامین کی شمولیت سے نمبر کے معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک قابلِ فخر تاریخی دستاویز کی صورت میں اس خصوصی شمارہ کو یقیناً سراہا جائے گا، جو حضور مجاہد ملّت کے بے شمار عقیدت مندوں اور ریسرچ اسکالروں کے لیے سہارا ثابت ہوگا۔ خوش نصیبی سے اس کے صفحات پر ان تمام حضرات کی عقیدت مندیاں سمٹ آئی ہیں، جن میں اہلسنت کے عظیم دل و دماغ بھی شامل ہیں اور علم و ادب کے نئے متوالے بھی، پروردگارِ عالم ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور بارگاہِ مجاہد ملّت میں سرفرازی حاصل ہو آمین۔

سیّد صاحب نے حضور مجاہد ملّت کے عزم و ارادے اور ان کی کوہ پیما عظمت و رفعت کا بہت فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حضور مجاہد ملّت کی زندگی سے واقفیت رکھنے والے افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ راہِ حق کا یہ بے خوف مسافر جس کے پیروں کے چھالے اور آنکھوں کے آبگینے تاریخ کے صفحات پر موتی بن کر چمک رہے ہیں، ایسے صاحبِ کردار مجاہد کو نہ کوئی ظالم بادشاہ اپنے آگے جھکانے پر مجبور کرسکا اور نہ دنیا کی کوئی مصلحت اپنے شیشے میں اُتار سکی۔ شیشے سجائے جاتے رہے، تاج وری زعم میں آتی رہی اور سفا کی آستینیں چڑھاتی رہی مگر مجاہد ملّت نے جو بات بھی کہی بہانگ دہل کہی، جو کام کیا علی الاعلان کیا۔ ناموسِ رسالت اور ملت اسلامیہ کی سرخ روئی کی خاطر آپ ہر راستے سے گذرتے رہے اور ہر منزل پر کانٹوں کی نوک اور تلواروں کی دھاروں کا استقبال کرتے رہے۔ انھیں جذبات وعزائم کا نتیجہ تھا کہ مجاہد ملّت کو متعدد بار سلاخوں کے پیچھے بھی جانا پڑا اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہننا پڑیں۔

حکومت نے جب جب اپنا رول ادا کیا انداز صداقت میں اور نکھار آتا گیا۔ ان کی آنکھوں سے آج بھی کوئی پوچھ سکتا ہے جنھوں نے ایک فقیر کے استقلال کی دہلیز پر جیل کی آہنی سلاخوں کو پگھلتے ہوئے دیکھا اور کلائیوں کی ہتھکڑیوں کو لرزتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملّت نمبر ص: ۳۵)

دوسرا نمبر نوائے حبیب کولکاتا کا ہے۔ اس کے سرِ ورق پر بحیثیت مدیر کسی کا نام نظر نہیں آتا۔ نمبر کا اداریہ پروفیسر شاہد اختر نے لکھا ہے۔ ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے جناب مدثر حسین حبیبی صاحب کا نام نظر آتا ہے۔ میرے علم کے مطابق یہ دونوں حضور مجاہد ملّت کے دست گرفتہ ہیں۔ نمبر کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کی مشترکہ کوشش وکاوش ہے۔ نمبر میں دونوں نے کھل کر اپنے درد وکرب کا اظہار کیا ہے۔ پروفیسر شاہد اختر لکھتے ہیں:

قارئین! ہماری یہ کوشش آپ کے سامنے ہے، اس میں جو خوبیاں نظر آئیں انھیں ہمارے معزز قلم کاروں کی طرف منسوب کیجیے اس لیے کہ انہوں نے اس نمبر کو معیاری بنانے کے لیے جس عرق ریزی سے کام لیا ہے اس کا شکریہ ہم لاکھ ادا کرنا چاہیں ادا نہ کر پائیں گے۔ آپ اپنی خاص دعاؤں میں ہمارے ان معاونین کو بھی یاد رکھیے جنھوں نے اپنی گاڑھی کمائی سے ہماری مدد فرمائی۔ ہماری سر پرستی قبول کی اور مشتہرین حضرات کی کاروباری ترقی اور صحت وسلامتی کی دعا فرمایئے۔ گذشتہ سطور میں آپ نے ہماری پریشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر ان حضرات کا بھرپور تعاون ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم کبھی اس قابل نہیں ہوتے کہ یہ شاندار نمبر آپ کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

جناب مدثر حسین حبیبی لکھتے ہیں:

ہم ذیل میں ان کرم فرماؤں کی فہرست پیش کر رہے ہیں جنھوں نے مجاہد ملّت نمبر کی اشاعت میں ہمارے ادارے سے مکمل تعاون فرمایا، کسی نے ہماری سر پرستی قبول فرمائی، کسی نے مضمون اور مواد کی فراہمی میں ہاتھ بٹایا اور کوئی جدوجہد کی پُرخار وادی میں ہماری آبلہ پائی کا شریک ہوا۔ ہم ان کے ناموں کی

فہرست پیش کرتے ہوئے آپ سے ان حضرات کے لیے دعاؤں کی اپیل کرتے ہیں اور خود بھی دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے چاہنے والوں کے صدقے میں ان حضرات کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، انھیں صحت اور شفائے کلی عطا فرمائے، ان کے کاروبار میں ترقی عطا فرمائے، ان کی اولادوں کو نیک اور صالح بنائے اور ان کی جائز تمنائیں بر لائے، مذہب حق اہلِ سنّت و جماعت پر قائم رکھے اور ایمان پہ خاتمہ نصیب ہو۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین۔

پروفیسر شاہد اختر اور جناب مدثر حسین حبیبی کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہی دونوں حضرات اس نمبر کی ترتیب، تدوین اور تہذیب میں پیش لفظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جگہ جگہ دونوں کا درد چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ بہر حال دونوں حضرات کی جاں فروشانہ کوشش و کاوش لائق تحسین اور قابلِ مبارکباد ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی تحریکات اور خود حضور مجاہد ملّت سے پروفیسر شاہد اختر کی جذباتی عقیدت کی خوشبو ذیل کی تحریر سے پھیلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اسلامیانِ ہند کی سربلندی اور سرفرازی کی خاطر ٹھوس بنیادوں پر ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا قیام اور ''کل ہند خاکسارانِ حق'' کی امارت حکومتِ وقت کے سامنے بار بار مطالبات کی پیشی اور تحریکیں ایک طوفان کے مانند تھیں۔ جو انھیں مضطرب رکھتا، کوئی بحر کی موجوں میں اضطراب کا متلاشی ہوتا ہے اور وہاں ان کے بحر کی موجوں کا اضطراب ایک عالم کو محیط کرنے کے لیے پریشان تھا۔ افسوس کا نہیں بلکہ دھاڑیں مار مار کر رونے کا مقام ہے کہ حضور مجاہد ملّت نے جن مقاصد کی عظمتوں کے حصول کی خاطر اپنا سارا سرمایۂ حیات داؤں پر لگا رکھا تھا، علمائے کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نے نہ صرف یہ کہ بے مثال عدم تعاون کا مظاہرہ کیا بلکہ مشن کو اپنے طور پر نقصان پہنچانے کی کوششوں سے بھی باز نہیں آئے۔ اس مجاہد اعظم کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو بھولپن اور سادگی کا نام دیا گیا۔ ان

کے مشن کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ ان کی تحریکوں میں بجائے زندگی دوڑانے کے مردہ کرنے کی بالواسطہ اور بلاواسطہ کوششیں کی گئیں۔ (نوائے حبیب مجاہد ملّت نمبر ص: ۱۴)

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور نوائے حبیب کولکاتا کے مجاہد ملّت نمبر نے حضور مجاہد ملّت کی تعریف و تعارف میں بہرحال کلیدی رول ادا کیا ہے۔ دونوں کے مطالعہ کے بعد حضور مجاہد ملّت کی ذات ایک بھرپور اور سمندر نواز شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ آج حضور مجاہد ملّت کے حوالے سے جو بھی اور جہاں بھی تھوڑی بہت تحریری سرگرمیاں نظر آتی ہیں مذکورہ دونوں نمبرات کی عکس بندیاں ہیں۔ اس حوالے سے دونوں ادارے لائق تحسین ہیں۔

حضور مجاہد ملّت آفاق بدوش شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے دینی احساسات و تصورات اور جذبِ دروں کی تفہیم کے لیے ہمیں متحرک، مستعد اور بیدار رہنے کی ضرورت تھی۔ ان کی شخصیت کے تعارف کے لیے اب تک جو تحریری پیش رفت ہوئی ہے اس کے مطالعہ کے بعد کئی جہتوں سے ناآسودگی کا احساس ہوتا ہے۔ ہمارا جماعتی مزاج ہر بڑی شخصیت کے خارجی خوش نما پہلوؤں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ شخصیت کی داخلی تہوں کی سمت ہم جھانکنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ علمی دنیا ہماری بڑی شخصیات اور ان کی دینی، ملی اور علمی خدمات کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتی جن کی وہ حقدار ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی، فکری اور لسانی کمالات کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں اس کے باوجود دنیا کے بڑے بڑے جامعات میں ان کے حوالے سے آج بھی وہ سنجیدگی نظر نہیں آتی جس سنجیدگی کی ان کی شخصیت تقاضا کرتی ہے۔ یہ ہمارے اندازِ تعارف کا قصور ہے۔ ہمارے پاس اپنی کسی بھی شخصیت کو سمجھنے اور دنیا کو سمجھانے کا وقت نہیں ہے۔ اور جن کے پاس علم بھی ہے، زبان بھی ہے اور وقت بھی ہے وہ اپنے وقت کی قیمت مانگتے ہیں اور ہم قیمت دینے کے لیے خود کو تیار نہیں کر پاتے۔ ہم سے کسی بھی حساس موضوع پر قیمتاً کتاب لے کر پڑھنے کا مزاج بھی چھین لیا گیا ہے۔ ہم کتابوں کو اپنی زندگی کا غیر ضروری حصہ تصور

کرتے ہیں اور ان کے مطالعہ کو توضیع اوقات کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ دین کی تفہیم اور دینی شعور کی تازگی کے لیے کتابوں کا مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جیسے کھانے کے لیے نمک، ہماری موجودہ نسل کا رشتہ اپنے دینی، ملی اور مسلکی مرکز سے ٹوٹتا جارہا ہے۔ میراثِ اسلاف کو ہم خود اپنے ہاتھوں تباہ کررہے ہیں بلکہ میراثِ اسلاف کی وراثت کا ہم نے حق کھو دیا ہے۔ پھر بھی ہم سمجھتے ہیں کہ سب خیریت ہے۔ ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ہمارے پاس اب کھونے کے لیے کچھ بچا نہیں ہے۔

ہیرا ہیرا ہوتا ہے، سونا سونا ہوتا ہے اور چاندی بہرحال چاندی ہے۔ ہمارے پاس اسلاف و اکابر کا ایک نہ ختم ہونے والا طویل سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کا ہر فرد ہیرے موتی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے آواز دینے والا آواز دے رہا ہے مگر ہماری نیند اتنی گہری ہے کہ ہم قیامت بدوش شورسن کر بھی نہیں اُٹھ رہے ہیں۔ ہمارے خون سے ہولی کھیلنے کی تمام تیاریاں مکمل ہوچکی ہیں، پھر بھی ہم ہوش کے ناخن نہیں لے رہے ہیں، ہم دائرہ بناتے تھے، ہم جس کو چاہتے تھے اسے دائرے میں جگہ ملتی تھی مگر اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم خود دائرے سے نکال دیئے گئے ہیں، ہماری حیثیت لفظوں کی تھی مگر اب ہمیں عالمی پیمانے پر نقطہ بھی تسلیم نہیں کیا جارہا ہے۔ ہم گھر کے مالک تھے اور اب کرایہ دار کی صورت میں رہ رہے ہیں بلکہ زمانے کو ہماری یہ حیثیت بھی کھٹک رہی ہے۔ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا، اس کے بکثرت اسباب ہیں۔ ماضی سے جس قوم کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے وہ قوم صحراؤں میں بھٹکنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ ماضی ہی حال کو تابناک بناتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت اور ان جیسی ہزاروں شخصیات ہمارے کشکولِ حیات میں موجود ہیں، ان کی درس گاہیں آراستہ ہیں۔ ہم نے ان کی درس گاہوں میں بیٹھنا ترک کردیا بلکہ اپنی کتابِ حیات کے پنوں سے ان پاکانِ امّت کے پاکیزہ، تقدس مآب اور نور بار اسماء کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا ہے۔ جن کی نسبتوں سے زندگی کائنات کے ہر گوشے میں نور بار رہا کرتی ہے۔ ہم نے ان سے خود کو اس طرح الگ کرلیا ہے جیسے دودھ سے مکھی الگ کردی جاتی ہے۔ جب

احساس زندہ ہوتا ہے تو سنورنے کے امکانات ہوتے ہیں، ہم احساسِ سود و زیاں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔

وسیم اپنے اندھیروں کا خود علاج کرو
کوئی چراغ جلانے یہاں نہ آئے گا

اسلاف اور میراث اسلاف ہماری مذہبی زندگی کے دو ایسے کنارے ہیں کہ یہیں سے طوفان بردوش سمندر میں اُترنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی زندگی کا سنجیدہ مطالعہ ہمارے دعوے کو اعتبار عطا کرتا ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے عہد میں بھی ان سے بڑی بڑی اور قابلِ احترام شخصیات ملتی ہیں۔ ہم انھیں کسی بھی زاویے سے نظر انداز نہیں کر سکتے مگر جو جنونِ فداکاری حضور مجاہد ملّت کے ہاں ملتی ہے، اس جنونِ فداکاری سے بہر حال ان کا عہد خالی نظر آتا ہے۔ پھر یہ کہ یہاں ہماری گفتگو کا محور و مرکز حضور مجاہد ملّت ہیں۔ ہمیں انھیں جس انداز میں پیش کرنا چاہیے تھا ہم اس حوالے سے بہت پیچھے رہ گئے۔ ہم نے انھیں اپنی زندگی میں کبھی داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں دی جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ جس نے ان کے نقوشِ حیات پہ اپنی نگاہوں کو مرکوز رکھا وہ ہر اعتبار سے محترم ہوتا چلا گیا۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات، خدمات اور ان کے فلک بدوش کارناموں کو جن حضرات نے سمیٹنے کی کوششیں کی ہیں وہ ہماری نگاہ میں یقیناً محترم ہیں۔ حضور مجاہد ملّت پر رسائل کے جو نمبرات آئے ہیں، ان میں سہ ماہی ''تبلیغ سیرت'' کولکاتا کا ''مجاہد ملّت نمبر'' بھی سراہے جانے کے لائق ہے۔ ہر چند کہ اس میں ماہنامہ اشرفیہ کے مجاہد ملّت نمبر اور نوائے حبیب کے مجاہد ملّت نمبر کی تھوڑی بہت جھلک نظر آتی ہے۔ پھر بھی حضور مجاہد ملّت کے تعارف میں اس نمبر کے رول سے انکار ناانصافی ہوگی۔ حضور مجاہد ملّت کا ذکر جمیل جس انداز میں بھی کیا جائے عبادت ہے۔

مولانا مجاہد حسین حبیبی کے بعض نظریات سے راقم کو شدید اختلاف ہے۔ ان کی جو سمت سفر ہے وہ حضور مجاہد ملّت کی ڈگر نہیں ہے۔ حبیبیت رضویت سے بھی متشدد ہے، انھیں اس کا

پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔ وہ اپنی عمر کے دوسرے پڑاؤ میں ہیں، انھیں ابھی طویل سفر کرنا ہے مگر سفر کا سنگ میل حضور مجاہد ملّت کا طریقۂ حیات ہونا چاہیے۔ نسبت کے تقاضے اور مطالبات ہوتے ہیں۔ جو لوگ نسبت کے تقاضے اور مطالبات کا احترام والتزام نہیں کرتے وہ روحانی فیضان ونوازشات سے بہرہ ور نہیں ہوسکتے۔ جو زندگی مرشد کے زیرِ قدم ہوتی ہے وہی ہر میدان میں سرفراز ہوتی ہے۔ مرید ہونا خود کو مرشد کے ہاتھوں بیچ دینا ہے۔ جو لوگ اس فلسفۂ ارادت کی تزئین کی خود میں صلاحیت نہیں پاتے انھیں اس پُرخار وادی کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات وخدمات اور ان کے تصورات واحساسات پہ کتب ورسائل کے ذخیرے ملتے ہیں، ان میں اکثریت ایسی کتب ورسائل کی ہے جن میں موضوع سے وفاداری کا تصور مدھم نظر آتا ہے۔ ان میں بعض کتب ورسائل کی حیثیت تمہیدی ہے۔ جبکہ اس موضوع پہ روشنی کے ہالے دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ کسی بھی موضوع کا حق ادا کرنا دقت طلب کام ہے۔ اگر موضوع تشنہ رہ جائے تو اہلِ قلم کی علمی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے۔ اس لیے قلم اُٹھانے سے پہلے موضوع کے تمام گوشوں پر نظری سفر کرلینا از حد ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں یونہی ہر زمانے میں اہلِ زبان وقلم کی قلت رہی ہے۔ ہمارے ہاں اس حوالے سے کوئی تربیت گاہ بھی نہیں ہے۔ جو لوگ اس میدان میں سفر کررہے ہیں ان کی ذاتی دلچسپی ہی ان کے لیے رہنما ہے۔ اہلِ زبان وقلم کے لیے کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں ہے جو ان کی معاشی الجھنوں کا احساس کرے۔ ایک پیشہ ور خطیب کو ایک گھنٹے کی گفتگو پر بیس ہزار روپے نقد مل جاتے ہیں، مگر ایک صاحبِ قلم ایک عنوان پر ایک مقالے کی تیاری میں ایک ماہ شدید جدوجہد کرتا ہے۔ اس ایک ماہ کی محنت شاقہ کا معاوضہ اسے کچھ نہیں ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خشک میدان میں وہی لوگ قدم رکھتے ہیں جنھیں ملی درد اور اسلاف شناسی کا بے کراں جذبہ مضطرب کیے رہتا ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات وخدمات اور جذبِ دروں کو اُجاگر کرنے میں جن شخصیات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان میں حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی، حضرت

مولانا مفتی سیّد اولادِ رسول قدسی، حضرت مولانا مفتی سیّد عبد المسجود حبیبی، حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، حضرت مولانا عبد التواب قادری حبیبی، حضرت مولانا ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر، پروفیسر شاہد اختر، جناب مدثر حسین حبیبی، حضرت مولانا مجاہد حسین حبیبی، راقم الحروف محمد رحمت اللہ صدیقی کے اسماء شامل ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی کو حضور مجاہد ملّت سے گہری عقیدت ہے اور انھیں بہت ساری دوسری نسبتیں بھی حاصل ہیں۔ آپ حضور مجاہد ملّت کے تلمیذ بھی ہیں، خلیفہ بھی ہیں اور متبنیٰ بھی ہیں۔ آپ نے حضور مجاہد ملّت کو بہت قریب سے دیکھا بھی ہے، پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ آپ نے حضور مجاہد ملّت کی خلوت وجلوت بھی دیکھی ہے اور سفر وحضر میں ساتھ بھی رہے ہیں۔ آپ کو حضور مجاہد ملّت کے علم وعرفان، خوف وخشیت اور عشق جنوں خیز سے وافر حصہ بھی ملا ہے۔ انہی ساری خصوصیات وامتیازات کی بنیاد پر علمائے وقت اور فقہائے زمانہ کی بھیڑ میں ان کا قد بہت نمایاں ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے تعلق سے موصوف کی نصف درجن سے زائد کتابیں ہیں جو زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان میں دو کتابوں کو بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔ ''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' اور ''مردِ جوزا مجاہد ملّت'' ان دونوں کتابوں میں موضوع سے وفاداری کا بھرپور ثبوت دیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو عوام وخواص سے کتنی پذیرائی ملی، یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ لیکن اتنی بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان دونوں کتابوں کے مثبت اثرات آج بھی دیکھے جارہے ہیں۔ راقم نے ''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' اس وقت حاصل کی تھی جب شعور میں وہ پختگی نہ تھی، شعور کی جس پختگی کا کتاب تقاضا کرتی ہے۔ پھر بھی اس کتاب کے مطالعہ سے ذاتی طور پر میں بہت زیادہ محظوظ ہوا۔

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل حضور مجاہد ملّت کی کتابِ حیات کا جلی عنوان رہا ہے۔ ان کی ذات حمایتِ حق اور اماتتِ باطل کے فریضے کی انجام دہی میں کبھی لمحے بھر کے لیے غفلت کی شکار نہیں ہوئی۔ انہوں نے فروغِ حق کی پُرزور تحریک کی تاحیات قیادت کی اور باطل کی

سرکوبی میں مجاہدانہ رول ادا کیا۔ اس باب میں انہوں نے کبھی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ حق کے اظہار سے انھیں دنیا کی کوئی طاقت کبھی روک نہ سکی اور باطل کی تضحیک میں انہوں نے کبھی کسی کی رعایت نہیں کی۔ فولادی قوتوں کا سفر جہاں ٹھہر جاتا تھا، آپ کی جرأتیں وہاں سے سفر کا آغاز کرتی تھیں۔ آپ نے باطل کے خلاف جذبۂ جہاد کا پُر جوش مظاہرہ اپنے ملک ہی میں نہیں کیا بلکہ دیارِ غیر میں بھی آپ کا جوشِ جنوں اظہار کے لیے ہر وقت بیتاب رہتا۔ احباب آپ کا جوشِ جنوں دیکھ کر سراسیمہ رہتے۔ آپ انھیں حوصلہ دیتے اور انھیں خوف سے بے نیاز رہنے کی تلقین فرماتے۔ موت کا ایک دن معین ہے، اس پہ کامل اعتماد ہونا چاہیے۔ حضرت بلال کو جو اذیتیں دی جارہی تھیں وہ جان لیوا تھیں، مگر ان کے عزم کے سامنے کفار کی اذیتوں نے دم توڑ دیا۔ حضرت بلال کے حریف تمام کے تمام بے نام و نشاں ہو گئے مگر حضرت بلال کی اذانوں کی بازگشت آج بھی دنیا کے ہر خطے میں سنی جاتی ہے۔ یہ بلال ہی ہیں جن کے داخلے پر کعبہ میں پابندی تھی مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت بلال کعبہ کی چھت پہ کھڑے ہو کر اذان دے رہے ہیں۔ میرے علم کے مطابق تاریخ میں یہ شرف صرف حضرت بلال کو حاصل ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے دل کے آنگن سے یہ صدائیں بلند ہوتیں، باطل اہلِ حق کے سامنے کبھی سرخرو نہیں ہوسکتا۔ حق غالب رہتا ہے اور باطل ہمیشہ مغلوب رہتا ہے۔ یہاں قلت و کثرت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لیے جو وقت مل رہا ہے اسے غنیمت تصور کرو اور حق کے دفاع میں ہر طرح سے جٹ جاؤ، اہلِ حق کا یہی شیوہ رہا ہے۔ جنونِ عشق کے اظہار کی سرحدیں آج بھی کھلی ہوئی ہیں مگر ان سرحدوں کا آج کوئی رُخ نہیں کرتا بلکہ تصور ہی سے جسم پہ کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے مزار پُر انوار سے اس طرح کے پیغامات آج بھی نشر ہو رہے ہیں مگر ہمارے پاس ایسی قوتِ سماعت نہیں ہے، ہماری سیہ بختیوں نے ہمیں ایسی قوتِ سماعت سے محروم کر دیا ہے۔ زمانے میں وہی لوگ معزز ہوتے ہیں جن کے دلوں میں حق کا چراغ پورے آب و تاب کے ساتھ روشن ہوتا ہے۔ کل کے لوگ معزز تھے، زمانے میں مسلماں ہو کر اور آج ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں تارکِ قرآں ہو کر۔

حضور مجاہد ملّت کو ۱۹۷۹ء میں نجدی حکوت نے ارکانِ حج ادا کرنے سے روک دیا اور بغیر ادائیگی حج انھیں ہندستان بھیج دیا گیا۔ ان کا جرم کیا تھا۔ وہ جنونِ عشق کی ہر رسم کو بے حجاب ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ حرمین طیبین مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کسی کی بالادستی کے قائل نہ تھے۔ انھیں صرف اصولِ شریعت عزیز تھا۔ جس کے فکر و اعتقاد سے شریعت اسلامیہ کی مخالفت ہوتی ہو اس کی اعلانیہ مخالفت آپ کا پیشۂ آبائی تھا۔ آپ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ حجازِ مقدس میں نجدی وہابی برسرِ اقتدار ہیں اور وہ شریعت کی زبان نہیں سمجھتے۔ نجدی وہابی پوری دنیا کو اپنے زیر اثر دیکھنے کے قائل تھے۔ اگر کوئی شخص اپنے عمل سے اس کی مخالفت کرتا تو اس کو وہ سخت سے سخت سزا دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ زائرین مکہ و مدینہ سے وہ اپنے متعین کردہ اماموں کی اقتدا کو لازم قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں ان کے ائمہ کی اقتدا نہ کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ حضور مجاہد ملّت اعلانیہ اپنی الگ جماعت قائم فرماتے۔ نجدی وہابی کے نزدیک حضور مجاہد ملّت کا یہی سب سے بڑا جرم تھا۔

حضور مجاہد ملّت نے سات مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے سفر فرمایا ہے۔ آپ نے پہلا حج ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء میں شریف حسین علیہ الرحمہ کے عہد میں کیا۔ اس وقت حالات اہلِ سنّت و جماعت کے مزاج و منہاج کے عین مطابق تھے، چونکہ سلطنت عثمانیہ کا تسلط پورے طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔ نجدیت اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے۔ یہ خوارج کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ مولائے کائنات نے خوارج کا خاتمہ کر دیا تھا۔ پھر بھی اس کی بعض ذریت غاروں اور بیابانوں میں روپوش ہوگئی۔ کلیسائی طاقت ہمیشہ اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مصروف رہی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کو پوری اسلام مخالف طاقتیں اپنے لیے خطرہ تصور کرتی تھیں۔ عیسائیت نے نجدیت کی پرورش کی، اسے پروان چڑھایا اور پھر اسلام کے خلاف میدان میں اُتار دیا۔ عیسائیت کی ہر طرح سے پشت پناہی کی بنیاد پر حجازِ مقدس پہ اس نے کنٹرول حاصل کرلیا۔ نجدیت یزیدیت کی بھی ہمشکل ہے۔ نجدیت جب سے حجازِ مقدس پہ قابض ہوئی ہے اس وقت سے اسلامی آثار و تبرکات کے ساتھ اس کی جارحیت کا سلسلہ جاری

ہے۔ یہ اسلام دشمن طاقت ہے جو اسلام کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے ساتھ نجدی جارحیت کی روئداد میں آپ جگہ جگہ اسے محسوس کریں گے۔

حضور مجاہد ملّت نے جب جب حج بیت اللہ اور زیارت آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سفر فرمایا، آپ کو نجدی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی توثیق حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی کی ذیل کی تحریر سے بخوبی ہوتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیخ و مخدوم سیّدنا مجاہد ملّت، قائد اہلِ سنّت، رئیس التارکین، ملک العارفین، شمس العلماء، بدر الفضلاء علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب ہاشمی، عباسی، قادری اڑیسوی ہندی قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقدس سرہٗ و روحہ ونور ضریحہ کو توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے حضرت شریف حسین رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اپنا پہلا حج ادا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے وہابی نجدی سعودی حکومت کے زمانے میں پانچ بار حج کیا۔ آپ کا آخری حج چودھویں صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔ آپ نے کبھی کسی وہابی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، اس لیے کہ یہ لوگ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور ان کے اور اہلِ سنّت کے عقائد کے درمیان ایسا اختلاف ہے جو ان کے پیچھے نماز ادا کرنے سے مانع ہے۔ ہندستان پاکستان کے وہابیوں میں سے بعض نے مدینہ منورہ کے رئیس المحاکم (بڑے قاضی) عبد العزیز بن صالح کو اس بات کی خبر دی اور اس نے حضور کو طلب کیا اور سوائے ۱۴۰۰ھ کے ہر بار دونوں کے درمیان مباحثہ ہوا۔

مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت ص: ۳

''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' حضور مجاہد ملّت کے اسفارِ حج کی روئداد ہے اور میرا قلم اس وقت اس کتاب کی پھیلی ہوئی نوری شعاعوں کو سمیٹنے میں مصروف ہے۔ خود حضور مجاہد ملّت کی ذات نور کا ہالہ وقبالہ تھی۔ انھیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہ دے سکی۔ ان کے عزائم کی دہلیز پہ فیروز مندیوں کے چراغ ہر وقت روشن رہا کرتے تھے۔ ان کی ذات معیارِ حق و

صداقت تھی۔ ان کے نور بدوش جلووں کو سمیٹنے میں ہم سے بہر حال خطائیں ہوئی ہیں۔ وقت کی سوئی تیز چل رہی ہے، پھر بھی ان کی گردِ سفر ابھی فضاؤں میں تحلیل نہیں ہوئی ہے۔ جب سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا جاسکتا ہے تو ان کے نقوشِ حیات کی اُڑتی ہوئی دھول کو دامن میں کیوں نہیں سمیٹا جاسکتا ہے۔ ان کی زندگی کا حال یہ ہے کہ ؎

بتا دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

حضور مجاہد ملّت بارگاہِ الٰہی میں ہر وقت یہی دعا کرتے کہ سنگِ درِ حبیب سے ہم کو خدا نہ صبر دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی انھیں موقع ملتا سنگِ درِ حبیب سے جبیں سائی کے لیے دیارِ قدس کے لیے عازمِ سفر ہو جاتے۔ دیارِ قدس کے اسفار کی تفصیلات تاریخی تناظر میں ذیل میں ملاحظہ کریں۔

اوّل ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء

دوم ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء

سوم ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء

چہارم ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء

پنجم ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء

ششم ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں نجدی حکومت نے آپ کو ارکانِ حج ادا نہیں کرنے دیا۔ دورانِ حج جارحیت کے ساتھ آپ کو ہندستان بھیج دیا۔

ہفتم ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۱ء

آخری حج آپ نے پورے اہتمام کے ساتھ ادا فرمایا۔ آپ کے کسی بھی عمل کی انجام دہی میں نجدی حکومت نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ اس سفر میں قدم قدم پر آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عنایات و نوازشات آپ پہ ہوتی رہیں اور فاتحانہ انداز میں آپ اپنے ملک واپس ہوئے۔

حضور مجاہد ملّت جب بھی حج بیت اللہ اور زیاراتِ شہر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حجازِ مقدس حاضر ہوئے، آپ کو نجدی، وہابی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا۔ نجدی جارحیت سے آپ کے عزم و ارادے پہ کوئی منفی اثر نہیں پڑا۔ ظلم و جبر کا ہر تیر آپ کے حوصلوں کو نئی تازگی اور فولادی کرتا گیا۔ آپ کے تمام سفر کی روئداد کتابوں میں مرقوم نہیں ہے۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۳ء اور ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء کی تفصیلات حضرت مولانا محمد عارف قادری ضیائی مہاجر مدنی علیہ الرحمہ نے محفوظ کی ہیں۔ ان کی تحریر کردہ تفصیلات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ خصوصاً نسلِ نو کے لیے یہ تفصیلات جواہر حیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آج کا مذہبی معاشرہ ان چراغوں کو بجھا دینا چاہتا ہے جن چراغوں کو ہمارے اسلاف و اکابر نے روشن کیا ہے۔ اسلام نے زندگی کے دائرے بنائے ہیں، جب تک انسان دائرے میں ہوتا ہے ہر طرح کے مصائب سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ دائرے سے نکل جانے کے بعد مشکلات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسلاف و اکابر کی زندگی ہمیشہ اس دائرے میں رہی اور وہ تاحیات مسلم امہ کو اس دائرے میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔ ہمارے اسلاف و اکابر مدنی نمائندے ہیں ان کی ہر روش کا رشتہ قرآن و احادیث سے انتہائی مربوط ہے، ہمارے لیے ان کا ہر عمل لائق تکریم اور قابل تقلید ہے۔ اسلاف و اکابر کی شاہراہِ حیات میں آزاد خیالی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حضور مجاہد ملّت اسلاف و اکابر کی ایک انتہائی خوبصورت تصویر تھے۔ وہ تاحیات عزمِ بلالی، طرزِ بلالی اور ذوقِ بلالی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ان کے عزمِ بلالی کی تصویریں کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ حضرت مولانا عارف ضیائی صاحب کی بنائی ہوئی کچھ تصویریں وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت کچھ ترمیم کے ساتھ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ضیائی صاحب لکھتے ہیں:

ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء میں حضرت پیر سیّد غلام محی الدین (بابو جی) جیلانی گولڑوی علیہ الرحمہ مکہ مکرمہ کے محلہ جیاد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت سنوسی الھند مجاہد اعظم سیّدی محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس اللہ سرہٗ العزیز

آپ کی زیارت کے لیے پیر صاحب کی قیام گاہ تک پہنچے۔ حضرت قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی محبت ومودت کے ساتھ پیش آئے۔ دورانِ گفتگو فرمایا: ''حضرت! نماز کے سلسلے میں جو آپ کا وہابی ملاؤں سے مناظرہ ہوا تھا، میرے ساتھیوں کو بیان فرمائیں۔'' سیّدی مجاہد ملّت علیہ الرحمہ نے کچھ دن پہلے شیخ الحرم اور اس کے ساتھیوں سے جو گفتگو ہوئی، بیان فرمایا۔

پیر صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: حضور! نہیں اس سے پہلے جو مناظرہ ہوا تھا جب آپ حرم شریف میں علیٰحدہ جماعت کرنے کی وجہ سے پکڑ لیے گئے تھے، تو پھر آپ نے اس مباحثہ کو بیان فرمایا، جو رئیس المحاکم (بڑے قاضی) مدینہ منورہ کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا: ''ان کی اتباع کرو، اور وہابیوں کے پیچھے نماز مت پڑھو۔'' پیر صاحب (بابو جی میاں) نے سیّد مجاہد اعظم علیہ الرحمہ کو مخاطب کرتے ہوئے (فرمایا) ''حضرت آپ کو ایسی جسارت مبارک ہو، مبارک ہو۔ آپ نے کٹھن مرحلہ خوش اسلوبی سے طے کیا، آپ پر حضرت غوثِ اعظم کا خاص کرم ہے اور یہ نسبت قادری کا فیض ہے۔'' سیّدی مجاہد اعظم نے (جواب میں عرض کیا) فقیر حقیر کی ہستی ہی کیا ہے؟ بے شک یہ سب میرے غوث کا صدقہ ہے۔

آئندہ صفحات پر پیش کیے جانے والا یہ وہ مباحثہ ہے، جب سنوسی الھند مجاہد اعظم سیّد محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری نور اللہ مرقدہ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء میں حج کی ادائیگی کے بعد محرم الحرام ۱۳۸۷ھ میں مدینہ عالیہ حاضر ہوئے۔ نجدی امام کی اقتدا میں نماز نہ ادا کرتے تھے بلکہ ہر نماز کی علیٰحدہ جماعت قائم فرماتے تھے۔ کسی کی شکایت پر رئیس المحاکم (بڑے قاضی شیخ عبد العزیز بن صالح جو کہ حرمِ نبوی شریف میں امام وخطیب بھی تھے) نے طلب کیا۔ اس وقت یہ محکمہ حرمِ نبوی شریف سے جنوب کی جانب مکتبہ عارف حکمت کے ساتھ ہوتا تھا۔

رئیس المحاکم (بڑے قاضی نے حضور مجاہد ملّت سے فرمایا) کیا آپ ہندستان سے آئے ہیں؟ مجاہد اعظم (حضور مجاہد ملّت نے جواب دیا) ہاں! میں ہندستان سے آیا ہوں۔

رئیس المحاکم (بڑے قاضی): آپ عالم ہیں اور ہم علماء سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ آپ سے ملاقات ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ کیا آج آپ تاخیر سے حرم پہنچے اس لیے بعد میں جماعت کرائی؟

مجاہد اعظم: ہاں ایسا بھی ہے مگر اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں۔ (اتنے میں ایک اہلکار سیّدی مجاہد اعظم کے سامنے چائے رکھ دیتا ہے۔)

رئیس المحاکم: (بڑے قاضی) یا شیخ چائے پیجیے۔

مجاہد اعظم: انکار تو اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس میں مدینہ طیبہ کا پانی ہے اور پیتا اس لیے نہیں ہوں کہ نجدی پیش کر رہا ہے۔

رئیس المحاکم: (بڑے قاضی) ٹھیک ہے تو اور کیا اسباب ہیں؟

مجاہد اعظم: آپ لوگ نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتے ہو، ہم ناجائز سمجھتے ہیں۔

رئیس المحاکم: (بڑے قاضی) یہ اختلاف تو معروف ہے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی وجہ ہے؟

مجاہد اعظم: آپ کے اکثر ائمہ کی داڑھیاں چھوٹی ہیں اور امام نماز میں شال کندھوں پر لٹکائے رکھتا ہے اور یہ مکروہِ تحریمی ہے۔

رئیس المحاکم: (بڑے قاضی) یہاں داڑھیاں اللہ کی طرف سے ایسی ہی ہیں، کیا آپ نے ہمارے کسی امام کو داڑھی کترواتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور شال لٹکانا معمولی اختلاف ہے اور کیا وجہ ہے؟

مجاہد اعظم: ہم انبیاء اور اولیاء سے توسل حاصل کرتے ہیں، یا غوث، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والے اور تم لوگ ہمیں مشرک ٹھہراتے ہو۔ تمہارے نزدیک ہم جب مشرک ٹھہرے تو تمہارے پیچھے ہماری نماز کیسے ہوگی؟ جبکہ علمائے نجد کے عقائد اہلِ سنّت کے مخالف ہیں اور حضرت علامہ ابن عابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہابیہ کو خارجی قرار دیا ہے نیز حاشیہ ''ردالمحتار'' میں علمائے نجد کا عقیدہ لکھا ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں، جو ان کے عقائد

کے مخالف ہیں وہ سب مشرک ہیں۔

رئیس الحاکم: توسل تو وجہ نہیں ہے کوئی اور سبب ہوگا یا غوث، یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا توسل نہیں ہے۔

مجاہد اعظم: توسل نہ سہی، استمداد ہے۔

رئیس الحاکم: کیا تمہارے عقائد میں استمداد اور ندا جائز ہے؟

مجاہد اعظم: ہاں، اس لیے تو ہم یا غوث، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پکارتے ہیں۔

رئیس الحاکم: (بڑے قاضی) یہی تو شرک ہے اور شرک کیا ہوتا ہے؟ ایامِ جاہلیت میں مشرکین کا بھی تو یہی طریقہ تھا۔

مجاہد اعظم: اگر غیر اللہ کی ندا مطلقاً شرک ہو تو یا زید کہنے والا مشرک ہو جائے گا، کیونکہ زید بھی غیر اللہ ہے۔

رئیس الحاکم (بڑے قاضی): پھر وہ کون سی ندا ہے، جو شرک ہوگی؟

مجاہد اعظم: کسی کو معبود جان کر ندا کرنا شرک ہے۔

رئیس الحاکم (بڑے قاضی): مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى

(ہم تو انھیں صرف اتنی ہی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں)

مجاہد اعظم: اس میں تو غیر اللہ کی عبادت کا بیان ہے، اور عبادت غیر اللہ کو ہم بھی شرک سمجھتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والا مشرک ہے، مرتد ہے، بلکہ ہمارے نزدیک جو کوئی اس کے عقیدے پر پوری طرح خبر رکھتا ہو اور پھر بھی اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر و مرتد ہے۔ "من شکّ فی کفرہ و عذابہ فقد کفر۔"

رئیس الحاکم (بڑے قاضی): جن کو تم ندا دیتے ہو وہ تو مر کر ختم ہو گئے، ان کو ندا کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

مجاہد اعظم: کیا موت کے یہ معنی ہیں کہ روح بھی فنا ہو گئی؟ اگر روح بھی فنا ہو جائے گی تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب کیسے؟ اور کس کو ہوگا؟ روح تو یقیناً مرتی ہی نہیں ہے۔

رئیس المحاکم (بڑے قاضی): مگر تم لوگ تو دور سے پکارتے ہو، یہ کیسا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

مجاہد اعظم: دور کا معنیٰ تو یہ ہے کہ ہمارا جسم یہاں سے ایک ہزار یا دو ہزار میل دور ہے، یہ تو جسم کی دوری ہے۔ اس دوری سے روح کو کیا تعلق؟ روح کے لیے کوئی دوری نہیں۔ اس لیے کہ روح عالمِ امر سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **قل الروح من امرِ ربی۔** (تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے) عالمِ ارواح کو عالمِ اجسام پر قیاس کرنا جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں، یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیا بتا سکتے ہو کہ علت مشترکہ کیا ہے؟

رئیس المحاکم (بڑے قاضی): تم جو ندا کرتے ہو، ان کو تمہاری مدد کرنے کی طاقت کہاں سے آئی؟

مجاہد اعظم: ہم ان مقدس ہستیوں کو پکارتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **کنت لہ یداً و یبطش بھا۔** (میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے) اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں یہ ارشاد فرمائے، کیا اس میں کوئی قوت نہیں؟ کیا یہ فرمانِ الٰہی بھی تمہارے نزدیک بیکار ہو جائے گا۔ معاذ اللہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم انھیں ہاتھوں سے مدد طلب کرتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ خاص قوت عطا فرمائی ہے۔

رئیس المحاکم (بڑے قاضی): (اکتاہٹ کے ساتھ) یہ تو اپنے عقیدہ میں اس قدر مضبوط ہے) گھنٹہ دو گھنٹہ تو کیا اگر دو دن بھی اسے سمجھاتا رہوں تو یہ نہ سمجھے گا۔

مجاہد اعظم: میں مانوں یا نہ مانوں دلیل پیش کرنا تو تمہاے ذمہ ہے مگر تم اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکے۔ اس وقت بیس کے قریب افراد کمرے میں داخل ہوئے جو حلیہ سے ہندستانی، پاکستانی اور نجدی معلوم ہو رہے تھے۔

رئیس المحاکم (بڑا قاضی): ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے، یہ مطلقاً ندا غیر اللہ کو جائز کہتا ہے، کیا مطلقاً ندا غیر اللہ ناجائز نہیں ہے؟ (یہ سنتے ہی سب نے ہاں ہاں کہنا شروع کیا) اللہ تعالیٰ مشرکین کے متعلق کہتا ہے: ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفٰى'' سورہ زمر آیت ۳

مجاہد اعظم: یہ افترا علی اللہ ہے۔ قرآن کی تحریف ہے اور تکذیب بھی، بالقصد ایسا کرنا

کفر اور کرنے والا کافر ہے۔

رئیس الحاکم (بڑا قاضی): (یہ سنتے ہی) رئیس الحاکم تلملا اُٹھا۔ اس وقت اس کی حالت قابلِ دید تھی۔ سیّدی مجاہد اعظم کو مرعوب کرنے کے لیے آپ کو غضب ناک نگاہوں سے گھورنے لگا۔ آپ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔ مجاہد کی اس ضرب پر وہ جل کر رہ گیا۔ (اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے) دیکھو غیر اللہ کی عبادت کو جائز کہتا ہے۔

مجاہد اعظم: غیر اللہ کی عبادت کو ہم شرک کہتے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرنے والا کافر ہے۔ بلکہ جو غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کے کفر و جہنمی ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، پہلے تو افترا علی اللہ تھا اور اب افترا علی العبد ہے۔ افترا کرنے میں نہ تم نے اللہ کو چھوڑا اور نہ بندے کو۔

(رئیس الحاکم کی حالت ابتر ہوگئی، زبان گنگ تھی، حواس باختہ ہو کر مجاہد اعظم علیہ الرحمہ کو گھورتا رہا)

قاضی القضاء: او

مجاہد اعظم: کیا ہے؟

قاضی القضاء: تم جانتے ہو تمہاری کس سے گفتگو ہو رہی ہے؟

مجاہد اعظم: خوب جانتا ہوں کہ یہ رئیس الحاکم ہیں۔

قاضی القضاء: ان کے بڑے اختیارات ہیں۔

مجاہد اعظم: ان کو تو قتل کا حکم دینے کا اختیار ہے اور ویسے بھی یہ قتل کروا سکتا ہے۔

قاضی القضاء: جیل بھی بھیج سکتے ہیں۔

مجاہد اعظم: جیل بھیجنا قتل سے چھوٹی سزا ہے۔

قاضی القضاء: چور کی طرح باندھ کر جیل بھیج سکتے ہیں۔

مجاہد اعظم: یہ بھی تو قتل سے بہت کم سزا ہے اور میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں، میرے ساتھ متعدد مرتبہ ایسا ہو چکا ہے۔

قاضی القضاء: اے شیخ۔

مجاہد اعظم: کیا کہتے ہو؟

قاضی القضاء: جس سے آپ گفتگو کر رہے ہیں، جانتے ہو ان کی شخصیت کیا ہے؟

مجاہد اعظم: ہاں، مجھے معلوم ہے کہ یہ رئیس الحاکم ہے اور قتل کا حکم دینے کا اختیار رکھتا ہے۔

قاضی القضاء: ان کا رتبہ بہت بڑا ہے اور حکومت کے نزدیک بڑی ہستی ہیں۔

مجاہد اعظم: جب حکومت کسی کو بڑا عہدہ دیتی ہے تو اسے بڑی ہستی ہی سمجھتی ہے۔ اگر چہ وہ گدھا ہی کیوں نہ ہو؟ اگر حکومت ان کو بڑی ہستی نہ سمجھتی تو رئیس الحاکم کیوں منتخب کرتی؟

قاضی القضاء: حکومت کے یہاں ان کا بڑا وقار ہے۔

مجاہد اعظم: ان کی حیثیت سے مجھے مرعوب کرنا کیسا ہے؟ جو حکومت کے نزدیک بلند مقام والا ہو کیا اس کے لیے تحریفِ قرآن جائز ہو جائے گی؟ مجھ پر عائد کردہ الزام، قرآنِ کریم سے تو ثابت نہ کر سکا اگر یہ قرآنِ کریم کی تحریف کر کے مجھ پر الزام قائم کرے تو کیا مجھے تسلیم کر لینا چاہیے؟

رئیس الحاکم: یہ مدینہ ہے، تمام دنیا سے لوگ یہاں آتے ہیں، مگر کسی نے اس دن تک ایسی جرأت نہیں کی، جیسی کہ تم نے جرأت کی ہے۔

اس پر سیّدی مجاہد اعظم علیہ الرحمہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکر ادا کیا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

”افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جابر۔“

(افضل جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے)

رئیس الحاکم: اگر تو سعودی ہوتا تو میں تجھے قتل کروا دیتا۔ تم اجنبی ہو کر مجھ سے ایسی گفتگو کر رہے ہو، اور میں تمھیں غیر ملکی ہونے کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں۔ میرے پاس ایران، عراق، یمن، ترکی، پاکستان، ہندستان وغیرہ پچاس ممالک کے لوگوں نے درخواستیں بھیجی ہیں کہ بڑا

فساد برپا ہونے کا خطرہ ہے۔

(سیّدی مجاہد اعظم علیہ الرحمہ کی آنکھیں تر ہو گئیں۔فرمایا)

مجاہد اعظم: ارے ظالم! دیر کس بات کی ہے؟ جلدی کر، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ قادری مروں اور مدینہ طیبہ کی مٹی نصیب ہو جائے، مگر حبیب الرحمٰن کے نصیب میں شہادت کہاں! کاش ایسا ہو، میری تو ان ممالک کے کسی بھی شخص کے ساتھ ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، تو فساد کیسے ہو جائے گا؟

رئیس المحاکم: گفتگو سے نہیں تمہارے جماعت کرانے کا سبب فساد ہوگا۔

مجاہد اعظم: اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟ کہ درخواست دینے والے میرے جماعت کرنے کے متعلق کہتے ہیں، جبکہ حرمِ نبوی شریف میں کئی لوگ جماعتیں کروا رہے ہیں۔

رئیس المحاکم: نہیں ہر درخواست میں حبیب الرحمٰن کٹکی لکھا ہوا ہے۔اس وجہ سے تم الگ نماز نہیں پڑھ سکتے۔اگر تم الگ نماز پڑھو گے تو تمہیں تمہارے سفیر کے حوالے کر دیا جائے گا۔

مجاہد اعظم: الگ نماز پڑھنے سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا میں اکیلا بھی نماز نہیں پڑھ سکتا؟

قاضی القضاء: تم کو امامِ حرم کی اقتدا میں نماز پڑھنی ہوگی۔

مجاہد اعظم: ایسا ممکن نہیں، جو بھی بدعقیدہ امام ہوگا، اس کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھوں گا جب تک وہ اپنے عقیدۂ فاسد سے توبہ نہ کر لے۔

قاضی القضاء: تم کو ہر صورت ہمارے امام کے پیچھے نماز پڑھنی ہوگی۔

مجاہد اعظم: یہ رئیس المحاکم ہے، اسے قتل کا حکم دینے کا اختیار ہے، قید کرا سکتا ہے، کوڑے لگوا سکتا ہے۔یہ سب کچھ تو کر سکتا ہے مگر حبیب الرحمٰن سے اپنی اقتدا نہیں کرا سکتا، یہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔

قاضی القضاء: خاموش رہا۔

مجاہد اعظم: (رئیس المحاکم کو مخاطب کرتے ہوئے) کیا حرمِ نبوی شریف میں، میں منفرد

بھی نماز نہیں پڑھ سکتا؟

رئیس الحاکم: (قدرے توقف سے) تم اکیلے تو پڑھ سکتے ہو مگر یہ اپنے ذہن میں رکھو کہ ایک یا دو آدمی بھی تمہارے ساتھ شریک نہ ہوں۔

مجاہد اعظم: منفرد اسی کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص شامل نہ ہو، گفتگو ختم ہوگئی۔

دوسرا مباحثہ

۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء حج کے بعد سیّدی مجاہد اعظم محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد آپ حرم سے باہر جا رہے تھے کہ ایک ساتھی نے آپ کے پاؤں کا بوسہ لیا۔ کوئی سی آئی ڈی والا دیکھ رہا تھا۔ اس نے اعتراض کیا اور مختصر گفتگو کے بعد شیخ الحرم کے پاس لے گیا۔ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: ''کہ علمائے صالحین کے پاؤں برکت حاصل کرنے کے لیے چومنا جائز ہے۔ میں تو ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، اس نے اپنے حسنِ عقیدت کی بنا پر ایسا کیا ہے۔''

مختصر گفتگو ہوئی، شیخ الحرم نے آئندہ کے لیے محتاط رہنے کو کہا اور جانے کی اجازت دے دی۔ دو دن بعد جامعہ اسلامیہ کے ایک افغانی طالب علم کی شکایت پر جب نمازِ عصر باجماعت ادا کر رہے تھے کہ ہیئۃ والوں نے سپاہیوں کے ساتھ آ کر گھیرے میں لے لیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھ ہیہء والوں کے دفتر جو کہ باب المجیدی میں اصطفا منزل کے پہلے دور پر تھا، چلنے کو کہا۔

مدیر: آپ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے اس کی وجہ کیا ہے؟

مجاہد اعظم: الحمدللہ ہم جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، ہاں یوں کہو کہ ہم تمہارے مقرر کردہ نجدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

مدیر: اس کا کیا سبب ہے؟

مجاہد اعظم: اختلافِ عقائد کی بنا پر، جبکہ مقتدی اور امام کے مابین ایک مخصوص رابطہ ہے اور اس رابطے کے بغیر اقتدا صحیح نہیں۔ یہ رابطہ جسمانی نہیں بلکہ یہ مخصوص رابطہ روحانی اور

اعتقادی ہے اور اگر امام اور مقتدی کے اصولی عقائد میں موافقت نہ ہو تو نماز ہرگز نہیں ہوگی۔
ہم یا غوث، یا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہنے والے ہیں اور تم ہمیں مشرک کہتے ہو۔ شرک تو توحید کے منافی اور کفر اسلام کے، جب ہم تمہارے نزدیک مشرک ٹھہرے تو تمہارے عقائد والے امام کے پیچھے ہماری نماز کیسے ہوگی؟

مدیر: یہ غیر اللہ سے استغاثہ ہے جو شرکِ جلی ہے۔ اگر زندہ انسان جو سامنے موجود ہو تو اس سے جائز ہے۔

مجاہد اعظم: کسی شخص پر کوئی ظلم کر رہا ہو اور بظاہر وہاں کوئی موجود نہ ہو اور وہ پکار پکار کر کہے اللہ کے بندو میری مدد کو پہنچو، مجھ کو ظلم سے بچاؤ، تو کیا وہ مشرک ہو جائے گا؟
اسی طرح کوئی سفر میں ہو اس کا سامان کھو جائے اور وہ ہزاروں میل دور اپنے اہلِ خانہ کو ٹیلی فون پر ندا کرے، اپنی مدد کے لیے پکارے، تو کیا وہ تمہارے نزدیک مشرک ہے؟
شرکِ جلی تو ہر جگہ شرکِ جلی ہی رہے گا۔ کیا تمہارے عقیدہ میں زندہ اللہ کا شریک ہو سکتا ہے؟ حیف ہے تم پر، یہ تمہارا عقیدہ ہے، یہ تمہارا ایمان ہے۔

مدیر: چپ رہ زیادہ باتیں مت کر۔

اس کے بعد وہ آپس میں مجاہد اعظم کو قید کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ یہ مناسب نہیں۔ یہ بوڑھا ایک سیاسی و مذہبی رہنما ہے، اس کو قید کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ وہ افغانی جامعہ اسلامیہ کا طالب علم جس کی شکایت پر پکڑے گئے تھے، میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا تم نیچے اُترو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اس نے مدیر سے شکایت شروع کی کہ یہ مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔ میں یہ سمجھا یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس کو قتل کروں گا۔ تو میں نے اسے کہا اے خبیث! جھوٹ کیوں بولتے ہو؟ میں نے کب کہا ہے۔ اس پر حضرت سیّدی مجاہد اعظم علیہ الرحمہ مسکرائے، وہ تمام حیرت میں ڈوب گئے کہ ہم تو قید کرنا چاہتے ہیں اور یہ مسکرا رہا ہے۔ مدیر تو جل گیا۔

مدیر: تمہیں جیل بھیج دیا جائے گا۔

مجاہد اعظم: یہ کون سی بڑی بات ہے۔
مدیر: تمہیں ملک فیصل کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔
مجاہد اعظم: ہاں، ہاں، جلدی کرو کیا رکاوٹ ہے، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مکہ شریف سے میں نے ملک فیصل کو برقیہ بھی ارسال کیا تھا کہ حرمین شریفین کو علیٰحدہ جماعت کرانے کی اجازت ہے۔ ہم اہلِ سنّت ہیں، سوادِ اعظم ہیں، ہمیں علیٰحدہ جماعت قائم کرنے کی کیوں اجازت نہیں؟

حضرت سیّدی محمد حبیب الرحمٰن قادری نور اللہ مرقدہٗ نے مکہ شریف سے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ سے تحریر کرا کے ایک ٹیلی گرام ملک فیصل کو ارسال کیا تھا۔ اس کے ردِّعمل کے طور پر مدینہ طیبہ میں آپ کے مزدور عبید اللہ الحیدری کو نوٹس بھی وصول ہو چکا تھا کہ اس شخص کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔

مدیر: تمہیں امام کے پیچھے نماز پڑھنی پڑے گی، خواہ دو رکعت والی ہی نماز کیوں نہ ہو۔
مجاہد اعظم: ایسا ممکن نہیں کہ حبیب الرحمٰن کی گردن تو کٹ سکتی ہے مگر گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اقتدا میں جھک نہیں سکتی۔
مدیر: تو پھر حرم میں نماز نہیں پڑھ سکتے، اگر تم نے حرم میں نماز نفل بھی پڑھی تو گرفتار کر دیئے جاؤ گے۔
مجاہد اعظم: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۱۴)
اور ہاتھ سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "وانتم ظالمون" کی تکرار کرتے رہے۔
مدیر: بکواس بند کرو (سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے) میں، اسے نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہاں سے جلدی لے جاؤ اور حرم میں ڈیوٹی پر مقرر سپاہیوں کو اس کی شناخت کرا دو۔ اگر یہ حرم میں نماز پڑھتا ہوا ملے تو اسے فوراً گرفتار کر لو۔

شناخت کرادی گئی، مگر آپ اپنی جماعت ہی سے نماز ادا فرماتے رہے۔ آپ کا معمول تھا کہ اکثر باب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے داخل ہوتے اور جو سپاہی آپ کی اپنے دوسرے ساتھیوں کو شناخت کرانے والا تھا اس کی تعینی اس دروازے پر تھی۔

مدینہ عالیہ میں آخری مرتبہ گرفتاری

ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں مجاہد اعظم سیّدی محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری نور اللہ مرقدہٗ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ایک رات بعد نمازِ عشاء آپ مع علامہ سیّد حامد اشرف جیلانی اشرفی علیہ الرحمہ حرم شریف سے واپس ہو رہے تھے، تو ایک نوجوان نے حضرت سیّد حامد اشرف جیلانی علیہ الرحمہ سے کہا:

''تم کیسے پیر ہو؟ اپنے مریدوں کو ایک انسان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے نہیں روکتے۔ تم نے بھی ایک دن خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔''

سیّدی مجاہد اعظم نے فرمایا:

''ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا جائز ہے۔''

نوجوان: کیا قرآن یا حدیث میں لکھا ہے؟

مجاہد اعظم: کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

نوجوان: ہاں، کتبِ فقہ میں موجود ہے، تجھے دیکھ لوں گا۔

۱۸/ ذوالقعدہ، حضرت سیّد مجاہد اعظم نے نمازِ عشا کی جماعت قائم فرمائی۔ پھر وتر ادا کرنے کے لیے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ایک جوان آ گیا۔

نوجوان: کیا آپ نے امام سے علیٰحدہ جماعت قائم کی ہے؟

مجاہد اعظم: ہاں۔

نوجوان: کیا آپ دیر سے آئے ہیں، یا امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے؟

مجاہد اعظم: دونوں باتیں ہیں، دیر سے بھی آیا ہوں اور نجدی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتا۔

وہ نوجوان سپاہی کو بلالایا اور آپ علیہ الرحمہ کو پکڑ کر شیخ عبدالعزیز بن صالح رئیس المحاکم کے پاس لے گئے۔

رئیس المحاکم: تم علیٰحدہ جماعت کیوں کراتے ہو؟

مجاہدِ اعظم: پہلے وہابیہ کے عقائد بیان کیے، پھر کہا ہم یاغوث رضی اللہ تعالیٰ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والے ہیں، اور تم ہمیں مشرک بتاتے ہو، جبکہ تمہارے عقائد خوارج کے عقائد ہیں اور علماء اہلِ سنّت خارجیوں سے دور رہنے کو فرماتے ہیں اور تم جبکہ اہلِ سنّت کو مشرک کہتے ہو تو بتلاؤ تمہارے نجدی عقائد والے امام کے پیچھے ہماری نماز کیسے ہوجائے گی؟

رئیس المحاکم شیخ عبدالعزیز بن صالح نے آپ کا بیان قلمبند کرایا اور آپ کو انگوٹھا لگانے کو کہا۔ سیّدی مجاہدِ اعظم علیہ الرحمہ نے تحریر کو ملاحظہ فرمایا، جس میں لکھا تھا کہ

''امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔''

مجاہدِ اعظم نے فرمایا:

''مجھے صحیح العقیدہ امامِ حرم کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے، اور تمہارا یہ جملہ امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا مبہم ہے۔ اس کو واضح کرنے کے لیے وہابی امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا لکھیں۔''

رئیس المحاکم کے کہنے پر کاتب نے ''وہابی امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا'' لکھ دیا تو آپ نے انگوٹھا لگا دیا۔

رئیس المحاکم شیخ عبدالعزیز بن صالح کی بد دیانتی

رئیس المحاکم نے مطلقاً ''امامِ حرم'' اس لیے لکھوایا تا کہ آپ کو باغی قرار دے کر گردن اُتاری جاسکے۔

رئیس المحاکم: وسیلہ طلب کرنا، یاغوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یارسول اللہ کہنا، جیلانی، تیجانی، بدوی کو پکارنا، یہ سب شرکِ اکبر ہے۔ چونکہ تم نے اقرار کیا ہے کہ تم ان سے مدد مانگتے ہو، اس لیے تم مشرک ہو، اور مشرک حج نہیں کرسکتا۔ اس لیے تمہیں حج سے روکا جاتا ہے۔

مجاہد اعظم: شیعہ بھی تو یا علی، یا حسن، یا حسین کہتے ہیں، ان کو کیوں حج سے نہیں روکتے ؟

رئیس المحاکم: وہ تو ہمارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

مجاہد اعظم: کیا تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے شرک ختم ہو جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رئیس المحاکم: خاموش رہو! ہم نے تم کو یہاں تمہارے دلائل سننے کے لیے نہیں بلایا، تم پر حکم لگانے کے لیے بلایا ہے۔

حکم دیا کہ اس کے عقائد مشرکانہ ہیں اور مشرک حج نہیں کرسکتا، اس کو حج سے روکا جاتا ہے۔ جیل میں بھیج دیا جائے اور اس کو فریضۂ حج ادا نہ کرنے دیا جائے۔ حکومت کی زیر نگرانی اس کو وطن روانہ کر دیا جائے اور آئندہ کبھی بھی حج پر نہیں آسکتا۔

مجاہد اعظم: مجھے میرے بیان اور اپنے حکم کی نقل دو۔

رئیس المحاکم: یہ تمہارا حق ہے کہ تمہیں نقل دی جائے گی۔ اور ہم پر لازم ہے۔

مقدمہ قاضی القضاء کے پاس منتقل کر دیا گیا اور آپ کو حوالات بھیج دیا گیا۔ پھر دوسرے دن قاضی کے پاس پیش کیا گیا۔

قاضی القضاء تم امامِ حرم کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟

مجاہد اعظم: اختلافِ عقیدہ کی بنا پر، کیونکہ علماء اہلِ سنّت انبیاء واولیاء سے توسل کو جائز کہتے ہیں اور تم مشرک ٹھہراتے ہو۔

قاضی القضاء: تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟

مجاہد اعظم: وابتغوا الیہ الوسیلة۔

قاضی القضاء: وسیلہ سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں۔

مجاہد اعظم: وہ بھی مخلوق ہیں اور غیر اللہ ہیں۔

قاضی القضاء: تمہارا عقیدہ مشرکانہ ہے، اس سے توبہ کرو۔

مجاہد اعظم: میرا عقیدہ برحق ہے اور حق سے توبہ نہیں کی جاتی۔ ان عقائد سے توبہ کی جاتی ہے جو فاسد ہوں جیسا کہ وہابیہ کے عقائد ہیں، جو اس زمانہ کے خوارج ہیں۔

قاضی القضاء: بکواس بند کرو، اپنی ذات کا تم خود احترام کرو۔ تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا۔

مجاہد اعظم: کاش تمہیں خبر ہوتی کہ احترام کیا ہے اور کن کے لیے ہے؟

قاضی القضاء: تعلیم کہاں سے حاصل کی ہے؟

مجاہد اعظم: مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے۔

قاضی القضاء: اور بھی کہیں پڑھا ہے؟

مجاہد اعظم: جامعہ معینیہ اجمیر شریف۔

قاضی القضاء: اور کس مدرسہ میں پڑھا ہے؟

مجاہد اعظم: جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔

قاضی القضاء: ہاں، ہاں اور بریلی میں۔

مجاہد اعظم: میں بریلی شریف سے تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔

قاضی القضاء: کیا تمہارے عقائد کے اور لوگ بھی تمہارے ساتھ ہیں؟

مجاہد اعظم: ہاں، بہت ہیں۔

قاضی القضاء: تمہیں حج سے روکا جاتا ہے، اس لیے کہ تم مشرک ہو۔

مجاہد اعظم: میرے بیان اور اپنے حکم کی نقل دو۔

قاضی القضاء: تم کو نقل نہیں دی جائے گی۔

مجاہد اعظم: شیخ عبدالعزیز بن صالح نے نقل دینے کا وعدہ کرتے ہوئے۔

قاضی القضاء: مشرک کا کچھ حق نہیں ہوتا اور نہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ضروری ہے۔

مجاہد اعظم: انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے، میرے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے، ظلم ہوا ہے۔ اس پر مجھے اعتراض ہے، میں معاملہ اوپر لے جانا چاہتا ہوں۔

قاضی القضاء: یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ ہند نہیں ہے۔

ان کے ہاں کوئی علمی قاعدہ تو نہیں ہے، جو قاضی کے دل میں آئے وہی حکم لگا دیتا ہے۔ اسلام کو تو صرف بدنام کیا جارہا ہے۔ آپ کو جیل بھیج دیا، وہاں جیل میں پیلے رنگ کا کارڈ دیا گیا۔ ''القضیہ'' لکھا ہوتا ہے۔ اس جرم اور حکم کی تلخیص بھی لکھی ہوتی ہے۔ جسے آپ نے نقل فرمالیا:

القضیه

امتناعه الصلٰوة مع الجماعه و اعتقاده بالتوسل بالانبیاء و المرسلین و قد صدر بحقه القرار الشرعی ۲۱۶۲/۱۹/۱۸ ـ ۱۱ ـ ۱۳۹۹ بعدم تمکینه من الحج و تر حیله الی بلاده۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے رکنا اور انبیاء و مرسلین کے توسل کا عقیدہ رکھنا، اور اس کے حق میں یہ شرعی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ۲۱۶۲ مورخہ ۱۸/۱۹ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ، حج سے روک دیا جائے اور اسے اس کے ملک بھیج دیا جائے۔

۲۰/ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ میں آپ کو ''بیرعلی'' جیل منتقل کر دیا گیا۔ پھر نجدی امام کے پیچھے جمعہ نہ پڑھنے کے جرم میں، ایک سپاہی نے آپ کو ہتھکڑی پہنا کر جیل کے دروازے کے ساتھ سخت دھوپ میں لٹکا دیا۔

۲/ ذی الحجہ کو جوازات میں طلب کیا، سپاہی نے آپ کو ایک زوردار تھپڑ مارا جس سے آپ کو چکر آ گئے، چند گھنٹے ایک گندے کمرے میں بند رکھا۔ جہاں چٹائی بھی بچھی ہوئی نہ تھی۔

۳/ ذی الحجہ کو جدہ ''ترحیل'' میں منتقل کر دیا گیا اور ۶/ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ کو جدہ سے کراچی روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ آپ نے پاکستان کا ویزا حاصل نہیں کیا ہوا تھا۔ ٹرانزٹ ہونے کی وجہ سے ایک دن ہوٹل میں قیام رہا۔ ۷/ ذی الحجہ کراچی سے روانہ ہوئے اور رات کو ممبئی پہنچ گئے۔ (سہ ماہی تبلیغ سیرت کولکاتا کا مجاہد ملّت نمبر ص: ۴۹ تا ۵۶)

مذکورہ مباحث ''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ پوری کتاب انہی مباحث کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کے جو بنیادی سوالات تھے اس حوالے سے مصنف نے عالمِ اسلام کے تاریخی مراکز سے ان کے نظریات کو جاننے کی

کوشش کی ہے اور انھیں کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ جو لوگ حضور مجاہد ملّت کے نظریات کے مخالف ہیں بلکہ یوں کہیں کہ جو لوگ نجدی وہابی حکومت کی ہر بات میں وکالت کرتے ہیں، ان سے بھی سوالات ہوئے ہیں اور ان کے جوابات سے بھی حضور مجاہد ملّت کے نظریات کی بھر پور انداز میں حمایت ہوتی ہے۔

کتاب (مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت) کی جس انداز میں تشہیر ہونی چاہیے تھی وہ نہ ہوسکی۔ چونکہ ہمارے پاس تشہیر کا موثر ذریعہ نہیں ہے۔ ذرائع تشہیر پہ جن اداروں کی بالا دستی ہے، وہ ادارے اور ان اداروں سے وابستہ افراد حضور مجاہد ملّت کے نظریاتی حریف ہیں۔ حضور مجاہد ملّت نے ذرائع ابلاغ کے جو موثر وسائل ہیں ان میں اپنی نمائندگی کی کوشش کی تھی مگر عدم اشتراک عمل کی بنیاد پر آپ اس حوالے سے کامیاب نہ ہوسکے۔ اس کا آپ کو تا حیات غم رہا۔ کتاب کی اہمیت جو کل تھی اس سے کہیں زیادہ آج ہے۔ آج فکری و نظریاتی آوارگی کے شعلے قریب قریب ہر دہلیز تک پہنچ چکے ہیں۔ دہلیزوں پہ جو خوش عقیدگی کے بورڈ آویزاں تھے، ان کے حروف دن بدن مدھم ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے ''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' جیسی کتابوں کی ترسیل میں جماعتی جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملّت نے حق وصداقت، عشق وعرفان اور جرأت و بے باکی کے چراغوں کو نجدیت کے ایوان میں بھی پورے آب وتاب کے ساتھ جلائے رکھا۔ آپ کو قتل، حبسِ دوام اور شہر بدر کی دھمکیاں بھی دی گئیں مگر آپ کے حسینی عزم کے سامنے نجدیت کا بت سرنگوں ہوتا گیا۔ عصر حاضر کا سلگتا ماحول ہمیں اپنے گھروں میں بھی سچائی اور حق وحقانیت کا سورج اُگانے کی بات تو چھوڑیئے چراغ جلانے کی بھی اجازت نہیں دیتا، ہم دن بدن بے چہرگی کے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ جن زبانوں پہ صداقت کے نغمات مچلتے ہیں ہمیں وہ زبانیں اچھی نہیں لگتیں۔ جن زبانوں سے صلح کلیت کا تعفن اُٹھتا ہے ہمیں وہ زبانیں بہت عزیز ہیں۔ ملک میں بہت سارے ادارے اعلیٰ حضرت اور حضور مجاہد ملّت کے نام پہ چلتے ہیں۔ مگر وہ بھی لاشعوری طور پر صلح کلیت کے فروغ میں اپنی توانائی صرف کر رہے ہیں بلکہ چند سکوں کے

لیے انہوں نے اپنے جماعتی تشخص کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں حضور مجاہد ملّت نے جن چراغوں کو روشن کیا ہے موجودہ نسل کو ان چراغوں کی روشنی میں لانے کی شدید ضرورت ہے۔

''مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت'' ایک جامع اور خوش عقیدگی کی خوشبو میں لپٹی ہوئی کتاب ہے۔ کتاب میں مصنف نے حضور مجاہد ملّت کی علمی، فکری، فقہی اور ہمالیائی شخصیت کا بڑے خوبصورت انداز میں اعتراف کیا ہے۔ مصنف کی خوشبو میں بسی ہوئی تحریر ذیل میں ملاحظہ کریں۔

اللہ تعالیٰ میں مجاہدہ فرمانے والے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم، علومِ عقلیہ ونقلیہ کے سمندر، فروع و اصول میں علماء کے معتمد، شریعت وطریقت کے جامع، معرفت و حقیقت کے حامل، محقق، مناظروں کے سردار، مدقق مباحثوں کے پیشوا، افضل جہاد کے علم کو بلند کرنے والے، اصحابِ کشف و مشاہدہ کی جائے فخر، اربابِ زہد وتقویٰ کی زینت، ہدایت وارشاد فرمانے والوں کے امام، عطیات بخشنے والے، حضور غوث البرایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چاہنے والے، خصائل حمیدہ رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کی جانب عظیم ترین وسیلہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل فرمانے والے، میرے آقا علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن قادری قدس سرہٗ العزیز کی روح مقدس کے حضور میں۔ (مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت، ص ۳)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن صاحب قادری حبیبی کی شخصیت جماعت اہلِ سنّت کا قابل قدر اثاثہ ہے۔ اس وقت بہت ساری جہات سے جماعت میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں دکھتا۔ علوم وفنون کی کتنی جہتوں پہ ان کی گہری نظر ہے، یہ بتانا ہم جیسے بے مایہ کے لیے بہت مشکل ہے۔ مگر انہوں نے اپنی شخصیت کے اِردگرد اتنی ساری باڑھیں کھڑی کر رکھی ہیں کہ انھیں عبور کرنا عوام کی بات تو چھوڑ یئے خواص کے لیے مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے۔ ہر شخص کے جینے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ ہم اسے حرفِ ملامت نہیں بنا سکتے۔ مگر ایک متدین عالم کے ہاں اتنی ساری حد بندیاں دینی مصلحت کے منافی ہیں۔ اس سے عوامی اخذ واستفادے کے دائرے سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ مجذوبانِ زمانہ کے قرب کی لذت کا حصول ہمیشہ دشوار رہا ہے، ایسا جذب کی کیفیت کے باعث ہوتا ہے۔ علماء کے دربار کبھی بند نہیں ہوتے، اس

حوالے سے حضور مجاہد ملّت کی شخصیت نظیر میں پیش کی جا سکتی ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کے دربار میں بھی ہر وقت اہلِ حاجت کا ہجوم دیکھا گیا ہے۔ ان کے ہاں آنے والوں کے لیے کبھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ انھیں تنہائی اچھی نہیں لگتی تھی۔ اہلِ حاجت کے ہونٹوں پہ وہ ہر وقت تبسم دیکھنا چاہتے تھے اور اسی میں انھیں روحانی سکون ملتا تھا۔ ان کی کتابِ حیات میں اس طرح کے بے شمار واقعات ستاروں کے مثل روشن نظر آتے ہیں۔ اگر سارے واقعات اکٹھا کیے جائیں تو مجلدات تیار ہو سکتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن صاحب قادری حبیبی نے حضور مجاہد ملّت کی ذات سے وابستہ واقعات کی جمع بندی میں جو رول ادا کیا ہے وہ قابلِ قدر بھی ہے اور قابلِ احترام بھی۔ اس حوالے سے ان کی دوسری تالیفات وتصنیفات لاکھ کوششوں کے بعد بھی دستیاب نہ ہو سکیں۔ جن حضرات سے رابطہ کیا سب نے آخر میں اپنے عجز کا اظہار کر دیا۔ ان کی جو کتابیں راقم کی ذاتی لائبریری کی زینت ہیں، ان میں دوسری کتاب جو موضوع کے اعتبار سے اہم ہے ''مردِ جوزاء مجاہد ملّت'' ہے۔ یہ کتاب موضوعاتی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ زبان اور اندازِ تحریر انتہائی خشک ہے، پھر بھی اہلِ علم کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ علامہ موصوف نے کتاب کے ۲۴؍ عناوین متعین کیے ہیں۔ کتاب کی ابتدا ان کے منقبتی کلام سے ہوئی ہے۔ منقبت کے ہر شعر سے شعری جامعیت کا خمار ٹپکتا ہے۔ یہ منقبت اس کتاب کے باب المناقب میں شامل ہے۔ پھر بھی ذہن وفکر کی طرفگی کے لیے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ کریں۔

تجلی گاہِ باعظمت کا جس کو آسرا ہوتا
وہ انساں صاحبِ ثروت کے در کا کیوں گدا ہوتا

ترا جس پر کرم ہوتا وہ بندہ کیا سے کیا ہوتا
حقیقت فخر کرتی اور تصوف ہمنوا ہوتا

نہ منزل تک پہنچتے اور نہ کوئی رہنما ہوتا
اگر راہِ تجسس میں نہ تیرا نقشِ پا ہوتا

رضا سے حامد اور ان سے حبیب اک سلسلہ ہے یہ
رضا کی راہ سے پھر کر کوئی کیا با رضا ہوتا
وہی مردِ مجاہد ہے کہ جس نے سر کو باطل کے
کچل کر رکھ دیا اس سے پریشاں وہ بھلا ہوتا
مصائب ہیں بہت لیکن کرم بھی ہے بڑا ورنہ
خمارؔ قادری کس طرح ایسا خوش نوا ہوتا

کتاب کا پہلا عنوان ہے ''حالِ دل'' اس میں جو مباحث زیر بحث آئے ہیں ان میں بعض مباحث کی قطعی ضرورت نہیں تھی مگر یہ ان کا اپنا ذوق ہے۔ ہم ان کے ذوق پہ کسی طرح کا ریمارک لگانے سے بہر حال قاصر ہیں۔ بڑوں کی جناب میں احتیاط لازم ہے، ورنہ عتاب کی تپش جذبوں کو جھلسا دے گی۔ حضور مجاہد ملّت نے اپنے بڑوں کے حضور جس احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے ہمارے لیے وہ سرمایۂ حیات ہے۔ ہم ہر وقت ان کے حضور گدایانہ انداز میں رہنا اپنے لیے سعادت تصور کرتے ہیں۔ اگر وہ توجہ فرما دیں تو بہت ساری مشکلات دفعتاً دور ہو جائیں۔ وہ ہر وقت اپنے اہلِ عقیدت کی مدد کے لیے پا بہ رکاب رہتے ہیں۔ ان کی ظاہری حیات کا ہر لمحہ اسی جذبے سے عبارت نظر آتا ہے۔ دل میں ان کی یادوں کا چراغ صبح وشام جلتا رہے یہی ہماری دعا ہے۔ ہم ان کے ٹکڑوں کے متلاشی ہیں۔ چونکہ ان سے سوال کرنے میں کسی طرح کی شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

کتاب کا ہر عنوان اہمیت کا حامل ہے لیکن کتاب کے نام کی مناسبت سے دو عناوین کچھ زیادہ ہی اہمیت رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں عناوین مختصر ہیں اور انہی دونوں عناوین کی حیثیت مرکزی ہے۔ ہم اپنے قارئین کے استفادے کے لیے دونوں عناوین من وعن پیش کرتے ہیں۔

حضور مجاہد ملّت مردِ جوزاء تھے

حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی اسلامی تاریخ ولادت مشہور ہے اور وہ ۸ رمحرم ۱۳۲۲ھ ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ تاریخ سنیچر کے دن پڑی تھی۔ خود حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ نے اپنی

ولادت کی یہی تاریخ بتائی تھی اور یہی دن بتایا تھا۔ لیکن اپنی ولادت کی انگریزی تاریخ آپ کو یاد نہ تھی۔ بندہ نے خود حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا، لیکن آپ کی ولادت کی انگریزی تاریخ بندہ کو آپ سے نہیں معلوم ہو سکی۔

اب حضور مجاہد ملّت کے وصال کے بعد تذکرہ نگاروں نے آپ کی انگریزی تاریخ ولادت کا اپنے قلمی شاہکاروں میں ذکر کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کا بھیس دیکھ کر متأثر ہونے والے تذکرہ نگاروں نے غیر ثقہ لوگوں کو ثقہ سمجھ کر ان کی طرف رجوع کیا اور ان کی ہر بات پر اٰمنّا وصدقنا کہتے گئے۔ نتیجے میں ان کے تذکروں میں ایسی باتیں بکثرت داخل ہو گئیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی ان لوگوں نے اپنی اس لاپرواہی کی وجہ سے اپنی ہی کلہاڑی سے درخت کی اسی شاخ کو کاٹ ڈالا جس پر وہ خود بیٹھے ہوئے تھے۔

مثلاً ایک تذکرہ نگار نے حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی انگریزی تاریخ ولادت بتاتے ہوئے ۲/ مارچ ۱۹۰۴ء کا ذکر کیا ہے۔ اس تاریخ کو نہ تو ۱۳۲۲ھ تھا، نہ محرم کا مہینہ، نہ آٹھ تاریخ، نہ ہی سنیچر کا دن۔ اسی طرح گڑھی ہوئی ایک دوسری تاریخ ۴/ مارچ ۱۹۰۴ء ہے۔

درحقیقت حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی انگریزی تاریخ ولادت ہے ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء۔ ۱۳۲۲ھ کا پہلا دن یعنی اس سال کے ماہِ محرم کا پہلا دن ۱۹/ مارچ ۱۹۰۴ء کو پڑا تھا اور اس روز سنیچر تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ۲/ مارچ ۱۹۰۴ء یا ۴/ مارچ ۱۹۰۴ء کو ۱۳۲۲ھ تھا ہی نہیں۔ پلیٹ نمبر ۱/ کو ملاحظہ کر لیجیے۔

حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی ولادت ۸/ محرم ۱۳۲۲ھ کو صبح صادق کے وقت ہوئی تھی اور آپ نے اپنی ولادت کا یہی وقت خود بتایا تھا۔ جیسا کہ اوپر مسطور ہوا، ۸/ محرم ۱۳۲۲ھ کا دن ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو پڑا تھا۔ اب اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو کس وقت یعنی کتنے بجے حضور مجاہد ملّت کی ولادت ہوئی ہوگی۔

جیسا کہ مشہور ہے، آپ کی ولادت دھام نگر شریف میں ہوئی تھی۔ یہ قصبہ بھدرک میں ہے اور بھدرک پہلے بالیسر ضلع کا ایک سب ڈویزن تھا، لیکن اب ایک مستقل ضلع بن گیا

ہے۔ بہرحال دھام نگر بھدرک سے قریب ہے، اس کا وقت بھدرک کے وقت کے قریب ہے اور بھدرک ہی کا نظام الاوقات دھام نگر شریف میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس نظام الاوقات کو ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶/ مارچ کو بھدرک کا وقتِ ختم سحور ۴/بج کر ۲۹/منٹ پر ہے اور طلوعِ آفتاب کا وقت ۵/بج کر ۴۳/منٹ پر ہے۔ پلیٹ نمبر ۲/کو ملاحظہ کر لیجیے۔ جبکہ دھام نگر شریف کا وقت بھدرک کے وقت کے قریب ہی ہے، تو ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو دھام نگر شریف کا وقت ختم سحور بھی تقریباً ۴/بج کر ۲۹/منٹ پر رہا ہوگا اور جو وقت طلوع آفتاب تقریباً ۵/بج کر ۴۳/منٹ پر رہا ہوگا۔ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دھام نگر شریف میں ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی ولادت کا وقت صبح ۴/بج کر ۲۹/منٹ اور ۵/بج کر ۴۳/منٹ کے درمیان رہا ہوگا۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پلیٹ نمبر ا کے ملاحظے سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۸/محرم ۱۳۲۲ھ کا دن ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو پڑا تھا، وہیں خانۂ بروج کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روز قمر برج سرطان میں تھا، تو کیا واقعی حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی ولادت ''قمر در سرطان'' میں ہوئی تھی؟ محض پلیٹ نمبر ۱/کے ملاحظے سے اس کا حل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

اس کے لیے بندہ نے تقاویم قدیمہ پر اعتماد کرنے کو ترجیح دی۔ اسی لیے بندہ بمبئی کی ایک بہت بڑی لائبریری میں سال میں کئی کئی بار گیا اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ نتیجے کو سمجھنے کے لیے پلیٹ نمبر ۳/کو ملاحظہ کیجیے۔

جیسا کہ پلیٹ نمبر ۳ سے ظاہر ہے، ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو قمر برج سرطان میں ۱۱/بج کر ۷/منٹ پر داخل ہوا تھا۔ سطور متذکرہ بالا میں اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ ۸/محرم ۱۳۲۲ھ کو یعنی ۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو حضور مجاہد ملّت کی ولادت دھام نگر شریف میں صبح صادق کے وقت ہوئی تھی یعنی صبح ۴/بج کر ۲۹/منٹ اور ۵/بج کر ۴۳/منٹ کے درمیان۔ اب یہ ظاہر ہوگیا کہ اس روز قمر کا برج سرطان میں دخول ۱۱/بج کر ۷/منٹ پر ہوا تھا۔ اس سے یہ

بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ پلیٹ نمبر ا ر کے خانۂ بروج میں ۸ رمحرم ۱۳۲۲ھ کو ''قمر در سرطان'' کا ذکر غلط نہیں ہے، اس لیے کہ اس روز قمر برج سرطان میں داخل ہوا تھا اگر چہ ۱۱ ربج کر ۷ ر منٹ پر ایسا ہوا تھا۔ لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور مجاہد ملّت کی ولادت قمر در سرطان میں نہیں ہوئی تھی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ۲۶ ر مارچ ۱۹۰۴ء کو حضور مجاہد ملّت کی ولادت قمر کے برج سرطان میں داخل ہونے سے تقریباً پانچ چھ گھنٹہ قبل ہوئی ہوگی۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت قمر برج سرطان سے پہلے واقع ہونے والے برج میں رہا ہوگا۔ یہ برج برجِ جوزاء ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضور مجاہد ملّت کی ولادت قمر در جوزاء میں ہوئی تھی یعنی آپ ایک مردِ جوزاء تھے۔

عامل اہلِ تجربہ کے نزدیک مردِ جوزاء کے حالات وصفات

عامل اہلِ تجربہ نے قمر در جوزاء میں پیدا ہونے والے اشخاص کے جن حالات وصفات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ کی ذات اور حیات سے رہا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر چند امور کا ذکر کیا جا رہا ہے:۔

(۱) **شرافت:** جہاں تک شرافت نسبی کا تعلق ہے، آپ کا شریف ہونا مشہور ومعروف ہے کہ آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک اہم واقعہ سے اس بات کی پُرزور تائید ہوتی ہے جسے بندۂ راقم السطور سے اخذ کر کے انجمن مسجد اعظم کے سکریٹری صاحب نے مسجد اعظم کے صد سالہ جشن کے موقعہ پر شائع شدہ ''مسجد اعظم، الٰہ آباد کا مختصر تاریخی تعارف'' میں ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے بندہ ''حیاتِ مجاہد ملّت کے چند ادوارِ سابقہ'' میں اسے نقل کر چکا ہے۔ اس لیے اب اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے۔ رہی شرافت طبع تو وہ صفاتِ فاضلہ کے تحت آجاتی ہے۔

(۲) چہرے اور آنکھوں کی خوبصورتی۔

(۳) بچپن میں پیار سے پالا جانا۔

(۴) دولتمندی۔

(۵) خانگی سطح کا اونچا ہونا۔

(۶) دولت جمع کرنے کا موقع نہ ملنا، لیکن کمی کا احساس نہ ہونا۔ جب تک زمینداری تھی، دولت کی کمی نہ تھی، اس کے بعد بھی دولت کی کمی کا آپ پر کوئی خاص اثر نہ تھا۔ لیکن آپ نے خود کبھی دولت جوڑنے کی کوشش نہ کی، بلکہ زندگی بھر مقاصد اعلیٰ کی تکمیل کے لیے دولت لٹاتے رہے۔

(۷) مذہبی ہونا۔

(۸) عبادت گذاری۔

(۹) میٹھی چیز کا محبوب ہونا۔ ثمر بہشت ایسے میٹھے آم آپ کو بہت پسند تھے۔

(۱۰) شگفتہ روئی یعنی ہنس مکھ ہونا، میٹھی بولی بولنا اور باتوں میں کشش کا ہونا۔

(۱۱) محنتی ہونا:۔ عام طور پر ذہین طلبہ کو کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ فرماتے تھے: ''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میری قوتِ حافظہ کچھ کمزور ہو۔ اسی لیے میں نے مدرسہ معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف میں پڑھنے کے زمانے میں مولوی نظام الدین وغیرہ کو پڑھانا شروع کر دیا تا کہ زیادہ محنت کرنا پڑے اور اس کی وجہ سے باتیں ذہن میں بیٹھیں۔''

(۱۲) علوم وفنون حاصل کرنا۔

(۱۳) دلچسپ امور کو اہمیت دینا اور طبیعت میں ظرافت کا ہونا:۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کیا جائے گا۔

(۱۴) اپنے سماج، وطن اور خاندان میں زیادہ علم رکھنے والا ہونا۔

(۱۵) اخلاق مندی۔

(۱۶) دوستی کا باقی رہنا:۔ حضور مجاہد ملّت نے جب کبھی کسی کو دوست رکھا، کبھی بے سبب اسے دوستی سے خارج نہ فرمایا۔

(۱۷) اتباع بزرگان واساتذہ۔

(۱۸) پاکیزگیٔ فطرت وراست گوئی وغیرہ صفاتِ فاضلہ سے متصف ہونا اور کم سخن ہونا۔

(۱۹) صاحبِ عظمت ہونا، زندگی کا باوقار ہونا، بزرگوں اور استاذوں کی نظر میں محبوب اور معزز ہونا۔ آپ کی زندگی کے حقیقی معنیٰ میں باوقار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(۲۰) عقلمندی اور ہوشمندی، غور وفکر کرکے کام کرنے کا عادی ہونا، دوسروں کے ارادوں کو سمجھ لینا اور مفکرانہ صلاحیتوں سے متصف ہونا۔

(۲۱) باہمت ہونا۔

(۲۲) مردانگی کے کام انجام دینا۔ بے شک آپ مردانِ خدا میں سے ایک عظیم مرد تھے۔

(۲۳) حوصلہ مندی۔

(۲۴) تیرہ سال کی عمر سے سولہ سال کی عمر تک کے درمیانی زمانے میں یا انیس سال کی عمر سے چھبیس سال کی عمر تک کے درمیانی زمانے میں شادی کرنا۔ جس وقت آپ کی شادی ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف کا انیسواں سال چل رہا تھا، اس لیے کہ آپ کی ولادت ۸/ محرم ۱۳۲۲ھ کو ہوئی تھی اور آپ کی شادی ۹/ رجب ۱۳۴۰ھ کو ہوئی تھی۔

(۲۵) کامیاب ازدواجی زندگی گذارنا۔ آپ کی شادی آپ کے حقیقی چچا ملا محمد عبد الدیّان صاحب مرحوم کی بڑی صاحبزادی ام سلمہ بی بی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ آپ حضرات کی ازدواجی زندگی بڑی کامیاب، نہایت پاکیزہ اور بہت ہی خوشگوار گذری۔

(۲۶) دریائے لطف کی موجزنی کے عالم میں خرچ کی پرواہ نہ کرنا۔

(۲۷) جود وعطا۔

(۲۸) پرورش کرنے میں کمال رکھنا۔ حضور مجاہد ملّت میں اس کمال کا درجۂ اتم پر ہونا مشہور ہے۔

(۲۹) سادہ زندگی بسر کرنا۔ دولتمند ہونے اور خانگی سطح کے بلند ہونے کے باوجود آپ کا سادہ زندگی گذارنا مشہور ہے۔

(۳۰) تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگی کی کامیابی کا ان کے احساس کامیابی میں مددگار ہونا۔

حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ سے قریب رہنے والے باشعور لوگ اس بات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آپ اس صفت سے متصف تھے۔

(۳۱) زندگی کے ہر زاویہ میں تکلیف برداشت کرنا۔

(۳۲) مشکلات اور مصائب کا بار بار پیش آنا۔

(۳۳) گھر میں بھی تکلیف اُٹھانا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور مجاہد ملّت کو گھر کے اندر بھی تکلیف اُٹھانا پڑی ہے۔ نہ تو دولت کی کمی اس کا سبب تھی، نہ ہی ازدواجی زندگی کا ناخوشگوار ہونا، بلکہ دوسرے اموراس کے سبب تھے۔ یہ باتیں بندہ محض سن کر نہیں لکھ رہا ہے، بلکہ بہت سے ایسے واقعات بندہ کی موجودگی میں رونما ہوئے ہیں۔ لیکن یہاں پر بندہ ان کا تفصیلی ذکر کرنے نہیں جا رہا ہے۔

(۳۴) متفکر رہنا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ حضور مجاہد ملّت تفکر سے خالی نہیں رہتے تھے۔

(۳۵) حادثات سے جسمانی تکالیف کا لاحق ہونا۔ ''حبیب اسیر'' میں بندہ منڈواڈیھ، بنارس کا واقعہ لکھ چکا ہے۔ اس بات پر استشہاد میں اس واقعہ کا ذکر کفایت کرتا ہے۔

(۳۶) سفروں کے دوران حادثات کا رونما ہونا۔ آپ کے سفر میں رہنے ہی کی حالت میں منڈواڈیھ والا حادثہ پیش آیا تھا۔

(۳۷) احباب کہلانے والے لوگوں کا ان کے پیچھے بُرائی کرنا۔ مظالم کے خلاف تقریر کرنے کے نتیجے میں جیل جانے کی وجہ سے حضور مجاہد ملّت کے بعض معتقدین (بلکہ مرید کہلانے والے لوگوں) نے آپ کے بعض رفقاء درس بلکہ آپ کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے بعض کو آپ سے برتر کہا تھا۔ آپ کے بعض تلامذہ بلکہ آپ کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے بعض نے احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے سلسلے میں آپ کے ظالم کے سامنے اعلانِ حق کو ''آ بیل مجھے مار'' سے تعبیر کیا تھا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کانگریس کی حکومت کے زمانے میں

آپ بالیسر جیل میں میسا کے تحت مقید رہے۔ آپ کے رِہا ہونے کے چند ماہ بعد انتخابات (الیکشن) کا وقت آ گیا۔ آپ نے چاہا کہ چرن سنگھ اور مرار جی ڈیسائی وغیرہ کی پارٹی کے لوگوں کے سامنے آپ اپنے مطالبات کو رکھیں اور اُن مطالبات کی تکمیل کا وعدہ کرنے کی صورت میں آپ الیکشن کے موقعہ پر ان لوگوں کی حمایت کریں، لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس کے بعد کچھ لوگ آپ کو دہلی لے گئے جہاں شریمتی پوربی مکھر جی، عبدالرحمٰن انتولے اور ہری شنکر شاستری سے آپ کی بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے کانگریس کی حمایت کی اور اس سلسلے میں اپنا اشتہار بھی شائع کر دیا جو آپ کے مطالبات پر بھی مشتمل تھا۔ اُس الیکشن میں کانگریس کی حمایت کے لیے آپ نے مختلف مقامات پر جا کر تقریریں بھی کیں۔ قوم کی بھلائی کے لیے کانگریس کی حمایت کرتے ہوئے آپ نے کبھی اس بات کی پرواہ نہ کی کہ ''میں ابھی ابھی جیل سے چھوٹ کر آیا ہوں اور اسی کانگریس نے مجھے ایک طویل عرصے تک میسا کے تحت بالیسر جیل میں مقید رکھا۔'' اتفاق سے اُس الیکشن میں اندرا گاندھی ہار گئی۔ اُس وقت ایک ایسے شخص نے آپ کے نام ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر آپ کا مذاق اُڑایا جسے آپ نے ہمیشہ اپنے قریب رکھا۔

(۳۸) مریض رہنا۔ آپ ذیابیطس کے مریض تھے۔ لیکن میٹھی چیزوں سے پرہیز نہیں فرماتے تھے۔

(۳۹) پیٹ کا مرض۔ اپنے وصال کے وقت آپ جن امراض کے مریض تھے، فمِ معدہ کا ورم اُن میں سے ایک تھا۔

(۴۰) تقریباً ۸۰ ؍سال کی عمر پانا۔ آپ کی ولادت ۸ ؍محرم ۱۳۲۲ھ کو ہوئی تھی اور وصال ۶ ؍جُمادی اولیٰ ۱۴۰۱ھ کو ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۷۹ سال ۴ ؍ماہ کی تھی۔

(۴۱) جلد کاموں کی تکمیل کرنے کی مہارت۔

(۴۲) رہنما ہونا۔

(۴۳) تصنیف کرنا۔ آپ کی جو تصنیف آپ کے متعلقین میں سے کسی کی طرف منسوب ہوگئی ہے، بندہ اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ ''خیر الزاد والتزوّد'' کو بندہ دوبارہ شائع کر چکا ہے۔ آپ نے اپنا مقالہ ''الاصلاح لمانع القیام عندحیّ علی الفلاح'' ماہنامہ پاسبان'' الہٰ آباد کے ذمہ داروں کواشاعت کے لیے دیا تھا۔ ضمیمۂ پاسبان بابت جنوری ۱۹۵۶ء میں یہ مذکور ہوا تھا کہ اس کی اشاعت ہوگی۔ لیکن اس مقالے کی اشاعت کا بندہ کو ابھی تک کوئی علم نہ ہوا۔

(۴۴) تقریر کرنا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، ویسے آپ کے بعض خطبات کے چند اقتباسات کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کیا جائے گا۔

(۴۵) فن مناظرہ کی مہارت۔ یہ بات صبح روشن کی طرح واضح ہے۔ پھر بھی اس سے متعلق چند باتیں آئندہ ذکر کی جائیں گی۔

جن حالات اور صفات کا بندہ نے صرف ذکر کیا ہے، لیکن تفصیلاً اُن سے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، حضور مجاہد ملّت قدس سرہٗ میں اُن صفات کا پایا جانا اور اُن حالات کا آپ کو لاحق ہونا مشہور ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ظرافت، خطبات اور مناظرہ سے متعلق چند باتیں آئندہ ذکر کی جائیں گی۔

اس سے پہلے فتاویٰ رضویہ سے سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے جن کلماتِ مبارکہ کو پیش کیا جا چکا ہے، ان کے پیشِ نظر عام اہل تجربہ کے ذکر کیے ہوئے ان امور کو اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ بندہ نے ان امور کو صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ معلومات میں اضافہ ہو۔

مذکورہ اقتسابات میں حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن صاحب قادری حبیبی نے بعض تواریخ کی تفہیم کے لیے پلیٹوں کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ ہم نے یہاں قصداً ان پلیٹوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جو لوگ پلیٹوں کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اصل کتاب سے رجوع کریں۔ کتاب کمیاب ضرور ہے نایاب نہیں۔

حضور مجاہد ملّت ہمالیائی شخصیت کے مالک تھے۔ کردار وعمل کی شفافیت شخصیت کو ہردلعزیزی عطا کرتی ہے۔ شخصیت کا محبوبِ خلائق ہونا کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ حضور

مجاہد ملّت کے عہد میں جن شخصیات کو محبوبِ خلائق ہونے کا شرف حاصل تھا، ان میں حضور مجاہد ملّت کے امتیازات تھے۔ ان کے مخصوص مقاصد اور عزائم تھے۔ اپنے مقاصد اور عزائم تک پہنچنے کے لیے وہ سرحدوں کا پاس ولحاظ نہیں کرتے تھے۔ اپنے عزائم کے حصول کے لیے وہ ہر سرحد سے نتائج کی پرواہ کیے بغیر گذر جاتے تھے۔ یہی جذبہ اور شعور انھیں بھیڑ میں انفرادیت عطا کرتا ہے۔ وہ دنیا کا ہر غم اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔ خوشیاں ان کی دہلیزِ حیات پر صف بہ صف کھڑی رہتی تھیں۔ انھیں ٹیڑھی نظر دیکھنا بھی وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ قیمتی سے قیمتی ذاتی گاڑیوں پہ سفر کر سکتے تھے، مگر ان کا اکثر سفر عام مسافروں کی طرح ہوتا تھا۔ قیمتی سفر کو وہ مال کا ضیاع تصور کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پیسوں کی قدر کرو۔ دینی قدروں کے فروغ میں پیسے خرچ کیے جائیں تاکہ دارین کی سرخروئی حاصل ہو۔ جسے دارین کی سرخروئی مل گئی وہ زندگی کی ہر جنگ جیت گیا۔ یہی ساری خصوصیات انھیں دلوں کی شاہی عطا کرتی ہے۔ ان کی شاہی کا سکہ جس طرح دلوں پر ان کی ظاہری حیات میں چلتا تھا، اسی طرح آج بھی چلتا ہے۔ ان کی سانسوں کی خوشبو سے آج بھی مشامِ انسانیت معطر ہے۔ وہ ہر وقت ہماری انجمن میں رہنا چاہتے ہیں مگر ہماری سیہ بختیاں دن بدن ان سے ہمیں دور کر رہی ہیں۔ وہ ہمیں آواز دے رہے ہیں مگر ہماری سماعتیں ان کی آواز کے بوجھ کو اُٹھانے کے لیے تیار نہیں ہو رہی ہیں۔ ہماری سیہ بختیوں پہ ان کی آنکھیں آج بھی برس رہی ہیں، مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ دینی قدروں سے الجھنے کا سلسلہ دن بدن زور پکڑتا جا رہا ہے، اور ہم اپنے عشرت کدوں میں دادِ عیش دے رہے ہیں۔ ہماری اس بے حسی پہ وہ اپنے مرقد میں بے چین نظر آتے ہیں۔ اگر آپ ان کے اضطراب کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ آنکھیں پیدا کیجیے، پھر آپ ان کے اضطراب کو محسوس پیکر میں دیکھیں گے۔

حضور مجاہد ملّت کی زندگی کائنات گیر ہے۔ ہم برسوں ان کی حیات کے بکھرے ہوئے نقوش کو سمیٹتے رہیں پھر بھی کامیابی کا دعویٰ فضول ہوگا۔ ان کی زندگی کا ہر نقش آفاق کی وسعتیں رکھتا ہے۔ ان کی حیات و خدمات سے متعلق کتابوں میں وافر ذخیرے ملتے ہیں مگر ان میں

اکثر کتابوں کی حیثیت تمہیدی ہے۔ بڑی شخصیات کی حیات سے جڑا ہوا کوئی بھی موضوع سرسری نہیں ہوتا۔ ہر موضوع اپنے اندر غیر معمولی وسعت رکھتا ہے۔ ہماری اخلاقی اور علمی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم ان موضوعات کے ہر پہلو کا سنجیدہ اور دانشورانہ انداز میں جائزہ لیں، پھر اس کے بعد سفر کا آغاز کریں۔ اگر ہم ان اصولوں کی رعایت کر لیتے ہیں تو ہمارے قلم کی کاشت ہر طبقے میں تاریخی پذیرائی حاصل کرے گی۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات وخدمات پہ جو نمبرات آئے ہیں ان کی علمی، فکری اور عقیدت مندانہ جامعیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مگر جو کتابیں آئی ہیں ان میں اکثریت کا حال یہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے ایک قاری ذہنی ناآسودگی محسوس کرتا ہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری کا نمائندہ اہلِ قلم میں شمار ہوتا ہے۔ وہ جس طرح زبان و بیان کی تمام تر لطافتوں کے عارف ہیں، اسی طرح قلم پہ بھی ان کی گرفت انتہائی مضبوط ہے۔ ان کے ہاں موضوع سے وفاداری کا بھرپور شعور ملتا ہے۔ ان کے قلم کی شعاعوں کو دیکھ کر پیشانیاں نور بدوش ہو جاتی ہیں۔ ''حضور مجاہد ملّت اور مسلک اعلیٰ حضرت'' ان کے قلم سے نکلی ہوئی ناقابلِ فراموش لہریں ہیں۔ چونکہ آپ سے پہلے اس حساس موضوع کو کسی نے چھوا نہیں ہے، جبکہ یہی موضوع حضور مجاہد ملّت کی حیات کا پیش لفظ ہے۔ انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کے چراغ کو سخت سے سخت طوفانوں کی زد پہ بھی جلائے رکھا۔ کمان پہ چڑھے ہوئے تیر اور نیام سے نکلی ہوئی تلواریں بھی انھیں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج وتشہیر سے روک نہ سکیں۔ فولادی عزائم بھی ان سے صلابت کی بھیک مانگا کرتے تھے۔ ان کی اسیری کے تسلسل سے بھی ہم ان کے شدتِ عزائم کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ نجدی جارحیت ان کا سر قلم کرنے کی راہیں تلاش کر رہی تھی مگر موت وحیات کے اس کھیل میں بھی آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے علم کو سرنگوں ہونے نہیں دیا۔ وہ ایوانِ نجدیت سے بھی فاتحانہ انداز میں نکلے، ان کا حریف انھیں اس انداز میں نکلتے ہوئے دیکھ کر کفِ افسوس ملتا رہ گیا۔ وہ اپنے حریفوں کو اپنے عمل سے چڑھاتے تھے۔ ان کی کتابِ حیات میں اس طرح کے بکثرت واقعات ملتے ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری کی تصنیف لطیف تجدید محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ حضور مجاہد ملّت کی حیات میں اس موضوع سے متعلق واقعات و حادثات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان سلسلوں کو از سرِ نو سلیقے سے سمیٹنے کی اشد ضرورت ہے اور یہ کام انہی سے ہوسکتا ہے۔ چونکہ ان کی آنکھوں میں مسلک اعلیٰ حضرت سے محبت کا جو خمار ہے، وہ خمار ہمیں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ ان کی عمر کا طویل دورانیہ انہی لطیف جذبوں سے عبارت ہے۔ جن کے فکر و عمل سے مسلک اعلیٰ حضرت کی شفافیت گرد آلود ہوتی ہے، ان قوتوں سے انہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اس حوالے سے ان کی زندگی کا ہر ورق درس آموز اور عبرت آموز ہے۔ فکری آوارگی کے دلدادہ افراد و اشخاص کی کلائی مروڑنے میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ''تم تیر آزماؤ ہم جگر آزمائیں گے'' کا پُرشکوہ نعرہ ہر وقت ان کی زبان پہ ہوتا ہے۔ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت سے ان کا کہنا ہے کہ: ؎

میری مانو کرو جاکر بریلی توبۂ خالص
کھلا ہے اب بھی دربارِ رضا فتنوں سے باز آؤ

ہماری بیاضِ حیات میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے وفاداروں کی تعداد بہت کم ہے۔ جو اسماء ہیں وہ سب ہمیں حفظ ہیں، وہ سب آسانی کے ساتھ انگلیوں پہ گنے جاسکتے ہیں۔ ان میں ایک روشن نام سیّد اولادِ رسول قدسی کا ہے۔ اس نام کی ہم نے بہت تسبیح پڑھی ہے۔ ہمارے بعض احباب اس حوالے سے ملامت بھی کرتے ہیں۔ پھر بھی ہماری روش میں اب تک تبدیلی نہیں آئی ہے۔ روٹی دونوں ہاتھوں سے بنتی ہے، لیکن ہم نے اکثر روٹی ایک ہی ہاتھ سے بنانے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی روٹیوں کی خوبصورتی کبھی مجروح نہیں ہوئی۔ یہ نقصان دہ عمل ہے۔ پھر بھی ہمارے عمل کی راہ اب تک تبدیل نہیں ہوئی ہے۔

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کے خانوادے سے حضور مجاہد ملّت کا رشتہ مربیانہ رہا ہے۔ ان کے والد ماجد کی تعلیم و تربیت ابتدا تا انتہا حضور مجاہد ملّت کی آغوش میں ہوئی ہے۔ حضور مجاہد ملّت جہاں بھی رہے ان کے والد ماجد ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہے۔ ان کے پاس علم و

معرفت کا جو بھی سرمایہ تھا، حضور مجاہد ملّت کا عطا کردہ تھا۔ وہ تا حیات حضور مجاہد ملّت سے اعلیٰ وفاداری کا ثبوت دیتے رہے۔ انھیں حضور مجاہد ملّت سے کئی نسبتیں حاصل تھیں۔ وہ حضور مجاہد ملّت کے شاگرد بھی تھے، مرید بھی تھے، خلیفہ بھی تھے اور مشیر بھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے جنون کی حد تک وفاداری حضور مجاہد ملّت کی کتابِ حیات کا بھی پیش لفظ اور مفتیٔ اعظم اڑیسہ کی حیات کا بھی پیش لفظ تھا۔ یہ بے بہا دولت سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کو بھی وراثت میں ملی۔ قدسی میں اپنے والد ماجد کی جانشینی کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ان کے والد ماجد نے اپنی حیات کے جو دائرے بنائے ہیں قدسی اب تک اس دائرے سے باہر نہیں ہوئے ہیں۔ ان کی ساری جدو جہد اپنے والد کے بنائے ہوئے دائرے کے اندر ہو رہی ہے۔ جبکہ ان کے بعض بھائیوں نے اس دائرے کے سارے تانے بانے کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا ہے۔ قدسی اپنے والد سے ملی ہوئی امانتوں کو پورے طور پر سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اخلاف کی تربیت بھی اپنے والد کی امانتوں کی روشنی میں کی ہے۔

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا علمی قد بہت بلند ہے۔ وہ مروجہ علوم وفنون کی نزاکتوں سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اصنافِ شعر وسخن کو بھی نئی تب وتاب دی ہے۔ نعتیہ ادب کے فروغ میں انہوں نے جو رول ادا کیا ہے اور کر رہے ہیں اس کی بہت دنوں تک سراہنا ہوتی رہے گی۔ قدسی کے شعری اظہارات کی اہلِ زبان وادب نے تحسین کی ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف مختلف افراد وشخصیات نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ جماعت اہلِ سنّت میں قدسیؔ پہلے فرد ہیں جنھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا منظوم تعارف پیش کیا ہے۔ اس تعلق سے ان کی کتاب ''بس یہی ہے راہِ جنت'' زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر اہلِ علم، اہلِ زبان اور اہلِ عقیدت سے پذیرائی کی سند حاصل کر چکی ہے۔ انہوں نے نظم کے ساتھ نثر میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت کی پُرزور وکالت کی ہے۔ ان کی نثریات میں اس کے گہرے نقوش دیکھے جا سکتے ہیں۔ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت کو انہوں نے زخموں کی جو سوغات دی ہے وہ بھی تاریخ کا ناقابلِ فراموش باب ہے۔ یہاں ان کی ایک نظم ملاحظہ کریں:

عدوِ مسلکِ احمد رضا فتنوں سے باز آؤ کرو شرمِ نبی خوفِ خدا فتنوں سے باز آؤ
خس و خاشاک بن کر بہہ نہ جاؤ قہرِ خالق سے حسد کی یوں نہ پھیلاؤ ہوا فتنوں سے باز آؤ
زباں تم کھولنے سے پہلے اپنا علمی قد دیکھو کہاں تم اور کہاں علمِ رضا فتنوں سے باز آؤ
زباں تھکتی نہیں تھی اعلیٰحضرت، اعلیٰحضرت سے اچانک تم کو یہ کیا ہو گیا فتنوں سے باز آؤ
کبھی کچھ تو کبھی کچھ کیسی یہ عادت بنا لی ہے اسی کو کہتے ہیں مکر و دغا فتنوں سے باز آؤ
تم اپنا ہاتھ پاؤں جتنا چاہو مار لو لیکن رہے گا حشر تک نامِ رضا فتنوں سے باز آؤ
دیا جس نے تمہیں سرمایہ حق کا، اس سے غداری تمہارا ہے یہی طرزِ وفا فتنوں سے باز آؤ
رضا کے مسلکِ حق پر رہو سختی سے تم قائم ذرا سوچو یہ کس کا ہے کہا، فتنوں سے باز آؤ
صدا یہ آ رہی ہے حافظِ ملت کے روضے سے نہ ڈھاؤ مجھ پہ تم جور و جفا فتنوں سے باز آؤ
مری مانو کرو جا کر بریلی توبۂ خالص کھلا ہے اب بھی دربارِ رضا، فتنوں سے باز آؤ
سر اپنا پھوڑتے رہ جاؤ گے دہلیز عداوت پر اٹل ہے ایسی تحقیق رضا فتنوں سے باز آؤ
یہ صلح کلیت کی حرکتیں تم کو ڈبو دیں گی ہلاکت خیز ہے ایسی فضا فتنوں سے باز آؤ

ہے قدسیؔ کا یہ تم سے مخلصانہ مشورہ پیہم
کرو وہ جس سے راضی ہو خدا، فتنوں سے باز آؤ

حضور مجاہد ملّت کو سیّد اولادِ رسول قدسیؔ نے نثر اور نظم دونوں میں قابلِ قدر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ''حضور مجاہد ملّت کا گوشۂ حیات'' حضور مجاہد ملّت سے ان کی گہری عقیدت کی ایک مدھم سی روشنی ہے۔ چونکہ یہ کتاب عجلت میں ترتیب دی گئی تھی، راقم مذکورہ کتاب کی ترتیب کا عینی شاہد ہے۔ کتاب پہ راقم کا پیش لفظ بھی ہے۔ کسی کتاب کی ترتیب شعور کی جس پختگی کا تقاضا کرتی ہے، دونوں میں شعور کی وہ پختگی نہ تھی۔ اس لیے کتاب کو جو پذیرائی ملنی چاہیے تھی وہ نہ مل سکی۔ اس کتاب کی حیثیت بھی تمہید کی ہے۔ ممکن ہے وہ اس حوالے سے از سرِ نو کوئی نیا دائرہ بنانے کی کوشش کریں۔ چونکہ ان کی آنکھوں میں حضور مجاہد ملّت کے بے شمار جلوے محفوظ ہیں، اگر وہ صرف ان جلوؤں کو تحریر کا پیرہن دے دیں تو ایک جامع کتاب

وجود میں آسکتی ہے۔ مگر اب ان کی فکر کی خوشبو امریکہ کی فضاؤں میں تحلیل ہو چکی ہے۔ شاید اب وہ اس حوالے سے کوئی پیش رفت نہ کر سکیں۔ پھر بھی ان کی ذات سے بہت ساری امیدیں اور امکانات ہیں۔ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو آج بھی اپنے گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے شعری سفر سے اس جذبے کو تقویت ملتی ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی حیثیت شجر سایہ دار کی ہے۔ ان کے شجر حیات کی ہر ٹہنی خوشبو دیتی ہے اور ایسی خوشبو دیتی ہے جس سے ماحول معطر ہو جاتا ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کی دنیا بہت بڑی ہے، اس میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اہلِ علم بھی ہیں، اہلِ فکر بھی ہیں، اہلِ فقہ و فتاویٰ بھی اور اہلِ زبان و قلم بھی ہیں۔ ان کی بارگاہ میں زبانی خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال ان کے عرس میں پانچ لاکھ سے زائد زائرین شریک ہوتے ہیں۔ ان زائرین کی عقیدت کا شباب ایامِ عرس ہی میں نظر آتا ہے، پھر پورے سال سنّاٹا رہتا ہے۔ وہ صرف لینے کے لیے آتے ہیں۔ حضور مجاہد ملّت کی حیات میں بھی لینے والوں کا بہت بڑا سلسلہ تھا۔ اہلِ ضرورت سے ان کا رشتہ مثالی تھا۔ اور بعد وصال بھی ان کا بابِ جود و سخا کھلا ہوا ہے بلکہ اب اس میں بہت وسعت آ گئی ہے۔

حضور مجاہد ملّت (۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) کی حیات و خدمات اور دینیات کے حوالے سے جو کتابیں منظر عام پہ آئی ہیں، بہت محدود ہیں۔ ان میں رسائل کے نمبرات کی اپنی اہمیت ہے۔ ان میں کوئی بھی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں شخصیت کی حیات کے ہر پہلو کی ترجمانی کی گئی ہو۔ بلکہ ان میں اکثر ایسی ہیں جو ان کی بعض خصوصیات سے متعلق ہیں، اور خصوصیات پہ بھی مکمل گفتگو نہیں ملتی۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے قاری کی تشنگی دور نہیں ہوتی، وہ قدم قدم پر ناآسودگی کا احساس کرتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ یہ عقیدت کی جُز وقتی لہریں ہیں۔ عقیدت میں شدت بڑھی قلم، دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ گئے، زندگی مصروف ہو گئی۔ سوچنے، سمجھنے اور مطالعہ کے لیے وقت نہیں ہے اس لیے جو لکھا تھا اسی کو مکمل سمجھ کر چھاپ دیا۔ اہلِ علم و فن پہ اس تحریر کے اثرات کیا مرتب ہوں گے، اس پہلو پہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

حضور مجاہد ملّت مکمل شخصیت کے مالک تھے۔ ملک وملت کی زندگی کے ہر شعبے میں انہوں نے اصلاحات کے چراغ روشن کیے ہیں۔ وہ کیا تھے اور کیا چاہتے تھے؟ اس حوالے سے ہمارے اندر آج بھی بیداری نہیں آئی ہے۔ چونکہ ہمارے ذاتی مفادات ہیں، ہم اپنے مفادات کے حصار سے نکلنا پسند نہیں کرتے۔ شخصیات ذاتی مفادات سے بالاتر ہوتی ہیں۔ ہم جب تک ذاتی مفادات کا حصار نہیں توڑتے اس وقت تک شخصیات کا تحفظ اور ان کے جذبات واحساسات کی تزئین نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی درست ہے کہ اس راہ میں قدم قدم پر پتھر تو ملتے ہیں، حوصلہ افزائی کے الفاظ نہیں ملتے۔ حوصلہ افزائی سے بھی رہگذر شاداب ہوجاتی ہے اور خاردار وادیاں گل بدوش نظر آنے لگتی ہیں۔ ہماری بے توجہی نے بے شمار ہیروں کو زمین دوز کردیا ہے اس لیے وقت کا جبری تقاضا ہے کہ ہم اپنے خیالات کی بوسیدہ چادروں سے باہر آئیں اور اسلاف شناسی کی لرزتی، لڑکھڑاتی اور ٹوٹتی ہوئی دیواروں کی پائیداری کا موثر سامان بن جائیں۔ ہم اپنی فکر سے بے نیاز ہیں تو کم از کم آنے والی نسلوں کے جینے کا سامان بن جائیں۔

حضور مجاہد ملّت مدینے کی آواز تھے۔ ان پہ ہر وقت مدینے کے عشق کا بخار اور خمار طاری رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حادثات کی تیز دھوپ ان کے حوصلے پہ قطعی اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ تپتے ہوئے صحراؤں سے وہ اس طرح گذر جاتے تھے جیسے کوئی مخمل بدوش راہوں سے گذرتا ہے۔ اب تو بس ایک ہی دھن ہے کہ مدینہ چلیے۔ ان کے محرابِ دل سے ہر وقت یہی صدا بلند ہوتی تھی، ”کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے“ یہی دعا ان کے لب پہ ہر وقت مچلتی رہتی تھی۔

مجاہد ملّت کے ۹۹ رقصے، یہ نام حضور مجاہد ملّت کی حیات سے میل نہیں کھاتا، اس کتاب کے مرتب ہیں حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالمسجود قادری حبیبی۔ یہ مفتیٔ اعظم اڑیسہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بھدرک کی سرزمین پر ایک زمانے سے مسند افتاء کی رونق بنے ہوئے ہیں۔ علمی اعتبار سے موصوف کا قد بہت بلند ہے۔ زبان وبیان پہ بھی گہری نظر ہے۔ کئی علمی کتابوں کے مرتب ومصنف ہیں۔ اصلاح پسند طبیعت کے مالک ہیں۔ حضور مجاہد ملّت سے

نسبت ارادت بھی رکھتے ہیں۔ ''مجاہد ملّت کے ۹۹ ر قصے'' اسی نسبت ارادت کی ایک کرن ہے۔ کتاب کا نام ان کے اصلاحی شعور کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنی ہر بات عام فہم لفظوں میں بیان کرنے کے قائل ہیں، تا کہ مطالعہ کے دوران عام قاری کو الجھنوں کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ ان کے فتاوے کی زبان میں بھی بڑی سادگی ہوتی ہے۔ راقم کو اکثر مفید مشورے اور پُرخلوص دعاؤں سے نوازتے رہتے ہیں۔ مجاہد ملّت کے ۹۹ ر قصے میں حضور مجاہد ملّت سے ان کی وفاداری ورق ورق سے جھلکتی ہے۔ واقعات کی جمع و ترتیب میں انہوں نے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ کسی بھی مقام پہ قاری کے ذوقِ لطیف کو ٹھیس نہیں لگتی۔ یہی وجہ ہے کہ کم مدت میں کتاب کی کئی اشاعتیں ہوئی ہیں۔ اڑیا زبان میں بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے اور یہ کام ان کے صاحبزادے جناب سیّد عبد السبوح رضوی نے کیا ہے۔ اگر کتاب کا نام ''مجاہد ملّت کی حیات کے تابندہ نقوش'' رکھا جاتا تو اس کی مقبولیت کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا۔ بہر حال ان کا انتخاب ہے ہم اسے چیلنج نہیں کر سکتے۔ ان سے بہت ساری جماعتی توقعات وابستہ ہیں۔ ہم ان کی طویل عمر کے لیے دعا گو ہیں۔

حضور مجاہد ملّت علم نواز، غریب پرور اور تصوف پسند طبیعت کے مالک تھے۔ ان سے ان کے کسی عقیدت مند نے سوال کیا کہ آپ کے دار العلوم میں ہمیشہ طلبہ کا ہجوم رہتا ہے مگر ان میں کامیاب طلبہ کا تناسب ہمیشہ کم دیکھا گیا ہے۔ آخر ہجوم رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ کم طلبہ رکھیں اور انہی پہ محنت کریں تو آپ نے جواب دیا کہ ہم اسی ہجوم میں ہیرے تلاش کرتے ہیں۔ جو ہمارے کام کے ہوتے ہیں انھیں ہم لے لیتے ہیں، بقیہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہماری نگاہ کیفیت پہ ہوتی ہے کمیّت پہ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ اور خلفاء کی تعداد بہت کم ہے۔ آپ کے خلفاء اور تلامذہ دونوں انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ آپ مرید کرنے میں بھی بہت محتاط تھے، جب بھی کوئی آپ سے مرید ہونے کی خواہش کا اظہار کرتا تو آپ اسے سمجھاتے کہ مجھ سے اچھے پیر موجود ہیں، تم ان سے مرید ہو جاؤ۔ جب سائل کا اصرار بڑھتا تب آپ اسے داخلِ سلسلہ فرما لیتے۔ اس حوالے سے آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا

کہ اکثر فرماتے میں کسی کو اپنا مرید نہیں بناتا، غوثِ اعظم کا مرید بناتا ہوں۔ مجھ سے تو اپنے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھتا دوسروں کا بوجھ کیسے اُٹھا پاؤں گا۔ اس عہد میں ایسی سادگی، عاجزی اور انکساری دیکھنے کو نہیں ملتی۔ پیروں کے دستے اہلِ ثروت کی تلاش میں ہوتے ہیں، ان کی نگاہ مال پہ ہوتی ہے اعمال پہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریکی دن بدن گہری ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے اسلاف واکابر کی نگاہ اعمال پہ ہوتی تھی۔ ان کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ کاش! مسلم معاشرہ نیکیوں کے نور میں نہانے لگے۔

ہم نے حضور مجاہد ملّت کی زیارت نہیں کی ہے، یہ ہماری کم نصیبی کی روشن علامت ہے۔ مگر ان کے چند خلفاء کی پاکیزہ تصویریں ہماری آنکھوں میں محفوظ ہیں۔ ان کے جن خلفاء نے راقم کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، ان میں استاذی الکریم شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین قادری حبیبی الٰہ آبادی علیہ الرحمہ، حبیب ملّت حضرت مولانا عبدالتواب صدیقی قادری حبیبی، حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمٰن قادری حبیبی اور حضرت مولانا ظفرالحسین ظفر قادری حامدی پوکھریروی۔ مذکورہ حضرات کو حضور مجاہد ملّت کا نقش نہیں تو عکس ضرور کہا جاسکتا ہے۔ حضور شمس العلماء اور حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی یہ دونوں شخصیات جماعتی اثاثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں میں بھی استاذ شاگرد کا رشتہ ہے۔ حضور شمس العلماء تاحیات درس و تدریس سے جڑے رہے۔ اس کے باوجود ان کے تلامذہ اور مستفیدین کی تعداد بہت کم ہے۔ حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی اور پاسبانِ ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی یہی دونام ان کے تلامذہ کی فہرست میں سب سے روشن و نمایاں ہیں۔ پاسبانِ ملّت علم وعرفان کا قطب مینار تھے۔ حضور مجاہد ملّت ان کے ناز اُٹھاتے تھے۔ ان کی ذات مذہب حقہ مسلک اعلیٰ حضرت کا بے غبار آئینہ تھی۔ حضور مجاہد ملّت کے خوابوں کو تعبیر کا لباس دینے میں انہوں نے سرفروشانہ جدوجہد کی ہے۔ جب ان کی یادیں آتی ہیں تو دل کی دہلیز پر ان کی زندگی سے وابستہ سارے واقعات آئینے کی طرح جھلکنے لگتے ہیں۔ ان کی قربانیاں لفظوں کے پیرہن کا تقاضا کرتی ہیں مگر ہم پہ غفلت کی کائی تہہ بہ تہہ گہری

ہوتی جارہی ہے۔

حضور مجاہد ملّت کے خلفاء میں ایک نام ایسا ہے جو بار بار ہماری سماعتوں سے ٹکراتا ہے۔ ان کی ہم نے جب بھی زیارت کی ہے، حضور مجاہد ملّت کا سراپا نگاہوں میں گھومنے لگتا ہے۔ اس قحط الرجال میں ان کا وجود بہت غنیمت ہے۔ وہ زندگی کی آخری سیڑھی پہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان سے رابطے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں مل سکی۔ یہ نام ہے پیر طریقت حضرت مولانا عبدالتواب صدیقی حبیبی کا۔ حضور مجاہد ملّت کی ذات سے متعلق ان کی دو کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ''قاضی حرم سے مجاہد ملّت کا مکالمہ'' اور ''ہمارے مجاہد ملّت'' یہ کتابیں لاکھ کوشش کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکیں۔ بہرحال امیدیں ختم نہیں ہوئی ہیں کتابوں کے حصول کی کوششیں جاری ہیں۔ حضور مجاہد ملّت پہ کتابوں کی جو فہرست ہے، اس میں یہ دونوں کتابیں شامل ہیں۔ اس مقالے میں جن کتب و رسائل کا اشاریہ شامل ہے ذیل میں اس کی فہرست ملاحظہ کریں۔

ماہنامہ اشرفیہ کا مجاہد ملت نمبر ---------------- ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر
پندرہ روزہ نوائے حبیب کولکاتا کا مجاہد ملّت نمبر ---------- پروفیسر شاہد اختر
سہ ماہی تبلیغ سیرت کا مجاہد ملّت نمبر ---------------- مولانا مجاہد حسین حبیبی
مجاہد ملّت کا حرفِ حقانیت -------- حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
مردِ جوزاء مجاہد ملّت -------- حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
حضور مجاہد ملّت اور مسلک اعلیٰ حضرت -- حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
حضور مجاہد ملّت کا گوشۂ حیات -------------- سیّد اولادِ رسول قدسیؔ
تذکرۂ سرکار مجاہد ملّت اور ان کے پیر و مرشد ------ حضرت مولانا غلام صادق حبیبی
حکایاتِ باستانی مجاہد ملّت کی زبانی ---- حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
مجاہد ملّت کے ۹۹ رقصے ---- مفتی اعظم بھدرک حضرت مولانا سیّد عبدالمسجود قادری حبیبی
حبیب اسیر ---------------- حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی

حضور مجاہد ملّت کے وصال پُر ملال کو قریب قریب ۴۳ سال کا طویل عرصہ بیت گیا مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی ہماری بزم سے اُٹھ کر گئے ہیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ سماعتوں سے ٹکرا رہی ہے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عوامی زندگی سے ہمیشہ قریب رہے۔ اہلِ حاجت کی حاجت پوری کرتے تھے، اہلِ درد کا درد بانٹتے تھے اور سائلوں کے سوالات بغور سنتے تھے۔ انہوں نے اپنے دروازے پر کبھی دربان نہیں رکھا۔ قید و بند میں رہ کے بھی محتاجوں تک ان کی عطیات پابندی کے ساتھ پہنچتی تھیں۔ حضور ریحان ملّت علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد ملّت جیل میں تھے مگر غربا و مساکین کی ایک جماعت یہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت فلاں دن تشریف لائے اور ہمیں اناج، کپڑا، روپیے و دیگر ضروریاتِ زندگی کا سامان عنایت فرما گئے ہیں، اور وہ سامان بھی دکھاتے تھے۔ یہ بات بہت معروف تھی۔ جب میں حضرت مجاہد ملّت کی زیارت کے لیے گیا تو پہلے ان لوگوں سے ملاقات کی، انہوں نے سامان دکھاتے ہوئے تصدیق کی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں اور یہ سارے سامان آپ ہی عنایت فرما گئے ہیں اور ہر کوئی اپنا علیٰحدہ علیٰحدہ واقعہ بیان کرتا۔ پھر فقیر حضرت مجاہد ملّت کی زیارت کے لیے جیل گیا تو دورانِ گفتگو یہ واقعات بیان کیے۔ آپ خاموش رہے، دوبارہ بااصرار دریافت کیا تو آپ پہ گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا میں تو ایک گناہگار انسان ہوں، ہمارے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیارات عنایت فرمائے ہیں۔ (سہ ماہی تبلیغ سیرت کا مجاہد ملّت نمبر ص: ۵۷)

حضور مجاہد ملّت کی بارگاہِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بڑی وجاہت تھی۔ مذکورہ واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت مولانا عارف قادری ضیائی نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ سنوسی الہند مجاہد اعظم علامہ سیّدی محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس سرہٗ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی حاضری کے سفر کی تیاری میں مصروف روزے سے تھے اس لیے

افطار کے لیے مکہ شریف سے کچھ فواکہ خریدے اور ایک زمزم شریف کا کین ساتھ کرلیا۔ راستے میں صحرا میں افطار کا وقت ہونے والا تھا، قریب کوئی استراحہ (ریسٹورنٹ) نہ تھا۔ صحرا ہی میں ویگن روک دی گئی، پلاسٹک کی چٹائیاں بچھا کر بیٹھ گئے۔ فواکہ اور زمزم دیکھا تو موجود نہ پایا، یعنی مکہ مکرمہ میں ویگن پر رکھنا ہی بھول گئے تھے۔ اتنے میں ایک گاڑی بڑی تیز رفتاری سے آکر ہمارے قریب رکی، اس میں سے ایک بڑے باوقار، بارعب اور وجیہہ بزرگ نکلے۔ مجاہد ملّت فوراً تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے، دوسرے ساتھی بھی کھڑے ہوگئے۔ وہ بزرگ طرح طرح کے فواکہ اور زمزم کا کین رکھتے ہوئے سلام مسنون کہا اور حضرت مجاہد ملّت سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: **یاشیخ! کلوا واشربوا سبع من رزق مااعطیٰ اللّٰہ۔** یا شیخ! اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے خوب کھاؤ پیو اور فوراً سلام کہتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوکر چل پڑے۔ سیّدی مجاہد ملّت قبلہ قدس سرہٗ العزیز پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور دیر تک گریہ طاری رہا۔ آپ بار بار فرماتے ”حبیب الرحمٰن تم نے صبر کیوں نہ کیا؟ حبیب الرحمٰن تم نے صبر کیوں نہ کیا؟ (سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملّت نمبر ص: ۵۷)

حضور مجاہد ملّت نے اپنی تمام تر اعلیٰ خصوصیات کو اپنی سادگی کی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ انہوں نے ذاتِ الٰہی سے گرویدگی کو ہمیشہ باحجاب رکھا۔ جن لوگوں نے کبھی انھیں بےحجاب دیکھا وہ ہمیشہ کے لیے ان کی محبت کے سمندر میں غرق ہوگئے۔ حضرت ٹوپی والے بابا ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انھیں ان کی ذات کا عرفان ہوچکا تھا۔ متدین علماء سے انھیں محبتیں تھیں مگر وہ خاص وجوہات کے باعث علماء سے ملنا انھیں پسند نہ تھا۔ ان کے دربار تک جن لوگوں کی رسائی ہوجاتی تھی انھیں وہ سمجھاتے تھے کہ آپ قوم کے ہادی و رہنما ہیں، آپ کا یوں ہم سے ملنے میں ان کی عقیدتوں کو چوٹ لگے گی۔ مگر حضور مجاہد ملّت سے ان کے رابطے کی نوعیتیں جداگانہ تھیں۔ حضور مجاہد ملّت کا نام سن کر ان کی آنکھیں روشن ہوجایا کرتی تھیں، ان کے نام پہ وہ ہر وقت قربانی کے لیے خود کو آمادہ رکھتے تھے۔

حضور مجاہد ملّت کی زندگی کو ہمارے نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔ ہم خود بھی ان سے قریب

رہیں، اپنے بچوں کو بھی ان سے بہت قریب کرنے کی کوشش کریں۔ ان پہ اب تک جو کتابیں اور رسائل آئے ہیں، ہم ان کی جستجو میں مصروف ہیں۔ اس باب میں اگر ہمیں کامیابی مل جاتی ہے تو ان کتابوں کی روشنی میں ان کی حیات کا ایک نیا سورج ہم اپنے قارئین کے حضور لانے کی کوشش کریں گے۔ اب ذیل میں کتب و رسائل کا اشاریہ ملاحظہ کریں۔

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور مجاہد ملت نمبر

سن اشاعت مئی ۱۹۸۲ء

صفحات ۲۵۶

خطوط	اکابرین ملت
نوائے آغاز	سید شمیم گوہرؔ
حضور مفتی اعظم ہند کی رحلت	سید شمیم گوہرؔ
بسیار خوباں دیدہ ام	سید شمیم گوہرؔ
منقبت	حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری
مجاہد ملت بہ حیثیت مناظر	حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی
باب الاستفتاء	حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی
نذر عقیدت	حکیم شاہ محمد یونس نظامی
مجاہد ملت کی ذات باصفات	حکیم شاہ محمد یونس نظامی
سرفروشان حق کے امیر	حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی
نذر عقیدت	حضرت ڈاکٹر شرر مصباحی نئی دہلی
مجاہد ملت کو صدر الشریعہ کا دیدار	حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری
اے شان مجاہد	پروفیسر انجم عرفانی
مجاہدانہ کردار کے پیکر، مجاہد ملت	علامہ شاہ عزیز احمد، ابوالعلائی
منقبت	مولانا اسلم بستوی

حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ	حضرت سید شاہ محمد خالد ابو العلائی
مجاہد ملت : ایک تاثراتی خاکہ	مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری
مجاہد ملت : ایک پیکر عزیمت	مولانا عبد المبین نعمانی
مجاہد ملت کی ایک کرامت	جناب ہاشم صدیقی
مجاہد ملت، ایک فقیہ، ایک ولی	حضرت راز الٰہ آبادی
مجاہد ملت کے رفقائے درس	مولانا محمود اختر القادری
عرس چہلم کا آنکھوں دیکھا حال	جناب فروغ احمد اعظمی
حضور مجاہد ملت: نائب رسول	جناب غلام جیلانی مرادآبادی
وصل الحبیب الی الحبیب	جناب اشرف رضا قادری
نذر حبیب	جناب نورانی مصباحی
مجاہد ملت	جناب محمد علی قاضی میسوری
مرد حق شناس، مجاہد ملت	جناب قاری محمد اسمٰعیل عزیزی
مجاہد ملت کا مجاہدانہ کردار	جناب ڈاکٹر منور علی انصاری
اہل سنت کا تاجور	جناب خورشید جان قریشی
مجاہد ملت کا انداز تواضع	جناب سید عالم فیض آبادی

پندرہ روزہ نوائے حبیب کولکاتا مجاہد ملت نمبر

صفحات ۴۹۸

سن اشاعت ۱۹۸۶ء

پیغامات اکابر ملت

اداریہ	پروفیسر شاہد اختر
مجاہدانہ زندگی قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا شبنم کمالی
خاکی ونوری نہاد	پروفیسر شاہد اختر

ایک یادگار نظم	ادارہ
سند خلافت	قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد مدنی
تواریخ وصال	ماخوذ
طالب آنست	مولانا عبد الجبار رہبر اعظمی
ایک شخص ایک انجمن	پروفیسر غلام یحیٰ انجم علی گڑھ
بارگاہ رسالت میں مجاہدانہ سلام	مولانا منشا تابش قصوری پاکستان
جہاں گیر و جہاں دار	مولانا حکیم خلیل احمد جائیسی علی گڑھ
عشق رسول	شمس العلماء مولانا نظام الدین بلیاوی
ایک اہم مکتوب	حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ
سماجی خدمات	الحاج نعمت اللہ حبیبی ایڈوکیٹ
تعویذ نویسی	مدثر حسین حبیبی
کلام اقبال کے آئینے میں	بدر الدین بدرؔ ایڈوکیٹ
آفتاب سنیت	مولانا انور علی رضوی بنارس
سیاسی زندگی منظر پس منظر	ڈاکٹر شوکت علی صدیقی
جامع علوم و فنون	مولانا عبد الکریم نعیمی بنگلہ دیش
طبیب حاذق	حکیم محمد کاظم احمد قادری
تقویٰ اور مناظرانہ شان	ضامن علی گونڈہ
بحیثیت مناظر	مولانا عبد المبین نعمانی
دارا و سکندر سے ہے	مولانا قمر الحسن بستوی ایم اے
دینی خدمات	سید اعجاز احمد مدنی ایم اے بمبئی
تحریک خاکساران حق	مشتاق احمد خاکسار
آفتاب علم و فن	عبد الحکیم نوری، تامل ناڈو

مجاہد ملت کی حق گوئی	محمد جابر حسین حبیبی ہوڑہ
بلندیوں پہ وہ۔	نازاں فیضی گیاوی
مرشد کامل	بیگم نور جہاں شاہد ہگلی
رئیس وقت کا انداز فقیرانہ	مولانا افتخار احمد قادری، سعودی عرب
دانائے راز	مولانا نسیم بستوی
نمازوں کا عالم	محمد رفیع حبیبی مولانا آزاد کالج

یادوں کے دریچے : مولانا رکن الدین اصدق، مولانا عین الضحیٰ، مولانا شبنم کمالی، مولانا راہی ضیائی، مولانا اقبال احمد، مولانا بدر عالم، مولوی علاء الدین، مولانا عبدالعزیز، مولانا عبدالحکیم رضوی، مولانا غلام صابر سندیلوی

آفتاب علم ومعرفت	حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ
سجادہ نشیں خانقاہ حبیبیہ سے ملاقات	علی اشرف چاپدانوی
میدان عمل کا مجاہد	خورشید جان کشمیر
مجاہد کی شان	مولانا عبدالرب حبیبی قبلہ
حج اور سعودی مظالم	عبیداللہ خان اعظمی
رہبران راہ معرفت	علامہ عبدالکافی از عبدالباری بی اے

شیخ المشائخ اشرفی میاں از مولانا احمد القادری، حجۃ الاسلام از مولانا عبدالمصطفیٰ رضوی نیپالی، قطب مدینہ از علی اشرف چاپدانوی،

اساتذہ: صدر الافاضل از مولانا وارث جمال بستوی، صدر الشریعہ از مبارک حسین قدیری، مفتی عبدالقدیر بدایونی از محمد علی بسمل، مولانا مصباح الحسن از مولانا محمود احمد قادری کانپوری

علم وکرامت کا سنگم	مولانا غلام جیلانی مگدھ گیا

منظومات: علامہ اختر رضا خاں ازہری، سید محمد اختر کچھوچھوی، میکائیل ضیائی، ڈاکٹر مانی بستوی، شمس الہ آبادی، اجمل سلطان پوری، بیکل اتساہی، وصی سیتا پوری، یوسف ثانی،

اوج اعظمی، ترنم فیضی، مولوی غلام مصطفیٰ حبیبی، راہی ضیائی، نظام الدین اویسی، قیصر بہرائچی، کمال احمد جمشید پور، اسلم منظر، مطرب بلیاوی، واعظ الحق مضطر، اطہر سکندر پوری، اسلم بستوی، اجمل اعظمی، احسان اعظمی، مجید سورانوی، قاری مجیب الرحمن علیہ الرحمہ، تجمل علی فہمی، محمد نذیر احمد آباد، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر، پروفیسر انجم عرفانی، اکمل اجملی، کمال الدین کمال، مشتاق احمد نظامی، مظفر احمد بدایونی، نازاں گیاوی، قمر بستوی، پروفیسر غلام یحیٰ انجم، حلیم حاذق، نسیم شاہ جہاں پوری، شاکر صدیقی چھتاروی۔

دیگر قلم کار:

محمد اصغر حبیبی ایم اے، عبد الغفار حبیبی دھام نگر، حجن خیر النساء صاحبہ، بیگم شہناز، مدثر حسین، بیگم طیبہ، شمیم خان، محمد اسرائیل نقش بندی بنگلہ دیش، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مولانا ابو داؤد، محمد صادق پاکستان، محمد ماہر سلطانپوری، علامہ مشتاق احمد نظامی، مولانا شمیم الزماں، عبد القدیر خاں بنارسی، قاری نشاط رحمانی، مولوی احمد حسین تیغی، محمد سعید جیلانی کانپوری، محمد مصعب خان گونڈوی، مولانا عبد الرؤف بھاگلپوری، نظام انور، سید الزماں حمدوی،

انگریزی مضامین کے قلم کار:

محمد اصغر حبیبی ایم اے، علاء الدین قیصر، فاروقی صاحب

سہ ماہی تبلیغ سیرت کولکاتا، مجاہد ملت نمبر کا اشاریہ

سن اشاعت ۲۰۰۷ء

صفحات ۵۹۴

پیغامات وتاثرات	اکابر علما و دانشوران، قوم ملک و بیرون ملک
اداریہ	پروفیسر شاہد اختر حبیبی، ہگلی
میں چراغ رہ گزر ہوں۔۔۔۔۔	محمد مجاہد حسین حبیبی، کولکاتا
مجاہد ملت کا اجمالی تعارف	شیخ محمد عارف ضیائی مدنی صاحب قبلہ، مدینہ شریف

سرفروشان حق کے امیر بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ، گھوسی
مجاہد ملت: اقبال کا مرد مومن علامہ سید وجاہت رسول قادری، کراچی
قہاری وغفاری وقدسی جبروت پروفیسر شاہد اختر حبیبی، ہگلی
مجاہد ملت: قرآن وحدیث کی روشنی میں مولانا شبنم کمالی علیہ الرحمہ، دربھنگہ
مجاہد ملت کی عہد حاضر میں معنویت پروفیسر ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، دہلی
مجاہد ملت کا پیغام عمل علامہ یٰسین اختر مصباحی، دہلی
مجاہد ملت کے جد اعلیٰ کے مختصر حالات ملا محمد نافع حسن حبیبی
مجاہد ملت: بحیثیت مناظر فقیہ اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ
مجاہد ملت کی زریں یادیں ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی حبیبی، گھوسی
وہ ایک دیوانہ پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی، علی گڑھ
مجاہد ملت اور کچھ یادیں مفتی عبد الواجد رضوی، ہالینڈ
نقوش حیات مجاہد مفتی محمد عابد حسین مصباحی نوری، ٹاٹا
مجاہد ملت ایک مرد قلندر مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، ناگپور
کچھ یادیں کچھ باتیں مولانا الحاج شاہ قاری محمد نعمت اللہ حبیبی، بھدرک
مجاہد ملت کی روداد اسیری الحاج مدثر حسین حبیبی، کولکاتا
مجاہد ملت نوید اعلیٰ حضرت علامہ بدر القادری، ہالینڈ
سیدی مجاہد ملت علیہ الرحمہ علامہ شمیم اشرف ازہری، ماریشش
حضور مجاہد ملت: ایک مصلح قوم پروفیسر جمیل احمد، کولکاتا
مجاہد ملت کی سیاسی بصیرت ڈاکٹر شوکت علی صدیقی، چترا (جھارکھنڈ)
آئین جواں مرداں مولانا سرفراز احمد برکاتی، ناگپور
خدمات مجاہد ملت: ایک مختصر جائزہ ماسٹر فیروز خان رضوی، کولکاتا
ایک صوفی ایک مجاہد مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، گھوسی

تذکرہ سرکار مجاہد ملت اور ان کے پیر و مرشد کا اشاریہ

مصنف: مولانا سید غلام صادق ہاشمی عباسی حبیبی

صفحات ۲۳۲
سن اشاعت: ۲۰۰۲ء

نذر عقیدت
تقریظ جلیل

تاثرات
عرض حال

تذکرہ
پیر و مرشد سرکار مجاہد ملت

حضرت علامہ عبد الکافی صاحب قبلہ
ولادت

تعلیم و تربیت
فراغت

بیعت و خلافت
تدریس

تدریس
انداز مطالعہ

خطابت
علم و فضل

امامت
مرید و خلفاء

تصانیف
زہد و تقویٰ

تنقیدی نظر
تذکرہ

حضرت حکیم احسن صاحب قبلہ
حکیم بادشاہ

تذکرہ
شیخ المشائخ حضور سید اشرفی میاں صاحب قبلہ

سوانح حضور اشرفی میاں
تاریخ پیدائش

ابتدائے وقت
بیعت و خلافت و ارادت

خاتم الخلفاء
سجادہ نشین

علوم باطنی
زیارت حرمین شریفین

رشد و ہدایت
شیخ المشائخ امام اہلسنت کی نظر میں

اولاد
خلفاء و مریدین

حضرت بحیثیت مفسر — حضرت بحیثیت محدث
حضرت بحیثیت مفتی — حضرت کی انکساری
حضرت کی مہمان نوازی — حضرت کی فیاضی اور سخاوت
حضرت کی خوش مزاجی — حضرت کا صبر وتحمل
حضرت کا تقویٰ — حضرت کا اتباع سنت
حضرت کی حق گوئی وبیبا کی
حضرت کا کانگریس کی تائید اور حکومت ہند سے مطالبات
حضرت کا انسداد فسادات — حضرت کے ارشادات
حضرت کی کرامات — حضرت کا علالت سے وصال تک

مرد جوزاء مجاہد ملت
مصنف حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن قادری حبیبی
سن اشاعت شوال ۱۴۲۶ھ — صفحات ۴۵۲
ہفت سیارگان یا دوسرے ستاروں کے مخصوص برجوں یا منزلوں میں ہونے سے متعلق عقیدۂ حقہ
دوازدہ بروج اور برج جوزاء — حضور مجاہد ملت مرد جوزاء تھے
عام اہل تجربہ کے نزدیک مرد جوزاء کے حالات وصفات
حضرت علامہ واحدی اور مرد جوزاء سے متعلق آپ کا ارشاد
مرد جوزاء حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ کی گویائی — مناظرانہ گفتگو
سعودی عرب کے وہابی بڑے قاضی سے گفتگو
گفتگو کر کے عاجز کرنا — طالب علمی کے زمانے میں مباحثہ
علمی باتیں — مطبوع ملفوظات علمیہ
غیر مطبوع ملفوظات علمیہ — تقریر

باتیں اور باتوں کا جواب | واقعاتِ گذشتہ کا ذکر
تعلیم آداب | کلماتِ مفیدہ
محبت | سادگی
اشعار | ظرافت

نام کتاب: مجاہد ملت کا حرف حقانیت
نام مصنف: مولانا مفتی محمد عاشق الرحمن قادری حبیبی
صفحات: ۲۹۲
سن اشاعت اول: ۱۴۰۶ھ
سن اشاعت دوم مع ضمیمہ: ۱۴۰۶ھ
ناشر: مکتبۃ الحبیب جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد یوپی

الاھداء | الدیباجة
ابتداء المجموعة المباحثة | التی دارت ۱۳۸۷ھ
المباحثة التی دارت ۱۲۹۳ھ | الحادثة التی حدثت ۱۳۹۹ھ
الاستفتاء رقم ۱ | الاستفتاء رقم ۲ الاستفتاء رقم ۳

جوابات علماء العراق وسورية وفلسطین علی الاستفتاء رقم ۳، فتویٰ العلامة عبد الکریم محمد المدرس بالحضرة الجیلانیة بغداد مع تصدیق العلماء محمد علی الحموی والشیخ محمد غر الفلسطینی وغیرھما

جواب الشیخ عبد الباقی محمد نجیب البغدادی

فتویٰ العلامة احمد حسن الطٰه مدرس

کلیة الشریعة بغداد

جوابات علماء سوریة ولبنان واندونیسیا وباکستان علی الاستفتاء رقم ۲۔

فتویٰ العلامۃ عبد الحمید طهماز مدرس جامع السلطان حماۃ فتویٰ العلامۃ صالح النعمان امین

فتویٰ حماۃ

فتویٰ العلامۃ ابو سلمان سهیل الزبیبی الدمشقی

جواب الشیخ حسن خالد مفتی جمهوریۃ اللبنانیۃ

فتویٰ الحاج احمد شیخو رئیس المجلس المرکزی لاتحاد المبلغین جاکرتا

فتوی العلامۃ محمد عبد القیوم من لاهور باکستان

جواب الشیخ عبد الشکور من کراجی، باکستان

جواب الشیخ فیض احمد من کولرا، باکستان

فتویٰ العلامۃ غلام رسول من فیصل آباد، باکستان

جوابات الوهابیۃ الهنود، جواب الشیخ محمد برهان الدین من ندوۃ العلماء لکهنؤ بامر الشیخ ابی الحسن علی الندوی

جواب الشیخ نظام الدین من دار العلوم دیوبند

جواب الشیخ عبد القیوم و الشیخ یحیٰ من المدرسۃ المسماۃ بمظاهر العلوم سهارنفور۔

دیباجه

ابتداء مجموعه ۱۳۸۷ھ کا مباحثه

۱۴۲۶ھ کا مباحثه ۱۳۹۹ھ کا مباحثه

استفتاء ۱ استفتاء ۲ استفتاء ۳

استفتاء ۳ پر علمائے عراق وشام وفلسطین کے جوابات، فتویٰ علامہ عبد الکریم، محمد مدرس حضرت جیلانیہ بغداد، مع تصدیق علامہ محمد علی الحموی و شیخ محمد نمر فلسطینی وغیرہ

جواب شیخ عبد الباقی

محمد نجیب بغدادی
فتویٰ علامہ احمد حسن الطٰہٰ
مدرس کلیۃ الشریعہ بغداد
استفتاء ۲ پر شام، لبنان، انڈونیشیا
اور پاکستان کے علماء کے جوبات
فتویٰ علامہ عبد الحمید طھماز مدرس
جامع السلطان حماۃ
فتویٰ علامہ صالح النعمان
مفتی حماۃ
فتویٰ علامہ ابو سلیمان سھبل
الزبیبی الدمشقی
جواب شیخ حسن خالد مفتی جمھوریہ، لبنان
فتویٰ الحاج احمد شیخو رئیس مجلس مرکزی اتحاد المبلغین جاکرتا
فتویٰ علامہ محمد عبد القیوم از لاھور، پاکستان
جواب شیخ فیض احمد از گولڑا، پاکستان
فتویٰ علامہ غلام رسول از فیصل آباد، پاکستان
ھندستانی وھابیوں کے جوابات
جواب شیخ محمد برھان الدین از ندوۃ العلماء لکھنؤ بحکم شیخ ابو الحسن علی ندوی
جواب شیخ نظام الدین از دارُ العلوم دیوبند
جواب شیخ عبد القیوم و شیخ یحیٰ از مدرسہ مظاھر علوم سھارنپور

جوابات الوهابية المانعة التوسل، جواب مولانا عين الحق السلفى من دار العلوم الاحمدية السلفيه دربهنكه مع ما ورد عليه

جواب مولانا شمس الحق السلفى من دار العلوم المركزية بنارس مع ماورد عليه

جواب الدكتور اندوس مرسيكان فتاوىٰ من مركز الدراسات اللشوق الاوسط سورابايا مع ماورد عليه

جواب الوهابية النجدية من المملكة العربية السعودية

جواب الشيخ عبد العزيز عبد الله بن باز الرئيس العام دارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

الجواب على الاستفتاء رقم، ١۔ جواب المرتب

رسالة السفير السعودى بدهلى الى المرتب

رسالة المرتب الى ملك المملكة العربية السعودية

تصديق قدوة مسلمى التركية الشيخ حسين حلمى

ضميمة جوابات علماء مصر على الاستفتاء رقم ۲، فتوىٰ العلامة احمد محمد الحافظ التجانى المصرى القاهرى

فتوىٰ العلامة عبد اللطيف مفتى جمهورية مصر و العلامة المفتى محسن معروف، دارُ الافتاء، وزارة العدل، القاهرة

منكرين توسل وهابيه كے جوابات، جواب مولانا عين الحق سلفى از دارُ العلوم احمديه سلفيه دربهنگه

مع سولات واورده بر جواب

جواب مولانا شمس الحق سلفى از مركزى دارُ العلوم بنارس مع سوالات واورده بر جواب

جواب ڈاکٹر اندوس مرسیکان فتویٰ از مرکز دراسات

برائے مشرق اوسط سورابایا مع سوالات وارده بر جواب

جواب وهابیه نجدیه از مملکت عربیه سعودیه

جواب شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رئیس عام

ادارات ابحاث علمیه و افتاء و دعوت و ارشاد

استفتاء ۱، پر جواب مرتب کا جواب

سفیر سعودی دہلی کا خط مرتب کے نام

سعودی عرب کے شاہ کے نام مرتب کا خط

تصدیق پیشوائے مسلمانان ترکی شیخ حسین حلمی

ضمیمہ استفتاء ۲، پر علمائے مصر کے جوابات، فتویٰ علامہ احمد محمد حافظ تجانی، قاہرہ مصر

فتویٰ علامہ عبد اللطیف مفتی جمہوریہ مصر و علامہ مفتی محسن معروف، دارُ الافتاء وزارت عدل، قاہرہ

نام کتاب: حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت

مصنف: حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

صفحات: ۷۲

سن اشاعت اول: جون ۲۰۱۴ء

سن اشاعت: ربیع الآخرہ ۱۴۳۶ھ فروری ۲۰۱۵ء

ناشر: محمد حسنین رضا خاں رضوی بھدرک اڑیسہ

پیش لفظ: حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

تقدیم: حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

مجاہد ملت کون؟ تاریخ و سن ولادت

مورث اعلیٰ	ابتدائی تعلیم
اعلیٰ تعلیم	ممتاز اساتذہ
رفقائے درس	منتخب تلامذہ
چند خلفاء	حضور مجاہد ملت اور فیضان بریلی
تحریک مجسم	وصال

مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت
تاجدار کچھوچھہ حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں
شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی خان
غزالی دوراں حضرت علامہ سید شاہ احمد سعید کاظمی
شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں
ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۹۹ء ماہنامہ جام نور دہلی اکتوبر ۲۰۰۷ء
عافیت اسی میں ہے سید اولاد رسول قدسی
فتنوں سے باز آؤ سید اولاد رسول قدسی

نام کتاب: حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات
نام مصنف: سید اولاد رسول قدسی
صفحات: ۶۴ سن اشاعت: ۲۰۰۰ء
ناشر: سنی تبلیغی جماعت ممبئی
پیش لفظ: حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

حضور مجاہد ملت کی ولادت	حصول علم دین اور اس کا پس منظر
حضور مجاہد ملت کی مناظرانہ شان	حضور مجاہد ملت کی علمی تمکنت کی چند جھلکیاں
حضور مجاہد ملت کا تدریسی دور	حضور مجاہد ملت کے مشاہیر تلامذہ

حضور مجاہد ملت کی حق گوئی
حضور مجاہد ملت کی سرزمین عرب پر نجدیت کی سرکوبی
حضور مجاہد ملت کی روداد اسیری
حضور مجاہد ملت کی تحریکات اور ان کی دل سوز سرگذشت
حضور مجاہد ملت اور تحریک خاکساران حق
تحریک خاکساران حق کے اغراض ومقاصد
تحریک خاکساران حق کے بائیس اصول
دور حاضر کے سلگتے مسائل
آل انڈیا تبلیغ سیرت کا قیام
آل انڈیا تبلیغ سیرت کی قابل رحم پوزیشن
حضور مجاہد ملت اور مدارس اسلامیہ کا قیام
حضور مجاہد ملت اور حزم واحتیاط
حضور مجاہد ملت کی خلافت
حضور مجاہد ملت کی غوثیت مآب سے عقیدت
حضور حجۃ الاسلام کی عطائے خلافت
حضور حجۃ الاسلام کی حضور مجاہد ملت سے عقیدت
حضور مجاہد ملت کا آخری سفر

نام کتاب: بیان الحبیب وامان الئیب، معروف بہ ملفوظات علمیہ
ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الرحمن قادری حبیبی
تخریج: حضرت مولانا منظم ازہری
صفحات: ۵۶
ناشر: جامعۃ الحبیب رسول پور جگت سنگھ پور اڈیشہ انڈیا
انتساب
پیش لفظ
الجزء الاول
استقامت کرامت سے بلند

نام کتاب: حضرت مجاہد ملت کے ۹۹ر قصے
تالیف وترتیب: حضرت مولانا مفتی سید عبد المسجود قادری حبیبی
سن اشاعت: ۲۰۱۴ء، ۲۰۱۶ء
ناشر: حبیبی کتاب گھر، بھدرک

حضرت مجاہد ملت کی فقہ دانی وہ کون ہے؟ جو کسی سے نہیں ڈرتا

وہ کون ہے؟ دنیا جس کے پیچھے دوڑتی ہے

آخری سفر

باب پنجم

تنقیدات

مولانا محبوب گوہر اسلام پوری

منظوم تبصرہ

اِس کتاب نو ہے اس ذات کا ذکرِ جمیل
جو ہے ملت کے لئے اک نعمتِ ربّ جلیل

وہ مجاہد ہی نہیں بلکہ سراپا ہیں جہاد
جُہد سے جن کی، ہوئی تزئینِ فکرو اعتقاد

نسلاً عباسی ہیں وہ تو مشرباً ہیں قادری
مسلکاً ہیں سنی حنفی اور رضوی اشرفی

ہے حبیبِ رحمٰن اُن کا نامِ عالی مرتبت
اہلِ حق میں ہے مسلَّم اُن کی علمی سلطنت

تھے وہ ملت کے مجاہد اس میں کوئی شک نہیں
اُن کے بعد اُن سا جری پیدا ہوا اب تک نہیں

تیرہ سو بائِس ہے سن ان کی پیدائش کا سال
چودہ سو اک سنِ ہجری میں فرمایا وصال

نعمتِ عظمیٰ تھا ملت کے لئے ان کا وجود
کیونکہ ان کے دم سے ٹوٹا قوم کا فکری جمود

کاروانِ اہل حق کے وہ سپہ سالار تھے
جس جہت سے دیکھئے وہ قوم کے معمار تھے

حق بیانی میں بھی رکھتے تھے جُداگانہ ادا
ہے بہت مشہور اُن کی سرفروشانہ ادا

شیر دل، بیباک، جراتمند، کامل مرد تھے
ملتِ اسلامیہ کے وہ بڑے ہمدرد تھے

تقویٰ و پرہیز گاری میں نمایاں شان تھی
سالکانِ راہِ حق میں منفرد پہچان تھی

مشغلہ ان کا تھا صبح وشام تعمیرِ حیات
بانٹتے تھے دونوں ہاتھوں سے وہ اکسیرِ حیات

حاکمانِ وقت میں ہیبت تھی اُن کی ذات کی
وہ بدل دیتے تھےسمتیں پُرخطر حالات کی

راہِ حق میں مصلحت کا وہ نہ ہوپائے شکار
حق کو حق کہنا ہی اُن کی زندگی کا تھا شعار

دست قدرت نے اُنہیں بخشا تھا فولادی جگر
سنیت کے واسطے ہر دم رہے سینہ سپر

وہ یقیں محکم عمل پیہم کی اک تفسیر تھے
پیکرِ جُہدِ مسلسل ، صاحبِ تدبیر تھے

وہ حوادث سے الجھ جاتے تھے بے خوفی کے ساتھ
کاٹتے تھے عزم کے تیشے سے دشواری کے ہاتھ

ان کی تحریکوں سے آیا ایک فکری انقلاب
ختم ہوکر رہ گئے ذہنوں سے سارے اضطراب

ان کو قیدو بند سے دوچار بھی ہونا پڑا
پھر بھی مدھم ہو نہ پایا ان کا عزم و حوصلہ

اک رئیسِ وقت نے پہنا فقیری کا لباس
استقامت کا جہاں میں رچ دیا اک اتہاس

آفتابِ سنیت اور ماہتابِ علم وفن
ایک ہی ہستی میں پنہاں تھی کئی اک انجمن

تھے وہ میدانِ عمل کے اک مجاہد سرفروش
دیکھ کر ان کی ادا بڑھتا تھا اہل حق کا جوش

ان کو ورثے میں ملا تھا شخصیت سازی کا فن
پھوٹتی تھی ان کے چہرے سے تفکر کی کرن

ایک صوفی ، اک قلندر، مردِ حق، دانائے راز
رشک کرتے جس کی عظمت پہ ہیں محمود وایاز

داعیِ فکر رضا اُن سا نظر آتا نہیں
اب کہیں بھی اُن کا ہم پلہ نظر آتا نہیں

پرتوِ ضربِ یَدُاللّٰہی تھی ان کی ذات پاک
اب بھی ہے اُن کی شجاعت اور جوانمردی کی دھاک

عزم و ہمت کے ہمالہ ، استقامت کے پہاڑ
تھرتھرا جاتے تھے باطل سنتے ہی ان کی دہاڑ

قصر باطل اب بھی لرزیدہ ہے ان کے نام سے
وہ الجھنے میں تھے ماہر گردشِ ایام سے

ہے اڑیسہ میں جو زندہ سنیت اس طور پر
اصل میں ہے یہ مجاہد کی ہی خدمت کا اثر

تھے وہ اک مردِ قلندر، ایک مردِ حق شناس
بھیڑ پروانوں کی رہتی تھی ہمیشہ اُن کے پاس

ہے اُنہی کی شانِ اقدس میں یہ تحریری خراج
خوب تر ہیں اِس میں حالاتِ مجاہد اندراج

اعترافِ حق کا اک اعلامیہ ہے یہ کتاب
علمی، تحقیقی ،نکاتی اس کا ہے ہرایک باب

خوب سے ہے خوب تر یہ ہدیۂ فکروقلم
دیکھ لیجے پڑھ کے مشمولات ہیں کتنے اہم

ہیں مجاہد پر بہت ساری کتابیں دستیاب
اپنی نوعیت کی لیکن منفرد ہے یہ کتاب

میں سمجھتا ہوں کہ اک تحفہ ہے یہ شایانِ شاں
کھینچتا ہے اپنی جانب اس کا اسلوبِ بیاں

در حقیقت ایک معلومات کا دفتر ہے یہ
علمی ، تحقیقاتی ، موضوعات کا مصدر ہے یہ

درج علمی ہستیوں کے ، اس میں ارشادات ہیں
اہل دانش کی بڑی انمول تحریرات ہیں

ہے مجاہد کے تعارف کا یہ نقشِ کالحجر
صفحہ صفحہ میں ہیں تحقیقات کے لعل و گہر

ہیں حقائق کے اُجالوں سے منور کُل سطور
لے رہے ہیں اس کو ہاتھوں ہاتھ اربابِ شعور

رحمت اللہ نام کے ہیں اک جو اسکالر عظیم
ان کی ہی کاوش کا ثمرہ ہے مجلّہ یہ ضخیم

پوکھریرا ہے ضلع سیتامڑھی میں ایک گاؤں
اس زمیں پر رحمت ورافت کی ہے صدیوں سے چھاؤں

حضرتِ شاہِ محبیٰ کا جہاں پر ہے مزار
جو محبِ اعلیٰ حضرت ہیں بفضلِ کردگار

سیکڑوں اصحاب دانش ہیں یہاں جلوہ فگن
ماشاءاللہ ہے مصنف کا یہ آبائی وطن

لمبے عرصہ سے مگر ہے بمبئی میں ہی قیام
سادگی ہے ان میں، دکھلاتے نہیں ہیں تام جھام

رحمت اللہ صاحب اک اچھے سے اچھے ہیں ادیب
چَھپ چُکیں ان کی کتابیں آٹھ درجن کے قریب

بمبئی سے شائع فرماتے ہیں پیغام رضا
یہ رسالہ اصل میں ہے ان پہ انعام رضا

مسلکی خدمات کے باعث انہیں شہرت بھی ملی
حضرتِ تاج الشریعہ کی خلافت بھی ملی

ان کی تحریروں کا ہے عنواں فروغ رضویات
ہے فروغِ مسلکِ حق ان کا منشورِ حیات

اہلِ سنت کے قلمکاروں میں ہیں یہ محترم
شغل ہے ان کا پسندیدہ جہادِ بالقلم

ان کی تحریروں میں بالکل ہی نہیں ہے جھول جھال
نادرہ کاری میں رکھتے ہیں یہ حد درجہ کمال

پائی عزت ، خدمتِ دیں کے سبب بے انتہا
ماشاء اللہ گولڈ میڈل بھی انہیں حاصل ہُوا

رحمت اللہ نام، صدیقی ہے ان کا ٹائٹل
ہے فروغِ رضویت میں کارنامہ بے بدل

ہے یہ ایڈیشن بفضلِ غوث اعظم تیسرا
یعنی دو دفعہ رِسالہ ہے یہ پہلے چَھپ چکا
دادِ تحسیں کے ہے قابل اس کا ہر پیراگراف
اس کی سطروں سے حقائق کا ہے ہوتا انکشاف
میں نے جتنا سمجھا اتنا کردیا زیرِ قلم
آگے پڑھ کر دیکھ لیں خود قارئینِ محترم
گلشنِ افکار میں گوہر کِھلیں خوشیوں کے پھول
کاوشِ رحمت ، حبیبِ رحمٰں فرمالیں قبول

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

حضور مجاہد ملت ''خضرِ راہ'' کی حیثیت سے

آج پوری دنیا تشویشناک حالات سے گزر رہی ہے۔ ذہنی طور پر کرب وابتلاء میں گھری ہوئی ہے...... چاروں طرف سے وسوسوں اور خوف ودہشت نے اہل دنیا کو گھیر کر رکھا ہے اور کورونا نے تو اس طرح لوگوں کو جکڑ رکھا ہے کہ سرِ دست ابھی تک اس سے نجات کی کوئی راہ دکھتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے......اس معاملے میں جو ملک جس قدر بڑا ہے اور جو شخص اپنے آپ کو جتنا بڑا تصور کر رہا ہے وہ اسی قدر بے بس ہے...... لاچار اور مجبور ہے......سائنسی تحقیقات اور اختراعی قوتوں نے بھی ساتھ دینا چھوڑ دیا ہے ...... ہر شخص اپنے آپ میں پریشان اور بدحال ہے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ...... جہاں تک ملک عزیز کی بات ہے اس کی فضا اور بھی زیادہ مسموم دکھائی دیتی ہے...... یہاں مسلمانوں کو دوہری مار جھیلنی پڑ رہی ہے، کورونا کی جو حالت ہے وہ اپنی جگہ ہے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہندستان کی منفی سیاست ہے...... مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کی فضا ہموار کی جارہی ہے...... ہندوستا ن میں مسلمانوں کو نمبر دو کا شہری بنانے کی چال چلی جارہی ہے ...... نیچے سے اوپر تک اور اوپر سے نیچے تک مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جارہا ہے......ایسے قوانین وضع کئے جارہے ہیں جن سے مسلمانوں کو زک پہونچے اور وہ پریشان ہوتے رہیں اور کچھ ایسی بھی پالیسی بنائی جارہی ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں کٹورے تھما دیئے جائیں ......اس بات سے سبھی واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ یہاں کے اہل اقتدار ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہیں...... بہر حال ہمارے وطن عزیز کی آب و ہوا میں زہر گھولا جارہا ہے...... بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے ایسی ناگفتہ حالت میں بھی ہمارے پاس قیادت کی کمی

ہے جواچھے لوگ ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں قیادت نہیں دی جاتی ہے بلکہ ان کے ہاتھوں میں قیادت دی جارہی ہے جن کے اردگرد خاردار کانٹے بچھے ہوئے ہوتے ہیں ان کے چہرے اورمہرے سے بظاہر معصومیت جھلکتی نظر آتی ہےاور جب اندر جھانک کر دیکھتے ہیں تو ایسامحسوس ہوتا ہے جیسے ان کے سینے میں دل ہی نہ ہواوراگر ہے بھی تو اس کا دل دھڑکتا نہیں ہے......اس کا احساس مردہ ہو چکا ہےاوراس کے خیالات ہمارے تئیں نہایت ہی بھیانک دکھائی دیتے ہیں...... یہ ہے ہماری موجودہ حالت جس کے خستہ وخراب ہونے میں کسی کوکوئی شک نہیں ہےاور نہ ہی کوئی تر دد ہے......کہیں اندھیرا ہے......تو کہیں گہری کھائی ہے......نہ کہیں اجالا ہے اور نہ کہیں امید کی کوئی کرن ہے...... ہر طرف مایوسی ہے ......ناامیدی ہے......اور جب کبھی کوئی ہمیں بلاتا ہےتو وہ بھی ٹھگ ہوتا ہے......اس لئے ضرورت ہے ایک ایسے قائدکی جس کی زبان سے نکلی ہوئی ایک ایک بول ''خضرراہ'' کی حیثیت رکھتی ہواور رستے ہوئے زخموں کوتسکیں کا ساماں فراہم کرتی ہو......ہمیں ایک ایسا قائد چاہیئے......ایک ایسا رہنما چاہیئے......جو ہر مشکل گھڑی میں ہمارا ساتھ دے......اورتہذیب وتمدن کی گرتی ہوئی دیوار کوسہارادے کرسیدھا کردے......کیاایسا کوئی قائد ہے؟ کیاایسا کوئی قافلہ سالار ہے؟

ہرایک کا جواب یہی ہوگانہیں ہے!نہیں ہے!تو پھر کام کس طرح چلے گا؟اوراس کے لئے کیالائحۂ عمل مرتب کیا جائے گا؟ یہ وہ اہم سوالات ہیں جوکسی بھی سنجیدہ انسان کے ذہن و دماغ میں اُٹھتے ، بیٹھتے......سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے نوکیلے کانٹوں کی طرح چبھتے رہتے ہیں......اور چبھتے ہی رہیں گے......

کہا جاتا ہےنہ صرف کہا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ جب موجودہ حالات میں جینا دوبھر ہےاورسانس لینے میں گھٹن محسوس ہورہی ہےتوہمیں ماضی کے صحراؤں میں قدم رکھنا چاہیئے......وہ اپنے آپ میں کھنڈر ہی سہی مگراس کے دامن میں ایک دونہیں......دس بیس نہیں ......سو دوسونہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ایسے کواکب ونجوم اورانمول ہیرے چمک رہے ہیں......جن کی تابانیاں آج بھی محسوس کی جاسکتی ہیں اوران کی زلفوں کی نکہتوں

سے ہم سب اپنی مشام جاں کو معطر کر سکتے ہیں ...... کیونکہ وہی تو امید کی کرن ہیں اور بھٹکے ہوئے مسافروں کے لئے سمت سفر کا تعین کر سکتے ہیں ...... ہوسکتا ہے کوئی میری ان باتوں سے کسی تردد میں پڑ جائے ایسوں سے میری گزارش ہے آپ کسی تردد میں نہ پڑیں بلکہ آپ اپنے فکر و شعور کو کام میں لاتے ہوئے کچھ تو کریں اور غور کریں ...... تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ماضی بہرحال ماضی ہے اور اس کے دامن میں قدرت کے خزینے پائے جاتے ہیں ...... جب حال کنگال ہو جاتا ہے اور جینے کے لالے پڑ جاتے ہیں تو یہی ماضی ہے جو حال اور موجودہ زمانے میں بدلاؤ لانے کی کوشش کرتا ہے ......

ماضی اور اس کی اہمیت

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو زمانہ گزر جاتا ہے اسے اس طرح نہ کہا جائے کہ جو گزر گیا سو گزر گیا بلکہ اس پر غور کرنا چاہیئے اور اس پر بھرپور توجہ دینی چاہیئے ...... اور ماضی کی اہمیت و افادیت کا اعتراف کرنا چاہیئے ...... جو زمین کے اوپر ہوتا ہے اسے ہم حال کہتے ہیں اور زیر زمیں ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کرتے ہیں ...... ماضی سلامت تو ہماری زندگی سلامت اور اس میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو اس خرابی کا اثر حال پر بھی نظر آتا ہے اور مستقبل بھی متأثر ہوا کرتا ہے ...... ہمیں پانی کہاں سے ملتا ہے زمین کے اندرونی حصے سے اس کی سوت کہاں کہاں ہے اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم ...... اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے سوت بھی ماضی کا ایک حصہ ہے ...... کھانے کے سارے ساز و سامان بھی ہمیں زمین سے دستیاب ہوا کرتے ہیں ...... ان ساز و سامان کا رشتہ بھی ماضی سے جڑا ہوا ہے ...... جن فضاؤں میں ہم سانس لیتے ہیں ان میں فرحت بخش ہوائیں پائی جاتی ہیں جنہیں ہم آکسیجن کا نام دیتے ہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ آکسیجن ہمیں پیڑ پودوں سے حاصل ہوتی ہے اور ان پیڑ پودوں کا تعلق بھی ماضی سے ہے یعنی زمین کی اندرونی پرتوں سے ہے اور جب پیڑ پودوں کا رشتہ کاٹ دیا جاتا ہے تو آکسیجن کا ملنا بند ہو جاتا ہے ...... یہ تو ماضی کا کرشمہ تھا جسے میں نے بیان کر دیا ہے اب رہی حال کی بات تو اس بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں تو وہ زہر گھول رہا ہے

اور اچھی خاصی فضا کو برباد کر رہا ہے...... ماضی نے ہمیں جینے کا سلیقہ دیا تھا اور حال نے ہر ایک انسان کو سلیقہ مندی سے دور کر دیا ہے...... ماضی نے ہمیں محبت الفت اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جذبہ دیا تھا اور حال کی یہ کیسی قیامت خیزی ہے جس نے سب کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے......زندگی کے ہر ایک شعبہ میں ماضی نے خوشگوار اثرات مرتب کئے تھے اور حال نے ہم سب کا برا حال کر دیا ہے...... ماضی نے ہندستان کو بہتر سے بہتر سیاست اور اس کے اصول عطا کئے تھے اور حال نے ہمیں کیا دیا ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں اس بات کو سب جانتے سمجھتے اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں......اس لئے ہمیں ماضی سے سیکھنا چاہیئے اور اس سے سیکھے ہوئے امور واثرات پر حال میں عمل کرنا چاہیئے ......حال کا رشتہ جب ماضی سے مستحکم ہوتا ہے تو زندگی جنت نظیر بن جاتی ہے اور جب اس رشتہ میں کمزوری لاحق ہوجاتی ہے تو پھر انسان کی زندگی اور اس کا رہن سہن نیز اس کی تہذیب وتمدن کی بہاریں رخصت ہوجاتی ہیں...... پت جھڑ کا موسم شروع ہوجاتا ہے......خزاں کا دور شروع ہوجاتا ہے......ظاہری طور پر وہ کتنا ہی اچھا دکھائی دے......زرق برق لباس......عمدہ مکانات ......شاندار عمارتیں ......چکنی سڑکیں ...... یہ سب کے سب دکھاوے کے ہیں مگر ان کے باطن کا کیا حال ہوتا ہے لوگ خود اس بات کو خوب جانتے ہونگے ......سمجھتے ہونگے ...... یا پھر وہ غفلت میں پڑے ہونگے ......جو حیثیت کٹی پتنگ کی ہوتی ہے وہی حیثیت ایسے انسان کی ہوا کرتی ہے جو ماضی سے اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے اور منقطع کر لیتا ہے......اس لئے میرا ماننا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں کتنے ہی بڑے منصب پر فائز کیوں نہ ہو بہر حال اسے ماضی سے اپنا رشتہ مضبوط کر لینا چاہیئے کہ ماضی کی طرف سفر کرنے سے ہوسکتا ہے کسی کو بھی کوئی ’’خضر راہ‘‘ دستیاب ہوجائے اور اس کی زندگی کامیاب سے کامیاب تر بن جائے......سفر کرنے کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ قدموں سے ہی سفر کیا جائے کبھی دل سے بھی سفر کیا جاتا ہے اور کبھی ذہن وفکر سے بھی سفر کرنا پڑتا ہے......اس سلسلے میں یادیں......خیالات اور جذبات واحساسات بہت زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہیں ......کہ یادیں بھی کہیں قدم رکھنے کی

مثل ہوا کرتی ہیں......

''خضرراہ'' اور اس کا مفہوم

''خضرراہ'' یہ دو لفظوں سے مرکب ہے خضر اور راہ سے......خضر سے مراد ہریالی، سبز و شادابی لی جاتی ہے اور جہاں یہ ساری چیزیں دستیاب ہوا کرتی ہیں وہیں تو بہاریں ہوا کرتی ہیں......وہیں تو فرحت وانبساط کا احساس ہوتا ہے......گلوں کا کھلنا......غنچوں کا چٹکنا......اور پھولوں کا مسکرانا بھی ''خضرراہ'' کے دائرے میں آیا کرتا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونا بھی ''خضرراہ'' ہے صحیح روشنی اور دین وسنیت کے اجالوں کو ساتھ رکھ کر سفر کرنا بھی ''خضرراہ'' کی حیثیت رکھتا ہے ایسی روشنی اور ایسے اجالے جو انسان کو غفلت میں ڈال دے وہ کسی کام کے نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ہے اسی لئے کسی کہنے والے نے بہت ہی خوب کہا ہے ؎

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی روشنی جو ''خضرراہ'' کی حیثیت رکھتی ہے کہاں ملے گی ؟ سائنس کی ایجادات کو میں نے دیکھا......مشینوں کی دنیا سے میں روشناس ہوا......زندگی کی ہما ہمی دیکھی ...... سیاست کے ایوانوں کو بھی دیکھ لیا مگر ہم مسلمانوں کو کیا ملا ؟ اندھیرا ......مایوسی......حزن وملال......غموں کے آثار ......ان تمام چیزوں کے علاوہ کسی اور کو کچھ ملا ہے تو وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف ودیانت سے بتائے اور خوب سوچ سمجھ کر بتائے ......کوئی کیا بتائے گا وہ جگ ظاہر ہے اور سب پر روشن ہے کہ اسے کیا ملا ہے اور کیا نہیں ملا ہے......اس سے ہمیں تو کچھ نہیں ملا بلکہ ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہے اور اس قدر کھو دیا ہے کہ اس کی بھرپائی بہت زیادہ مشکل ہے اس موقع پر ہمیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے درج ذیل اشعار یاد آرہے ہیں اور وہ یہ ہیں

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

یہ دنیا ٹھگ ہے اور دنیا والے بھی ٹھگ ہیں جو ہمارے ایمان و یقین کو مار ہی رکھیں گے...... ایسے لوگوں کا بلانا بھی بہت بڑے خطرے کی نشانی ہے...... ہمارا ایمان ہماری دینی حمیت سونا سونا ہے اور جہاں تک دنیا کی بات ہے وہ تو ایک سونا بن اور یہاں سوجانا ہمارے ایمان و یقین کے لئے زہر ہے اس لئے یہاں سونا اور غفلت میں پڑے رہنا خطرناک صورت حال ہے اس لئے ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ہم بیدار رہیں اور بیداری کا کام کریں...... دنیا میں رہتے ہوئے دنیا والوں سے بیداری والا پیغام نہیں مل سکتا ہے اور نہ ہی اب تک مل پایا ہے دنیا والوں نے تو ہمیں یہی بتایا ہے کہ دنیا ہی سب کچھ ہے یہی ہمارا ماویٰ وملجا ہے...... دنیا میں رہیں اور ضرور رہیں مگر اس بات کا بھی خیال رہنا چاہئے کہ یہی سب کچھ نہیں ہے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے اس کے بارے میں بھی سوچنا ہے سمجھنا ہے اور دنیا سے زیادہ کہیں اس پر توجہ مبذول کرنی ہے مگر یہ ساری باتیں کہاں ملیں گی؟ اور کس کے پاس ملیں گی؟ وہاں ملیں گی! جو اللہ والا ہوتا ہے جس کے دل میں عشق و محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے وہاں جایئے جس نے اپنے آپ کو فنا کر رکھا ہے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ زمین کے اوپر ہے یا زمین کے نیچے ہے وہ حال کا ایک حصہ ہے یا ماضی کا کوئی حصہ ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے حال میں رہنا اور ماضی میں چلا جانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا ہے...... وہ حال میں رہتا ہے جب بھی ماضی کی خبر رکھتا ہے اور ماضی میں اپنا بوریا بستر جما لیتا ہے تو اسے حال کے پل پل کی خبر ہوا کرتی ہے...... اس بات کو اپنی گرہ میں باندھ لیں کہ ماضی ہمارے لئے امید کی ایک کرن ہے صرف یہی نہیں وہ امید کی ایک کرن ہے بلکہ حال کے ویرانوں میں خوشیوں کا پھول کھلانا اسے خوب آتا ہے اور دل کے صحراؤں میں گلشن آباد رکھنے کا اسے انداز معلوم ہے......

ماضی اور اس کی یادیں

جب میں نے ماضی کی یادوں کا سہارا لیا تو مجھے بہت دور تک نظر آیا...... یہ کوئی ضروری نہیں کسی کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کو کھلا رکھا جائے بلکہ کبھی کبھی کسی اور کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کو بند کرنا پڑتا ہے اور خاص طور سے جب آپ کو ماضی کی طرف دیکھنا ہو تو اس کے لئے آنکھوں کو بند کرنا ضروری ہو جاتا ہے ...... کہ جب آنکھیں بند ہوتی ہیں تو دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں پھر وہ ساری چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جو ظاہری آنکھوں کے دائرے میں نہیں آپاتی ہیں ...... میں نے بھی قلبی سکون اور ذہنی طور پر مطمئن ہونے کے لئے اپنی آنکھوں کو بند کیا اور پھر یادوں کے سہارے نہ جانے میں نے کہاں کہاں کا سفر کیا؟ اور نہ معلوم قدرت کے کن کن کرشموں کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھا؟ بلکہ یوں کہیئے کہ میں حیرت میں پڑ گیا کہ یادوں کی دنیا کس قدر آباد ہے؟ اور کیسی سنہری ہے کہ یہاں تو ایک سے بڑھکر ایک کرشمہ ہے جس کی باتوں اور تحریروں میں ''خضر راہ'' جیسی تابانیاں اور شادابیاں پائی جاتی ہیں ......ان میں سے کس کو لوں اور کس کو چھوڑ دوں؟ اس طرح کا کوئی بھی فیصلہ لینا مشکل ہے...... یہاں تو کسی کو چھوڑ دینا تلوار کی دھار سے زیادہ نازک ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس مقام پر کسی کو چھوڑ دینے کا خیال دل میں لانا بھی ایمان ویقین کے لئے خطرناک ہے اس لئے میں نے چھوڑ دینے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا......اور پھر میں نے ایک ایسی یاد کا انتخاب کرلیا جو ماضی سے بھی قریب ہے اور حال سے بھی قریب ہے اور وہ ''حضور مجاہد ملت'' کی یاد ہے اور یہ یاد بھی ایسی ہے جس کے آتے ہی دل اور دماغ میں ایک گلشن سا لہلہا اُٹھتا ہے......اور دل کے ویرانوں میں زعفرانی کشت کی بہاریں آجاتی ہیں اور ذہن وفکر پر ان کی ذات وشخصیت سے نور ونکہت کی بوچھاریں پڑنے لگتی ہیں ......اور پھر بیساختہ زبان سے یہ الفاظ نکل پڑتے ہیں ؎ ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے......

یہ ایک حقیقت ہے کچھ شخصیتیں بڑی نایاب ہوتی ہیں کہ ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی ہیں نہ ان کی حیات میں اور نہ ان کے وصال کے بعد۔۔۔۔۔۔ایسے ہی نادر ونایاب افراد میں ''حضور مجاہدِ ملت'' بھی تھے کہ ان جیسا نہ ہمیں ان کی زندگی میں کوئی ملا اور نہ ہی ان کے

وصال کے بعد کوئی نظر آتا ہے ایسا نہیں ہے کہ میں نے یہ باتیں یوں ہی کہہ دیں بلکہ اس کے کچھ اسباب وعلل بھی ہیں ذیل میں اسی کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے یہ جائزہ دو طرح کا ہوگا ۔۔۔۔۔۔عمومی جائزہ اور خصوصی جائزہ۔۔۔۔۔

عمومی جائزہ۔۔۔۔۔۔ یہ عمومی جائزہ! ایسا جائزہ ہے جس پر ہندستان کے تمام ارباب فکرودانش کا اتفاق ہے کسی کا بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔۔۔۔

الف۔۔۔۔۔۔۔ جو جاتا ہے وہ لوٹ کر کبھی نہیں آتا ہے۔۔۔۔۔۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے

آنکھیں رو رو کے سجانے والے

جانے والے ، نہیں آنے والے

جو یہاں سے جاتا ہے وہ دوبارہ لوٹ کر آتا نہیں ہے۔۔۔۔۔ تو پھر اس کے لوٹ کر آنے کے لئے کسی جتن کی ضرورت نہیں اور نہ ہی چیخنے چلانے کی حاجت ہے بال نوچنا، چہرے پر طمانچہ رسید کرنا، سینہ کوبی کرنا اور رورو کر آنکھیں سجانے سے بھی کیا ہوگا؟ جب کوئی لوٹ کر نہیں آئیگا تو ظاہر ہے کہ اس کی جگہ پر جو بھی آئیگا وہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے جیسا چلا گیا ۔۔۔۔۔ کیا اس سے اس کا ''فقید المثال'' ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ ہاں ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے ''سرکار مجاہد ملت'' بھی ہمارے درمیان سے چلے گئے ہیں اس لئے آپ ''فقید المثال'' ہیں اور نادرونایاب ہیں کوئی ان کے جیسا بننے کی لاکھ کوشش کرے مگر اس کی کوشش، کوشش کی ہی حد تک رہے گی اس حد کو توڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتی ہے۔۔۔۔۔ یہ نظریہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی اس سے اختلاف کرے سائنس والے بھی اس سے اختلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اس لئے یہ نظریہ متفق علیہ نظریہ ہے۔۔۔۔۔ کہ جو چلا جاتا ہے کوئی بھی اس کی جگہ پر اس جیسا نہیں آسکتا ہے......

ب۔۔۔۔۔۔ حضور مجاہد ملت کا تعلق اس جماعت سے تھا جس جماعت کے بارے میں اہلسنت کا ماننا ہے یہ جماعت ''معتمد علیہ'' ہے اور اس جماعت جیسی کوئی اور جماعت نہ کل

تھی اور نہ آج ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے وہ جماعت کون سی ہے؟ جس کی شان اور عظمت کے بارے میں نشان دہی کی گئی ہے یہ جماعت ان دس افراد پر مشتمل ہے جنھوں نے براہ راست ''حضرت صدر الشریعہ'' سے استفادہ کیا ان دس میں سے ایک حضور مجاہد ملت تھے اور بقیہ ساتھیوں میں ۔۔۔۔۔۔۔ شمس العلماء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صدر العلماء ۔۔۔۔۔۔۔ حافظ ملت ۔۔۔ امام معقولات ومنقولات علامہ سلیمان بھاگل پوری ۔۔۔۔۔ اور مفتی اعظم کانپور تھے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ ان کے جیسا کوئی ہو ۔۔۔۔۔ اگر کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ صرف دعویٰ ہوگا نہ اس کے شواہد ہونگے اور نہ اس بات کو کوئی ماننے کو تیار ہوگا۔ جب کوئی ''شمس العلماء'' جیسا نہیں ۔۔۔۔۔۔ صدر العلماء جیسا کوئی نہیں ۔۔۔۔ حافظ ملت جیسا کوئی نہیں تو پھر کوئی ''مجاہد ملت'' جیسا بھی نہیں ہوسکتا ہے ۔۔۔۔ اب اگر کوئی کسی کو ''شمس العلماء، صدر العلماء کہتا ہے یا کسی کو حافظ ملت کہا جائے تو پھر یہ لقب اُس لقب سے بہت ہی چھوٹا ہوگا جو ہمارے اکابر کا لقب تھا۔ وہ لقب از روئے ضرورت تھا اور یہ لقب از روئے تزئین ہے۔ جن افراد نے یہ کام انجام دیا انہیں ہوش کا ناخن لینا چاہیئے۔ کہ انہوں نے لقب بانٹنے میں نہایت ہی فراخ دلی سے کام لیا لیکن ان سے بھی چوک ہوگئی جب بانٹنا ہی تھا تو جس قدر القاب تھے سبھی بانٹ دیئے ہوتے۔ کوئی بھی لقب بٹنے سے نہ چھوٹتا۔ تا کہ ہمارے اکابر کی شخصیتیں گم ہوجاتیں اور ان کا کوئی نام لیوا نہ ہوتا مگر افسوس ہے کہ ابھی بھی کچھ القاب کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے اور وہ لقب ہے حافظ ملت کا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے آخر کار یہ لقب کسی کو کیوں نہیں دیا گیا تمام القاب کے مقابلہ میں اس کے لئے دفعہ ۳۷۰ جیسی رعایت کیوں؟ اس کا کوئی جواب ہے؟

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ''حضور مجاہد ملت '' جیسی کوئی شخصیت نہیں، اگر کسی کی جھولی میں ایسا کوئی چمکتا دمکتا ہیرا ہے تو اسے پیش کرے تا کہ معادلے کا عمل کیا جائے ورنہ ہمارا یہ کہنا سو فیصد صحیح ہے کہ ؎ ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے

ج ۔۔۔۔۔ کوئی بھی نظریہ ہو شخصیت کے تابع ہوا کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔ شخصیت جس

قدر معتبر ہوتی ہے اسی کے اعتبار سے نظریوں میں اعتباریت آتی ہے ایسا نہیں ہے کہ شخصیت نہایت ہی ہلکی پھلکی ہو اور اس کا نظریہ ہمالہ بن جائے اگر کوئی ہلکا پھلکا انسان اپنے کسی بڑے کا نظریہ اپنا لے اور اسے اپنا نظریہ بنا کر پیش کرے تو اس سے بڑے کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسے چھوٹے کی شخصیت مزید مجروح ہو جاتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے قتل سے کہیں زیادہ مہلک قتل کا ارادہ کرنا ہوتا ہے کچھ اسی طرح کی روایت بھی ملتی ہے یہ روایت نظریوں میں تو چل سکتی ہے مگر عمل کی دنیا میں نہ ایسا کوئی کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی جرأت کرسکتا ہے ۔۔۔۔۔۔ میرے مجاہد ملت نہ صرف نظریہ رکھتے تھے بلکہ نظریے کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں عمل بھی تھا۔ کردار بھی تھا۔ اس لئے وہ غازی بھی تھے اور مجاہد بھی تھے کوئی ان کے کردار و عمل کی نقل کرتا تو کیسے کرتا؟ بھلا اس دنیا میں کون ایسا ہے؟ جو کسی کی اتباع میں یا اپنی ناموری میں تختۂ دار کو گلے لگائے۔ اب اگر کوئی ایسا کرنے کے بارے میں سوچے تو اسے سوچنے ہی میں برسوں لگ جائیں گے اس کے باوجود یہ کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ ایسا کر سکے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ع

۔ ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے

خصوصی جائزہ

عمومی جائزے ہی سے ثابت ہو گیا کہ ''سرکار مجاہد ملت'' جیسا کوئی نہیں ہے ذیل میں خصوصی جائزہ بھی پیش کیا جا رہا ہے تاکہ یہ بات ہر پہلو سے ثابت ہو جائے کہ اس زمانے میں کوئی بھی ''مجاہد ملت'' جیسا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ان کے جیسا بننے کی کوشش کرسکتا ہے ۔۔۔۔۔ مجاہد ملت کی شخصیت محتاج تعارف نہیں وہ مانند سورج تھے کل یہاں تھے اور آج وہاں ہیں یعنی ہم سب کی نظروں سے اوجھل ہیں اس کے باوجود ان کی شخصیت سے نکلی ہوئی شعائیں ہمارے تاریک ذہنوں کو منور کر رہی ہیں اور دلوں کو تاباں بنا رہی ہیں ان کی ذات و شخصیت سے استفادہ نہ صرف کسی مخصوص علاقے نے کیا بلکہ ہندستان کا ہر ایک علاقہ، ہر ایک خطہ ان سے استفادہ کرنے میں برابر کا شریک ہے استفادے کی یہ عمومیت ان کی یکساں

مقبولیت کو ثابت کر رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ میرے مجاہد کی شخصیت کوئی محدود شخصیت نہ تھی بلکہ غیر محدود تھی ۔۔۔۔۔سچا عالم دین ۔۔۔۔ فاضل اکمل ۔۔۔۔۔۔ مرشد برحق ۔۔۔۔۔۔ بے لوث قائد و رہنما ۔۔۔۔۔۔ اسوۂ حسنہ کا پیکر جمیل ۔۔۔۔۔۔ اخلاق و محبت کا محور و مرکز ۔۔۔۔۔ عرفان و ادراک کی چلتی پھرتی تصویر ۔۔۔۔۔۔ معرفت ربانی کا آشنا ۔۔۔۔۔۔ اور حق آگاہ وہی ہوتا ہے جو منھ دیکھ کر نہیں دیتا ہے، بلکہ سب کو یکساں دیتا ہے ان کے فیض کا دریا جاری ہی رہتا ہے کون؟ کتنا؟ لیتا ہے یہ ان کے ظرف کی بات ہے کس کے برتن میں کتنی وسعت ہے؟ یہ لینے والا خود بتا سکتا ہے اس لئے زمانے سے پوچھا جائے ۔۔۔۔۔ ہندستان کے ہر ایک خطے سے سوال کیا جائے ۔۔۔۔ جماعت کا ہر ایک فرد بتائیگا کہ ہم نے ان سے کتنا لیا ۔۔۔۔ اور کیا پایا؟ اُڑیسہ کی سرزمین سے اٹھنے والا یہ ذرہ ایسا ماہ کامل بنا کہ ہندستان کا ایک ایک ذرہ ان کی ذات بابرکت سے پُر نور و پُر ضیا بن گیا ۔۔۔۔۔ ہر ایک ذرہ ماہ کامل نہیں ہوتا ہے بلکہ کچھ ہی ذرے کو یہ خوبی نصیب ہوتی ہے ۔۔۔۔۔ عارف باللہ حضرت ضیاء الدین نخشبی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ۔۔۔۔۔

زہر شہرے زہر جائے متاع قیمتی خیزد
ضیاء زنخشب شکر زمصر سعدی ازشیراز

ہر شہر اور ہر مقام سے کوئی گراں قدر فرد بیدار ہوتا ہے جیسے ضیا نخشب سے، ذوالنون مصری مصر سے، اور سعدی شیراز سے ۔۔۔۔۔۔ اسی طرح ''حضور مجاہد ملت'' اُڑیسہ کی سرزمیں سے نمودار ہوئے، اور پھر آپ گراں قدر ہوتے چلے گئے ۔۔۔۔ آپ کیسے تھے؟ کن صلاحیتوں کے مالک تھے؟ یہ کون بتا سکتا ہے؟ اور کس میں یہ ہمت ہے جو اس راز کو فاش کر دے ۔۔۔۔۔۔ دور والوں کی تو بات ہی چھوڑ دیجئے قریب والا بھی اس راز کو فاش نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ شخصیت کا تجزیہ کرنا آسان نہیں ہے بلکہ یہ بہت ہی زیادہ مشکل ہے ۔۔۔۔۔۔ اور جب کوئی کسی کی شخصیت سے واقف کار ہو جاتا ہے تو ان کی شخصیت کے کچھ نہ کچھ آثار ان میں ضرور نمایاں ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ مولانا عاشق الرحمٰن صاحب خمار قادری فرماتے ہیں

وہ اک ذات عجب تھی کون جانے کون پہچانے
اگر پہچان لی ہوتی تو کوئی باصفا ہوتا

اس شعر کا یہی مطلب ہے نا، ،حضور مجاہد ملت'' کی ذات، ،اک ذات عجب، ،تھی تو پھر اسے کون جان پاتا اور کون پہچان پاتا؟ اگر کوئی ان کی ذات کو جان، پہچان لیتا تو خود وہ باصفا ہوجاتا۔۔۔۔۔ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ایسا۔کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے

مجاہد ملت کے منفرد اوصاف

جب کوئی اچھا ہوتا ہے تو اس کی اچھائی کے آثار اس کے بچپن ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جب کوئی برا ہوتا ہے تو اس کی برائی کے حالات اس کے بچپن ہی سے نمایاں ہونے لگتے ہیں اس میں کوئی دورائے نہیں کہ میرے مجاہد ملت بھی اچھے اور بہت اچھے تھے اس لئے ان کی اچھائی کے آثار ان کے عالم طفولیت ہی سے نمایاں ہونے لگے تھے۔۔۔۔۔ہوسکتا ہے اس بات کا احساس کوئی آدمی نہ کر سکے مگر جو عام انسانوں کی روش سے ذرا ہٹ کر ہوتا ہے وہ ضرور پہچان لیتا ہے اگر کوئی ایسا نہ مل پائے تو اس بات کا بہت امکان ہوتا ہے کہ بعد میں ان کے سوانح نگار اس پہلو پر روشنی ڈالے اور بتائے کہ ان کے بچپن کے یہ حالات تھے ۔۔۔۔۔مجھے اب تک کوئی ایسا سراغ نہیں ملا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی نے سرکار مجاہد ملت کو بچپنے میں دیکھ کر یہ بتایا ہو کہ یہ بچہ آگے چل کر کسی اہم دینی منصب پر براجمان ہوگا ۔۔۔۔۔مگر بعد کے سوانح نگاروں میں ''علامہ مولانا محمد عاشق الرحمٰن صاحب'' وہ تنہا فرد عظیم ہیں جنھوں نے بتایا کہ مجاہد ملت کے اچھا ہونے کے آثار خود ان کی شخصیت میں پائے جاتے تھے۔۔۔۔۔ان کی ایک کتاب'' مرد جوزاء مجاہد ملت'' ہے اس کتاب کے نام ہی سے واضح ہوتا ہے کہ سرکار مجاہد ملت ایک ''مرد جوزاء'' ہیں

مرد جوزاء کیا ہوتا ہے؟

اردو زبان میں، میں نے حیات وخدمات پر مشتمل کچھ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے میں اپنے

مطالعہ کی بنیاد پر یہ بات کہنے جارہا ہوں کہ میں نے اب تک کسی کتاب میں کسی بھی شخصیت کے لئے ''بروج دوازدہ'' میں سے کسی برج کی طرف اضافت کرکے ،مرد جوزاء ،مرد سرطان، لکھا نہیں دیکھا ۔۔۔۔۔ سوائے اس کتاب کے جس کے مصنف علامہ مولانا محمد عاشق الرحمٰن صاحب قبلہ ہیں ۔۔۔۔ یہ ایک منفرد انداز بیاں ہے یا پھر نایاب اسلوب ہے ۔۔۔۔ اس طرح کا اچھوتا اسلوب اختیار کرنا مصنف کا اپنا کمال ہے یا محبوب شخصیت کا فیض و برکت ہے؟

مرد جوزاء ۔۔۔۔۔۔ وہ ہوا کرتا ہے جس کی ولادت اس ساعت میں ہوتی ہے جس ساعت میں قمر برج جوزاء میں ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ یوں تو مؤثر حقیقی رب کریم ہے اس پر ہمارا اور سارے مسلمانوں کا عقیدہ اور ایمان ہے ۔۔۔۔۔۔ مگر اسباب وعلل اور بروج کی تاثیرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے ۔۔۔۔۔۔ ایسی ساعت میں جو پیدا ہوتا ہے اس میں درج ذیل خوبیاں پیدا ہوتی ہیں ۔۔۔۔۔۔ یہ نظریہ کوئی آج کا نظریہ نہیں ہے بلکہ بہت ہی قدیم نظریہ ہے،، عبدالرحمٰن برقوتی نے اپنی شرح دیوان متنبی میں علامہ واحدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ''یقال'' کہہ کر ارشاد فرمایا ۔۔۔۔۔

ان الجوزاء تعطی من یولد فیھا البراعۃ والنطق

یعنی جو شخص قمر در جوزا میں پیدا ہوتا ہے، یہ برج اسے کمال اور گویائی عطا کرتا ہے (مجاہد ملت ص ۸۵)

علامہ واحدی کے ارشاد میں جوزا کا مؤثر حقیقی ہونا مراد نہیں ہوسکتا کہ ایسا ماننا عقیدۂ اسلام کے منافی ہے بلکہ اس سے اس کا مؤثر مجازی ہونا مراد ہے اور شریعت میں اس طرح کا نظریہ اپنانا غلط نہیں ہے علامہ عاشق الرحمٰن صاحب قبلہ نے اہل زمانہ کے عام تجربوں سے واضح کیا ہے جو بچہ قمر در جوزاء میں پیدا ہوتا ہے وہ درج ذیل خصوصیات اور کمالات کا جامع ہوتا ہے

☆ شرافت

☆ چہرے اور آنکھوں کا خوبصورت ہونا
☆ بچپن میں پیار سے پالا جانا
☆ دولت مند ہونا
☆ خانگی سطح کا بلند ہونا
☆ دولت جمع کرنے کا موقع نہ ملنا
☆ مذہبی ہونا
☆ عبادت گزار ہونا
☆ میٹھی چیزوں کو زیادہ پسند کرنا
☆ شگفتہ رو ہونا
☆ محنت سے کام کرنا
☆ طبیعت میں ظرافت کا ہونا
☆ طبعی امور کو اہمیت دینا
☆ وطن، سماج اور خاندان میں کمال علم کا حامل ہونا
☆ صاحب اخلاق و کردار ہونا
☆ بہترین دوست ہونا
☆ اساتذہ اور بزرگوں کی پیروی کرنا
☆ پاکیزہ فطرت، راست گوئی جیسی صفات کا حامل ہونا
☆ فکر و تدبر اور عقل و ہوش سے کام لینا
☆ ہر دلعزیز ہونا
☆ حوصلہ مند اور باہمت ہونا
☆ دوستوں اور احباب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا
☆ نہایت ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنا

☆ کفالت میں کمال رکھنا

☆ مشکلات اور مصائب میں گھرا ہونا

☆ عجز و انکساری کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا وغیرہ وغیرہ

مطابقتی عمل

جن خوبیوں اور خصوصیات کی وضاحت کی گئی ہے میرا مجاہد ان تمام خوبیوں کا جامع تھا ۔۔۔۔۔ اگر اس سلسلہ میں مطابقتی عمل سے کام لیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ کیل سے کیل فٹ ہوتی ہوئی نظر آئیگی اس بارے میں کہیں سے جھول نہ دکھائی پڑے گی۔۔۔۔۔۔ آیئے ایسا بھی کر کے دیکھتے ہیں تا کہ آپ کے سامنے ایک صاف شفاف آئینہ ہو۔۔۔۔۔ اور اس میں آپ مجاہد ملت کی حیات و خدمات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکیں۔۔۔۔

شرافت۔۔۔۔ ایک ایسا وصف ہے جس کے سبب کسی بھی انسان میں وقار، عزت پیدا ہوتی ہے یہ بہت سی خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ حضرت مجاہد ملت اس وصف کے پیکر جمیل تھے خوشبو خود اپنا پتہ بتا دیتی ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ خوشبو وہاں یا یہاں ہے یہی حال وصف شرافت کا ہے مجاہد ملت بھی ایسے ہی تھے۔ جب کہیں تشریف لے جاتے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہ آپ یہاں ہیں بلکہ اس قدر چہل پہل ہوتی کہ لوگ جان لیتے تھے کہ حضرت وہاں تشریف فرما ہیں۔۔۔۔۔ یہ وصف ان کے لئے مفید ہوتا تھا جو ان کی محبت میں سرشار رہا کرتے تھے جہاں تک مخالفین کی بات ہے تو ان کی بصیرت اندھی ہوا کرتی ہے اسے کہاں سے احساس ہوگا؟ کہ خوشبو کہاں ہے؟ اب تک روایت یہی رہی ہے کہ دیکھنے والے انہیں پہلی ہی نظر میں دیکھ کر فیصلہ کرلیا کرتے تھے کہ آپ شریف النفس ہیں۔۔۔۔۔۔ شاید ان کی نگاہِ ناز، رخِ زیبا کے خدوخال اس بات کا پتہ دے دیا کرتے تھے کہ آپ ظاہر میں بھی شریف ہیں اور باطن میں بھی شریف ہیں۔۔۔۔ کردار و عمل۔۔۔۔۔ اخلاق و مروت۔۔۔۔ اور تبسم ریزیوں کے اشاریئے بھی شرافتِ نفس، طہارت قلب اور صفائے ذہن کو ثابت کرتے تھے۔۔۔۔۔ آپ غیروں سے

بھی شرافت سے ملا کرتے تھے،آپ برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا رویہ اپنایا کرتے تھے۔۔۔۔۔ایسا نہیں ہے کہ آپ کا برا چاہنے والا نہ تھا۔۔۔۔۔تھا اور یقیناً تھا اپنوں میں بھی تھا اور غیروں میں بھی تھا۔۔۔۔۔۔یہی سبب ہے کہ آپ نے ،ستم ہائے روزگار،کو اپنے دل میں جگہ عنایت کردی اور زبان سے اُف بھی نہ کہا۔۔۔۔۔۔ایسے اخلاق ومروت کا انسان بہت ہی کم ملا کرتا ہے۔میں نے کئی ایک بار حضور مجاہد ملت کو دیکھا ہے۔ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور دیکھ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ ایسے پُر وقار اور صاحب کردار ہیں جو شرافت ومحبت سے بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہہ دیا کرتے تھے اور قطعی طور پر انجام کی پرواہ نہ کیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔نہ زادسفر کا مطالبہ ہوتا تھا اور نہ ہی نذرانہ کی فکر۔۔۔۔اچھے اور شریف انسانوں کا یہی شیوہ وعمل ہوا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔بطور تمثیل ایک واقعہ پیش نظر ہے۔۔۔۔۔۔کسی سانپ سے لوگوں نے پوچھا۔۔۔۔۔۔ تمہارے بِل کے روبرو جب کوئی بین بجاتا ہےتو تم اپنی بِل سے باہر کیوں نکلتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ بین بجانے والا تمہارا اپنا نہیں ہے بلکہ تمہارا دشمن ہے اس کے باوجود تم باہر نکلتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔سانپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔۔۔۔۔ جب کوئی محبت کی زبان سے پکارے اور میں باہر نہ آؤں ۔۔۔۔۔۔ یہ مروت کے خلاف ہے۔۔۔۔ میرا مجاہد بھی ایسا ہی تھا۔کہ مروت کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا تھا ۔۔۔۔کیا یہ ان کی شرافت ومروت کی دلیل وعلامت نہیں؟

عجز وانکساری۔۔۔۔۔۔

عجز وانکساری اور تواضع بھی ایک ایسا وصف ہے جسے نصیب ہوجاتا ہے وہ ہر دلعزیز ہوجایا کرتا ہے جہاں جاتا ہے عزت پاتا ہے، جہاں رہتا ہے وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہےتو اس کے لبوں پر مسکان ہوتی ہے، چہرے کے خدوخال مثل آفتاب درخشاں ہوجاتے ہیں ۔۔۔۔۔سرکار مجاہد ملت بھی ''عجز و انکساری'' کے خوبصورت پیکر تھے۔۔۔۔۔۔ یہ باتیں صرف حکایت پر مبنی نہیں ہیں بلکہ عام تجربوں اور

مشاہدوں پر موقوف ہیں ۔۔۔۔۔۔ جب میں جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں زیر تعلیم تھا ۔۔۔۔۔۔ اس وقت بنارس کے کسی محلہ میں آپ کی تشریف آوری ہوئی ۔۔۔۔۔۔۔ اسی محلہ بلکہ اسی کے گھر جہاں آپ کا قیام تھا ''توشہ شریف'' کی نیاز تھی ۔۔۔۔۔۔۔ جامعہ ہٰذا کے اساتذہ اور طلبہ دونوں مدعو تھے ۔ جب طلبہ پہونچے اور ہر ایک طالب علم نے آپ سے شرف نیاز حاصل کیا۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو قبل اس کے کہ طلبہ آپ کی دست بوسی کرتے ۔۔۔۔۔۔۔ خود آپ نے دست بوسی کی ۔۔۔۔۔۔۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے ایسا نہیں ہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے یا کسی سے پوچھ کر اسے قلم بند کیا ہے اور یہ کوئی محض اتفاق نہیں تھا ۔۔۔۔۔ بلکہ یہ آپ کی عادت معروفہ تھی ۔۔۔۔۔ میرے خیال میں یہ شیوہ کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا ۔۔۔۔۔ نہ اُس دور میں اور نہ ہی اس دور میں ۔۔۔۔۔ اس سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ عجز وانکساری کسی مقصد پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ اخلاص اور بے لوث جذبے پر موقوف تھا ۔۔۔ جو کام بے لوث جذبے پر موقوف ہوتا ہے اس کی قبولیت نہ صرف آسمان پر ہوتی ہے بلکہ زمین پر بھی ہوتی ہے نہیں نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔ بتایئے اس طرح کے انسان ہم کہاں سے لائیں؟ اور چراغ لے کے کہاں، کہاں ڈھونڈھیں؟ کوئی تو بتائے۔ وہ کہاں ملیں گے؟ جہاں کہیں۔ وہیں ہم انہیں ڈھونڈھنے کو نکلیں ۔۔۔۔۔۔ ایسی کوئی جگہ ہو، تو بتائی جائے، جب ہے ہی نہیں، تو کوئی کیا بتائے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے ان کے جیسا کوئی مل ہی نہیں سکتا ہے ۔۔۔۔۔۔ اسی لئے میں نے کہا تھا نا ۔۔۔ ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے ۔۔۔

مال و دولت کی کثرت

جو ''مرد جوزاء'' ہوتا ہے اس کے پاس کثرت کے ساتھ دولت ہوتی ہے اور مال کثیر ہوتا ہے، یہ وصف بھی ''سرکار مجاہد ملت'' کی شخصیت میں پایا جاتا ہے ۔۔۔۔ آپ کو ورثے میں اس قدر مال، دولت، زمین، جائداد اور باغات ملے تھے کہ جن کا کوئی شمار نہ تھا ۔۔۔۔ میں نے سنا ہے لوگ انہیں ''رئیس اڑیسہ'' کہا کرتے تھے، اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان کی زمین

پر ریل ایک گھنٹہ تک چلا کرتی ہے۔۔۔۔۔۔اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے آپ کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔۔۔۔۔۔آپ چاہتے تو عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے اور ناز و نعم میں رہ سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا کبھی نہیں چاہا۔۔۔۔۔آپ سادہ تھے اور سادگی ہی کو پسند فرمایا۔صرف یہی نہیں۔ بلکہ عام لوگوں کی مانند لائن میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔۔۔۔۔ مجھے خوب یاد ہے بریلی شریف کی سرزمین ہے ''عرس رضوی'' کے دن ہیں ''دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف'' کے دفتر میں لنگر کی تقسیم ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔اور باہر گلی تک زائرین کی لائن ہے۔حضور مجاہد ملت بھی اسی لائن میں کھڑے ہیں۔۔۔میں نے دیکھا عرض کیا۔۔۔۔۔سرکار! آپ تشریف رکھیں، یہ کام آپ کا غلام کر دیتا ہے آپ نے فرمایا نہیں ۔یہ بزرگوں کا تبرک ہے اور تبرک کے حصول کے لئے عام زائرین جیسا بھیس ہونا چاہیئے ؎

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ایسا نہیں ہے کہ'' سرکار مجاہد ملت'' کو''بریلی شریف'' میں کوئی نہیں جانتا تھا، میرا ماننا ہے کہ بریلی شریف اور اعلیٰ حضرت کے خاندان کا بچہ، بچہ جانتا تھا۔۔۔۔اور ان کی شخصیت سے سبھی واقف تھے، مگر جس منزل پر آپ فائز تھے اس منزل کا تقاضا یہی تھا، کہ کسی بزرگ کی بارگاہ میں حاضری دیجئے تو اس حال میں کہ دل خالی ہو، طبیعت میں سادگی رہے اور بھیس فقیروں جیسا ہو۔۔۔۔جب کوئی اس انداز میں کسی کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو اس پر اس کے جان جاناں کی چشم عنایت ہوتی ہے اور قدم قدم پر اسے محبوب کی جانب سے یہی پیغام ملتا ہے کہ ؎

سانس آہستہ لیجئے بیمار
ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

ذہانت وفطانت

اس بارے میں، میں سمجھتا ہوں کسی کو شک نہیں ہو سکتا ہے۔کہ'' مجاہد ملت'' نہایت ہی ذہین و فطین تھے اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔یہ ذہانت آپ کو بدرجۂ اتم ملی ہوئی

تھی ۔علم کا کوئی ایسا گوشہ نہیں تھا ۔جو آپ کے حیطۂ ادراک سے باہر ہو۔اسی فطانت کا کرشمہ تھا کہ آپ کی شخصیت میں،فکر و تدبر،نقد و نظر اور بال کی کھال نکالنے کی صفت پائی جاتی تھی ۔۔۔۔ مناظرے کے میدان میں آپ کی اس صفت کا زبردست مظاہرہ ہوتا تھا ۔۔۔۔۔مناظرے کی شرائط،آپ کے روبرو طے ہوتے تھے اور جب مناظرہ ہوا کرتا تھا۔تو آپ ہی کو اس کا صدر منتخب کیا جاتا تھا۔۔۔۔بریلی کا مناظرہ ہو،جھریا کا مناظرہ ہو یا پھر بنارس کا مناظرہ ہو۔ ہر مناظرے کے آپ ہی صدر تھے۔۔۔۔۔اس سے ثابت ہوتا ہے قوم آپ کو اپنی جماعت کا نمائندہ تصور کرتی تھی ۔۔۔۔ میرے مجاہد نے قوم کے اس تصور کو نہ تصور رکھا بلکہ اسے ''شوخ و چنچل'' بنا دیا اور اس میں رنگ بھرنے کی پوری پوری کوشش کی ۔۔۔۔۔ اس بارے میں آپ سے کہیں بھی چوک نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی خطا سرزد ہوئی ۔۔۔۔۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن لیں ،پاؤں میں بیڑیاں ڈال لیں،سعودی نجدی کارندوں کے ہر ایک ظلم و ستم گوارا کرلیا۔۔۔۔ جماعتی کاز کو نقصان نہ پہونچنے دیا۔۔۔آپ کو جماعت اور جماعتی تقاضوں سے کس قدر پیار تھا؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے: ایک مناظرے میں آپ صدر تھے اور ایک نو آموز مناظر تھا۔حالانکہ آپ انہیں مناظر بنانا نہیں چاہتے تھے مگر کچھ ایسے حالات تھے۔جن کی وجہ سے انہیں بحیثیت مناظر آپ نے قبول کرلیا۔۔۔۔۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو سنیوں کا مناظر مرعوب ہوتا چلا گیا۔۔۔۔اس صورت حال سے آپ آبدیدہ ہو گئے۔اسی شہر میں ''مولانا مشتاق احمد نظامی'' بھی تشریف فرما تھے انہیں جب اس بات کی اطلاع ہوئی۔اور یہ خبر پہونچی کہ ''سرکار مجاہد ملت'' کی آنکھوں سے اشکوں کا جاری ہونا دیکھا گیا ہے ۔۔۔۔۔علامہ نے ٹیکسی کی اور مناظرہ گاہ میں جا پہونچے ۔۔۔۔۔نو آموز مناظر کے ہاتھ سے مائک لیا اور خود مناظر کی حیثیت سے بولنے لگے،آپ نے ایسے معقول و مدلل انداز میں مناظرہ کیا کہ مخالفین میں صفِ ماتم بچھ گئی ۔۔۔۔۔ بالآخر مناظرہ سنیوں کے حق میں گیا''اور فتح نصیب ہوئی ۔۔۔۔۔ یہی وہ موقعہ ہے جب'' مجاہد ملت'' نے فرمایا تھا

۔۔۔۔۔۔ اے مشتاق ! میرے پاس دولت نہیں ورنہ میں تجھے سونے سے تول دیتا
۔۔۔۔۔۔کیا یہ جماعتی نمائندگی نہیں؟ تو پھر کیا ہے؟ کیا جماعت میں ایسا کوئی فرد ہے؟ جو اس طرح کے ایثار و قربانی، اور بے لوث جذبوں سے کام لے؟ کاش اگر ہماری جماعت میں کوئی ایسا ہوتا۔ تو آج ہماری جماعت ''جماعتی قوت'' نہ کھوتی ۔۔۔۔۔۔اس لئے میں اس اعلان میں حق بجانب ہوں کہ۔۔۔۔۔ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے۔۔۔۔

حوصلہ اور جرأت رندانہ

کوئی بھی مفت میں ''مجاہد'' نہیں بنتا ہے بلکہ کوئی اس وقت ''مجاہد'' بنتا ہے جب اس کے اندر حوصلہ ہوتا ہے او وہ جرأتِ رندانہ سے کام لیتا ہے، کانٹوں بھری راہ پر چلتا ہے، سنگلاخ زمینوں کو طے کرتا ہے، اور بسر و چشم تختۂ دار کو بوسہ دیتا ہے، یہ ساری خوبیاں میرے مجاہد کی شخصیت میں پائی جاتی تھیں ۔۔۔۔۔اس لئے مشائخ، علماء، فضلاء اور قوم نے انہیں مجاہد کہا ۔۔۔۔۔دیار خویش میں بھی ان کا یہی انداز ہوتا تھا اور دیار غیر میں بھی ان کا حوصلہ ''کوہِ ہمالہ'' کو مات دیتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔اسی وجہ سے میرا مجاہد ''مجاہد ملت'' تھا

۱۹۷۸ء میں بنارس میں ''غیر مقلدوں اور سنیوں'' کے درمیاں مناظرہ طے ہوا۔ اپنی پرانی اور قدیمی روش کے تحت وہابیوں نے مناظرہ ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔۔۔۔۔۔کبھی کوئی بہانہ۔۔۔۔۔۔تو کبھی کوئی اور بہانہ۔۔۔۔۔۔۔جب کوئی بھی بہانہ کامیاب نہ ہوا تو انہوں نے ''نقض امن'' کا سہارا لیکر انتظامیہ سے فریاد کی ۔۔۔۔اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا اگر ہمارے حریف کو مناظرہ کرنا مقصود نہیں تو مباہلے کے لئے تیار ہو جائیں اہلسنت کی جانب سے میں کھولتے ہوئے تیل کی کڑھائی میں کودنے کو تیار ہوں ان کی جانب سے کون آتا ہے اس کا نام بتایا جائے۔ یہ تقریر مدرسہ غوثیہ حنفیہ بجرڈیہہ بنارس کے میدان میں ہوئی تھی ۔۔۔۔۔اس تقریر کے بعد وہابیوں میں صف ماتم بچھ گئی ۔۔۔۔۔آخر کار مناظرے کے لئے وہابیوں کو تیار ہونا ہی پڑا۔۔۔۔۔۔یہ مناظرہ ایک بڑے ہال میں ہوا تھا۔ اس مناظرے کے صدر ''حضور مجاہد ملت'' تھے اور بعد میں علامہ مشتاق احمد نظامی

اس کے صدر بنائے گئے تھے ۔ اور مناظر'' محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفی صاحب'' تھےاس میں ''حضور شمس العلماء مصنف قانون شریعت'' جلوہ فرما تھے۔اسی موقعہ سے مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔۔۔۔کہ مناظرہ گاہ جانے کے لئے ''حضور شمس العلماء ''رکشہ پر سوار ہوئے حضرت کے ساتھ میں بھی بیٹھا تھا۔رکشہ ''الجامعۃ الاسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس'' کے مین گیٹ سے گزرتا ہوا ''الجامعۃ السّلفیہ بنارس'' کے پاس سے گزرا ۲ر ۳ر سلفی مولوی اوپری منزل پر کھڑے تھے ان میں سے ہر ایک نے قاضی صاحب کو دیکھ کر اشارہ کیا اور آپس میں باتیں کیں ''یہ شمس العلماء ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے۔کہ آپ کو منطق اور فلسفہ کے علوم میں مہارت تامہ حاصل ہے کاش ہم میں بھی کوئی شمس العلماء ہوتا تو مزہ ہی کچھ اور ہوتا'' میں نے اتنی باتیں سنیں اور رکشہ آگے چلا گیا۔اور وہ تینوں باتیں کرتے رہے اس کے بعد انہوں نے کیا کہا ۔اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس جماعتِ علماء سے قاضی صاحب کا تعلق تھا اسی سے ''مجاہد ملت'' کا بھی تعلق تھا اور اس جماعت کا رعب و دبدبہ غیروں پر طاری تھا لہٰذا ہم سب کو اس بات پر فخر کرنا چاہیئے کہ ہماری جماعت میں ایسے ایسے ''لعل بدخشاں'' تھے کہ غیروں کو نصیب نہیں ہوا۔اگر ہم ان کی قدر نہ کریں۔اور ان کو ''نشانۂ ستم'' بناتے رہے۔تو یہ ہمارے لئے جماعتی المیہ ہے۔علماء کی یہ پوری جماعت فقید المثال تھی اسی لئے میں کہتا ہوں۔۔۔۔

ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے......

کمال علم اور براعت نطق

اس بات میں کسے شک وتردد ہوسکتا ہے کہ آپ قابل ترین انسان تھے اور اپنے وقت میں تنہا تھے آپ کے علم اور شعور وفکر کا جواب نہ تھا۔ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز تھے جسے آپ نے پڑھایا اسے کمال تک پہونچا دیا۔ان کے علم وفکر اور شعور و ادراک کی بہت سے مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مکتوبات اور مناظرے نیز آپ کی کچھ تصنیفات اس پر شاہد عدل ہیں۔۔۔۔ جہاں تک تقریر اور خطابت کی بات ہے اس دور

میں خطابت کا انداز وہ نہیں تھا جو اس دور میں پایا جاتا ہے آپ کی خطابت میں ’’وعظ ونصیحت اور دعوت وارشاد کا عنصر زیادہ پایا جاتا تھا۔ آپ کے بولنے اور نطق میں سرعت پائی جاتی تھی اور لفظوں کے ادا کرنے میں تیزی پائی جاتی تھی۔ یہ سرعت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہاں معلومات اور مضامین میں انتظار نہ تھا۔ بلکہ ہر مضمون ان کی زباں سے ادا ہونے میں پہل کرتا تھا۔ یہ صورت حال وہیں پائی جاتی ہے جہاں معلومات میں وسعت ہوتی ہے اور لفظوں کا ذخیرہ کشادہ ہوا کرتا ہے وسعت معلومات، ذخیرۂ الفاظ کی کشادگی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جس شخصیت میں یہ وصف پایا جاتا ہے وہ شخصیت تہہ دار ہوا کرتی ہے اور شخصیت کی ہر ایک تہہ ’’جلوہ گاہ جان جاناں‘‘ ہوا کرتی ہے مجاہد ملت کی شخصیت بھی تہہ دار تھی اور ہر ایک تہہ میں ہزاروں جلوے تھے۔ ہر ایک جلوے میں رنگینیاں، رعنائیاں پائی جاتی تھیں۔ اب کون بتائے کہ یہ رعنائیاں کیسی تھیں؟ شخصیت کا مطالعہ آسان نہیں ہے یہ ایک امر دشوار ہے اس کا عمومی مطالعہ تو ہوسکتا ہے مگر خصوصی مطالعے سے ہزاروں دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ ان دشواریوں کو گلے لگانا ہم جیسے بےعلم کے بس کی بات نہیں اس کے لئے ولایت کی نگاہ چاہیئے۔

ظاہر و باطن میں یکسانیت

شخصیت کے عمومی مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر اور باطن کو ایک سا ہونا چاہیئے یعنی جیسا ظاہر ہو ویسا ہی باطن ہو اور جیسا باطن ہو ویسا ہی ظاہر ہو اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہی کرے جو کہے اور جو کہے وہی کرے ایسا نہ ہو کہ کرنے اور کہنے میں فرق ہو جہاں اس طرح کا فرق ہوتا ہے وہیں شخصیت کسی نہ کسی حادثے کی شکار ہوجاتی ہے

: ایک سلیم القلب انسان حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۰۴ ہجری) کے پاس آیا۔ عرض کیا۔ مجھے اکل حلال کی آرزو ہے۔

حضرت شعبی علیہ الرحمہ نے بطور خوش مزاجی ارشاد فرمایا:

جا اور کسی جزیرے میں سکونت اختیار کر، اپنے ہاتھوں سے مچھلی شکار کر،

آفتاب سے بھون، اور کھالے، وہ گیا اور ۱۲/سال تک ایسا ہی کیا جیسا کہ

حضرت شعبی نے فرمایا تھا۔۔۔۔
جب حضرت شعبی نے حجاج بن یوسف ثقفی کے خوف سے ترک وطن کیا۔ اتفاق سے اسی جزیرے میں گئے تو آپ نے اسی سلیم القلب کو نہایت ہی کمزور، ناتواں اور سیاہ صورت میں دیکھا، یہ مشاہدہ کیا۔ بہت سی مچھلیاں جمع کر کے آفتاب کے روبرو رکھ دیا ہے اور خود نماز میں مشغول ہے۔
شعبی نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ مجھے جانتے ہیں؟ میں کون ہوں؟
اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔ہاں! آپ وہی ہیں نا۔۔۔۔۔۔جس نے اوروں کو اکل حلال کا حکم دیا اور خود اکل حلال سے گریز کیا۔ اگر آپ حلال کا ایک لقمہ بھی کھالیتے تو حجاج کے خوف سے آپ یہاں نہ آتے (سلک السلوک ص ۱۶۲)
یہ واقعہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے جو کہو وہی کرو۔ جو کرو وہی کہو۔۔۔۔۔میرا مجاہد بھی اس خوبی کا پیکر تھا اسی خوبی کے سبب ان کے باطن کے جلوے دکھائی پڑتے ہیں اور آپ ولایت کی اعلیٰ منزل پر فائز نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔جنہوں نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے وہ جانتے ہونگے کہ میرا مجاہد نہ صرف عالم و مناظر اور مدرس و واعظ تھا بلکہ ایک ولی کامل بھی تھا ان سے متعلق بہت سے واقعات ہیں جو ان کی ولایت کی جانب ہمارے ذہنوں کو مرکوز کرتے ہیں۔۔۔۔۔میرے گاؤں ڈمراواں ضلع بانکا بہار میں ''سنی بریلوی'' بھی ہیں اور دیوبندی بھی ہیں۔۔۔۔۔۔دونوں کے مابین آئے دن تنازعات بھی ہوتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے مقابلے میں جلسے بھی ہوتے ہیں ابھی تک مناظرے کی نوبت نہیں آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوبندی حضرات مناظرے سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھا کرتے ہیں اس لئے کہ مناظرے کے میدان میں کبھی یہ کامیاب ہی نہیں ہو سکتے ہیں بہر حال حق حق ہی ہوتا ہے باطل اپنی دسیسہ کاریوں سے اسے مات نہیں دے سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۱۹۸۰ء سے قبل اسی طرح کا ایک تنازع کھڑا ہوا تھا سنیوں کے جلسے میں یہ علمائے کرام مدعو تھے
☆ حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ

☆ حضرت علامہ مولانا محمد مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمۃ

☆ حضرت مولانا محمد جہانگیر خاں صاحب بھاگلپوری

☆ حضرت مولانا محمد علیم الدین صاحب قبلہ

☆ اور بندۂ ناچیز محمد شمشاد حسین رضوی

حضور مجاہد ملت نے سب سے اخیر میں تقریر فرمائی ۔۔۔۔۔ اس تقریر میں کیا علمی نکات تھے؟ اور کیسے عجیب وغریب لطائف تھے؟ اور کیا ہی خوبصورت انداز بیاں تھا؟ میں بیان نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔ کہ یہ محسوس کرنے والا تھا۔ اسے لفظوں میں بیان کرنے کے لئے لفظوں کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر چاہیئے جو سرکار مجاہد ملت کے پاس تھا۔ دور حاضر میں ایسا کوئی ملتا نہیں جس کے پاس لفظوں کا پُر جوش سمندر ہو۔۔۔۔۔

ایسا کہاں سے لاؤں؟ کہ تجھ سا کہیں جسے

حضور مجاہد ملت ولئ کامل کی حیثیت سے

ہم سب کو معلوم ہے کہ سرکار مجاہد ملت اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ مرشد برحق اور جلوۂ حق وصداقت تھے۔ نگاہ ناز میں ایسی تاثیری کیفیت پائی جاتی تھی کہ جسے آپ محبت کی نظر سے دیکھ لیا کرتے تھے خواہ وہ کیسا ہی سہی؟ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔۔۔۔۔ آپ کی شخصیت پر جب ولایت کا غلبہ ہوا تو درسگاہ سے نکل کر قوم وملت کی اصلاح کے لئے میدان عمل میں تشریف لے آئے اور اصلاحی امور کو انجام دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔۔۔۔۔۔ قوم نے جہاں آپ کو پکارا آپ وہیں تشریف لے گئے۔۔۔۔۔۔ سفر کی صعوبتیں بھی آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوئیں۔۔۔۔۔ آپ کے دلائل ولایت میں درج ذیل امور آتے ہیں مثلاً

☆ علوم وفنون ۔۔۔۔۔۔ آپ اپنے دور میں علم کے میدان میں یکتا تھے ولی وہی ہوتا ہے جو بہترین عالم ہوا کرتا ہے اور مذہبیات پر جس کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے۔ یہ منصب کسی بھی فرد کو وراثت میں نہیں ملتا ہے ایسا نہیں ہے ولی کا بیٹا ولی ہوتا ہے جس طرح کسی عالم کا بیٹا عالم نہیں ہوتا ہے ٹھیک کسی ولی کا بیٹا ولی نہیں ہوتا ہے خواہ اس کا خاندان کتنا ہی عالی وقار

کیوں نہ ہو۔ اگر ولایت کو موروثی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ہوگا کہ ہر بڑے منصب پر صرف اور صرف مخصوص افراد کی اجارہ داری ہو جائیگی ۔۔۔۔۔ اسی لئے اگر باپ کسی کو خلافت عطا کرے تو بیٹے کو یہ حق نہیں پہونچتا ہے کہ وہ باپ کی دی ہوئی خلافت کو رد کر دے اگر ایسا ہوتا ہے تو اس جگہ سے امان اُٹھ جائیگا اور اس قدر نزاعات پیدا ہو جائیں گے۔ کہ سلجھائے نہیں سلجھ پائیں گے۔۔۔۔۔ حضور مجاہد ملت ہر ضروری علم میں کمال رکھتے تھے علم ظاہر میں بھی اور علم باطن میں بھی۔۔۔۔۔۔ سلوک اور اس کے مقامات سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ ان پر عمل پیرا بھی تھے اسی لئے آپ سے کبھی کبھی حسب ضرورت کرامتوں کا ظہور ہوتا تھا۔۔۔۔

☆ عمل و کردار۔۔۔۔۔۔۔ ولی وہ نہیں جو کرامت پر کرامت دکھاتا جائے جو صرف کرامت پر کرامت دکھاتا ہے وہ کامل نہیں ہوتا ہے بلکہ ناقص ہوتا ہے اس لئے کہ ''کرامت'' سلوک کی ۱۷رویں منزل ہے جو اسی میں اُلجھ جاتا ہے اس کے آگے بڑھنے کے امکانات گم ہو جاتے ہیں اور جو کامل ہوا کرتے ہیں وہ اپنی کرامتیں چھپاتے ہیں دکھاتے نہیں ہیں۔۔۔۔۔ مجاہد ملت کے یہاں کرامت دکھائی نہیں جاتی تھی بلکہ چھپائی جاتی تھی۔ اور جہاں دینی اور عوامی ضرورت ہوتی تھی وہاں اس کا ظہور ازخود ہو جایا کرتا تھا ۔۔۔۔۔ حضرت جب ہمارے علاقہ میں تشریف لے گئے تو ایک صاحب نے آپ کی اور آپ کے ساتھ علماء کی دعوت کی۔۔۔۔۔ جب ان کے مکان پر پہونچے تو ایک ویران سے گوشہ میں جا کر فرمایا۔۔۔۔۔ چل یہاں سے جا اور کسی جگہ اپنا مقام بنا۔۔۔۔۔ حضرت کے اس ارشاد سے ہم سب نے محسوس کیا حضرت اجنہ سے مخاطب ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا گھر والے کافی پریشان تھے اور دعوت کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ حضرت سے دعا کرنے کی درخواست کروں گا۔۔۔۔۔ مگر اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ حضرت نے بتائے بغیر ان کے دل کے ارادوں کو بھانپ لیا۔ نہ صرف بھانپ لیا بلکہ اس کا مداوا بھی فرما دیا۔۔۔۔۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا ان کے ولی کامل ہونے کی علامت نہیں۔۔۔۔ آپ سے جہاں بھی کرامت کا ظہور ہوا اس سے دعوت و تبلیغ ہی مقصد تھا۔ نہ کہ اپنی ''شخصی انفرادیت'' کا

فروغ وارتقاء۔۔۔۔اسی طرح کا ظہور ولایت کاملہ کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

☆۔۔۔۔۔۔۔۔تحریک خاکسارانِ حق۔۔۔۔۔۔۔اس تحریک کی ابتدا کب ہوئی ؟ اور اس کے سالار کون کون لوگ تھے؟ اس سے بحث کرنا میرا مقصد نہیں۔۔۔۔میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے قیام کا مقصد قوم وملت کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی اصلاح تھا۔۔۔۔میں نے اس کے کارندوں کو دیکھا کہ سب کے سب باشرع اور پابند صوم و صلوٰۃ ہوا کرتے تھے۔۔۔۔۔حکومت وقت جب بھی کوئی فیصلہ ''قوم وملت'' کے خلاف لیتی ۔آپ اس کے آڑے آجاتے اسی لئے کئی ایک بار حکومت وقت نے آپ کو جیل کی سلاخوں میں بند کر دیا۔۔۔۔۔یہ بات بھی مشہور ہے آپ جیل میں بھی ہوتے اور جیل سے باہر بھی دکھائی پڑتے۔۔۔۔۔اللہ والوں کے لئے ایسا کرنا کوئی بعید نہیں ہے

:سنو سنو!

ایک مرتبہ ہارون رشید نے کسی درویش کو گرفتار کر کے حجرے میں اسیر کر دیا۔اور حجرے کو ہر طرف سے بند کر دیا۔کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے ہارون رشید سے کہا۔اے بادشاہ! فلاں درویش تو فلاں باغ میں گشت کر رہا تھا۔لوگوں نے انہیں پکڑ کر ہارون رشید کے سامنے حاضر کر دیا۔

ہارون رشید نے درویش سے کہا:

من ادخلک فی البستان   تمہیں باغ میں کس نے داخل کیا

درویش نے ان کے جواب میں کہا:

من اخرجنی من حبسک   جس نے مجھے تیرے قید خانے سے آزاد کیا

ہارون رشید نے پھر کہا:

من اخرجک من حبسی   تجھے میری قید سے کس نے نکالا

درویش نے خلیفہ ہارون رشید کے جواب میں اس طرح فرمایا:

من ادخلنی فی البستان   جس نے مجھے باغ میں داخل کیا

اس واقعہ کو حضرت مجاہد ملت کی زندگی پر مطابقت کر کے بتایئے۔ کہ حضرت مجاہد ملت ولی کامل تھے یا نہیں تھے...... چونکہ آپ کو بھی حکومت وقت جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا کرتی تھی باوجود ان سلاخوں کے پیچھے رہتے ہوئے بھی آپ جیل کے باہر ہوا کرتے تھے...... عام طور پر جو بھی اس واقعہ کو بیان کرتا ہے اسے کرامت کے زمرے میں پیش کر کے صاحب کرامت کی شخصیت کو غیر معمولی شخصیت میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن میرا ماننا یہ ہے کہ اس واقعہ کو کرامت کے زمرے میں بیان نہ کیا جائے بلکہ اہل زمانہ کو اس بات کا پیغام دیا جائے کہ وہ ذات گرامی جو کسی کو عزت اور وقار عطا کرتی ہے اسے روکنے والا کون ہوسکتا ہے اس لئے کہ عزت دینے والا عزت روکنے والے سے بڑا ہوا کرتا ہے ...... وہ بڑا حاکم ہے اور سب سے بڑا حاکم ہے اور یہاں، وہاں کا حاکم یا اس ملک کا اُس ملک کا حاکم تو چھوٹا ہے اور بہت ہی چھوٹا ہے کسی بڑے حاکم کے سامنے چھوٹے حاکم کی کیا حقیقت ہے یہ بات تو سب کو معلوم ہے کسی سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے بس عزم اور حوصلے کی بات ہے جو حوصلہ اور بلند ارادے والا ہوا کرتا ہے اسی پر قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا کرتا ہے اور جس پر بزدلی یا خوف کا سایہ دراز ہوا کرتا ہے وہ کسی چیز کا حامل نہیں ہوسکتا ہے قدرت کے کرشموں کا ظہور تو بڑی بات ہے اس لئے ایسے لوگ جیل کی سلاخوں میں ہی پڑے رہتے ہیں اور حکومت وقت کی مرضی کے بغیر جیل سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتے ہیں...... حضور مجاہد ملت نے جیل سے باہر آ کر مسلمانوں کو یہی پیغام دیا کہ حوصلہ بلند رکھو...... اپنے ارادے میں پختگی پیدا کرو اور اِن سے اُن سے ڈرنے کی بات نہ کرو بلکہ اس کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کرو جو سب سے بڑا ہے حاکموں کا حاکم ہے...... اس کی رضا پر راضی رہو اس کی رضا سے باہر قطعی اور ہرگز قدم باہر نہ نکالو...... وہ راضی تو سب راضی اور اگر وہ راضی نہیں تو کوئی بھی راضی نہیں...... حضور مجاہد ملت کی زندگی کا یہی معیار رہا ہے اور آپ نے اوروں کو بھی اپنی زندگی میں اسی قسم کے معیار اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے...... یہی وہ پیغام ہے جو کسی انسان کی زندگی میں باغ و بہار لاسکتا ہے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرسکتا ہے...... صحیح اور سچی بات

یہی ہے کہ سرکار مجاہد ملت نے اپنی پوری زندگی میں اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچا اور نہ ہی کسی ذاتی فکر سے کام لیا ہے بلکہ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اسی تگ ودو میں گزر گیا کہ ملت اور قوم کے افراد کو کیسے اور کس طرح سنوارا جائے اور انہیں کس راہ پر لگایا جائے کہ اس کی موجودہ زندگی میں بھی بہار آجائے اور ان کی آنے والی زندگی میں بھی خوشیوں کا موسم جھوم جھوم کر آئے اور فرحت وانبساط نیز کیف وسرور کی کلیاں بھی مسکرانے لگیں ......اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب یادوں کا سہارا لیا جائے ......خیال وتصور کے اسپ تازی کو مہمیز کیا جائے اور فکر وشعور کے سلسلہ کو دراز سے دراز تر کیا جائے......

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں — جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا — تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جلا دیئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں
ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اُٹھتے ہونگے — اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں
آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب — کشتی تمہیں پہ چھوڑی لنگر اُٹھا دیئے ہیں

سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام اشعار ماضی اور اس کی یادوں سے تعلق رکھتے ہیں......سرکار دوعالم شہنشاہ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کو ۱۴ سو سال سے کہیں زیادہ عرصہ گزر گیا ہے مگر جب ان کی ذات وشخصیت سے یادوں کا تسلسل قائم ہوجاتا ہے تو کوئی غم نہیں کوئی حزن اور کوئی رنج نہیں ہوتا ہے بلکہ سارے غم بھلا دیئے جاتے ہیں ان یادوں کے حوالے سے زندگی میں جو خوشیاں آتی ہیں ماشاء اللہ اس کا کہنا ہی کیا......حضور مجاہد ملت نے بھی اپنی زندگی اور اس کی تمام تر ساعتوں کو انہی یادوں کے حوالے کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی رشک جناں اور فخر ثریا بن گئی تھی ......جن مستیوں میں انہوں نے اپنے آپ کو ڈبو دیا تھا وہ بہت زیادہ حیرت انگیز تھیں......آپ دل سے چاہتے تھے کہ میری قوم اور میری جماعت کے سارے افراد انہیں مستیوں سے سرشار ہو

جائے...... ہائے افسوس کہ ہم نے اور ملت کے تمام افراد نے ان کی تعلیمات سے اپنی توجہ قطعی طور پر ہٹالی ہے یہی سبب ہے کہ آج ہم قدم رکھنے میں بھی خوف کھاتے ہیں، قلم پکڑنے سے ہمارے ہاتھوں میں لرزہ پڑ جاتا ہے اور زبان پر ایسی قفل بندی ہو جاتی ہے کہ حق اور سچی باتیں بھی ہم اپنی زبان سے ادا کرنے کے روادار نہیں ہوتے...... گاہے بگاہے بیجا تاویلات اور غیر مناسب ضرورت و حاجت کا سہارا لے کر گھنے جنگلوں میں گم ہو جاتے ہیں...... عوام کی بات کیا کریں یہاں تو خواص ہی بھنور میں کشتی کی مانند ہچکولے کھاتے دکھ رہے ہیں اس لئے میرا ماننا ہے کہ ماضی میں جائیے اور اپنے اسلاف کی یادوں کو زندہ کیجئے تا کہ ان کی ذات و شخصیت اور کردار و عمل سے ''خضر راہی'' کا راستہ ہموار ہو جائے...... ان یادوں کا سہارا کون لیتا ہے کیسے لیتا ہے اور ان کو کس انداز میں پیش کرتا ہے یہ ہر ایک انسان کے مزاج طبعی پر موقوف ہے اور ان کے فکر و ادراک پہ منحصر ہے جس کا جیسا مزاج ہوا کرتا ہے ویسا ہی اس کا انداز پیش کش ہوا کرتا ہے، کوئی زبان سے بیان کرتا ہے، کوئی تحریر سے کام لیتا ہے، کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو یادوں میں کھو جاتا ہے...... اور کچھ ایسے بھی افراد ہوا کرتے ہیں جو یادوں کے پر جوش سمندر میں ڈوب کر نادر و نایاب سیپوں کو نکال لاتے ہیں اور اوروں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ انہیں دیکھتے جاؤ اور دل کے صحراؤں میں کنول کھلاتے جاؤ اور فکر و شعور کے گلشن نئی لطافتوں سے آشنا کرتے رہو...... اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' بھی ہے......

''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترفات''

یہ نہایت ہی معرکۃ الآرا اور بیش قیمت کتاب ہے جو ۲۸۸ ر صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے نام ہی سے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین ہیں، کس قسم کے خیالات ، جذبات اور احساسات بیان کئے گئے ہوں گے اور کیسے کیسے نادر فکر و خیال کو جگہ دی گئی ہوگی جن لوگوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس کتاب کی اچھائیوں سے واقف ہو گئے ہونگے اور جن کو اس کتاب کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا ہے ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کا

مطالعہ کریں اوراس کے حسن وخوبی نیز جمال ورعنائی سے لطف اُٹھائیں......حضور مجاہد ملت کا نام ہی ایسا مقدس، پاکیزہ صاف و شفاف اور مثل آئینہ ہے کہ کوئی بھی اس کتاب کا نام پڑھتے ہی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جیسا اس کا نام ہے ویسی ہی یہ کتاب ہے جس میں سادگی پائی جاتی ہے باوجود اس سادگی کے اس میں جو حسن وزیبائی پائی جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے حضور مجاہد ملت کہاں پیدا ہوئے کب پیدا ہوئے گھر کا ماحول کیسا تھا اور اس میں کیسی کیسی ندرتیں اور رعنائیاں پائی جاتی تھیں......آپ نے کہاں تعلیم حاصل کی، آپ کے کون کون استاذ ہیں، آپ نے کیا کیا پڑھا، کن علوم وفنون پر عبور حاصل کیا، آپ کی فراغت کہاں سے ہوئی......آپ کے اکتساب علم کا معیار کیا تھا اور آپ نے فن کی کس بلندی پر اپنے آپ کو فائز کیا...... یہ اوراسی قسم کی باتیں حیات کے کالم میں لکھی جاتی ہیں......گو کہ سوانح حیات کے بیان کرنے میں سادگی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے مگر اس میں بھی جان ڈال دینا اور رعنائی کی ایک دنیا بسا دینا قلم اور اہل قلم کا کرشمہ ہوا کرتا ہے اس بات کا اندازہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے ہی سے واضح ہوجاتا ہے کسی سمندر کی گہرائی کا اندازہ سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر نہیں لگایا جاسکتا ہے بلکہ اس کے لئے سمندر میں غوطہ لگانا ضروری ہوا کرتا ہے اور یہاں اس کتاب کو پڑھنا ہی سمندر میں غوطہ لگانا ہے......غالباً سرکار مجاہد ملت ابتدائی اٹھائس سال کی زندگی کو حیات کے روپ میں پیش کیا گیا ہے......آپ کی ۷۸ سالہ زندگی میں سے ۲۸ رسال نکال دینے کے بعد پورے ۵۰ رسال کی جو زندگی گزری ہے اس کو خدمات کے طور پر لیا گیا ہے حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب تحریر کرتے ہیں

> آپ پورے پچاس سال تک پورے ہوش وحواس کے ساتھ مذہب و مسلک اور قوم وملت کے لئے خود کو پیش کیا۔آپ کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو دینی، ملی اور سیاسی خدمات کے جذبے سے خالی ہو......بعض صوفیا کا فرمان ہے جو سانس ذکر الٰہی سے خالی ہو کافر ہے۔آپ کی حیات کا مطالعہ اس خیال کو اعتبار عطا کرتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر وفکر سے خالی نہ تھا۔آپ کے

دینی، ملی اور جماعتی درد کو اس بات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ جس شہر میں جاتے قیام کے لئے کسی مسجد کا انتخاب فرماتے۔ عقیدت مندوں کی جماعت یہ چاہتی کہ حضور کسی کے گھر پہ قیام کریں۔ عقیدت مندوں کو آپ جواب دیتے کہ گھر کے دروازے عموماً دس بجے رات میں بند ہو جاتے ہیں لیکن خدا کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں ہماری ضرورت قوم کو نہ جانے کس وقت پیش آ جائے۔ گھر میں قیام کرنے سے صاحب خانہ کو ہمارے لئے پوری پوری رات بیدار رہنا ہوگا اور یہ دقت طلب کام ہے۔ مسجد میں نہ آنے کی پابندی نہ جانے کی پابندی۔ مصلحین امت کی تاریخ میں ایسی مثال بہت کم ملے گی۔ آپ کی اس طرز زندگی پر جس قدر غور کیجئے حیرانیاں بڑھتی جاتی ہیں اس حوالے سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی دینی، ملی علمی اور سیاسی خدمات سے پورے عہد کو متأثر کیا۔ اور آج جو بھی آپ کی حیات کا مطالعہ کرتا ہے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ عہد حاضر کے مصلحین امت کے لئے آپ کی حیات کی ہر سانس مشعل راہ ہے

(حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات ص: ۳۸، ۳۹)

اس اقتباس کا تعلق حضور مجاہد ملت کی خدمات سے ہے حالانکہ آپ کی خدمات کے بے شمار گوشے ہیں جن پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے مگر مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب نے خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کر کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ انہیں جہاں حضور مجاہد ملت کی وسیع خدمات کی جانکاری ہے وہیں انہیں اس بات پر عبور بھی حاصل ہے کہ سمندر کو کوزے میں سما دیں اور کوزے کو سمندر میں تبدیل کر دیں ......اس طرح کی قدرت بیان ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ کسی کسی کو حاصل ہو جایا کرتی ہے یہی وہ انفرادیت ہے جو مولانا موصوف کو اپنے عہد کے ارباب قلم میں منفرد مقام عطا کرتی ہے...... مجھے ان کی اس خوبی پر رشک بھی آتا ہے اور فخر بھی ...... کسی کو کیا معلوم؟ کہ سمندر میں کتنی گہرائی ہے اس بات کو وہی بتا سکتا ہے جو سمندر کی گہرائی میں اتر کر اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے کچھ اسی طرح کی

بات اس جملہ سے محسوس ہوتی ہے اور وہ جملہ یہ ہے'' آپ کی اس طرز زندگی پر جس قدر غور کیجئے حیرانیاں بڑھتی جاتی ہیں'' مولانا موصوف نے پہلے خود'' حضور مجاہد ملت کی اس طرز زندگی پر غور کیا اور خود کو حیرانیوں میں مبتلا پایا۔ اس لئے مولانا نے فرمایا: '' آپ کی اس طرز زندگی پر جس قدر غور کیجئے حیرانیاں بڑھتی جاتی ہیں'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جملہ جو مولانا کے قلم سے معرض تحریر میں آیا ہے یہ ان کی آپ بیتی ہے اور جب کوئی بات آپ بیتی کے طور پر کہی جاتی ہے تو اس کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے اور اس کے حسن و جمال اور جذب و کشش میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے...... میں نے مولانا موصوف کی بہت سی تحریروں کو دیکھا بھی ہے اور ان کا مطالعہ بھی کیا ہے وہ جو بات کرتے ہیں یا جب بھی کوئی تحریر لکھتے ہیں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے لکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی ہیں بقول اقبال ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

حضور مجاہد ملت کی خدمات کے بے شمار گوشوں پر اس کتاب میں گفتگو ملتی ہے اور بڑے ہی پُر اثر انداز میں ملتی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے میرا تو اپنے قارئین سے یہی کہنا ہے کہ مولانا کی تحریرات کا مطالعہ فرمائیں اس کے بعد ہی فیصلہ کریں کہ مولانا کی تحریر میں کس غضب کی اثر و تاثیر پائی جاتی ہے...... اس کے بعد مسئلہ آتا ہے'' اعترافات'' کا ......اس میں مولانا نے حضور مجاہد ملت کے عہد کے علماء و دانشور اور دور حاضر کے علماء کے تأثرات کو قلم بند کیا ہے...... جن کے تأثرات اس کتاب میں شامل ہیں ان کی ایک لمبی فہرست ہے ان تمام اہل قلم کے ناموں کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں بس یہاں ان چند ناموں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اہل سنت کی پیشانی پر مثل چاند و سورج چمک دمک رہے ہیں...... حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خاں بریلوی...... سرکار مفتی اعظم ہند...... حضور صدر الافاضل ...... حضرت علامہ عبد القدیر بدایونی ...... حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین...... حضور شمس العلماء جونپوری ...... قطب مدینہ حضرت ضیاء الدین مہاجر مدنی ...... حضور حافظ

ملت مرادآبادی......علامہ قائم چشتی......مولانا سید فضل الرحمان مہاجر مدنی ......حضرت سید شاہ مختار اشرف کچھوچھوی ......علامہ ارشد القادری......علامہ مشتاق احمد نظامی ......حضرت امین شریعت اور حضور تاج الشریعہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ...... یہ وہ ہمارے اکابر و مشائخ ہیں جن کے قلم ناز سے نکلا ہوا اک اک حرف حق کی میزان پہ تولا ہوا ہوتا ہے، سچائی اور راست کا آئینہ ہوا کرتا ہے یہ مثل انہیں پاکان زمانہ پہ صادق آتی ہے

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی اجتماعی رائے پر یقین کیا جاسکتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں یہ یقین بھی ایسا ہوتا ہے جیسا یقین روایت متواترہ سے حاصل ہوا کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسلاف کا کسی بھی کذب پر اجتماع نہیں ہوسکتا ہے......ان کی شخصیتیں تو مثل شیشہ صاف و شفاف تھیں، ان پر کذب جیسا بدنما داغ کا کسی کو گماں کیونکر ہوسکتا ہے......ان ذوات قدسیہ نے حضور مجاہد ملت کے تعلق سے اپنے جن خیالات، جذبات اور احساسات کا ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی ہیں ان سے ذرہ برابر بھی انحراف مناسب نہیں......عہد حاضر میں جن علماء، فضلاء، مفتیان کرام اور ملک و ملت کے جن دانشوروں نے حضور مجاہد ملت کے بارے میں اپنے خیالات و تأثرات کا ذکر کیا ہے انہیں بھی اسلاف برگزیدہ کے تأثرات کے تناظر میں دیکھا جائے اور کڑی سے کڑی ملا کر اس کا مطالعہ کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کے عہد حاضر کے دانشوروں کی رائے سے انحراف کی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی ہے ......باب اعترافات میں صدیقی صاحب نے تقریباً ۱۰۲/اسلاف، بزرگوں اور دانشوروں کے تأثرات کو جمع کر دیا ہے......ان تأثرات کے بیان کرنے میں جو معنویت پائی جاتی ہے وہ خوب اور بہت ہی خوب ہے اور اس میں جو حسن و رعنائی اور بلا کی کشش پائی جاتی ہے اس کا تصور ہی بے مثال ہے اور کمال ندرت کا بہترین نمونہ ہے یہ تاثرات اپنے آپ میں کوئی آفتاب ہے تو کوئی ماہتاب ہے کچھ کی حیثیت کواکب و نجوم کی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صدیقی صاحب نے ان تأثرات کو پیش کر کے ابر آلود آسمان میں ستاروں کی انجمن سجادی ہے

اور فضا کو ایسا پرنور بنا دیا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر حیرت و استعجاب میں ایک خوشگوار اضافہ ہوتا اور انصاف پسند نیز سنجیدہ قارئین کی زبان سے واہ کی صدا بھی بلند ہوتی ہے اور کوئی آہ بھی بھرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے میں مجھ سے اس قدر تاخیر کیوں ہوئی؟......

کچھ کتاب کے مرتب کے بارے میں

''حضور مجاہد ملت: حیات وخدمات اور اعترافات'' کے مرتب ''حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی'' ہیں ...... جو مشہور ومعروف قلم کار اور مذہبی صحافت کے علم بردار ہیں۔ انشاء پردازی میں انہیں کافی مہارت حاصل ہے۔ بہترین عالم دین، فاضل بے مثال ہیں۔ ان کی سوچ میں مثبت اور تعمیری شعور پایا جاتا ہے...... نہایت ہی مخلص، باوقار اور باعزت ہیں...... انہیں اپنے کام سے مطلب رہتا ہے ادھر ادھر کی باتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں...... مولانا موصوف قلم کے دھنی ہیں اور ان کے پاس معلومات کا ذخیرہ بھی ہے...... اور لفظوں کی بھرمار بھی۔ جب لکھنے پر آتے ہیں تو لکھتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں کسی لفظ کا انتظار نہیں رہتا ہے اور نہ ہی کسی عبارت کا...... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کی صحافتی دہلیز پر لفظوں اور جملوں کی ایک بھیڑ سی لگی ہوتی ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مولانا کی تحریر میں نہ کہیں جھول ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے قلم سے نکلا ہوا کوئی لفظ بوجھل اور گراں محسوس ہوتا ہے...... سبک روی ان کی تحریر کا خصوصی امتیاز اور انفراد ہے......

مولانا کا جو بھی قاری ہوتا ہے کہیں الجھتا نہیں ہے بلکہ پڑھتا ہی چلا جاتا ہے کیونکہ مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر نہایت ہی صاف ستھری اور ہموار ہوتی ہے...... وہ جو بات کہتے ہیں نہایت ہی سادگی سے کہتے ہیں اور اسی سادگی میں بہت کچھ کہہ دیتے ہیں ...... ان کی تحریر میں جو اسلوب ہوا کرتا ہے وہ شگفتہ اور پھولوں کی مانند کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ان کی تحریر کا اسلوب سادہ ہوتا ہے اور یہی سادگی ان کے اسلوب کا زیور ہے...... آراستگی ہے اور زیب وزیبائش ہے۔ نہ مولانا کو ژولیدگی پسند ہے اور نہ ہی الجھاؤ یہی وجہ ہے کہ مولانا موصوف کو جو کہنا ہوتا ہے۔ فوری طور پر کہہ دیتے ہیں اور جو بھی کہتے ہیں منھ پر کہتے ہیں...... پیٹھ پیچھے کہنے کی ان

کی عادت نہیں۔ اپنوں کو بھی اور بیگانوں کو بھی ...... یہ ان کے مزاج اور طبیعت کی بات ہے ......دانشوروں کا ماننا ہے اسلوب شخصیت اور اس میں پائی جانے والی فطری صلاحیتوں اور استعدادوں کا آئینہ ہوا کرتا ہے...... اس لئے کہ اسلوب فکر و خیال اور جذبہ و احساس کے اظہار کا پلیٹ فارم ہوتا ہے جس قدر جذبہ اچھا ہوتا ہے اور فکر و احساس میں شفافیت ہوا کرتی ہے...... اسی قدر اسلوب میں خوبصورتی اور جذب و کشش نمایاں ہوا کرتی ہے اور جب دل میں کوئی سیاہ دھبہ ہوا کرتا ہے یا اس میں نفرت و عداوت کی جھلک پائی جاتی ہے اسی کے حسب مقدار اسلوب اور طرز نگارش میں خرابی در آتی ہے۔ اور الفاظ میں کھردرے پن پائے جاتے ہیں...... مولانا جو کچھ بھی لکھتے ہیں اس میں ان کا دل بھی شامل ہوتا ہے اور ان کا دماغ بھی ......دل اور دماغ کے حسن امتزاج اور دونوں کے شدت احساس سے جو اسلوب تشکیل پاتا ہے اس میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے اور پھر اسی اسلوب کو فکری اور منطقی اسلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے...... یہ ان کی اور ان کے اسلوب بیان کی ایک نمایاں انفرادیت ہے جو مولانا صدیقی صاحب کو نصیب ہوئی ہے......

صدیقی صاحب اور مسلک اعلیٰ حضرت

مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے نمائندہ اور علم بردار ہیں اس کے فروغ و ارتقاء میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ مولانا نے اس کے فروغ کے لئے جی توڑ کوشش کی ہے۔ آج بھی کرتے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے......مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا سا بھی انحراف انہیں پسند نہیں ......اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مولانا موصوف نے ''مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ اس کے خلاف جو آواز اٹھی اور جہاں سے بھی اٹھی اور جس نے بھی یہ آواز بلند کی مولانا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مخالف کی ہر بات اور ہر تنقید کا ترکی بہ ترکی جواب دیا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا اعلیٰ حضرت اور ان کے افکار و نظریات سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں ......اور جب مولانا ''مسلک اعلیٰ

حضرت'' کے مخالفین پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم'' کلک رضا'' بن کر ابھرتا ہے اور ہر ایک کی'' نشتر زنی'' کرتا ہوا گزر جاتا ہے اور ہر ایک کو گہرے زخموں کے کرب و ابتلا میں مبتلا کر دیتا ہے...... مخالفین اپنے گہرے زخموں کا مداوا تو نہیں کر پاتے مگر'' کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کی مانند بڑبڑانے لگتے ہیں کہ مولانا ایسے ہیں...... ویسے ہیں...... انہیں کچھ نہیں آتا ہے...... اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں...... میں نے'' مسلک اعلیٰ حضرت'' پر تین کتابیں تحریر کی ہیں جو زیور طباعت سے مزین ہو چکی ہیں اور بازار میں دستیاب بھی ہیں...... میں نے یہ تینوں کتابیں ایک اچھے اور بڑے آدمی کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں...... انہوں نے اِدھر دیکھا اور ان کتابوں میں مولانا رحمت اللہ صدیقی کا مقدمہ بھی شامل تھا...... اس مقدمہ کو دیکھتے ہوئے ان بڑے مولانا نے مجھ سے فرمایا: آپ کی کتاب اچھی بہت اچھی، تحقیقی اور فکری بھی ہے مگر مولانا رحمت اللہ کی تحریر سے آپ کی کتاب کا معیار گر گیا...... ان کے مقدمہ کو کتاب میں شامل کر کے آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے اس لئے میری نگاہ میں آپ کی شخصیت مجروح دکھائی پڑتی ہے...... میں حیرت میں پڑ گیا کہ آخر مولانا رحمت اللہ میں ایسی کیا بات پائی جاتی ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کی تحریر سے کتاب کی اعتباریت میں فرق آجاتا ہے؟ حالانکہ مولانا سے ہمارے تعلقات برسوں سے ہیں۔ میں ان کے مزاج اور ان کے افکار و نظریات سے واقف ہوں ان کے کردار و عمل میری نگاہ میں ہیں۔ میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ ان کی شخصیت مجروح ہے یا ان کی تحریر کا معیار گرا ہوا ہے۔ پھر بھی ان کے تعلق سے ایسا خیال کیوں؟ یہ ایک سوچنے کی بات ہے! ہاں! ان کی یہ عادت ہے اور ان کا یہ مزاج ہے کہ سچ کہو اور سچ پر عمل کرو اور سچ کے علاوہ کچھ اور نہ کہو...... جو سچ کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے اس کے لئے مولانا کا قلم غضب ڈھا دیتا ہے اور پھر وہ اس کا اس قدر پیچھا کرتے ہیں کہ اسے پانی تک پینے کی مہلت نہیں دیتے بس یہی ان کی خرابی ہے اور اس کے علاوہ مولانا میں کوئی اور بات نہیں پائی جاتی ہے میرے خیال میں یہ کوئی عیب نہیں بلکہ ارباب حق کا شیوہ ہے اس لئے ان کے اس پر عمل کرنے میں کسی کو کوئی اذیت نہیں

ہونی چاہیئے پھر بھی نہ معلوم اس کو عیب اور گالی کیوں تصور کیا جا رہا ہے......سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بڑی شاندار اور بیمثال بات ارشاد فرمائی ہے ؎

آنکھیں ملنا جھنجھلا پڑنا لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

اس شعر کا یہی تو مطلب ہے کہ اٹھنا بیدار ہونا اور دشمنوں کے تعلق سے چاق و چوبند رہنا کوئی گالی نہیں......کوئی عیب نہیں تو اس پر جھنجھلاہٹ کیوں؟ مولانا رحمت اللہ صدیقیؔ نے اگر کسی پر کوئی تنقید کی ہے......اس کی کلائی تھام کر اگر یہ کہا ہے کہ ایسا نہ کرو بلکہ ایسا کرو تو اس میں برائی کیا ہے؟ اور پھر یہ جھنجھلاہٹ کیوں؟ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اور بلا وجہ کسی کو برا بھلا کہا جا رہا ہے......جب کبھی ایسی نوبت آتی ہے تو علم و یقیں......عزم و ارادے اور حوصلوں میں بلندی اور پختگی آتی ہے اور اس کا رنگ اور بھی گہرا ہو جاتا ہے......اپنوں کے لئے ریشم و پرنیاں سے زیادہ نرم ہو جانا اور غیروں کے لئے یا غیروں کی حمایت میں بولنے ،لکھنے والوں کے لئے تیور کو غضبناک اور لہجہ کو کرخت بنا لینے میں کوئی حرج نہیں......مولانا جماعتی مزاج سے خوب واقف ہیں اور اس تعلق سے پل پل کی خبر رکھتے ہیں۔ کہاں کیا ہو رہا ہے یا کہاں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ اس پر بھی ان کی کڑی نگاہ رہا کرتی ہے......کسی کے گھر میں جھانکنا کوئی اچھی بات نہیں مگر جماعتی گھر میں جھانکنا کوئی بری بات نہیں بلکہ یہ جماعت کی حفاظت و صیانت کی واضح علامت ہے کہ نہ کوئی غیر آئے اور نہ کوئی اندر سے باہر جائے ......مگر اس دور کا عجیب مزاج ہے ہماری جماعت میں کوئی آتا نہیں اور جو ہے وہ بھی نکلنے کے لئے کوشش کر رہا ہے اور جماعت کو کمزور کرنے کے لئے ہزاروں قسم کے حیلے اور بہانے تراشے جا رہے ہیں۔ جہاں ایسی صورت حال ہو وہاں بیدار رہنا اور غفلت میں پڑے ہوؤں کو بیدار رکھنا اچھی اور بہت اچھی بات ہے......مولانا جب ملتے ہیں تو بہت ہی فراخ دلی سے ملتے ہیں ......محبت اور خوش اسلوبی سے ملتے ہیں اخلاق اور خلوص سے ملا کرتے ہیں ......مولانا کو جماعت اور افراد قوم کی بڑی فکر رہتی ہے وہ اپنے لئے نہیں روتے ہیں بلکہ قوم و

ملت کے لئے ان کی آنکھوں میں اشک آتا ہے۔ انہیں غم ہے تو بس ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا غم ہے اسی غم کے سائے میں ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ گزر رہا ہے ...... اسلاف اور بزرگوں کی یادوں کا چراغ ان کے دل میں پورے آب و تاب کے ساتھ روشن ہے بزرگوں کی صحبت سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور آج بھی سیکھ رہے ہیں اگر یہ کہا جائے تو کوئی بیجا اور غیر مناسب نہیں کہ مولانا نے ماضی اور اسلاف کی یادوں سے اپنے دل اور اپنے دماغ کو سجائے رکھا ہے اور کبھی اس چراغ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں ...... یہی ان کا ہنر ہے ...... کمال ہے اور ادب و نیاز ہے خدا کرے ان کی زندگی کا سفر یوں ہی جاری وساری رہے اور علم وادب سے ان کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے۔ اور ان کے قلم کی خوشبو سے نئی نسل کی مشام جاں معطر ہوتی رہے۔

حضور مجاہد ملت: حیات وخدمات اور اعترافات، کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو اچھے خاصے اضافے کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا ہے۔ ہماری گفتگو پہلے ایڈیشن کے حوالے سے ہے۔ اس ایڈیشن میں جو اضافات ہوئے ہیں ان کی حیثیت برگ حنا کی ہے۔ جتنی بار مطالعہ کی میز سے یہ اضافات گذرتے ہیں نئی نئی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ نئے نئے گوشوں سے آشنائی ہوتی ہے اور ہر پیرا گراف نئی نئی لذتوں سے آشنائی عطا کرتا ہے۔ مولانا موصوف کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جو کام کرتے ہیں بطور عبادت کرتے ہیں۔ حضور مجاہد ملت کی ذات دینی جذبات واحساسات سے عبارت تھی۔ یہی وصف ان کی شخصیت کو ہجوم میں ممتاز کرتا ہے۔ ان کی دینی، ملی اور مسلکی قربانیاں کوثر وتسنیم سے تیار کی گئی روشنائی سے لکھی جائیں تو بھی حق ادا نہ ہوگا۔ حضور مجاہد ملت کے اوصاف وکمالات سے مولانا موصوف بہت زیادہ متاثر ہیں یہی وجہ ہے کہ موصوف حضور مجاہد ملت کے بکھرے ہوئے نقوش حیات کی ترتیب وتدوین میں بہت دنوں سے مصروف سفر ہیں۔ زیر نظر ایڈیشن ان کے طویل قلمی سفر کا اشاریہ ہے اس میں قارئین کے لیے بہت کچھ نیا ہے۔ یہ کتاب حضور مجاہد ملت کے تعارف کا نیا باب ہے۔ ہمارے دعوے میں کہاں تک صداقت ہے اس کا فیصلہ قارئین کو کرنا ہے۔

تاریخ ...... ۹ دسمبر ۲۰۲۰ء

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر سہسرامی

تبصرہ

نام کتاب: حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات (پہلا اڈیشن)
مؤلف: مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی
صفحات: ۲۸۸
قیمت: ۲۵۰
ناشر: رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس سرہٗ الہادی جو اپنے مجاہدانہ کارناموں کی بنیاد پر طبقۂ عوام وخواص میں نام سے کم اور مجاہد ملت سے زیادہ جانے پہنچانے جاتے ہیں، آپ کی ذات وشخصیت کا تصور جہاں ہوتا ہے تو خود بخود توکل، استغنا، حق گوئی و بے باکی، عزیمت، قربانی، جہد مسلسل، انہی کے ساتھ ساتھ زہد، تقویٰ، پرہیز گاری جیسی صفات مومنانہ پس منظر سے ابھرا بھر کر سامنے آتی ہیں۔

آپ کی حیات وخدمات کے منظرنامے پر جن حضرات کی نظر ہے یقیناً ان پہ یہ امر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ پروردگار عالم نے دین وملت کے درد سے بھرا ہوا سینہ آپ کو عطا فرمایا تھا، یوں تو آپ کی ولادت باسعادت ایک امیر ترین گھرانے میں ہوئی، رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی، گھر کا پورا ماحول امیرانہ شان وشوکت کی عکاسی کر رہا تھا لیکن شعور کی آنکھ کھلی تو آپ کے مزاج نے امارت وریاست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، روٗفیہ اسٹیٹ کے آپ تنہا مالک و وارث تھے جو اسٹیٹ سالانہ انچاس ہزار روپے برٹش گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتا تھا، لیکن دنیا سے بے رغبتی اور استغنا کا جو مزاج تھا اس نے امارت سے رشتہ بحال رکھنا قبول نہ کیا اور پھر ریاست سے رشتہ توڑ کر درویشی وفقیری آپ کا اوڑھنا

بچھونا ہوگئی، ہم عصر علما میں آپ کو توکل، استغنا، فقر، بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی، جرأت و بے باکی، حق گوئی و پامردی جیسی صفات عالیہ کی بنیاد پر نشان امتیاز حاصل تھا، بھیڑ میں بھی یکہ وتنہا دکھائی پڑتے تھے۔

کیا حسن ہے، جمال ہے کیا رنگ و روپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

حضور مجاہد ملت اپنے اوصاف حمیدہ کے سبب علما و صلحا کی بھیڑ میں بھی امتیازی شان کے مالک نظر آئے، ہندستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے میں آپ کا نام سرفہرست آتا ہے، سیاسی شعبدہ بازوں نے سیاست کے میدان میں جو ڈرامائی شکل اختیار کر رکھی تھی آپ اس سے سخت برہمی و بیزاری کا اظہار فرماتے، آپ کی سیاست میں مصلحت بھی تھی، دوراندیشی بھی، ملک کی سالمیت بھی تھی، حقوق انسانی کی بحالی بھی، وہ ملک کی سالمیت بحال دیکھنا چاہتے تھے، عوام الناس کی خوش حالی، عدل وانصاف کی بحالی، امن وامان اور خیر سگالی کا ماحول دیکھنا چاہتے تھے، اپنا مطالبہ جب احتجاج کی شکل میں پیش فرماتے تو حکومت کے کان کھڑے ہوجاتے اور عوامی مطالبات کو بے باکی سے پیش کرنے والے اس مرد قلندر کو قید و بندگی کی صعوبتوں سے بھی دوچار کیا جاتا ہے، چنانچہ حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو ملک و بیرون ملک آٹھ مرتبہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا، ۱۳۵۳ھ ۱۹۴۳ء میں عامۃ الناس پہ بے جا ٹیکس نافذ کئے جانے کے خلاف جب آپ میدان عمل میں ایک احتجاجی تحریک کی شکل میں سامنے آئے تو حکومت وقت نے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کرلیا، اس طرح یہ گرفتاری اور مرد مجاہد کے عملی جہاد کا ابتدائیہ ہے، قید و بند کی صعوبتیں، جیل کی سلاخیں اور بیڑیاں آپ کی جرأت و بے باکی کا گراف مزید بلند کرتی رہیں، آپ اپنی تقریروں اور حق بات میں جس جرأت و بے باکی کے ساتھ حکومت وقت کو تنقید کا نشانہ بناتے وہ آپ کے جذبۂ خوداعتمادی وخدااعتمادی کا اعلانیہ اور اشاریہ ہے، ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی مرد قلندر کے تعلق سے کہا ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مجاہد ملت کی جرأت و بے باکی کی یہی وہ ادا تھی جس کی بنیاد پر الٰہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جو برسر عام عوامی اسٹیج سے ایسے شخص کو اپنی کھلی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جسے ہندستان میں لوگ قابل پرستش مقام پر بٹھاتے ہیں۔

عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی ذات سے حد درجہ عقیدت حاصل ہے، وہ اپنی عقیدت مندی و نیاز مندی کا اظہار نعروں کی گونج سے نہیں کرتے بلکہ خموش انداز میں تعمیری طرز فکر اختیار کر کے باغ رضویات میں گل بوٹے کھلاتے رہتے ہیں، اسباب ووسائل کے اعتبار سے بظاہر تہی دامن ہونے کے باوصف سال میں اس حوالے سے دو چار کتابیں منظر عام پر آجاتی ہیں، مولانا موصوف کے دل ودماغ پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت ومحبت کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ جو حضرات مسلک اعلیٰ حضرت یعنی افکار وخیالات اعلیٰ حضرت کی ترجمانی میں سرفہرست رہے ان کے افکار وخیالات کی خوشبوؤں سے قوم وملت کی نسلوں کو متعارف کرانے میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور ان کی حیات وخدمات اور زریں کارناموں کا تاج محل تعمیر کرنے میں خود کو مصروف رکھتے ہیں، زیر تبصرہ کتاب ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' انہی پاکیزہ جذبات کی ترجمانی وعکاسی کرنے والی قابل قدر کتاب ہے۔

حضور مجاہد ملت لاریب پہلو دار شخصیت کے مالک تھے، دن کے اجالوں میں اگر معقولات ومنقولات کی خیرات تقسیم فرماتے ہوئے نظر آتے تو رات کی تاریکیوں میں عابد شب زندہ دار بھی، پہاڑ سے زیادہ مضبوط عزم واستقلال آپ کی طبیعت کو حاصل تھا، جہاں مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک کے پسینے چھوٹ جائیں، وہاں آپ جرأت وبے باکی اور بے پناہ پامردی کے ساتھ سینہ سپر ہو کر حالات کا مقابلہ فرماتے۔

کتاب کا خاص حصہ حضور مجاہد ملت کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے جو مولانا صدیقی

کے خامۂ زرنگار سے تحریر ہو کر تقدیم کے تحت شامل کتاب ہوا ہے، دراصل یہی کتاب کی روح اور اس کی اساس وبنیاد ہے، اس میں مولانا نے بہت سلیقے سے حضور مجاہد ملت کی حیات وخدمات کا اجمالی اور کہیں کہیں تفصیلی ذکر کیا ہے، کچھ مقامات پر ان کا دردوکرب کاغذی، پیرہن اختیار کر کے متشکل ہوتا ہے تو حساس دل رکھنے والے کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی اپنے سینے میں حساس دل پالتے ہیں، اس لیے جماعتی بے حسی، غیر حکیمانہ طرز ادا، اور نظم وضبط سے عاری جمیعت وتنظیم پہ دکھی دل کی صدائیں دردوکرب کا اشاریہ بن کر سامنے آجاتی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی ذات وشخصیت بہت تہ دار تھی، وہ اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، اکیلے تھے مگر قدرت نے ویرانے آباد کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز فرما رکھا تھا، وہ مست بادۂ الست اور اسیر عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء تھے، ان کے عزم وارادے کا تاج محل یقین محکم سے تیار ہوا تھا، ان کے عہد میں مذہب ومسلک کے نام پر فتنہ گروں کی جو فتنہ سامانیاں تھیں وہ اپنی جگہ پر! سیاسی محاذ پر بھی مسلمان نشانے پر تھے، حکومت کا رویہ غیر منصفانہ اور نہایت جارحانہ تھا، اس طرح کے ماحول میں آپ نے اپنی عمر کے پچاس سال دینی، ملی، مذہبی اور سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی مخلصانہ قیادت کا بھرپور اور مکمل حق ادا فرما کر للّٰہیت، راست بازی اور جرأت وبے باکی کی تاریخ رقم فرمائی، آپ کے ان اوصاف جلیلہ کی علمائے کرام قسمیں کھاتے ہیں، آپ کو اپنے معاصر علما میں انہی اوصاف کی بنا پر شان امتیاز حاصل تھی، آپ رؤفیہ اسٹیٹ اڑیسا کے مالک تھے جو اس زمانے میں برٹش گورنمنٹ کو انچاس ہزار روپے سالانہ ٹیکس ادا کرتا تھا، اس کے باوصف آپ کی زندگی میں فقیرانہ مزاج پایا جاتا تھا، آپ کی کتاب حیات کا پیش لفظ، مقدمہ اور افتتاحیہ سب کچھ مذہبی درد اور ملی کرب سے عبارت تھا، اگر حضور مجاہد کا تعارف ایک جملے میں تحریر کیا جائے تو یہی ہے کہ وہ مذہبی دردو کرب کی تصویر تھے، اس دور میں ملی درد وکرب کو مجسم ومتشکل دیکھنا ہو تو حضور مجاہد ملت کو دیکھا جائے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ سیدی اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے، ایک مذہبی قائد کی

حیثیت سے آپ کے مزاج میں عدل وانصاف کے عناصر شامل تھے، اسی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ سیاست کے میدان میں جب آپ کی آواز احتجاج کی شکل اختیار کرتی تو اس میں آپ کی جرأت و بے باکی، حق گوئی وحق طلبی کے ساتھ امن پسند مزاج کی جھلک بھی صاف طور پر محسوس کی جاتی، آپ پورے ملک میں امن وامان اور سکون وقرار کی پر بہار فضا دیکھنا پسند فرما تے تھے، ایک ایسی فضا دیکھنے کے خواہاں تھے جس میں ظلم ونا انصافی کی کثافتوں کی آلودگی نہ ہو، بلاتفریق مذہب وملت وہ ظلم وستم، جور و جفا اور نا انصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر نے میں اپنی مثال آپ تھے، ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا تسلسل اس قدر آپ کو فکر مند کر دیتا کہ راتوں کی نیند اڑ جاتی، انسداد فساد کے تعلق سے آپ نے حکومت کے سامنے پانچ نکاتی فارمولہ پیش فرمایا، مخالف جماعت کے سرکردہ افراد سے بھی اس سلسلے میں آپ کی مراسلت ہوئی اور اپنی حق پسند آواز سے آواز ملانے کی ان سے بھی اپیل کی۔

لاریب حضور مجاہد ملت دینی درد وکرب کا استعارہ تھے، مسلمانوں کے حقوق اوران کی عزت وآبرو کی حفاظت کو یقینی بنائے جانے کے لیے حکومت وقت کے سامنے بہت بے باکی کے ساتھ اپنے مطالبات رکھے، ان کا نقطۂ نظر بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے کر چلنے کا تھا ،مسلمانوں کو دین اور صاحب دین سے جوڑنا چاہتے تھے، سیاسی محاذ پہ بھی مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لئے وہ تادم واپسیں جنگ لڑتے رہے، صدر جمہوریہ سے لے کر وزیر اعظم تک سے اس سلسلے میں آپ نے مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی زندگی کا مطالعہ ہمیں دعوت فکر وعمل دیتا ہے، اسلام کے ایک جاں فروش سپاہی کی حیثیت سے اپنی زندگی گزاری ،اخلاقیات میں آپ کا آشیانہ بہت بلندی پہ تھا، انسانی درد وکرب آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ملک میں جمہوریت کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے آپ نے جو تحریریں پیش کی ہیں وہ ملک کی سالمیت، قومی یک جہتی اور فروغ امن وامان کی راہ میں مؤثر رول ادا کرنے والی ہیں نیز آج جمہوریت کے نام نہاد دعویداروں کے فکر وعمل کو مہمیز کرنے والی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی میں بے پناہ پھیلاؤ نظر آتا ہے، مذہب وملت کے حوالے سے

وہ کونسا گوشہ ہے جہاں اس مرد مجاہد کی آواز کی بازگشت آج بھی سنائی نہ دیتی ہو، اسی سبب سے آپ محبوب خلائق تھے، آپ سے کرامتوں کا ظہور بھی ہوا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ کا پورا وجود ہی کرامت تھا، آپ ناخن اقدس سے تا موئے سر کرامت تھے، آپ سے وابستہ کرامتوں کو اگر سنجیدگی سے سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیا ہوسکتی ہے، آپ اکابر علمائے اہلسنت کی نظر میں وحید عصر تھے، آپ حقیقی معنوں میں ملت کے بے باک مجاہد تھے، آپ عہد آفریں اور انقلابی شخصیت کے مالک تھے، سیدی اعلیٰ حضرت کا روحانی فیضان حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ الباری کے توسط سے آپ پر جھوم جھوم کر برسا، میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد آپ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوئے، مگر بیڑیاں، زنجیریں اور جیل کی سلاخیں آپ کے عزائم کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہمت ہار بیٹھیں، مگر اس مرد آہن کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر لچک محسوس نہیں کی گئی، ''تحریک خاکساران حق'' کے نام سے ایک نیم عسکری تنظیم بھی آپ نے تشکیل دی جو ملک میں امن و امان کی بحالی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی اتحاد کی فضا ساز گار بنانے میں مؤثر رول ادا کرتی۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے یہ حاشیے اور بین السطور ہیں، اگر آپ حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات کی تفصیلا ت جاننا چاہتے ہیں تو ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' کا مطالعہ کریں، کتاب میں حضور مجاہد ملت کی حیات کے بہت سارے نادیدہ نقوش ابھارے گئے ہیں، صاحب کتاب نے اعترافات کے باب میں جماعت اہلسنت کی بڑی بڑی شخصیات کے تأثرات کو جگہ دی ہے، جنہوں نے شخصیت شناسی کا کھل کر اعتراف و اقرار کیا ہے، اس انجمن میں چند اسمائے گرامی تو ایسے ہیں کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات یقیناً قدر شناسی کا مکمل عکس وآئینہ ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی، صدر الافاضل حضرت علامہ مفتی سید شاہ نعیم الدین مرادآبادی، شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی

عبد المقتدر بدایونی ،امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی شمس الدین احمد رضوی جونپوری، قطب مدینہ حضرت علامہ مفتی محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی، حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری، حضرت علامہ سید شاہ قتیل دانا پوری، سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی قدست اسرارہم، ان اساطین امت اور اکابرین ملت کے علاوہ اور بھی اہم شخصیات ہیں جن کی قیمتی تحریریں حضور مجاہد ملت کی شخصیت شناسی میں نئی نسل کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، کتاب کا آخری حصہ مناقب پر مشتمل ہے، جس میں جماعت اہلسنت کے چند نامور شعرائے کرام کے قلم سے تحریر کردہ مناقب شامل کر کے کتاب کی زیب و زینت دوچند کردی گئی ہے۔

حضور مجاہد ملت کے دینی، ملی اور علمی کارناموں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ ان کے قرار واقعی تعارف کے لیے ٹیم ورک کی ضرورت ہے، جو کام بھی ہو رہا ہے اس میں نظم و ضبط کا جوہر نظر نہیں آرہا ہے، نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ کام ہو کے بھی کامیابی کی صبح طلوع نہیں ہو پا رہی ہے، ہم نے قدر شناسی اور شخصیت شناسی کا جو خود ساختہ پیمانہ مقرر کر رکھا ہے اس سے باہر نکل کر کام کرنا نہیں چاہتے ،نعروں کی گونج میں تقاریر ہو گئیں ، اعراس کی دھوم دھام، چادر گاگر، گنبد و روضے کی آرائش و زیبائش کو قدر شناسی کا معیار بنالیا گیا ہے، اس خود ساختہ خول سے ان عبقری شخصیات کو باہر نکالنے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات ان شخصیات میں ہے جو اپنے اندر تاریخ کا رخ موڑ دینے کی اہلیت وصلاحیت رکھتی ہیں، جو وقت اور حالات کے رخ پہ نہیں چلتی بلکہ وقت اور حالات کو صحیح سمت پہ لگا دیتی ہیں، اگر یہ جوہر گرانمایہ دوسری قوم کی زنبیل میں ہوتا تو اس کی چمک دمک سے اقوام عالم کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں، اس تعلق سے مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کا درد و کرب لفظوں کی قبا زیب تن کرتا ہے تو خاکہ یہ سامنے آتا ہے۔

''اگر آپ کسی دوسری قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہر سانس کو قرینے سے محفوظ کیا جاتا اور آپ کو عالمی شخصیات میں نمایاں

مقام دیا جاتا مگر ہم نے ان کی ذات کو صرف عرس اور نذر و نیاز تک محدود کر دیا ہے، سال میں صرف ایک بار ان کے آبائی گاؤں میں ان کا عرس منایا جاتا ہے لنگر لٹائے جاتے ہیں اور پورے ملک میں خاموشی ہوتی ہے، جبکہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں ان کے نام اور کام پہ محافل و مجالس، ذکر و اذکار اور تحریر و تقریر کا اہتمام ہونا چاہیے، ان کی شخصیت سے جڑے ہوئے وصف کو بڑے پیمانے پر اجاگر کیا جانا چاہیے، اس طرح نسل نو ان سے قریب ہوتی اور اس کے اندر ملک و ملت کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔''

حضور مجاہد ملت نے ملک کی سالمیت، امن و امان کی بحالی اور فرقہ ورانہ ہم آہنگی کے لیے ''تحریک خاکساران حق'' کا خاکہ ترتیب دیا اور اس کا مضبوط دستور العمل مرتب فرما کر اسے زمینی حقیقت عطا کی، اگر اس تحریک کو بال و پر فراہم کیا گیا ہوتا اور آپ کے ملی کرب اور قومی درد کو طبقۂ خواص کی زبان مل گئی ہوتی تو آج ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا بہت حد تک بحال ہوگئی ہوتی، اقلیتوں کے حقوق کی بحالی کی ممکن راہیں ہموار ہوتیں، لیکن افسوس کہ اس تنظیم کو حضور مجاہد ملت کا جذبۂ اخلاص تو ملا مگر قدر ناشناسوں کے ہجوم میں اخلاص و للّٰہیت کے جذبے سے سرشار یہ نعرہ نقار خانے میں طوطی کی گونج بن گیا۔

حضور مجاہد ملت نے دین کی سرفرازی اور مسلمانوں کی ترقی و خوش حالی کے لیے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا مضبوط پلیٹ فارم تشکیل دیا، اس تحریک کے پس پردہ آپ کا جذب دروں یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کر کے ان کی شیرازہ بندی کر دی جائے اور بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم لے کر چلا جائے، نیز معاشی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں ان کی زبوں حالی دور کرنے کی کوشش کی جائے، وہ ہندستان میں مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور امن و امان کے سائبان میں زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، لیکن اس خواب کی تعبیر کے لیے اور اس مجوزہ خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ملت کے سرکردہ افراد کا جو تعاون مطلوب تھا نہ مل سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خاکہ بھی رنگ بھر

نے والوں کی راہ تکتا رہ گیا، آپ کے وصال کے بعد تو کچھ اور ہی نقشہ بن گیا، اس تعلق سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا تیور دیکھئے۔

''اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مجاہد ملت کون ہیں؟ تو چند جملوں میں میرا جواب ہوگا کہ مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے دور میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظ ناموس رسالت کو مرنے نہ دیا بلکہ اپنی علمی شان اور عملی آن بان سے اس کے تن نازنین میں نئی جان ڈال دی، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے حضور حجۃ الاسلام کی اجازت وخلافت کا نہ صرف بھرم رکھا بلکہ دنیا کے سامنے اپنے کردار وعمل سے رضوی خلافت کا اصلی مقام اس سوز وگداز سے پیش فرمایا کہ دنیا عش عش کر اٹھی، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے شخصی طنطنہ اور بے تکلفانہ دوستی کے باوصف حضور مفتی اعظم ہند سے نیاز مندانہ ملنے میں اپنی سعادت سمجھی، مجاہد ملت وہ ہیں جن کی تخیلاتی سروں کی شاخ طوبیٰ پر بریلی کی یادوں کا عندلیب بے تکان چہکتا ہی رہا، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے مجاہدانہ کردار سے قوم وملت کی زلف برہم سنوارنے میں زندگی گزار دی۔''

(حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات)

حضور مجاہد ملت یوں تو سلسلۂ نقشبندیہ میں رئیس الاولیاء حضرت علامہ شاہ محمد عبدالکافی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر شرف بیعت اور ارادت وخلافت رکھتے تھے لیکن حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی سے اجازت کے بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں عام طریقے پر لوگوں کو بیعت وارادت سے نوازتے رہے، بعض خواص کی خواہش پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت وارادت سے سرفراز کرنے کی روایت بھی ہے، وہ اعلیٰ حضرت کے نادیدہ نیاز مند وعقیدت مند تھے، اعلیٰ حضرت کی وفا کشیوں کی اولین فہرست کا بہت نمایاں نام تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں سرگرم رہنے والا یہ مجاہد اپنی خدمات کے پس منظر میں اپنے عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں سے بطور خراج انہی جذبوں کا مطالبہ کر رہا ہے

،مجاہد ملت جہاں ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت بن کر رہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی نقابت وترجمانی آپ کا بہترین تعارف نامہ ہے، اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے بہت درست تبصرہ کیا ہے۔

حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت یہ عنوان حضور مجاہد ملت کی زندگی کا سرنامہ بھی ہے اور شناخت نامہ بھی، حضور مجاہد ملت کو آپ جتنے خانوں میں تقسیم کریں گے، ہر خانے کا رشتہ اسی عنوان سے آکر ملتا ہے بلکہ آپ کی پوری زندگی اسی عنوان پر گردش کرتی نظر آتی ہے اور بدعقیدگی کے طوفان بدتمیزی سے قوم وملت کے افراد کو بچانے کے لیے حضور مجاہد ملت ودیگر اکابرین امت نے جس اخلاص اور پامردی کے ساتھ محاذ کو سنبھالا اور صلح کلیت کے خلاف نعرۂ حقانیت بلند کیا، حیف آج جماعت میں ان کے نام پہ نعرے لگانے والے تو ملیں گے، ان کا خطبہ پڑھ کر واہ واہی لوٹنے والے تو نظر آئیں گے مگر جو درد ان حضرات کے سینوں میں تھا وہ درد اور تڑپ رکھنے والے خال خال نظر آئیں گے کاش! مجاہد ملت ودیگر اکابر امت کے نام پر روٹی سینکنے والوں کو ان کے اخلاص للّٰہیت اور راست بازی سے بھی کچھ حصہ مل گیا ہوتا تو آج جماعت اس دور آزمائش سے نہیں گزر رہی ہوتی، اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی جماعتی دکھ درد کی تصویر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’حضور مجاہد ملت کے سینے میں جو ملی درد تھا، جو تڑپ تھی اور حق کا جو آتش فشاں تھا آج اس درد، تڑپ اور آتش فشاں کو، کوئی قبول کرنے کے لیے آمادہ و تیار نہیں ہوتا، ان کے عشق کی تپش اور ان کی زندگی کا پاکیزہ حسن نقلی مجنوؤں کے ہجوم میں چھپتا جا رہا ہے، ان کے عشق اور ان کی حیات کے تابندہ نقوش کو وقت کے نقلی مجنوؤں سے بچانے کی اشد ضرورت ہے، حضور مجاہد ملت نے بے راہ روی، بدعقیدگی اور صلح کلیت کی نسوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا، آج ان کی تعمیر کردہ چہار دیواری میں صلح کلیت کا اژدھا ٹہلتا دکھائی دیتا ہے، انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا جو حصار باندھا تھا آج لوگ اس حصار کو توڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں، انہوں نے اپنے خون جگر سے خوش عقیدگی، جرأت وبے باکی اور صدق وصفا

کے جو چراغ روش کئے ہیں ان چراغوں کی روشنی کو تیز سے تیز کرنے کی ضرورت ہے،تا کہ آزاد خیالی،فکری آوارگی اور مسلک بیزار عناصر کے منصوبے خاک میں مل جائیں،انہوں نے جماعتی وقار کو جس حوصلے سے اعتبار بخشا ہے،اس حوصلے کے فروغ میں اگر کوئی طاقت مزاحم ہوتی ہے تو اس طاقت کو شدت سے کچل دینے کی ضرورت ہے،ان کی کتاب حیات میں ہمارا تابناک مستقبل محفوظ ہے۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کا ہر اقتباس جماعتی درد و کرب کی تصویر ہے، اس کتاب میں جا بجا ملی کرب اور بے چینی کا اظہار ملے گا، کہیں کہیں اس اظہار میں لہجے کی کاٹ تیز ہوگئی ہے،لیکن عمل جراحی سے گزرتے ہوئے فاسد مادوں کو نکالنے کے لیے سینے پہ پتھر رکھنا پڑتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مولانا رحمت اللہ صدیقی کا یہ اخلاص ہے کہ جماعت کی زبو ل حالی پہ درد و کرب بھرا مرثیہ لکھ کر قوم کے حساس اور بیدار مغز حضرات کے روبرو کردیا۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کی پختگی اور شعور کی بالیدگی دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوگئی، مجھے بے پناہ مسرت وشادمانی کا احساس ہے کہ یہ کتاب حضور مجاہد ملت کی وسیع حیات و خدمات کا ایک اجمالی اشاریہ بن کر منظر عام پر آئی ہے،اب اس پہ مزید تاج محل کی تعمیر کا تقاضا ہے،اس سلسلے میں حضور مجاہد ملت کی زندگی کے پھیلے ہوئے گوشوں میں سے بعض اہم گوشوں کی جانب انہوں نے جماعت کے حساس، بیدار مغز صاحب صلاحیت افراد کی علمی وفکری توجہ کا مطالبہ رکھا ہے،کاش چند صاحبان دل اس جانب توجہ فرمالیں تو حضور مجاہد ملت کی قرار واقعی خدمات سے دنیا کو بخوبی آگاہی ہو سکے، کتاب اپنی پیش کش کے اعتبار سے بہتر ہے،کاغذ عمدہ اور طباعت معیاری ہے،رب کی رحمت اور مولانا کے خلوص سے امید ہے کہ کتاب اہل علم،اہل عقیدت اوراہل ذوق میں قبولیت حاصل کرے گی۔

مکتبہ رحمانیہ رضویہ،محلہ سوداگران، بریلی شریف سے کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی وزیر احمد مصباحی (بانکا)

تبصرہ

نام کتاب: حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات (پہلا ایڈیشن)

نام مصنف: مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر: رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی بہار

صفحات: ۲۸۸

ملنے کا پتہ: الجامعۃ الرضویہ، مغلپورہ، پٹنہ سیٹی

یہ بات سچ ہے کہ جب بھی انسانی معاشرہ غلط روی کا شکار ہو کر اپنی رمق دمق کھونے لگتا ہے اور ظلمات وشبہات کی بنا پر کسی پر پیچ ڈگر سے رشتہ استوار کرنے کی کگار پہ آجاتا ہے تو اس وقت وہ کسی مسیحا کی تحریک پر ظلمات کی وادی سے نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ڈھونڈ تا ہے اور اس باب میں جہاں اور بھی بہت ساری چیزیں اس کی معاون ہوتی ہیں وہیں اسلاف واکابر کی حیات کے تابندہ نقوش بھی سمت سفر متعین کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات اس حقیقت سے پر ہیں کہ اسلاف واکابر کے تذکروں سے جرأت کشید کر کے بے شمار بھٹکے ہوئے آہوؤں نے دہلیز حرم تک رسائی حاصل کی ہے۔ اسلاف واکابر کی متعین کردہ شاہراہ پر چلنا بڑا مشکل کام ہے اس کے لیے مضبوط دل اور فولادی حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ وہ باہمت افراد جنہوں نے پورے احترام واہتمام کے ساتھ اسلاف واکابر سے منسوب بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑ کر اہل خرد کے سامنے پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کی ہیں اور قارئین کے مطالعات کی زینت بنانے کا مرحلہ طے کیا ہے وہ ہر جہت سے قابل مبارک باد ہیں۔

سیرت وسوانح کی تاریخ کا اگر جائزہ لیں تو آپ کو ایسی بکثرت کتابیں مل جائیں گی جو آج بھی مارکٹ میں دستیاب ہونے کے ساتھ ساتھ لائبریریوں میں بھی محفوظ ہیں۔ ہاں! اس امر کی تحقیق کہ اس میں کتنا مواد کھرا ہے اور کتنا کھوٹا، آپ کو ایک طویل مدت تک سر کھپانا پڑے۔ حالیہ چند برسوں میں جو بھی سیرت وسوانح کی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں سے ایک اہم کڑی ''حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات'' بھی ہے۔ اس وقت راقم الحروف کی مطالعاتی میز پر یہی کتاب زینت بنی ہوئی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابھی چند ماہ پہلے ہی لوک ڈاؤن کے ایام میں مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی نے اپنی مذکورہ کتاب الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سیٹی کے احاطے میں بطور تحفہ عنایت فرمائی تھی اور آج اس کے مطالعہ کے بعد جانب داری سے الگ ہوکر تاثراتی باتیں رقم کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

کتاب پہ نظر پڑتے ہی اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس میں ماضی قریب کی ایک انتہائی متحرک، فعال اور برگزیدہ شخصیت یعنی سراج السالکین حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے گوشۂ حیات سے جڑے تابندہ نقوش موضوعِ سخن بنے ہوں گے۔ یقیناً حضور مجاہد ملت کی ذات اپنے آپ میں ایک ایسا جہاں رکھتی تھی جہاں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کی خاطر ہر شئی اسوۂ حسنہ کی روشنی میں انجام دی جاتی تھی۔ آپ کے اندر وحید عصر، نقیب دین وشریعت اور ناشر حق وصداقت ہونے کی وہ ساری خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کا اعتراف آپ کے عہد کے ہر کبیر وصغیر نے کیا ہے اور آپ کو تعظیم وتکریم کی پلکوں پر بٹھایا ہے۔ زمانے کی آنکھ نے وہ دن بھی دیکھا جب قوم مسلم کے دینی، ملی، علمی اور سیاسی مسائل کا حل پیش کرنے اور حکومت وقت کی غلط پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں تقریباً آٹھ مرتبہ آپ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ اس سخت گھڑی کا بھی گردش ایام نے بخوبی مشاہدہ کیا جب کوئی سیاسی بازیگر ملک کے کسی خطے میں غربت وافلاس سے جوجھ رہے لوگوں کا ہنستا ومسکراتا ہوا چمن فسادات کی نذر کر دیتا تو آپ اس وقت اپنی پوری ٹیم کے ساتھ قانونی چارہ جوئی کے لیے میدان میں

اتر پڑتے اور حکومت وقت سے دوٹوک انداز میں ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی مانگ کرتے۔ واقعی حضور مجاہد ملت کی ذات میں ایک مجاہد کی ساری خصوصیات آئینے کی طرح جھلکتی ہیں۔ آپ کو رب کریم نے دھڑکتا ہوا دل عطا فرمایا تھا جو ہر لمحہ عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خوں فشاں رہتا تھا۔ رئیس اعظم اڑیسہ ہونے کے باوجود آپ کی زندگی پہ فقیری مسکراتی رہی آپ کی پوری حیات خدمت خلق سے عبارت ہے۔ آپ تازندگی ریل میں رہے یا جیل میں۔ جب پوری دنیا پر سکوت کی چادر تنی رہتی۔ آپ شب کی تنہائی میں اپنے انداز میں اپنے رب سے ہم کلام ہوتے۔ اپنے قول، فعل اور عمل سے اپنے بے غبار عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترجمانی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

مصنف موصوف نے مذکورہ ساری حقیقتوں سے اچھوتے انداز میں پردہ اٹھایا ہے۔ انداز بیاں اس قدر پرکشش، جاندار اور سلیس ہے کہ وقت مطالعہ دور مجاہد ملت نگاہوں کے سامنے گردش کرتا ہوا نظر آتا ہے مگر جب سلسلۂ قرأت کا بندھ ٹوٹتا ہے تو پھر ذہن کے عقبی دروازے سے یہ شعر کچوکے لگاتا ہے کہ ؎

ہاں! دکھا دے اے ہمالہ پھر وہ صبح و شام تو
لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اسلوب تحریر اس قدر تہہ دار ہے کہ قاری کے ذوق لطیف کو کہیں ٹھیس نہیں لگتی اور وہ قدم قدم پر زبان و بیان کی نفاست سے لطف انداز ہوتا ہے۔ ایک محرر کو کما حقہٗ کامیابی کی کلید بھی اسی وقت ہاتھ لگتی ہے جب وہ اپنے قارئین پر نہ تو باعتبار اندازِ بیاں بوجھ بنے اور نہ ہی موضوع کے ساتھ دیانت وانصاف کے تئیں علمی خیانت کا مظاہرہ کرے۔

فاضل مصنف زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ: ۱۷ر پر حضور مجاہد ملت کی سیاسی بیداری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضور مجاہد ملت عرش نشین تھے، لیکن خود کو خاک نشین سے زیادہ کبھی نہیں سمجھا۔ ان کی ذات دینی، ملی اور انسانی درد کا پیکر تھی۔ ہم پانی سے وضو کرتے

ہیں لیکن وہ اشکوں سے وضو کیا کرتے تھے۔ ہم اپنے گرد و پیش کی خبر نہیں رکھتے ہیں، وہ پوری دنیا کو آئینے کی طرح دیکھتے تھے۔ ان کی نگاہ صرف ملکی سیاست پر نہ تھی بلکہ عالمی سیاست پر بھی تھی۔ اگر آپ کسی دوسری قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہر سانس کو قرینے سے محفوظ کیا جاتا''۔

مصنف موصوف نے فکر و شعور کی روشن راہوں کے مخلص مسافر کی حیثیت سے جس خوبی و سلاست کے ساتھ حضور مجاہد ملت کی حیات کے مخفی گوشوں سے نقاب اٹھائی ہے، اسے پڑھنے کے بعد طبیعت جھوم اٹھتی ہے، ان کی تحریر کا ہر پیرا گراف نیا انداز، نئی سوغات اور نئی معلومات لے کر سامنے آتا ہے۔ پوری کتاب رطب و یابس سے پاک وصاف ہے۔ لفظوں سے جذبات و خیالات کی آرائش کا کام لیا ہے۔ کتاب کے شروع میں سید اولا د رسول قدسی کی ایک منقبت اور حضور مجاہد ملت کی حیات پر حضرت مولانا محمد خالد علی رضوی شمسی نے ''صحرائے مدینہ میں عشق کا طوفان'' کے تحت روشنی ڈالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ فاضل مصنف نے حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات کے لئے الگ الگ باب کا انتخاب کیا ہوگا جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، پر ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ خود مصنف موصوف نے کتاب میں شامل اپنے طویل ترین تحقیقی مقدمہ ہی میں ان ساری حقیقتوں کو لفظوں کا پیرہن دینے کی کوشش کی ہے۔ مقدمہ ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کے بعد اعترافات و مناقب کے ابواب کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

مصنف کی اس خوبی کا میں تہہ دل سے معترف ہوں کہ وہ جو بھی سوانحی کتاب ترتیب دیتے ہیں اس میں ''اعترافات'' کا باب ضرور شامل بزم کرتے ہیں۔ کسی بھی ذات کی رفعت و بلندی کا کماحقہٗ سراغ آپ اسی وقت لگا سکتے ہیں جب یہ بھی جان لیں کہ ان کے ہم عصر علما، فضلاء اور اہل زبان و قلم ان کے بارے میں کس طرح کے خیالات رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر حضور مجاہد ملت کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے زمانے کے ہر عالم، فاضل، فقیہ اور متقی نے اپنے سے بڑھ کر یکتا و بے مثال جانا۔ خود آپ کے پیرو

مرشد حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے آپ کو ہم عصروں اور فضل و کمال والوں میں قابلِ فخر، بڑوں کی آنکھ کی پتلی، اونچے اخلاق والے، فاضل و کامل اور لائق ادیب گردانا ہے۔ ورنہ تو اہلِ علم کے درمیان معاصرانہ تناؤ بھی ہر زمانے میں دیکھا گیا ہے۔ بابِ اعترافات میں فاضل مصنف نے اپنی قلمی صلاحیتوں کا زبردست مظاہرہ کیا ہے۔ تلاشِ بسیار کے بعد فرد واحد پر تقریباً ۱۱۵/ اہل علم و دانش کے گراں قدر بکھرے ہوئے تاثراتی کلمات کو یکجا کر لینا واقعی جگر کاوی کا کام ہے۔

حضور مجاہد ملت یقیناً ایک بے باک، جفاکش اور سرفروش مجاہد تھے۔ آج کتنے ہی منھ میاں مٹھو بننے والے ایسے ان گنت بناوٹی چہرے ہیں جو نام کے آگے پیچھے بھاری بھرکم القاب کے سہارے بلند بانگ دعوے تو کر لیتے ہیں پر وقت آنے پر اس طرح تہ خانے میں روپوش ہو جاتے ہیں کہ پھر لاکھ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ حضور مجاہد ملت اپنے سینے میں ایک حساس اور بیدار دل رکھتے تھے۔ اس مرد قلندر کی بے باکی کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

’’میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ لاکھوں کے اس مجمع میں حکومت ہند کے ظالم سربراہوں کے وفادار کتے بھی موجود ہیں۔ وہ میری تقریر کے الفاظ نوٹ بھی کر رہے ہوں گے۔ تو اے حکومت کے کتو! یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لو کہ میں اپنی تقریر کا ذمہ دار خود ہوں۔ منتظمین جلسہ، سامعین اور دوسرے مقررین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ میری حق گوئی کو اگر ظالم حکمراں جرم سمجھتے ہیں تو اس جرم کی سزا بھگتنے کے لئے میں ذاتی طور پر خود تیار ہوں۔ کسی دوسرے کو تختۂ مشق ہرگز نہ بنایا جائے۔ اس لیے کہ میں جو کچھ بول رہا ہوں وہ کسی کے اشارے، کنایے پر نہیں، بلکہ یہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ جو میرے ہونٹوں سے نکلنے کے لیے بے چین رہتی ہے۔ میں بولتا ہوں اور بولتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ حق و انصاف کا پرچم ہر جگہ بلند ہو جائے یا میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے‘‘۔

افسوس اس بات کا ہے کہ آج ہر گزرتے وقت کے ساتھ عوام و خواص ان کے زریں

ارشادات و پیغامات کو طاق نسیاں کے حوالے کرتے چلے جارہے ہیں، ان کا نام اور کام جس طرح کے کام کا مطالبہ کرتا ہے وہ نہیں ہو پا رہا ہے چادر اور گاگر پہ پیسے پانی کی طرح بہائے جارہے ہیں۔ میں ذاتی طور پہ چادر اور گاگر کا مخالف نہیں ہوں، میں سوچ بدلنے کا قائل ہوں۔زیادہ تر پیسے قومی مزاج کی تبدیلی میں صرف کئے جائیں، سوچ کا قبلہ درست ہوگا تو آثار و تبرکات محفوظ رہیں گے۔ ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' اور ''جماعت کل ہند خاکساران حق'' جیسی تنظیمیں جو کبھی حکومت وقت سے آنکھیں ملاتی تھیں، وہ آج سر بھی نہیں اٹھا پا رہی ہیں، بلکہ وہ سانس بھی بڑی مشکل سے لے پا رہی ہیں۔ ان کا وجود ہی سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ حیات حضور مجاہد ملت کا مطالعہ کرنے پر حضرت ابراہیم بن ادہم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور ان کی زندگی سے وابستہ واقعات آئینے کی کی طرح نگاہوں میں تیرنے لگتے ہیں۔ آپ کی ذات ''مردِ جوزاء'' کی حیثیت رکھتی تھی۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الرحمٰن صاحب نے مردِ جوزاء کے جو حالات وصفات گنائے ہیں، مصنف موصوف نے انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ ان تمام حقیقتوں کا انطباق اگر حضور مجاہد ملت کی ذات پہ کرتے ہیں تو وہ بالکل میل کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضور صدر الافاضل اور حضور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ نے اپنی نگاہ کیمیا اثر سے حضور مجاہد ملت کو ایسا کندن بنا دیا تھا کہ ان کے وجود سے ویرانے آباد ہوتے تھے اور ان کے پیرہن کی خوشبو سے انسانیت کی مشام جاں معطر ہوا اٹھتی تھی۔

زیر تبصرہ کتاب کے مصنف کا شمار کہنہ مشق اہل زبان و قلم میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اور بے تکان لکھتے ہیں۔ جس موضوع پہ بھی خامہ فرسائی کرتے ہیں موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دھنک کے سارے رنگ اپنی تحریروں میں سمو لیتے ہیں۔ فکر رضا کی ترویج واشاعت ان کا واضح نصب العین ہے۔ وہ اسلاف کی حیات سے وابستہ گمشدہ کڑیوں کو جوڑنے کے رسیا ہیں (خدا ان کا یہ جذبہ سلامت رکھے) یہ بلند حوصلوں ہی کا تو نتیجہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ وہ جماعت میں چور دروازوں سے گھس آئے

قزاقوں کے خلاف بھی بے باک لکھتے اور بولتے ہیں۔ کتاب ہذا کے ص: ۹۳ پر لکھتے ہیں:

''حضور مجاہد ملت نے آل انڈیا تبلیغ سیرت کی بنیاد جن مقاصد کے حصول کے لیے رکھی تھی آج یہ تحریک اپنے قیام کے مقاصد کو بھول چکی ہے۔ آج جن لوگوں کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اسے وہ لوگ اپنے خالص ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں اور استعمال بھی صرف انتخابات کے وقت ہوتا ہے۔ اور سودا بھی انتہائی سستا ہوتا ہے۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی دس بیس ہزار میں اسے خرید لیتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا سودا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضور مجاہد ملت کو دنیا کی کوئی طاقت کبھی خرید نہیں سکی، لیکن ان کے خوابوں کا تاج محل ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' بڑی آسانی کے ساتھ بک رہی ہے۔ اس پہ دردمندوں کی شدید توجہ درکار ہے۔ اس کی بازیابی میں اگر دردمند حضرات کامیاب ہوجاتے ہیں تو ملی مفادات کی بہت ساری راہیں کشادہ ہوسکتی ہیں۔ اس عمل سے حضور مجاہد ملت کی روح کو تسکین بھی حاصل ہوگی''۔

حضور مجاہد ملت نے تحریک خاکساران حق کو جن اغراض و مقاصد، اصول وضوابط اور طریقۂ کار سے مزین کیا تھا آج وہ ساری چیزیں معدوم ہوگئی ہیں۔ مصنف موصوف نے کتاب ہٰذا میں جہاں اور بھی بہت ساری باتیں بیان کی ہیں وہیں حضور مجاہد ملت کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہ کرنے والوں کے خلاف بھی بامقصد تنقیدی تیر چلائے ہیں۔ ہمیں امید قوی ہے کہ علم وعمل سے غافل اور اپنے آپ کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے بتا کر بیجا ڈینگ ہانکنے والے افراد ضرور اس سے سبق حاصل کریں گے۔

کتاب انتہائی دیدہ زیب، صوری ومعنوی حسن کا شاہکار، کاغذ معیاری اور قیمت مناسب ہے۔ اس لیے اہل ذوق سے گزارش ہے کہ اسے اپنے معالعے کی میز کی زینت ضرور بنائیں۔

باب ششم

اعترافات

حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی

میں نے علم اور صلاح مبین کی پیشانی کو سعادت کے نوروں سے درخشندہ اور سرداری کی علامتوں کے پھولوں سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔اس ذات کی وجہ سے جو شخصیتوں میں سراپا خیر و برکت ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بات ڈالی اور میرے پروردگار نے مجھے الہام کیا کہ میں ان کو مکمل عام اجازت دوں تو میں نے نیک بخت، قابلِ تعریف بھائی کو اجازت دی جو اچھے، لائق، مہربان، صوفی باصفا، وفادار، مخلص، تیز، حسین، مضبوط دل والے، ٹھوس منصب والے اور مستحکم رائے والے۔ بلند سنتوں کے حامی اور قابلِ نفرت فتنوں کی سرکوبی کرنے والے، ہم عصروں اور فضل و کمال والوں میں قابلِ فخر، عمدہ عادات و اطوار والے، فضل اور اونچے اخلاق والے، فاضل، کامل، لائق ادیب، ذہین حبیب میرے محبوب و محبّ ہیں۔ میرے دل کا ٹکڑا، میرے جگر کی تسکین، میرے قلب کی راحت، میری آنکھ کے نور، اس زمانے کے بہتر فرد اور اس زمانے کے نادر شخص، بڑوں کی آنکھ کی پتلی، مولانا مولوی محمد حبیب الرحمٰن ولد شیخ محمد عبد المنان (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے)۔

حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی

''فقیر پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ حضور مجاہد ملت قبلہ مدظلہ العالی کا کوئی قول و فعل ہرگز ہرگز اہلسنّت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ''جماعت کل ہند خاکسارانِ حق'' قائم کی ہے تو اس میں ان شاء اللہ تعالیٰ اہلِ سنّت ہی کا مفاد و فائدہ ہوگا۔''

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید شاہ نعیم الدین مرادآبادی

آج تم چاروں کو ترایا ہے، میدانِ محشر میں نہ جانے کتنے گنہگاروں کو پار لگا دیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی عبد القدیر بدایونی

''ہمارا اور مولانا حبیب الرحمٰن کا یہ فرق ہے کہ ہم لوگ سب سے ڈرتے ہیں۔ خدا سے نہیں ڈرتے اور مولانا حبیب الرحمن کسی سے نہیں ڈرتے صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔''

حضور امین شریعت حضرت مولانا مفتی محمد رفاقت حسین کانپوری

آپ ہمیشہ کھلی تہبند زیب تن فرماتے تھے اور جب اس موضوع کے فنی پہلوؤں پر گفتگو

ہوتی تو آپ کا یہ سوال سب کو خاموش کر دیتا کہ سلی ہوئی تہبند زیب تن فرمانے کی کوئی سند عطا فرمائیں۔

شمس العلماء حضرت مولانا مفتی شمس الدین احمد جونپوری

حضرت مولانا امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق شاگردوں میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قادری اُڑیسوی علیہ الرحمہ بھی تھے۔ عالمِ باعمل ہونے کی حیثیت سے بھی اپنے تمام ساتھیوں میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ تواضع اور احباب نوازی خصوصاً شاگرد پروری میں تمام اقران و امثال پر فائق تھے۔ مناظرے میں بے حد کامیابی حاصل تھی۔ ان کی کامیابیاں بہت قابلِ لحاظ ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم عمروں اور ہم عصروں میں یہ مرتبہ کسی کو حاصل نہ تھا تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔

قطب مدینہ حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی

''میں نے زندگی بھر ایسا مردِ مجاہد نہیں دیکھا جو گستاخانِ رسول کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مشن کی تکمیل میں سرگرداں رہا ہو۔''

حضرت مولانا مفتی سیّد شاہ محمد قائم رضوی چشتی قتیل داناپوری

موت تو بہر حال آتی ہے مگر اس کے اثرات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کا عام طور پر کسی خاص شخص و افراد خاندان پر اثر ہو۔ دوسری وہ جس سے قوم و ملک متاثر ہو۔ دنیا میں ایسی انگنت شخصیتیں ظہور پذیر ہوئیں اور آنکھوں سے چھپ گئیں جو باوجود بعد زمانہ آنکھوں سے دور اور دل سے قریب ہیں۔

مثلاً غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، سلطان الہند حضرت خواجۂ اجمیری، سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شرف الدین یحییٰ منیری بہاری وغیرہم قدست اسرارہم، جو کسی وقت اور کسی حال میں بھی بھولتے ہی نہیں۔ ایسی گراں قدر روحانی ہستیوں کے نقشِ قدم پر چل کر دین والے الگ اور دنیا والے الگ مستفیض و کامیاب ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔

یہ سلسلہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم و باقی رہے گا۔ چنانچہ اسی نوعیت کی ایک ہستی

جو دین و دنیا دونوں کی سنگم تھی چودھویں صدی ہجری میں خاکِ دھام نگر سے ظاہر ہوئی۔ اور پندرھویں صدی کے آغاز میں اپنے معتقدین و متوسّلین نیز احباب و عوام کو روتا اور نالہ کناں چھوڑ کر خاکِ دھام نگر میں ہی روپوش ہوگئی۔

دل اپنی طلب میں صادق تھا بیتاب سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

آج تمام اخبار، رسالے، میگزین اور سارا ہندستان اس گراں مایہ شخصیت کو خراجِ عقیدت، عاجزانہ و نیاز مندانہ پیش کر رہا ہے۔ یہ وہ گراں مایہ شخصیت اور انمول ہستی ہے جسے سارا ہند و بیرونِ ہند حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن کے نام نامی و اسم گرامی سے یاد کرتا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک یاد کرتا رہے گا۔ آپ کی ذاتِ گرامی صفات دین و دنیا کے لیے بے انتہا مفید ثابت ہوئی۔ آپ سے بڑے بڑے تعمیری کام انجام پائے۔ آپ نے جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد جیسے شاندار مدرسہ اسلامی کی بِنا ڈالی اور جماعت خاکسارانِ حق و تبلیغ سیرت کی کامیاب سرپرستی فرمائی۔

شہزادۂ قطب مدینہ حضرت مولانا سید فضل الرحمٰن قادری مدنی

''حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری قدس سرہٗ العزیز اہلسنّت کی شمشیر برہنہ تھے۔ حق کہنے میں کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔ اپنا گوشت پوست کا ہاتھ بے دھڑک لوہے کے ہاتھ میں دیتے تھے۔ غیروں کی حکومت اور پھر ان کے سامنے اپنے عقائد بیان کرنے اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید فرمانے میں اپنے زمانے میں آپ وحید اور اپنی مثال آپ تھے۔ سیدنا غوثِ اعظم سے جو آپ کو عشق تھا یہ ان ہی کا حصہ تھا۔ جس نے آپ کو اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز حیثیت اور اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی مدینہ طیبہ سے محبت اور بقیع شریف کی طلب مومن کے دل کو تڑپا کر رکھ دیتی۔ اپنے مشائخ کی جس قدر تعظیم آپ فرماتے تھے کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ حضرت سیدی والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں آپ کا خاص مقام اور قدر و منزلت تھی۔''

سرکارِ کلاں سید شاہ محمد مختار اشرفی جیلانی، کچھوچھہ شریف

حضرت مجاہد ملت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب القادری اڑیسوی علیہ الرحمہ کی ذات بلاشبہہ ملتِ اسلامیہ کی آن، اہلسنّت و جماعت کی آبرو اور دین و دنیا کی رونق تھی۔ اُن کی مبارک زندگی اور ان کی تعلیمات مشعلِ راہ بھی تھی اور حیات قلب و جگر کا باعث بھی۔ وہ علم و فضل اور خلوص و تقویٰ کے ایک ممتاز مقام پر فائز تھے۔ اور آستانۂ اشرفیہ سے بڑی عقیدت تھی اور عرس شریف کے موقع پر برابر شرکت فرماتے رہے۔ اور میرے لیے تو ان کی ہستی اس لیے بھی قابلِ احترام ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت امام العارفین شیخ المشائخ حضرت الحاج سید شاہ علی حسین صاحب، سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بلا واسطہ فیض پا کر سلسلۂ قادریہ اشرفیہ میں خلعتِ خلافت سے مشرّف تھے۔ غرضیکہ حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ تمام خوبیوں کے جامع تھے۔ یہ ایک ایسا عظیم حادثہ ہے جس نے سب کو مغموم کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت مجاہد ملت کے روحانی فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ آمین

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری

اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصّہ میں نے حضرت مجاہد ملت کی خدمت میں گزارا ہے۔ سفر و حضر میں ان کی ہمرکابی کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ بارہ مناظروں میں ان کے ساتھ میں نے سفر کی سعادت حاصل کی ہے، جن میں سے آٹھ مقامات پر میں نے حضور مجاہد ملت کی صدارت میں کامیاب مناظرہ کیا ہے۔ یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ مناظرے کے اُصول و رُموز، بحث و استدلال کے ضابطے اور گفتگو کے قواعد و آداب کا جو سرمایہ بھی میرے پاس ہے وہ حضور مجاہد ملت ہی کا عطا کردہ ہے۔

پاسبانِ ملت حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی، بانی دار العلوم غریب نواز، الٰہ آباد

مجاہدِ ملت! ایک ایسی فقید المثال و نادرِ روزگار شخصیت کا نام ہے جس کی زندگی کے عام گوشوں میں ''انفرادیت'' ایسی کوٹ کوٹ کر بھری ہے جو ان کے معاصرین اور ان کے

درمیان خطِ فاصل کا کام کرتی ہے۔ جس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

(۱) عام لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ تھوڑی سی پونجی سے سرمایہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف سرکار مجاہدِ ملت ایک عظیم اسٹیٹ کے مالک تھے لیکن دین کی راہ میں اُسے اپنے لمبے لمبے ہاتھوں سے ایسا لٹایا کہ اس دنیائے ناپائیدار سے اس طرح گئے کہ نہ کوئی بینک بیلنس تھا، نہ کوئی تجوری اور نہ کوئی ایسی صندوقچی جس میں ایک کانی کوڑی محفوظ ہوتی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

گویا اسٹیٹ کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور درویشی کی چادر اوڑھ لی۔

(۲) ہماری عام درسگاہوں میں ''میر قطبی'' کے بعد ''ملّا حسن'' پڑھائی جاتی ہے لیکن علوم ومعارف کے اس بحر ذخار نے جب درسگاہ سنبھالی تو ''ملّا حسن'' کی جگہ ''شرح مرقاۃ'' جیسی معریٰ کتاب کو جس پر ایک سطر کا حاشیہ تک نہیں، اسے داخلِ نصاب کیا اور اسی کتاب میں ملّا حسن، ملّا جلال، قاضی مبارک، حمد اللہ تک کے مباحث کو کھنگال دیتے، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھیں معقولات پر کس حد تک ید طولیٰ حاصل تھا۔

(۳) آل انڈیا تبلیغ سیرت کلکتہ کانفرنس کی صدارت فرماتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارا اور مولانا حبیب الرحمٰن کا یہ فرق ہے کہ ہم لوگ سب سے ڈرتے ہیں، خدا سے نہیں ڈرتے اور مولانا حبیب الرحمٰن کسی سے نہیں ڈرتے صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔۔۔۔۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور شیخ الاسلام کے یہ جملے سرکار مجاہد ملت کی زندگی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔

(۴) تبلیغ سیرت پٹنہ کانفرنس میں حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں اب سیاست سے دور ہوگیا لیکن اگر ضرورت پڑی تو چور دروازے سے نہیں صدر دروازے سے آؤں گا اور مولانا حبیب الرحمٰن کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر جیل کی نوبت آئی تو ان کے پیچھے سب سے پہلے عبدالقدیر نظر آئے گا۔

(۵) مجاہد ملت کی زندگی ریل کی کم جیل کی زیادہ تھی۔

(۶) علی العموم یہ دیکھا گیا کہ مشائخ طریقت کی پیری مریدی ان کے گھروں سے باہر کامیاب رہی ۔ الّا ماشاء اللہ۔لیکن مجاہد ملت نے اپنے مریدین کی سب سے بڑی فوج اپنے وطن مالوف دھام نگر شریف میں چھوڑی ہے۔ دھام نگر کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کا وطن ثانی الہٰ آباد تھا۔ چنانچہ دھام نگر کے بعد حضرت کا حلقۂ ارادت الہٰ آباد ہی ہے، جوان کے کردار کی پختگی کی بھرپور ضمانت ہے۔

(۷) تقسیم ہند کے بعد جب مذہبی ونیم سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کی گئی تو ایسے نازک وکٹھن ماحول کی قیادت کے لیے جمہور علمائے اہلِ سنّت کی نظر حضور مجاہد پر پڑی اور حضرت کے غائبانہ بمبئی کی مجلس میں حضرت کو صدر منتخب کیا گیا۔جس کی توثیق بریلی شریف میں آخری نشست میں کردی گئی۔

چنانچہ جب جماعت کی طرف سے یہ بوجھ حضرت کے کاندھے پر ڈالا گیا تو عجم سے لے کر عرب تک اس کا پورا پورا حق ادا کردیا۔جس پر ان کا سفرِ حج شاہد عدل ہے اور بالیسر، سلطانپور، غازی پور جیل کی زنجیریں و بیڑیاں آج بھی گواہ ہیں۔

(۸) ریاست پاؤں کی دھول تھی لیکن کبھی بھی فرسٹ کلاس میں سفر نہ فرماتے۔اپنے اس معمول میں سیدی سرکار مفتیِ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری پوری پابندی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے: قوم کا پیسہ رائگاں نہیں کرنا چاہیے۔ ابتدائی دَور میں نذرانہ قبول ہی نہ فرماتے۔

۱۹۴۷ء میں اسٹیٹ ٹوٹنے کے بعد اگر بہ منت وسماجت نذرانہ قبول بھی فرماتے تو بقدر ضرورت اور اکثر اُسے بھی تبلیغ سیرت کے فنڈ میں جمع کرادیتے۔

(۹) عہدِ شباب سے عہدِ پیری تک کے تقریباً تمام اہم مناظروں کی ننانوے ۹۹ ر فیصدی صدارت فرمائی۔حضرت کا آخری مناظرہ غیر مقلدین سے بجرڈیہہ ضلع بنارس کا تھا۔ مناظرہ کے آخری روز ۱۲ ر بجے کے بعد حضرت نے مجھ جیسے تہی دست کی صدارت کا اعلان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔اب میں نے مناظرے کی صدارت عزیزی مولوی مشتاق کو

سونپ دی اور بطور ضابطہ اعلان فرمایا کہ اس کا کہنا میرا کہنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو حضرت کا صرف کرم تھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

حضرت کو مناظرہ سے والہانہ شغف تھا۔ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ مناظرے کو سونگھا کرتے تھے اور بسا اوقات بن بلائے پہنچ جاتے۔ اگر اس موضوع پر لکھا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے۔

بریلی شریف کا اہم مناظرے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولوی منظور احمد نعمانی کے درمیان ہوا۔ حضرت مجاہد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی صدارت فرمائی تھی۔

(۱۰) صوبۂ گجرات ضلع کھیڑا میں جب فتنۂ ارتداد نے سر اُٹھایا تو سب سے پہلے حضور مجاہد ملت جماعت کی نمائندگی فرماتے ہوئے ''تبلیغ سیرت'' کا وفد لے کر پہنچے۔ یہ خادم بھی شریکِ سفر تھا۔

(۱۱) سمپورنا نند کے دورِ وزارت میں جب اخبار پانیر نے توہینِ نبوت کی، تو سب سے پہلے آپ بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ میدان میں کود پڑے۔ شیر اور ہاتھی کی طرح جب للکارتے اور چنگھاڑتے آگے بڑھے تو یوپی وزارت کے قدم ڈگمگا گئے۔

(۱۲) ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کی خاطر آپ نے ''تحریک خاکسارانِ حق'' کی داغ بیل ڈالی اور اُسے بیلچہ کے ساتھ ایک عسکری لباس بھی دیا جو آج ملک کے مختلف حصّوں میں اپنا دستوری کام کر رہی ہے۔

(۱۳) دارالعلوم جامعہ حبیبیہ، خاکسارانِ حق اور آل انڈیا تبلیغ سیرت آپ کی یادگاریں ہیں۔

حضرت ڈاکٹر سیّد محمد امین میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

رئیس التارکین حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا اسم گرامی محتاجِ تعارف نہیں، مذہب اہلِ سنّت کے لیے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (اقبالؔ)

سعودی حکومت کے ظلم و جبر کے خلاف حضور مجاہد ملت نے استقامت کی جو مثال پیش کی وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ ایک عالمِ دین، پیر طریقت، مدرّس، مقرر، رہنمائے قوم کی حیثیت سے ان کے کارنامے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ممتاز شاگرد حضور مجاہد ملت اکثر خانقاہِ برکاتیہ تشریف فرما ہوتے۔ عمِّ مکرم حضور سید العلما اور والد ماجد حضرت احسن العلما علیہم الرحمہ ان کی خدماتِ جلیلہ کے معترف تھے۔ بریلی شریف میں مجھے حضرت والا سے کئی بار نیاز حاصل ہوا۔ عابد شب زندہ دار کے بارے میں پڑھا تو تھا مگر مجاہد ملت کی شکل میں آنکھوں سے بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، پاکستان

مجاہد ملت ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں دھام نگر (اڑیسہ، بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں وصال فرمایا۔ وہ صوبہ اڑیسہ کے جاگیردار تھے مگر انہوں نے شاہی میں فقیری کی۔ سادگی کا یہ عالم ایک تہبند، ایک کُرتا، ایک عمامہ، شانوں پر ایک رومال ۔۔۔۔ وقت کے نامور فضلا ان کے اُستاد رہے مثلاً شاہ عبدالقدیر بدایونی، مولانا امجد علی اعظمی، شاہ علی حسین اشرفی، مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی وغیرہ اور ہم سبقوں میں مولانا سردار احمد لائل پوری، مولانا غلام جیلانی میرٹھی جیسے مشاہیر تھے۔ مجاہد ملت مدرّس بھی تھے، مقرر بھی تھے، مناظر بھی تھے۔ وہ اخلاقِ عالیہ کا پیکر بھی تھے۔۔۔۔ علم و فضل میں یگانہ، تقویٰ شعاری، پابندیِ سُنّت، پابندیِ نماز، مدینہ منورہ سے والہانہ محبت، احترامِ سادات، محافلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُلفت، تمنائے بقیع ان کی خاص خوبیاں تھیں۔۔۔۔ سیرت و کردار میں بے مثال، عفو و درگزر، قناعت پسند، متواضع، غریبوں کے دستگیر و غم خوار، ملت کے دردمند، خورد نواز، متحمل مزاج، سراپا اخلاص، پیکر تسلیم و رضا، علما کا

ادب کرنے والے، استاد زادوں کی تعظیم کرنے والے، حق گوئی و بے باکی میں یگانۂ روزگار ۔۔۔۔اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی تفسیر، قیادت کی تو اس شان سے کہ حق گوئی کے جرم میں آٹھ بار قید و بند میں رہے مگر ذرا قدم نہ لڑکھڑائے، ذرا تزلزل نہ آیا۔۔۔ کہ ع

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الغرض مجاہد ملت علیہ الرحمہ علم و فضل میں اور سیرت و کردار میں یگانۂ روزگار تھے۔ وہ جریدۂ عالم پر اپنے نقوش چھوڑ گئے کہ ان کی یاد آتی رہے گی۔ ان کی خانقاہ آباد رہے گی۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت (یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت) پر استقامت عطا فرمائے اور ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے جن کے نقش قدم دورِ جدید کی تاریک فضاؤں میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ آمین اللھم آمین

امین شریعت حضرت مولانا سبطین رضا خاں، بریلی شریف

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ عزم و ہمت کے کوہِ گراں، تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر، اخلاقِ نبوی کے خوگر، بڑوں کی بارگاہوں میں حد درجہ مؤدب، چھوٹوں پر انتہائی شفیق و مہربان اور باطل کے مقابلے میں پتھر کی چٹان، متواضع و منکسر المزاج ایسے کہ جو ان کی دست بوسی کرتا، وہ فوراً بلا تاخیر اس کے ہاتھ چوم لیتے۔ جس پر بعض علما کو اعتراض بھی تھا کہ حضرت ہر فاسق و فاجر کی دست بوسی فرماتے ہیں، حالانکہ فاسق کی اہانت چاہیے نہ کہ تعظیم۔ مگر فقیر کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ حضرت کا کمالِ انکسار تھا کہ وہ اپنی اَنا کو بالکلیہ فنا کر دینا چاہتے تھے۔ تا کہ انانیت کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی کی دست بوسی کی جاتی ہے تو تقاضۂ بشریت کچھ نہ کچھ احساسِ برتری اس کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے۔ حضرت اس احساس کو بھی سرے سے ختم ہی فرما دیتے تھے، کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ اسے بھی حضرت کا تواضع و انکسار ہی کہا جائے یا خوردہ نوازی، اخلاقِ کریمانہ کا نام دیا جائے یا شفقت بزرگانہ کہ اب سے تقریباً بیس پچیس سال قبل انہی کے علاقہ اڑیسہ میں ہفتہ عشرہ سفر میں ساتھ رہنے کا اتفاق ہوگیا۔ یہ زندگی میں پہلا اور آخری موقع تھا۔ اس وقت تک نہ میں حضرت سے

زیادہ قریب تھا اور نہ ہی ان کی شخصیت سے پوری طرح واقف، لیکن اس ایک ہی سفر میں حضرت کے حسنِ اخلاق سے ایسا متاثر ہوا کہ نہ صرف وہ دوری دور ہوگئی بلکہ ان کی عزت و عظمت، قدر و منزلت دل و دماغ میں گھر کرگئی۔ یہ بھی بزرگی کی علامت ہے کہ جو اخلاص کے ساتھ کسی بزرگ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے، وہ انھیں کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرے پیر و مرشد زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا بھی یہی حال تھا کہ جو ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، انھیں کا ہو جاتا۔

حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب، سجادہ نشیں خانقاہ رضویہ، بریلی شریف

امام التارکین، حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ اور ان کی گرامی قدر خدمات اہلِ علم و دانش پر قطعاً مخفی نہیں۔ آپ نے اپنی ساری زندگی دین متین، مسلکِ اعلیٰ حضرت کی بے لوث خدمت میں صرف کی۔ کبھی سنّت کے خلاف کوئی عمل یا گستاخانِ رسالت سے کسی بھی قسم کا اتحاد و اشتراک آپ نے گوارہ نہیں کیا۔ مجاہد ملت اس عظیم ''مبلغ سنّیت'' کا نام ہے جس نے عرب کی سرزمین پر دشمنوں کی سختیاں، جیل کی صعوبتیں، پیٹھ پر کوڑوں کی شدید ضربیں، مخالفین اہلسنّت کی گالیاں، زجر و توبیخ اور مسلکِ حق کے نام پر ذلت و رسوائی برداشت کی لیکن بدعقیدوں سے میل جول، ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور ان کو اپنا امام مان کر اپنے تصلّب کا خون کرنا آپ نے گوارہ نہیں کیا۔

حضور مجاہد ملت اس عظیم روحانی اور تارک الدنیا شخصیت کا نام ہے جس نے اپنا مال و متاع اپنی سرمایہ داری اور زمین و جائداد مسلکِ حق کی ترویج اور سنّیت کے فروغ میں خرچ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ والے کبھی دنیا اور متاعِ دنیا کو خاطر میں نہیں لاتے۔ خدائے وحدہٗ قدوس نے دنیوی دولت اور زمین و جائداد اس لیے عنایت فرمایا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ نامِ خدا اور رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر قربان کر کے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیں کہ۔

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

حضرت مولانا سیّد شاہ عزیز احمد ابوالعلائی، سجادہ نشین خانقاہِ حلیمیہ چک الٰہ آباد

کون نہیں جانتا کہ حضور مجاہدِ ملت قدس سرّہٗ کی حیاتِ بابرکات سے نہ جانے کتنی علمی و

روحانی تاریخیں وابستہ ہیں۔ جن سے دنیائے اسلام ہمیشہ فیضیاب ہوتی رہے گی۔ اپنے ماضی کو یاد رکھنے والی قوم کبھی نہیں مرا کرتی۔ کردار و عمل، تقویٰ و طہارت، ہمت و بے باکی اور حق و صداقت کا ایک نیرّ تاباں جو تمام عمر خدمتِ دین میں مصروف رہا۔ اس عظیم انسان کے حالات و واقعات کو یکجا کرنے پر میں ادارۂ اشرفیہ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آنے والا یہ نمبر ہر اعتبار سے عظمت و انفرادیت کا حامل ہوگا اور ملتِ اسلامیہ پورے انہماک کے ساتھ استفادہ کرنے کی سعادت حاصل کرے گی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اعظمی، سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ العزیز

جرأتِ حق کے پیکر۔۔۔۔۔ملت کے دیوانہ

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی کے کامل مصداق

ایسے باعزیمت انسان تھے کہ سنگینوں کے سائے میں بھی آوازِ حق بلند کی اور۔۔۔۔

نمازِ عشق ادا کی۔

دولت و ثروت کو ٹھوکر مار کر۔۔۔۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے زہد و استغنا کی یاد تازہ فرمائی۔

دنیائے سنّیت کا یہ مردِ مجاہد۔۔۔۔ہمیشہ تابندہ رہے گا

حضرت مولانا سیّد محفوظ اللہ ابوالعلائی، سجادہ نشین ابوالعلائیہ، داناپور، پٹنہ

حضور مجاہدِ ملت قدس سرہٗ سے ہم لوگوں کے بڑے قدیمی مراسم تھے۔ داناپور برابر تشریف لاتے تھے۔ آپ کو خانقاہِ ابوالعلائیہ سجادیہ داناپور سے بڑی گہری عقیدت تھی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ حضور مجاہدِ ملت ابی المکرم حضرت علامہ الحاج سیّد شاہ ظفر سجّاد صاحب ابوالعلائی علیہ الرحمہ سے کس قدر ٹوٹ کر محبت فرماتے تھے۔ آپ جب بھی خانقاہ تشریف لاتے تھے ابی مرشدی لمحہ لمحہ حضرت کا خیال رکھتے۔ ہم لوگ خود بھی ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے۔ ساداتِ کرام کی عزّت کرنے والا شخص میں نے مجاہدِ ملت جیسا کہیں نہیں

دیکھا۔ آپ جیسی جامع الصّفات شخصیت بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، الٰہ آباد

اس سلسلے پر صرف یہ کہنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے حکم فرمایا کہ تم میرے ساتھ بندکی چلو۔ وہاں جلسہ ہے۔ تھوڑی دیر تقریر کر دینا۔ میں ہمیشہ نزلے کا مریض رہا۔ چنانچہ اُن دنوں نزلہ شباب پر تھا۔ میں نے اپنا حال ظاہر کیا۔ حکم فرمایا کہ نہیں تم کو چلنا ہے۔ میں خاموش ہو گیا اور حضرت کے ساتھ کفش برداری میں چل پڑا۔ جب وہاں پہنچے تو جس کے یہاں جلسہ کی تقریب تھی وہ ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تھے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد مجھ کو مسلسل کھانسی آنے لگی اور آواز بیٹھ گئی۔ اب حضرت کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ میز بان کو بلایا اور فرمایا کہ میں ان کو تقریر کے لیے لایا تھا۔ ان کا یہ حال ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ کیوں پریشان ہیں؟ یہ ابھی تقریر کریں گے۔ نہیں معلوم انہوں نے کیا دوا دی، مگر حضرت کی توجہ نے کچھ ایسا کام کیا کہ میری آواز کھل گئی۔ دوا کا بہانہ ہی رہا۔ اور میں تقریر کے قابل ہو گیا۔ فرمایا چلو تقریر کرو۔ اس وقت جو تقریر ذہن میں آئی محض ان کی عطا اور توجہ تھی۔ آیت کریمہ تلاوت کی **ورفعنا لك ذكرك**۔ اس کے ذیل میں یہ عرض کیا کہ باری تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے محبوب کی بلندی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ثبوت کی تمہید میں نے اس طرح کی کہ عالم کے موجودات دو طرح کے ہیں ایک وہ جو خود قائم ہو، دوسرا وہ جو کسی دوسرے کے ساتھ قائم ہو۔ پہلے کو جوہؔر دوسرے کو عرضؔ کہتے ہیں۔ جیسے گلاب اور اس کا رنگ و بو۔ اس آیۂ کریمہ میں باری تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے حبیب! میں نے آپ کے ذکر کو آپ کے لیے بلند کیا ہے، اور ذکر قسم دوم (عرض) میں داخل ہے اور عرض ہمیشہ کسی جوہؔر کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا ذکر بھی کسی نہ کسی کے ساتھ قائم ہوگا۔ ذکر جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے اسی کو ذاکر کہتے ہیں۔ ذکر تو خود بخود پایا ہی نہیں جا سکتا۔ جب ہوگا تو اپنے یعنی ذاکر کے ساتھ ہوگا۔ اس طرح لازمی طور پر ذکر کی بلندی کے ساتھ ذاکر بلند ہو کر رہے گا۔

پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کے ذکر کی بلندی کے ساتھ اس کے ذاکر کو بھی بلندی

بخشی اور ذ کر اپنے ساتھ ذاکر کو بھی بلند کرے گا۔

میری اس گفتگو پر حضرت بہت مسرور ہوئے اور میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ چونکہ وہ ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں یعنی پاس انفاس میں مشغول رہتے تھے اس لیے انھیں بڑی لذّت محسوس ہوئی اور سر ہلا ہلا کر میری گفتگو کا مزا لیتے رہے۔

حضرت کی پوری زندگی پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اُن کی بلندی کا راز ذکرِ الٰہی ہی تھا۔ جس نے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کی منزل پر فائز کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ اُن کو کوڑے کا خطرہ تھا اور نہ بیڑی کا خوف۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندی کی بات کرو یہی اُن کی تسکین خاطر کا سبب تھا بس۔

شارح بخاری حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، گھوسی

یہ ہماری زبوں بختی ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ ہمیں اپنے اکابر کے ظاہری سایۂ عاطفت کی شدید ہی نہیں اشد ضرورت ہے۔ ہم یکے بعد دیگرے بہت جلد جلد اس سے محروم ہوتے جاتے ہیں لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ؎

چیست جز صبر و رضا کو چارۂ　　　　در کفِ شیرِ نر خوانخوارۂ

حضرت مجاہد ملت قدس سرہٗ جیسی جامع عبقری شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ وہ دیکھنے میں ایک فرد تھے مگر اپنے اندر نہ جانے کتنی دنیا رکھتے تھے۔ علم و فضل، اتباعِ شریعت، سلوکِ طریقت، زہد و ورع، خشیتِ الٰہی، انابت اللہ، شجاعت، سخاوت، استقامت، حق گوئی، حق کوشی، قوم و ملت کا درد، ملت کے دشمن عناصر پر کڑی نظر اور ان کی دسیسہ کاریوں سے آگاہی، ان کے انسداد کی تدابیر اور ان پر عمل درآمد کی بھرپور جد و جہد اور کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے نہ ڈرنا اور خطرات کی پرواہ نہ کرنا۔ جو بات حق ہے اسے علیٰ رؤس الاشہاد کہنا اور ہر باطل تحریک کے خلاف سینہ سپر ہونا، عظیم رئیس ہوتے ہوئے بھی انتہائی متواضع و منکسر، محل ہوتے ہوئے جھونپڑے میں رہنا، فقیروں امیروں، رؤسا غرباء سب کے ساتھ مساوی سلوک، دوسروں کے لیے خزانے لٹا دینا، خود تہہ دست رہنا، حرص آز، رِیا و نمود،

حبِّ جاہ و حبِّ وقار سے کوسوں دور، جملہ علوم وفنون کے عطر مجموعہ، طریقت و حقیقت کے شناور، مسند تدریس کے صدر نشین، بزم افتاء کے شمعِ فروزاں، میدانِ مناظرہ کے سپہ سالار، میں کیا ذکر کرو، کیا رہنے دوں۔ بس یہ کہہ کے خاموش ہوتا ہوں ؎

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار نوز درماں نگہ دار

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے مَیں کیا کیا کہوں تجھے

بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی، مبارکپوری

دُنیا کی اس روز افزوں اور ترقی پذیر آبادی میں کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کے بعد کوئی ایک ایسا فردِ کامل پیدا ہوتا ہے انسانیت کو جس پر فخر ہوتا ہے اور زندگی جس پر ناز کرتی ہے۔

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز انہی عدیم المثال مردانِ حق اور خاصانِ خدا میں سے تھے۔ جو دستِ قدرت کا شاہکار ہوتے ہیں۔

ان کے قلب مبارک میں عشق شاہِ مدینہ اور محبت میر بغداد کا الاؤ دہک رہا تھا۔ ان کا سینہ لاہوتی اسرار اور عرفانِ الٰہی کا مدینہ تھا۔ اور دماغ اسلامی فکر و آگہی کا انمول گہوارہ۔ ان کا چہرہ زندگی بھر شمع حق نما کی طرح ظلمتوں کے ہجوم میں مسکراتا رہا۔ اور ان کے پائے عزم و ثبات سے باطل کا طوفان ٹکرا ٹکرا کر پلٹتا رہا۔ طاغوت کی کوئی طاقت نہ ان کی آواز دبا سکی، نہ جادۂ حق سے انھیں ہٹا سکی ؎

صدائے حق کسی صورت سے دب نہیں سکتی
نہ دب سکیں گے خدائی پکار ہیں ہم لوگ

بلاشبہہ حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ حق کی پکار تھے۔ اور خدا کی آواز، جو نہ دبنا جانتے تھے نہ لچکنا۔ افسوس موت کے ہاتھوں نے وہ آواز دبا دی، وہ صدائے حق خاموش کر دی۔ آہ وہ مردِ حق آگاہ نہ رہا۔ وہ شیر نیستاں الٰہی نہ رہا، جس نے ظلم کی آندھیوں کا کلیجہ چیر ڈالا۔ شاید

اب صدیوں بعد دنیا اس قسم کی آواز سن سکے ؎

سرورے از حجاز آید کہ ناید　　دگر دانائے راز آید کہ ناید

محدّثِ کبیر حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء المصطفیٰ امجدی، گھوسی

فقیہ اعظم ابی المکرم حضور صدر الشریعہ مصنّف ''بہارِ شریعت'' علیہ الرحمۃ والرضوان فیض رسانی کے معاملے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بے شمار افراد آپ کے فیض تعلیم و تربیت سے مالا مال ہوئے۔ ہند و پاک کے اہلسنّت کی تقریباً نوّے فی صد درسگاہیں آپ ہی کے تلامذہ سے آباد و منور ہیں۔ حضور صدر الشریعہ کے فیضان کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ ایک طرف اگر آپ کے تلامذہ علم و عمل کے سنگم نظر آتے ہیں تو دوسری طرف روحانیت کے علم بردار اور تصوّف و اخلاق کی واضح تصویر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ آپ سے نسبتِ تلمّذ کو عمل و کردار کی سند تصور کیا جاتا ہے۔ جلیل الشان معاصرین نے بھی آپ کے علم و کردار اور مردم ساز شخصیت کا اعتراف کیا ہے۔ حضور صدر الشریعہ نے افراد سازی کے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان میں سب سے نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اجمیر مقدس کے دورانِ قیام تقریباً دس افراد پر مشتمل ایک ایسا کاروانِ علم و عمل ترتیب دیا جس کا ایک ایک فرد مینارۂ علم و فن ثابت ہوا اور میدانِ عمل کا مردِ آہن بھی۔ استاذ العلماء حضرت حافظِ ملت، محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب، حضور مجاہد ملت، صدر العلماء مولانا سیّد غلام جیلانی صاحب، مفتیِ اعظم کانپور مولانا رفاقت حسین صاحب (مدظلہ العالی)، شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگل پوری علیہم الرحمہ وغیرہم اسی مقدس قافلے کے اہم ستون ہیں۔ خود صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس جماعت پر ناز فرماتے تھے اور انھیں اولادِ نسبی سے زائد محبوب رکھتے۔ ان میں کا ہر ایک آسمانِ فضل و کمال اور علم و فن کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔ یہ حضرات اپنے اپنے دور میں درس و تدریس، تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت، بیعت و ارشاد اور منزلِ سلوک کے امام شمار ہوتے ہیں۔

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ منقول و معقول کے متبحر عالم تھے۔ اگر چہ آپ نے ایک عرصے

سے سلسلۂ تدریس کو خیر باد کہہ رکھا تھا تاہم ہر موقع اور ہر محفل میں آپ کے علم کو مستحضر پایا گیا۔ تنقیح مسائل اور نقد دلائل میں آپ کا جواب نہ تھا۔ مناظرہ ومحاکمہ میں تو آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔

خدمتِ خلق، اصلاحِ معاشرہ اور ملکی سالمیّت کے مسائل میں آپ امام الائمہ کے منصب پر فائز تھے۔ ان اُمور میں آپ کی جرأت و بے باکی کو جیل کی سلاخیں اور قید و بند کی صعوبتیں بھی نرم نہ کر سکیں۔ اس مردِ حق آگاہ کی عجیب شان تھی کہ اس نے کھلے میدان تک ہی اپنا مشن محدود نہیں رکھا بلکہ قید و بند میں رہ کر جیل کے قیدیوں میں بھی آپ تبلیغ محاسن اور تربیت اخلاق میں مصروف رہتے۔ میرے دورِ تعلیم میں جبکہ حضرت مجاہد ملت غازی پور جیل میں مقید تھے، اس وقت باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ جیل کے کچھ غیر مسلم قیدی آپ کے ہاتھوں پر مشرّف باسلام ہو چکے ہیں۔ اسی قسم کے تبلیغی کارنامے ہر بار قید و بند کے دوران نظر آتے رہتے تھے۔ نہ معلوم کتنے چور ڈاکو آپ کے آگے تائب ہوئے اور کتنے بدقماش افراد کو آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے زاہد و پارسا بنا دیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد اسلم بستوی، بلرام پور، یوپی

اندھیرے اور اُجالے کا تصادم ہمیشہ سے رہا ہے۔ تاریکی ہمیشہ روشنی کو نگلنے کی کوشش کرتی ہے اور کبھی کبھی اپنی گرفت میں بھی لے لیتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تاریکی جہاں بھی اپنا تسلّط بھر پور طریقے سے جما لیتی ہے اُجالا ٹھیک وہیں سے جنم لیتا ہے۔ رات خواہ کتنی ہی تاریک کیوں نہ ہو، اس کی کوکھ سے صبح ضرور جنم لے گی۔

دنیا میں بے شمار ایسے افراد ہیں جن میں بیشتر یا تو تاریکی میں ڈوب چکے ہیں یا ڈوب رہے ہیں یا پھر روشنی کے مقابل میں تاریکی پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے ظلمت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اور بڑی حد تک اس کے متحرک اور علم بردار بھی ہیں۔ اور کم ہی افراد ایسے ہیں جو تاریکیوں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہوں۔ اور ایسے افراد تو خال ہی خال نظر آئیں گے جو ایک طرف تو حق کی شمع فروزاں لیے ہوئے باطل کی تاریکیوں سے نبرد آزما ہوں تو دوسری طرف تاریکیوں میں ہاتھ پیر مارنے والوں کی دستگیری اور تاریکیوں میں ڈوبنے

والوں تک شمع حق کی شعاعیں منعکس کرتے ہوں۔

آج جبکہ نور و ظلمت کے اس باہمی تصادم میں باطل کی تاریکیوں نے ''حق کے اُجالے'' کو ہر چہار اطراف سے اپنے نرغے میں لے رکھا ہے، یعنی کسی طرف سے تاریکی ''دارالعلوم'' کے لبادے میں بڑھ رہی ہے تو کسی طرف سے ''اصلاح وتبلیغ'' کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر، کسی طرف سے ''علما کا مقدس گروہ'' بن کر آرہی ہے تو کسی طرف سے ''اسلامی جماعت'' کا حسین لیبل لگا کر، کسی طرف سے ''الحاد ولادینی'' کا اژدھا بن کر منھ پھیلائے ہوئے ہے تو کسی طرف سے ''روشن خیالی'' اور ''مغربی تمدّن'' کی حسین ناگن بن کر بل کھا رہی ہے۔ غرض کہ یہ تمام تر تاریکیاں جس طرف سے اور جس طور سے بھی آرہی ہوں طریقۂ کار خواہ سب کے جداگانہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن سمت سب کی متعین ہے۔ رُخ سب کا ایک ہے اور وہ سمت و رُخ ہے۔۔۔ ''روشنی''

اور اس رُخ تک پہنچنے کے لیے تاریکیاں دور دور سے سب ایک دوسرے میں ضم ہیں اور ان کے انضمام سے ایک تاریک دائرہ سا بن گیا ہے۔ اور وہ تاریک دائرہ آہستہ آہستہ سمٹ رہا ہے، تنگ ہو رہا ہے۔ ایک ہی سمت میں ایک ہی جہت میں، ایک ہی رُخ کی طرف، ایک ہی نقطے کی طرف۔۔۔!!

''نقطہ''۔۔۔۔۔۔۔ جو سب کا شکار ہے

''شکار''۔۔۔۔۔۔۔ جو روشنی ہے

''روشنی''۔۔۔۔۔۔۔ جو دین حق ہے

''دین حق''۔۔۔۔۔۔۔ جو دین فطرت ہے

''دین فطرت''۔۔۔۔۔۔ جو دین اسلام ہے

''دین اسلام''۔۔۔۔۔۔ جو تاریکیوں کا دشمن ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ''تاریکیاں''؟

۔۔۔۔۔ اپنے اس دشمن کو ہمیشہ سے مٹانا چاہتی تھیں اور آج بھی اسی کے درپے ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مگر تاریکیاں اپنے اس دشمن کو مٹانے میں پہلے بھی ناکام رہی ہیں اور آج بھی ان کا یہ ''ناپاک گٹھ جوڑ'' ناکام ہی رہے گا۔ اس لیے کہ پہلے کی طرح آج بھی چند نفوسِ قدسیہ تاریکیوں کے اس متحدہ محاذ دائرے کو توڑنے کے لیے چومکھی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ آج بھی چند اہم شخصیتیں باطل کے ناپاک گھیرے میں حق کی علم بردار ہیں۔

ان چند اہم شخصیتوں میں سے ایک حامیِ سنّت، ماحیِ بدعت، سلطان التارکین، رئیس العلماء، مناظر ذیشان، مجاہد ملت حضرت علامہ الشاہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات قافلہ سالار کی حیثیت تھی۔

حضرت مولانا مفتی فضل کریم عظیم آبادی، سابق قاضی ادارۂ شرعیہ پٹنہ، بہار

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اس ہنگامہ خیز دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قرار نہیں۔ ہم کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اس دھرتی پر نہ جانے کیسے کیسے صاحبِ تخت و تاج آئے اور زندگی کے ایام پورے کر کے رخت سفر باندھا اور دنیائے ناپائیدار سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے اور گردشِ لیل و نہار و حوادثاتِ روزگار نے ان کے نام و نشان بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہ چھوڑا۔

مگر اسی عالمِ رنگ و بو میں کچھ ایسی معزز و ممتاز شخصیتیں بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں جن کی دینی و ملّی خدمات اور حسنِ عمل و اعلیٰ کردار نے انھیں زندۂ جاوید بنا دیا۔ جو لوگوں کے اقلیم قلب و جگر پر اپنی بے لوث دینی خدمت و عظمت کے ایسے گہرے نقوش چھوڑ گئے جو مرورِ دہور و انقلابِ زمانہ سے بھی محو نہ ہو سکے اور وہ اس کے مصداق قرار دیئے گئے کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

انہی برگزیدہ اور محبوبِ خلائق شخصیتوں میں سے اہلِ سنّت کے عظیم رہنما و روحانی پیشوا

حضرت علامہ الحاج مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان صدر ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' وامیر ''کُل ہند خاکسارانِ حق'' کی ذاتِ گرامی ہے۔ ایک طرف آپ متبحر عالم دین، بلند پایہ مناظر، عظیم مفکّر و مدبّر اور علوم و معارف کے بحرِ ذخار تھے تو دوسری طرف رموزِ طریقت واسرارِ حقیقت و معرفت کے رازداں بھی تھے۔ حق وصداقت کے داعی اور حق گوئی و بے باکی میں اپنی مثال آپ تھے۔

مفتی اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس قادری حبیبی

مجاہد ملت فضیلت علمی، قوت ایمانی، اخلاص عملی، استحضار فقہی، درس دینی، علمی موشگافی ، خدا ترسی، تقویٰ و پرہیز گاری، حاضر جوابی اور جرأت و بے باکی کے نیر تاباں تھے۔

یوں تو ان کی فیض بخش صحبت بے ریا سے مستفیض و مستنیر ہونے والے اور ان کی درسگاہ دینی و علمی سے نور وضیا حاصل کرنے والے کثیر ہیں لیکن مجھ بے مایہ کو جو انکی خاص عنایتوں سے شرف و بلندی حاصل ہوئی ہے وہ منفرد و بے مثال ہے، اور میں نہیں جانتا کہ یہ کسی اور کے حصے میں آئی ہو، میں نے بہت ساری بزرگ شخصیتوں کو قریب سے دیکھا ہے اور بعض کی صحبتوں سے فیضیاب بھی ہوا ہوں لیکن ان میں مجھے کوئی مجاہد ملت نہیں ملا۔

حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی ان کی ذات ستودہ صفات میں فضائل و کمالات کی جو دنیا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے، کئی بار ارادہ ہوا کہ ان کو صفحۂ قرطاس پر اتار دوں مگر کچھ سوچ کر میں ایسا نہ کر سکا اگر چہ ہر وقت ان سے عقیدت و محبت کی موجیں میرے سینے میں ہر وقت اُٹھتی رہیں اور میری زندگی کی کوئی سانس ایسی نہیں جس پہ ان کی نوازش و کرم کا غلاف نہ ہو۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك

اب حضور مجاہد ملت ہم میں نہ رہے لیکن ان کے فکر و عمل اور دینی تحریک و مشن کی تابندگی سے قلب و نظر کو تسکین و تنویر حاصل ہوتی رہتی ہے اور ہمیں تبلیغ و اشاعت دین کی ترغیب دیتی ہے ، ان کی بارگاہ میں مختلف انداز میں خراج عقیدت و محبت برابر پیش کئے جاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پیش کئے جاتے رہیں گے لیکن ان کی بارگاہ میں سب سے زیادہ موثر و خوش کن خراج عقیدت ان کے ارشادات و فرمودات پر عمل کرنا ہے---- رب قدیر مجھے اور میری اولاد کو انکے مشن کے فروغ

کا جذبۂ بے کراں عطا فرمائے اور ان کے ذکر و فکر کی خوشبوؤں سے نسلوں کی مشام جاں کو معطر و مشکبار کرے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ و التسلیم

حضرت مولانا مفتی سید محمد حسینی اشرفی مصباحی، جامعہ امجدیہ، ناگپور

حضرت مجاہد ملت کو خداوند قدوس نے بے پناہ ذہانت اور حاضر جوابی عطا فرمائی تھی۔ حاضر جوابی میں تو آپ یگانۂ روزگار تھے۔ اسی سبب سے وہ مخالف مناظر پر حاوی رہے۔ آپ کی حاضر جوابی سن کر باطل محاذ کا مناظر مبہوت ہو جایا کرتا۔ صاحبانِ علم و فراست اس کو حضرت مجاہد ملت کے سامنے طفلِ مکتب سمجھتے۔ حضرت مجاہد ملت جیسی شخصیتیں صدیوں کے بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ آپ ایسے عظیم کردار کے مالک تھے کہ آپ کبھی بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں کسی بھی مصلحت اندیشی کے شکار نہیں ہوئے۔ جہاں وہ اپنوں کے لیے نرم مزاج تھے جب ان کا بد دینوں اور بدعقیدوں سے سامنا ہوتا تو اشداءُ علی الکفّار کی تفسیر بن جاتے۔ اکابر علما کا کہنا ہے کہ مناظرے میں آپ کی صدارتی تقریر سننے کے لائق ہوتی۔ جب صدارتی تقریر میں دلائلِ قاہرہ کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ایسا لگتا کہ جیسے بجلی کڑک رہی ہے۔ استحضار کا یہ عالم ہوتا کہ جیسے کتاب خود ہی کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ پُر مغز دلائل و براہین سے بھری آپ کی صدارتی تقریر کی آندھی میں دیوبندیت و غیر مقلدیت خس و خاشاک کی طرح اُڑتی نظر آتی تھی۔

عہدِ شباب سے پیری تک کے تقریباً تمام اہم مناظروں کی ننانوے فیصد صدارت فرمائی۔ حضرت کا آخری مناظرہ غیر مقلدین کے ساتھ بجرڈیہہ ضلع بنارس میں ہوا تھا۔ نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ہندستان کے طول و عرض میں ہونے والے مناظرے کم ایسے ہوں گے جن میں مجاہد ملت شریک نہ ہوئے ہوں اور جس مناظرے میں شریک ہوئے ہمیشہ صدر بنائے گئے اور ہر جگہ ثابت فرمایا کہ صدارت کا کام ان سے اچھا اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ مناظروں میں کبھی کبھی طرفین کے صدرین میں بھی

نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی۔ جب کبھی ایسا موقع آیا حضور مجاہد ملت نے ہمیشہ مقابل کو ایسا ساکت کیا کہ **فبھت الّذی کفر** کا منظر سامنے آجاتا۔

حضرت مولانا سیّد الزماں حمدوی پوکھریری

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ العزیز کے مکتوبات کے ٹکڑے آپ کے سامنے ہیں، وہ فرما رہے ہیں کہ دین کی امداد صرف قتل وقتال ہی پر منحصر نہیں بلکہ زبان سے بھی یہ امداد ہوسکتی ہے۔ اور علمائے حق کی سب سے بڑی دینی امداد بداعتقادی کے دَور میں یہ ہے کہ وہ برملا شرعی مسائل بیان کریں۔ اور عقائدِ حقّہ کے اظہار میں کوشاں رہیں۔ وہ عقائدِ حقّہ وہی ہیں جو اہلِ سنّت کے علمِ کلام میں کتب وسنّت واجماع کے مطابق مدوّن ہیں۔

عقائدِ کلامیہ کا اظہار بہترین دینی تائید اس وجہ سے ہے تاکہ کوئی اہلِ بدعت وگمراہ، سادہ لوح مسلمانوں کے اندر آکر اپنے اباطیل کے ذریعے انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹا نہ دیں۔

اظہارِ عقائد کے ذریعے دینی تائید علمائے حق کے ساتھ مخصوص ہے اور جو علمائے حق بلا رو ورعایت عقائدِ حقّہ کی اشاعت کرتے ہیں واقعی وہ علمائے آخرت ہیں۔ اس کے برخلاف علمائے دنیا ہیں جن کی زندگی کا مقصد حصولِ دنیا ہے۔ ان کی صحبت امت کے لیے زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے کہ دوسروں کو بھی فاسد کر دے گا۔

یہی راز ہے کہ علمائے اہلسنّت ہر جگہ بدعقیدگی کے خلاف صف آرا رہتے ہیں اور عقائدِ حقّہ کا وعظ ان کا شعار ہے، جن کو بیمار طینت لوگ تفریق سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت مجاہد ملت مکتوباتِ مجدد الف ثانی کی روشنی میں یقیناً عالمِ حق وعالمِ ربّانی تھے۔ زندگی کے ہر دَور میں انہوں نے عقائدِ حقہ کا اظہار کیا اور بلاخوف ''لومۃ لائم'' حق گوئی کا حق ادا کیا۔ ان کے دینی مناظرے، عقائدِ حقہ کے اظہار کے لیے ہی تھے اور وقتاً فوقتاً تشکیل جماعت بھی اشاعت عقائدِ حقہ کے لیے ہی تھی۔ ہند سے عرب تک قید وبند کی اذیتیں جھیلنا عقائدِ حقہ ہی کی خاطر تھے اور ان تمام دینی کاموں سے حصولِ مال وجلبِ جاہ ورفعت قطعاً مقصود نہیں تھا۔ خود رئیس تھے لیکن دین کی خاطر آخرت کے خوف سے فقیری اختیار کی۔ کسرِ

نفسی اور وسیع الاخلاقی کا یہ عالم تھا کہ بڑے تو بڑے، ملتے وقت چھوٹے بچوں کے ہاتھوں کو چومتے۔ والعلم عنداللہ۔

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، سابق صدر مدرّس جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمہ بڑی بلند صفات کے حامل تھے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں بھی وہ نمایاں رہے اور فراغت کے بعد تو وہ پوری زندگی استقامت کا کوہِ گراں اور جہدِ مسلسل کا پیکر نظر آئے۔

ان کی خدمات کی جہات میں مدارس و مساجد بھی ہیں، تنظیمیں اور انجمنیں بھی، تقریریں اور مناظرے بھی، میدانِ سیاست بھی، میدانِ دعوت و ارشاد بھی، حکومتوں کی غلط کاریوں پر آوازۂ حق کا اعلان بھی، ناداروں، کمزوروں اور مظلوموں کی دست گیری بھی اور بہت کچھ اس کے علاوہ بھی۔ کسی دیدہ ور سوانح نگار کے لیے ان سب کو سمیٹنا آسان نہیں۔ مگر مالا یدرك كله لا یترك كله۔ کوشش ضروری ہے۔ رہنمائی، یاوری اور تکمیل، کریم و قدیر کے دستِ قدرت و کرم میں ہے۔

حضرت مولانا محمد قمر الحسن بستوی، ہیوسٹن، امریکہ

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''مجاہدہ کی اصل یہ ہے کہ اپنی خواہشات کی مخالفت کی جائے۔'' حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''نفس کی پیروی کرنے والا ہلاک ہوتا ہے۔'' ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''محبتِ الٰہی کی علامت ہے کہ کسی امر میں اس کے حبیب کی مخالفت نہ کرے۔''۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ جس کی زندگی اتباعِ رسول کے محور پر گردش کرتی رہی، جس نے اپنی خواہشات کی تادم واپسیں مخالفت کی، جو اپنے نفس سے سدا جنگ کرتا رہا۔۔۔ وہی مجاہد ملت جو رضائے الٰہی کے لیے تمام مصائب خندہ پیشانی سے جھیلتا رہا، مومن کامل کی علامت حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے پوچھیے: ''رضا اپنے اختیار کو دور کرنا اور بلا کو نعمت سمجھنا ہے۔'' یہ قول من کل الوجوہ مجاہد ملت کی زندگی کا عکاس و آئینہ دار ہے۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ’’ندی نالے میں جب تک پانی بہتا ہے آواز آتی ہے اور جب وہ پانی دریا میں جا کر مل جاتا ہے تو آواز نہیں ہوتی۔ مجاہد ملت ابتداءً ایک ایسی ندی تھے جس میں آواز تھی، شور تھا، بھنور تھی، طوفان تھا لیکن جب ۔۔۔ ’’من تو شدم تو من شدی ۔۔۔‘‘ کے منازل پر فائز ہو گئے تو سارا طوفان، ساری بھنوریں، سارا شور یک لخت ختم ہو گیا اور پھر وہ قطرۂ بے مقدار بغداد جا کر دریا اور مدینہ مکرمہ و مکّہ معظّمہ پہنچ کر سمندر میں ایسا ضم ہوا کہ اس کی ساری رنگت اور سارا شور ختم ہو گیا۔ اب وہ بذاتِ خود ایک اتھاہ سبک رو سمندر تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ شخص واحد ہر منزل، ہر میدان میں اور ہر موڑ پر ۔۔۔۔ یہی سنا گیا کہ ۔۔۔۔ مجاہد ملت ۔۔۔۔ مجاہد ملت ۔۔۔ جی ہاں! مجاہد ملت نے یہ کیا ۔۔۔ مجاہد ملت نے وہ کیا ۔۔۔ اور یہاں تک کیا کہ ضرب اِلَّا اللہ سے حصارِ نجد میں زلزلہ تک ڈال دیا ۔۔۔ سرکار غوثِ اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا ۔۔۔ کہ اہلِ مجاہدہ کی دسویں خصلت تواضع ہے، جس سے عابد کا مقام مضبوط ہو جاتا ہے۔ دیکھیے تو تواضع کی کتنی بلندی پر یہ مردِ درویش پہنچ چکا تھا۔ نہ ہوسِ دنیا، نہ خیالِ زر، نہ اشتہائے غذائے قوی نان شعیر پر قناعت فقیرانہ کیفیت کی منھ بولتی تصویر شاہین صفتی آپ کا خاصّہ تھی ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
توُ شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

حضرت مولانا بدرالقادری مصباحی، ہالینڈ

اس عہد کی پیشانی پر تابناک لکیروں میں مجاہد ملت کی قربانیوں اور جاں فشانیوں کا لہو شامل ہے۔۔ زمانہ یوں تو بے شمار انسانوں کو منصۂ وجود پر لاتا ہے مگر ایسے انسان کم ہوتے ہیں جن سے زمانے میں انقلابِ فکر و عمل کی آفرید ہوتی ہے۔ لباس، غذا اور رہائش کے انتظامی مسائل کے لیے حکومتیں آتی اور جاتی ہیں اور انسانیت کو اخلاقِ حمیدہ کے زیور سے آراستگی بخشنے کے لیے علما، صلحا، اولیا اللہ اور نائبین انبیا کا ظہور ہوتا ہے۔ جن کے دَم سے روح میں، قلوب میں طمانیت اور اخلاقِ انسانی میں تابنا کی نشو و نما پاتی ہے۔ ان پاکیزہ نفوس کے

لیے فرشتے اور مخلوقاتِ ارضی تمام کی تمام دست بدعا رہتی ہیں۔ کیوں کہ انھیں وجودوں سے سچائیوں کا بھرم، صداقتوں کا بول بالا اور ایمان و دیانت کا فروغ ہے۔حضور مجاہد ملت کی ذات ستودہ صفات انھیں پاکیزہ شخصیات میں سے ایک تھی۔ آپ کی شخصیت کے پاکیزہ نقوش کل بھی محفوظ تھے، آج بھی محفوظ ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

حضرت مولانا افتخار احمد قادری

حضرت مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن قادری قدس سرہٗ نہ صرف علم و فضل، کردار و عمل، زہد وتقویٰ، اخلاص و ہمدردی، ملت نوازی اور جہاد فی سبیل اللہ کے دھنی اور رئیس تھے۔ بلکہ مادّی اور علاقائی لحاظ سے بھی آپ اپنے وقت کے بہت بڑے غنی اور رئیس تھے۔ پورے صوبۂ اڑیسہ کے مسلمانوں میں سب سے بڑے رئیس اور جاگیر دار تھے اور اس حیثیت سے بھی سرزمین اڑیسہ کے باشندوں کے دلوں میں آپ کا احترام تھا۔ آپ سے عقیدت و محبت تھی۔

ہزاروں ایکڑ پھیلی ہوئی آراضی کے آپ مالک تھے۔ آراضی کے پھیلاؤ اور کثرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لاکھوں روپے سالانہ آراضی کی مال گذاری کے ادا کیے جاتے۔ گویا آپ ایک پورے اسٹیٹ کے مالک تھے۔

آپ کے والد کے زمانے میں سال میں ایک اعزازی دربار لگتا تھا۔ آپ کے والد ماجد جلوہ افروز ہوتے۔ سارے علاقہ کے لوگ نذر پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ پر نذر کیے جانے والے چاندی کے سکّوں سے ایک بہت بڑا صندوق بھر جاتا۔

ایک فیاض امیر و رئیس کے دسترخوان کی طرح آپ کا دسترخوان بھی کافی وسیع ہوتا۔ رمضان المبارک میں دور دور سے لوگ آپ کے یہاں افطاری کی برکت کے لیے حاضر ہوتے۔ اپنے ساتھ بھی افطاری لاتے۔ مگر حضرت مجاہد ملت کے یہاں سے بھی ان آنے والوں کے لیے خاص اہتمام کی افطاری ہوتی، پھر دسترخوان پر بچ رہتا اسے لوگ تبرکاً اپنے ساتھ لے جاتے۔

آپ کا مکان ایک رئیس اور نواب کے قلعہ کی طرح ایک شاندار اور پُرعظمت قلعہ ہے اور

کافی پھیلا ہوا ہے کہ اس کے اندر مسجد بھی ہے اور خانقاہ بھی اور تالابِ خاص بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ جب غسل کے لیے تالاب پر پہنچتے تو آپ کے لیے تالاب خالی کر دیا جاتا۔ آپ اپنے مال و جاہ میں غنی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے بھی غنی تھے کیونکہ فرمایا گیا ہے ''الغنی غنی النفس'' دراصل غنا و بے نیازی نفس ہی کی بے نیازی ہے اور ایسا کم ہوتا ہے کہ انسان مال کا بھی دھنی ہو اور نفس کا بھی دھنی ہو لیکن مجاہد ملت مجمع البحرین تھے۔ یہی نہیں بلکہ یہاں ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مال کے جتنے دھنی و رئیس تھے اس سے کہیں زیادہ نفس کے غنی اور رئیس تھے۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں مال کے غنا پر نفس کا استغنا حاوی اور غالب نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی مظفر احمد صدیقی بدایونی

حضور مجاہد ملت علامہ مفتی شاہ محمد حبیب الرحمٰن علیہ رحمۃ المنان علم و فضل کے شہنشاہ تھے۔ آپ کا قلب اطہر سوز و گداز کا گنجینہ تھا۔ ہر وقت خشیتِ الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ اکثر رقّت طاری رہتی تھی۔ عرفانِ الٰہی کی تجلّی سے مجلّٰی اور عشقِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آراستہ تھے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ شریعت و طریقت کا سنگم تھی۔ پورے ملک و بیرونِ ملک میں آپ کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت کی دھوم تھی۔

آپ عابد شب زندہ دار، صدق و صفا، جود و سخا کے مالک تھے۔ خوش طبع، صاحب حیا، دوستدار، اطاعت گذار، خوش اخلاق، شفیق و مہربان، صاحبِ فضل و کمال بزرگ تھے۔ آپ کے علمی وقار کو آپ کی سادگی کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی۔ آپ نے اپنی سادگی میں فضائل و کمالات کو چھپا رکھا تھا۔ آپ حق گو، بے باک مجاہد تھے۔ آپ علم و عرفان کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ آپ اسلام و سنّت کے مہکتے ہوئے شاداب چمن تھے۔ آپ کا ہر قدم جادۂ حق پر گامزن تھا۔

مولانا عبدالکریم نعیمی، بنگلہ دیش

اہلِ عشق کے قافلۂ سالار چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہ القوی کے ہاں بھی یہی تصور اُجاگر ہوا ہے۔ انھوں نے اپنی تقریر و تحریر کو صرف اسی تصور کے لیے وقف کر دیا۔ اور یہ بتایا اگر عزت و آبرو کی تمنا ہے تو کاشانۂ رسالت کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

نیز فرماتے ہیں ؎

جان ہے عشقِ مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اُٹھائے کیوں

اعلیٰ حضرت نے اپنی تمام نگارشات کو صرف اسی محور کے گرد گھمایا ہے اور کیسے والہانہ انداز میں اپنے جذباتِ صادقہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور کیا رنگِ محبت جھلک جھلک پڑتا ہے۔ غرض اس قافلۂ عشق و مستی کے سب مقدس افراد اس ایک عقیدے پر بیک زبان متفق ہیں کہ ؎

آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ بھی اہلِ عشق کے زمرۂ مقدسہ میں شامل ہیں۔ آپ کی زندگی کا اصلی مقصد عشقِ رسول ہی ہے۔ حضراتِ صحابۂ کرام، تابعین عظام، قطب اور ابدال کی زندگیوں کی مانند مجاہد ملت کی زندگی بھی عشقِ رسول کے محور پر گھومتی رہی۔ حُبِّ رسول ہی آپ کی زندگی کا مظہر ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک کھلی اور چھپی زندگی میں عشقِ رسالت کی روشنی درخشاں و تاباں رہی۔

حضور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اُلفت ایک نعمت بے بہا ہے۔ ایک دولت بے انتہا ہے۔

محبتِ رسول کیا ہے؟ سرمایۂ نجات، مایۂ ہدایت اور باعثِ نجات ہے۔ آیاتِ کریمہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت فرض ہے۔ اور تمام اشیا کی محبت سے محبتِ رسول علیہ السلام کا حق مقدم ہے۔ حضور پاک علیہ السلام کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔ اگر ہو اس میں کچھ خامی تو سب کچھ نامکمل ہے۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا سینہ عشق و محبت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا گنجینہ بن چکا تھا۔ ان کے دل میں محبت رسول کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا۔ ان کے لیل و نہار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی یاد میں بسر ہوتے۔ ان کی گفتگو چاہے کسی بھی موضوع پر ہو، کوئی سا عنوان ہو اُس میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حلاوت وتراوٹ شامل ہوتی اور ذکرِ محبوب ہر محبّ کے لیے لازمی ہوا کرتا ہے۔

حضرت رازؔ الہٰ آبادی

زباں پر بارِ الہا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مِری زباں کے لیے

حبیب الرحمٰن، سبحان اللہ، حبیب الرحمٰن کتنا شیریں، کتنا پیارا نام ہے۔ ہے یا تھا۔ میرے خیال میں تھا بھی اس مقام پر درست اور ہے بھی۔ اور ہے اہلِ عرفان اور اہلِ علم میں موضوعِ بحث تو ہوسکتا ہے، مگر جب اس کلامِ ربّانی کے ماخذ پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ہے زیادہ درست ہے۔

جہاں ارشادِ خداوندی ہے کہ میری راہ میں مرنے والوں کو مردہ مت جانو بلکہ ان کو بعد فنا ایسی زندگیِ جاوداں عطا کی جاتی ہے کہ جس کا تم کو شعور بھی نہیں ہے۔

بہرحال میں آج ایسی ہی ایک برگزیدہ شخصیت کے متعلق کچھ لکھ رہا ہوں جس پر علم و فضل و کمالِ روحانی، تقویٰ، اتباعِ شریعت و طریقت، عقیدت و محبت خلوص کے انتہائی درجات کے الفاظ موزوں ہیں۔ جس میں فی زمانہ ایک حقیقی مجاہد ملت ایک مجاہد اسلام، مجاہد قوم جیسی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اسی ذاتِ بابرکات کا پیارا نام امام التارکین مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن تھا۔

حضرت مولانا الحاج ظفر الحسین قادری حامدی پوکھریروی

حضور مجاہد ملت شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری حامدی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات قدسی صفات اپنے زمانے میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بے مثال تھی۔ آپ سادگی پسند تھے لیکن طبیعت میں نفاست تھی۔ آپ فکر وعمل کے اعتبار سے بھی انتہائی نفیس تھے اور عشق وعرفان کے اعتبار سے بھی نفاست پسند تھے۔ آپ کے عشق وعمل کی چادر پر کبھی کوئی داغ دھبّہ نہ دیکھا گیا۔ آپ تا حیات باطل قوتوں سے محاذ آرا رہے۔ آپ نے علم سے بھی باطل کا مقابلہ کیا، عمل سے بھی باطل کا مقابلہ کیا، زبان سے بھی باطل کا مقابلہ کیا، قلم سے بھی باطل کا مقابلہ کیا

اور مال سے بھی باطل کا مقابلہ کیا۔آپ پوری دنیا سے باطل قوتوں کا نام ونشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ ملک کے اندر جہاں بھی باطل قوتیں سر اُٹھاتیں آپ خبر پاتے ہی وہاں پہنچ جاتے اور جب تک باطل کا زور ختم نہیں ہوتا اس وقت تک آپ وہاں خیمہ زن رہتے۔ دینی، ملّی اور جماعتی معمولات ومراسم کے تحفظ میں آپ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ ان کے عہد نے ان کو پہچانا نہیں، ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور ان کا خاطر خواہ تعاون نہیں کیا، ورنہ آج ملک میں جماعت اہلِ سنّت کا جغرافیہ مختلف ہوتا۔

ہم نے حضرت مجاہد ملت کو کتنی بار دیکھا ہے، ان کی صحبت سے اکتسابِ فیض کیا ہے اور ان کی نوازشات کی بارش میں کتنی بار نہایا ہے بتا نہیں سکتے۔ ان کی ذات میں ہمیں حضور حجۃ الاسلام کی تصویر نظر آتی تھی۔ انہوں نے اپنے مرشد اجازت سے جو عہد و پیمان کیا تھا تاحیات اس کے پابند رہے۔ اگر انھیں فنا فی المرشد کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ حامدی ہونے کی بنیاد پر ایک بار ازخود فرمایا کہ میں تمہیں اپنی خلافت واجازت سے نوازتا ہوں۔ حالانکہ ہمارے اندر اس بارِ عظیم کو اٹھانے کی اہلیت نہیں تھی۔ ہم نے کچھ کہنا چاہا تو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تمہارا حامدی ہونا ہی کافی ہے۔ ہم نے حضور مجاہد ملت کی اس نوازش کا ازخود کبھی تذکرہ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خلفا کی فہرست میں کہیں ہمارا نام نظر نہیں آتا۔ یوں تو ہمیں جماعت اہلسنّت کی بڑی شخصیت سے محبت ہے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت مجاہد ملت سے جنون کی حد تک محبت ہے اور ان دونوں شخصیات کی خصوصی نوازشات تاحیات ہمارے ساتھ رہیں۔ حضرت مجاہد ملت جیسا غازی اور حضرت مفتی اعظم جیسا پابند شریعت ان آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ان دونوں برگزیدہ شخصیات کے روحانی فیضان سے جماعت اہلسنّت کو شاد کام فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا شبیہ القادری غوث الوریٰ عربک کالج سیوان بہار

حضرت مجاہد ملت کی زیارت کی بارہا سعادتیں میسر رہی ہیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد سینے میں یادِ الٰہی کے چراغ جل اٹھتے تھے۔ ان کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔

آپ ہمیشہ سادے لباس میں ہوتے لیکن کسی کو ان سے نگاہ ملانے کی جرأت نہ ہوتی۔ خشیتِ الٰہی، عشق رسالت پناہی اور جرأت و بے باکی میں وحیدِ عصر تھے۔ وہ اپنے وقت کے ابراہیم ابن ادھم تھے۔ انہوں نے فقیری میں شہنشاہی کی ہے۔ ان کی درویشی کو دیکھ کر شہنشاہی کو رشک آتا تھا۔ اور وہ سوچتی تھی کہ کاش میں فقیری کے خاندان میں پیدا ہوتی۔

حضور مجاہد ملت علم اور عمل کے بہت بڑے حریص تھے۔ ان کے علم کے فیضان اور عمل کے نور سے مستفیض ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ انہوں نے انسان سازی اور جماعتی شیرازہ بندی میں جو کردار ادا کیا ہے اس کی اب تک کوئی دوسری مثال نگاہوں کے سامنے نہ آسکی ہے۔ انہوں نے اپنے عہد میں بدعقیدگی کو اُبھرنے نہیں دیا۔ بدعقیدگی ان کے سائے سے پناہ مانگتی تھی۔ ان کی سیرت کا ہر گوشہ ہمارے لیے تقلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے دین کے لیے قربانی کی جو تاریخ لکھی ہے اسے دنیا قیامت تک فراموش نہیں کرسکتی۔ ان کی زندگی کی ہر سانس سے عشق و عرفان کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ آپ قوم وملت کے عظیم قائد و رہنما تھے۔ آپ کی قائدانہ زندگی کو سامنے رکھ کر ملّی فلاح کے بہت سارے ابواب ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ ربّ کائنات ہمیں ان کے نقوشِ حیات پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا شبنم کمالی پوکھریروی

میں نے حضور مجاہد ملت کی ملاقات سے پہلے اخباروں اور رسالوں میں ان کے نام کے ساتھ اکثر و بیشتر رئیس اعظم اڑیسہ لکھا ہوا دیکھتا تھا۔ اس لیے میرے تصوّر میں رئیس اعظم کا خاکہ وہی تھا جو عام طور سے زمینداروں، حاکموں، دولت مندوں اور اعلیٰ افسروں کا ہوا کرتا ہے۔ زرق برق قیمتی لباس، شاہانہ طمطراق، آگے بڑھو، پیچھے ہٹو کہنے والے خدّام جس کے لیے دس بیس قدم پیدل چلنا بھی دشوار ہو، جس کے طعام و قیام، خوابگاہ اور فرش کے لیے لمحہ بہ لمحہ تکلّف آمیزیاں ہوں۔ جو اپنے ہاتھ سے کوئی معمولی کام کرنا بھی اپنی رئیسانہ شان کی توہین سمجھتا ہو لیکن ملاقات اور شرفِ زیارت کے بعد میں انتہائی حیرت واستعجاب کے عالم میں کچھ دیر تک ساکت وصامت رہ گیا۔ سادہ معمولی لباس، سفید ٹوپی، سفید کرتا، سفید تہہ بند

(لنگی)، سفید رومال اور پاؤں میں معمولی جوتے۔ البتہ صورت باوقار، چہرہ رعب دار جہاں تکلّف کا کوئی بھی نام ونشان نہیں۔

آپ صحیح معنوں میں رئیس اعظم تھے۔ کافی دولت مند خاندان، زمین دار خادموں اور خادماؤں کی محل میں کمی نہیں تھی مگر جہاد بالنّفس کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی یہ عظیم صورت تھی جو میرے پیش نظر تھی۔ آپ کی دولت جہاں فقیروں، یتیموں، بے نواؤں اور حاجت مندوں کے کام آئی وہیں آپ کے ذریعہ راہِ حق میں دینی اُمور کی انجام دہی کے لیے بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام پذیر ہوئے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اس طرح جہاد بالمال کا ایک عظیم نمونہ بھی آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ وابستہ ہے۔ مسجد اعظم جامعہ حبیبیہ اور حبیبی پریس الہ آباد شہادت کے لیے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے کارنامے ہیں جن کا علم واقف حضرات کو ہے۔

بات یہ ہے کہ آپ صاحبِ علم تھے۔ وہ بھی کوئی معمولی علم والے نہیں۔ علومِ فرنگیہ سے نفرت اور علومِ دینیہ کی بے انتہا محبت ہی نے ان کو بلند پایہ عالموں کی صف میں ایک ممتاز حیثیت عطا فرمائی۔ آپ نے قرآنِ حکیم کی آیتوں اور احادیث مقدّسہ کے غائرانہ مطالعہ کے بعد ایسی راہ اختیار کی جو درجۂ اوّل کے مومنین کی راہ ہے۔

پڑھنے کے لیے کتابیں تو علمائے کرام پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث ان کی نگاہوں کے سامنے بھی ہے لیکن میدانِ عمل میں آکر جہاد بالمال اور جہاد بالنّفس کی عظیم صفتوں سے مکمل طور پر متّصف ہونا ہر ایک کے بس کی بات ہے اور نہ ہر ایک کی قسمت میں یہ سعادت ہے۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا　　　ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

جہاد کے بغیر مجاہد کا لقب حاصل کرنے والے لوگوں کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں۔ سرزمین ہند ایسے نام کے مجاہدین سے خالی نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں جو اُن کے لقب کی صداقت پر دلیل ہو۔ ہاں! صرف حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان ہی کی ذات دورِ موجودہ کے ہندستان میں مجاہدِ ملت کہلانے کی مستحق نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ہمدرد یونی ورسٹی، دہلی

لانبا قد، چمکتا ہوا نورانی چہرہ، پُرشکوہ پیشانی، نگاہوں پر جھکی ہوئی پلکیں، ستواں ناک، گفتگو میں خود اعتمادی، مزاج میں بلا کی سنجیدگی، رفتار و گفتار میں اسوۂ رسول کی بھرپور جھلک، پیری میں عزم و ارادے کی پختہ چٹان، سادے رنگ کا کُرتا، سر پر دو پلیا ٹوپی، ہلکے رنگ کی لنگی میں ملبوس ایک درویش صفت انسان جسے دنیا ''مجاہد ملت'' کہتی ہے، ملاقات ہوئی۔ یہ کوئی ۱۹۷۷ء کی بات ہے۔ جن دنوں مَیں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا۔ گرمی کا موسم اور پھر دن کے ۲ ربجے اساتذہ وطلبہ آرام فرما رہے تھے اور میں معمول کے مطابق بیدار رہ کر کسی کام میں مصروف تھا۔ اتنے میں حضور مجاہد ملت اپنے ایک خادمِ خاص کے ہمراہ میرے کمرے کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ نورانی شکل وصورت دیکھتے ہی قلب وجگر ہی میں نہیں بلکہ پورے رگ وریشے میں حرارتِ ایمانی کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ تو گھبرایا پھر بھی آگے بڑھا، مصافحہ کیا، دست بوسی کی اور ادائیگی نمازِ ظہر کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کیا۔ چند گھنٹے حضور قبلہ علیہ الرحمہ رہے۔ میرا کمرہ فیوض و برکات کا مخزن بنا رہا۔ ہم کلامی کا شرف بھی حاصل کیا۔ دعائے ترقی ودرجات اور سلامتیِ جان وایمان کی درخواست بھی کی۔

اس مختصر سی ملاقات میں انہوں نے اخلاقِ کریمانہ کا اس طرح مظاہرہ کیا جیسے میں ان کا عرصۂ دراز تک خادمِ خاص رہا۔ یہ میری زندگی کا انتہائی گراں مایہ لمحہ تھا۔ جس وقت میں بلا واسطہ ایک عالمِ باعمل کی شکل وصورت کی نورانی شعاعوں سے اپنے دل کو منوّر کر رہا تھا۔ افسوس ہزار ہا افسوس! آج مجاہد ملت کو ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہوئے زمانہ گذر گیا مگر وہ تصویر جو میری آنکھوں نے آج سے سالوں پہلے دیکھی تھی اب بھی بڑی چمک ودمک کے ساتھ ذہن ودماغ میں انمٹ نقوش کی طرح مرتسم ہے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی، پاکستان

صدی روایات کی بھی ایک تاریخ ہے۔ دیکھنے سننے والوں کی دید شنید بھی قلم بند ہوتی ہے اور تاریخ کا حصہ بنتی ہے۔ کچھ کردار اتنے بھرپور ہوتے ہیں کہ ان کے لیے کہا اور لکھا جانا

ضروری ہوجاتا ہے۔ بعد میں آنے والے انہی کرداروں سے روشنی پاتے اور اپنی راہیں اُجاگر کرتے ہیں۔ اہلِ دل اپنی محبت و عقیدت کا بیان لفظوں کی تنگ دامانی کے باوجود کسی قدر کرتے آئے ہیں۔ یہ تذکرے آج بھی مہکتے ہیں۔ کہتے ہیں خوشبو پھیلنے کے لیے ہوتی ہے اور خود اپنا تعارف ہوتی ہے۔ کچھ ماہ پہلے یہ حوالہ نظر سے گذرا۔ حضرت امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تاریخ التاریخ'' (ص ۶۰) میں ہے اللہ کریم کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے کا جو کوئی محبت کے ساتھ تاریخ میں ذکر کرے گا وہ روزِ محشر اس کے ساتھ اس کے درجے میں ہوگا اور جو کوئی محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا تذکرہ تاریخ میں پڑھے گا تو گویا اُس نے اُس ولی اللہ کی زیارت کرلی۔ ''الاعلان بالتوبیخ'' (ص ۷۰) کے حوالے سے یہ حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ جس نے مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے اسے زندہ کردیا اور جس نے وہ تذکرہ پڑھا اس نے گویا اس کی زیارت کی اور جس نے مومنین کے تذکرے کو زندہ کیا اُس نے تمام انسانوں کی زندگی کا سامان کیا۔

وہ لوگ جو اپنے انفاس کی گرمی سے ملت کو حرارت بخشتے رہے ہیں۔ انھیں میں حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان بھی نمایاں شمار ہوتے ہیں۔ نام سے زیادہ کسی لقب کا زبان زد عام ہوجانا اس ہستی کا اعتبار واضح کرتا ہے۔ ۱۹۷۵ء یعنی ۳۲/ برس پہلے کی بات ہے۔ ماہِ رمضان دیارِ حبیب کریم مدینہ منورہ میں گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔ قطبِ مدینہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں پاک و ہند کے علماء و مشائخ کا روز ہی تذکرہ رہتا تھا۔ حضرت مجاہد ملت کی عزیمت و استقامت کی باتیں میں نے پہلی مرتبہ وہیں سنی تھیں۔ زندگی کے ماہ و سال سبھی کو میسر ہیں مگر جو زندگی گذارنے کا ہنر جانتے ہیں وہ دوسروں کی زندگی ہو جاتے ہیں۔ حق پر استقامت اور ہر مرحلے پر اس کا اظہار، حق کے لیے ہر صعوبت سہنے کو تیار کم ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ لیکن مجاہد ملت ان اوصاف سے پوری طرح متصف نظر آتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد قاسم براہیمی، سابق وزیر صوبۂ بہار

امام التارکین سراج السالکین حضرت سراپا خیر و برکت مجاہد ملت مولیٰنا الحاج شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ بے بدل عالمِ دین تھے۔ بے مثال فقیہ تھے۔ لاجواب مناظر تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم ِباطنی میں بھی آپ کو خصوصی دستگاہ حاصل تھی۔ اپنے جملہ معاصرین میں ایک امتیازی شان اور منفرد پہچان رکھتے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ مجاہدانہ اوصاف کے حامل تھے۔ حق گوئی و بے باکی خمیر میں شامل تھی۔ نہ خوفِ زنداں نہ فکرِ دارورسن۔

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو پاک نفس پاکباز دل میں ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ مسلمانانِ عالم پر دنیا کے کسی بھی حصے میں دردوغم کے پہاڑ ٹوٹے آپ مضطرب اور بے چین ہو جاتے تھے۔ آنکھوں کی نیند اڑ جاتی۔ دل کا سکون چھن جاتا۔ اپنیعادات واطوار کے آئینے میں ''خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر'' کے مکمل مصداق اور نمونہ تھے۔

ظلم کے خلاف، خواہ ظالم کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو آواز اٹھانا، جدوجہد کرنا اور مظلوم کو ظالم کے شکنجے سے چھڑانے کے لیے ہر ممکن سعی و عمل کرنا آپ کی فطرت میں شامل تھا۔ اس معاملے میں کبھی نتیجے اور انجام کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس راہ میں جتنی مصیبتیں بھی آتیں آپ ہنستے اور مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرتے اور کبھی اپنی عزیمت کے ماتھے پر شکن تک نہیں آنے دیتے۔ آپ کا یہ وہ نمایاں وصف تھا جس میں کوئی ہم عصروں میں بھی آپ کا شریک و سہیم نہیں تھا۔ بلاشبہہ

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدّعی کے واسطے دارورسن کہاں

آپ کی پوری زندگی علم و عمل کا حسین و دل آویز گلدستہ تھی۔ زہد و تقویٰ اوڑھنا بچھونا تھا۔ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بال بال سے پھوٹا پڑتا تھا۔ فرائض و واجبات کا پوچھنا ہی کیا، سنن و مستحبات تک کا وہ اہتمام اور التزام کرتے کہ دیکھتے ہی بنتا تھا جیسے یہ چیزیں ان کی زندگی کا جزو لاینفک ہوں۔ ''اخلاق'' کا پیکر تھے۔ رِیا و سمعہ کا وہاں گزر تک نہیں تھا۔ جو بھی

دیکھتا آپ کو دیکھتا رہ جاتا۔ مکمل ایک بندۂ مومن کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی۔ نگاہیں ہٹائے نہیں ہٹتیں۔ گویا ؎

دیوانگی عشق کا عالَم نہ پوچھیے　　ان کا پتہ ملا ہے تو اپنا پتہ نہیں

سراجِ ملت حضرت سید شاہ سراج اظہر قادری رضوی، بانی وسربراہ دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم، ممبئی

ہم نے حضور مجاہد ملت کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے۔ ان کو دیکھے زمانہ بیت گیا۔ پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی ہماری بزم سے اُٹھ کر گئے ہیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ سماعت سے ٹکرا رہی ہے اور ان کے لباس کی خوشبو سے پوری محفل مشکبار ہے۔ ان کی شخصیت میں جو جامعیت تھی اور ان کی سادگی میں جو وقار تھا اسے دیکھنے کے لیے اب آنکھیں ترس رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے جینے کا جو ڈھنگ بنایا تھا اس میں عہدِ صحابہ کی تصویریں جھلکتی ہیں۔ ان کی مالی قربانیوں کو دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایثار یاد آجاتا ہے۔ ان کے سینے میں عشق رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آگ ہر وقت دہکتی رہتی تھی۔ ان کے عشق نے انھیں ہر طرح سے آزمانے کی کوشش کی اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب رہے۔ عشق نے ان کی پیٹھ پہ کوڑے بھی لگائے لیکن ان کوڑوں میں آپ سنّتِ بلالی کی لذّت محسوس کرتے رہے۔ انھیں شدت کی دھوپ میں پابہ زنجیر ننگے پاؤں رکھا گیا۔ مگر ظلم کا ہر تیور ان کے عشق میں اضافہ کرتا رہا۔ ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق چاند کی چاندنی سے زیادہ صاف وشفّاف ہے۔

حضور مجاہد ملت عشق وعرفان کی ایک ایسی پاکیزہ داستان ہیں جس سے عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ جرأتِ اظہار کشید کرتے رہیں گے۔ آپ نے جماعت اہلسنّت کو جمیعت کا جو شعور بخشا تھا آج بعض فتنہ پرور عناصر اس شعور کو ختم کردینا چاہتے ہیں۔ اگر آج آپ حیات سے ہوتے تو ان فتنہ پرور عناصر کی رگیں کاٹ ڈالتے۔ ہماری دعا ہے کہ ربّ کعبہ ہم میں ان کا کوئی بدل پیدا فرمادے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، (ایم اے، پی ایچ ڈی)

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مجاہد ملت کون ہیں؟ تو چند جملوں میں میرا جواب ہوگا کہ مجاہد

ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے دور میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظ ناموس رسالت کو مرنے نہ دیا بلکہ اپنی علمی شان اور عملی آن بان سے اس کے تن نازنین میں نئی جان ڈال دی...... مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے حضور حجۃ الاسلام کی اجازت وخلافت کا نہ صرف بھرم رکھا بلکہ دنیا کے سامنے اپنے کردار وعمل سے رضوی خلافت کا اصلی مقام اس سوز وگداز سے پیش فرمایا کہ دنیا عش عش کر اٹھی...... مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے شخصی طنطنہ اور بے تکلفانہ دوستی کے باوصف حضور مفتی اعظم سے نیازمندانہ ہی ملنے میں اپنی سعادت سمجھا...... مجاہد ملت وہ ہیں جن کے تخیلاتی سرو کی شاخ طوبیٰ پر بریلی کی یادوں کا عندلیب بے تکان چہکتا ہی رہا...... مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنی مجاہدانہ للکار سے ایوان باطل میں زلزلہ برپا کر دیا...... اور مجاہد ملت وہ ہیں کہ جس سرزمین نے ولادت ووفات کیلئے آپ کا انتخاب کرلیا وہ رفعتوں کا گلاب بن گئی، جسکی خوشبوئے دلنواز سے ہندو بیرون ہند کا قطعہ قطعہ معطر ومعنبر ہو رہا ہے اور وہ خود دھام نگر سے دھام نگر شریف کہی جانے لگی، دنیا کے نقشے میں آج بھی بہت سارے شہر ہیں جو صرف کسی اللہ والے کی نسبت سے مشہور اور ممتاز ہیں، ان کے نام کے ساتھ نسبت شریفی کا ایسا لاحقہ لگا کہ وہ نام کا جز ولاینفک بن گیا، جیسے حضور جان نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت سے مدینہ سے مدینہ شریف...... حضور غوث اعظم جیلانی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بغداد سے بغداد شریف...... حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی نسبت پاکر اجمیر سے اجمیر شریف...... حضرت شاہ سمناں سے نسبت پا کر کچھوچھہ سے کچھوچھہ شریف...... حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سے نسبت پا کر بہار سے بہار شریف...... حضرت شاہ برکت اللہ کی برکت سے مارہرہ سے مارہرہ شریف...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی نسبت سے بریلی سے بریلی شریف...... یونہی حضور مجاہد ملت مولانا الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری کی نسبت سے دھام نگر سے دھام نگر شریف...... جب تک دنیا میں دیوانگان مصطفیٰ کی دیوانگی سلامت ہے ان تمام شرافتوں کے جلو میں دھام نگر کی بھی شرافت زندہ وتابندہ رہے گی، ملک ہند کا بڑا بڑا شہر منھ دیکھتا رہ گیا اور ایک مجاہد کے قدم ناز سے ایک چھوٹے سے گاؤں کے

سر پر شرافت کی دستار کیا بندھی کہ عوام وخواص سب کی عقیدتوں کا وہ مرکز ہو گیا۔

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، ہیوسٹن، امریکہ

یوں تو انساں اپنی کسی ایک جزوی عظمت وافتخار کی بنیاد پر ہی عظیم سمجھا جاتا ہے۔۔۔ کوئی خداداد علم وحکمت کے سہارے دنیائے فکر وآگہی میں اپنی امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔۔۔ کوئی دولت وثروت کی بنیاد پر ملک گیر شہرت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔۔۔ کوئی اقتدار کی بیساکھی کے سہارے اپنی عظمتوں کا لوہا منواتا ہے۔۔۔ کوئی ورع وتقویٰ، صبر وقناعت اور حسنِ اخلاق کی پُرکشش صلاحیتوں سے لوگوں کو اپنی عقیدت کی چادر میں سمیٹتا دیکھا جاسکتا ہے۔۔۔ اور ایسے بھی لوگ دنیا میں ہوتے ہیں جو اپنی خداداد قائدانہ صلاحیت، فکری بصیرت اور جماعتی اقدار کی پاسبانی کا جذبۂ بیکراں اپنے دلوں میں سموئے ہوئے اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز نظر آتے ہیں۔۔۔ لیکن اسے کارسازِ حقیقی کی نعمت عظمیٰ کہیے کہ مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن قدس سرہٗ العزیز اپنی تنہا ذات میں ہمہ جہت عظمت وافتخار کے حامل تھے۔۔۔ وہ علومِ عقلیہ پر ایسی دسترس رکھتے تھے کہ نابغۂ روزگار جامع منقولات حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ انہیں اپنے زمانے کے ڈھائی عبقری شخصیات میں سے ایک شمار کرتے ہیں۔۔۔ میدانِ مناظرہ کے ایسے شہسوار کہ مناظرِ اہلِ سنّت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ یہ اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے پاس علمِ مناظرہ کے اسرار و رموز، بحث ومباحثہ کے آداب اور فنی مہارت کا جو بھی سرمایہ ہے وہ مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے فیضانِ نظر کا صدقہ ہے۔۔۔ ثروت ودولت کے حوالے سے جب ہم ان کے خانوادے پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہیں تو تاریخ کے اوراق یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ کا گھرانہ کئی جاگیروں کا مالک تھا۔۔۔ قائدانہ صلاحیت اور ملکۂ بصیرت ایسی عطا ہوئی کہ خود قیادت اپنے تعارف کی محتاج۔۔۔ اور جب آپ کی تقویٰ شعار اور عفّت مآب زندگی پر نگاہ ڈالیے تو اسلامی اخلاق وآداب کو مجسّم اپنی نگاہوں کے سامنے پایئے۔۔۔ شخصیت ایک ہے لیکن جس زاویے سے دیکھیے عبقری شان کے

ساتھ جلوہ گر ہیں، لہٰذا کہنے دیا جائے کہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ ہمہ جہت عظمتوں کے پیکرِ جمیل تھے۔

حضرت مولانا عارف قادری ضیائی مہاجر مدنی

بیاں ہو کس قلم سے تذکرہ ان کی جلالت کا — تعارف آپ ہی خود ہیں وہ اپنے حسنِ سیرت کا

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سال سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

وہ بقیۃ السّلف جو عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عاشق غوث الثقلین تھے جو مدینہ طیبہ کی محبت اور تعظیم میں سیدنا امام مالک کے اطوار کے حامل اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی محبت میں سیدنا امام شافعی کے پیروکار تھے۔ جو بدمذہبوں اور گمراہ حکمرانوں سے ٹکرانے اور قید و بند کی صعوبتیں اُٹھانے میں سیدنا امام احمد بن حنبل کے رمز شناس، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہننے میں سیدنا امام زین العابدین کے طریقے پر گامزن تھے۔ وہ اعلائے کلمۃ الحق بلند کرنے میں مجددِ اعظم سیدی امام احمد رضا خان قادری کے نقش قدم پر تھے۔ جود وسخا میں سیدنا صدیق اکبر کی شبیہ تھے۔ جن کی ریل کی زندگی پر جیل کی زندگی سبقت لیے ہوئے تھی۔ ان کے لیل ونہار اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ آپ اس دور کے مخلص ترین تاریخ ساز قائد، مقتدائے قوم وملت جس نے اپنی ساری زندگی خدمت اسلام و مسلمین میں بسر کی۔ وہ اسلاف کرام کی روش پر چلنے والے بےلوث رہنما اور ہر دلعزیز روحانی پیشوا جو شہرت پسندی، ہوس پرستی اور تکاثر وتفاخر سے بیزار مومنانہ شان وشوکت اور قلندرانہ جرأت میں ممتاز ترین مقام پر فائز تھے۔

جن کی غیرتِ ملیّ و عالی ہمتی اور دینی خدمت، علمی جلالت اور فکری قیادت و امامت کا عالم گواہ ہے۔ اس قدسی صفات، مصلح قوم، کوہِ وفا، مردِ حق آگاہ، دینی بصیرت اور مومنانہ فراست کے مالک، عابد و زاہد اور علمِ ظاہر و باطن کا مجمع البحرین تھے۔ وہ اپنے عہد کے صاحبِ ثروت رئیس اعظم، جنہوں نے اپنے جسم پر درویشی کی چادر اوڑھ رکھی تھی اور جن کا جسم زخموں کے نشانات سے بھرپور ان کی مجاہدانہ عزیمت کا بین ثبوت تھا۔ وہ اصابت رائے

کے ساتھ تبحر علوم کی دولت سے پُر تھے۔ جو عوام و خواص کی نظر میں ایک روشن دماغ مفکر، ایک ممتاز عالم دین، ایک باکمال صوفی، ایک زبردست کہنہ مشق مناظر، ایک عظیم محدث، ایک نامور فقیہ و عبقری مدرّس، جن کی ذات سنّیت کے لیے باعثِ فخر تھی۔ وہ عارفِ کامل جو مصائب سے کبھی نہیں گھبرائے، جو استقامت میں کوہِ ہمالیہ تھے، جن کی حیاتِ مقدسہ مصلحت وقت سے یکسر خالی تھی۔ جو رعب و دبدبہ سے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مرعوب نہ ہوئے اور ان کی جبین استقلال پر ذرّہ بھر بھی شکن نہ پائی گئی۔

جن کے بے شمار مریدین بھارت کے علاوہ حجازِ مقدس، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، عرب امارات، یورپ، امریکہ و افریقہ میں موجود ہیں۔ جو سنّیت و مسلکِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا معیار اس رئیس التارکین، امام المحدثین، زبدۃ العارفین، سنوسی الہند، مجاہد اعظم کا نام نامی و اسم گرامی محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری ہے۔ وہ جو خود اپنی نظر میں کچھ بھی نہیں۔ عجز و انکساری کا پیکر، سراپا خلوص و للّٰہیت ایثار مجسّم ؎

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری، کراچی

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری علیہ الرحمۃ ۸ / محرم الحرام ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں دھام نگر صوبہ اڑیسہ، بھارت میں پیدا ہوئے اور ۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ / ۱۳ / مارچ ۱۹۸۱ء کو بمبئی میں انتقال فرمایا۔ ۱۶ / مارچ کو اپنے شہر دھام نگر میں آسودۂ خاک ہوئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آپ اپنے علاقے کے رئیس زادے تھے لیکن آپ نے سلطانی میں درویشی کی۔ اپنے علم و فضل، تبلیغ اسلام، اصلاح و فلاح ملتِ اسلامیہ کے لیے مجاہدانہ کاوشیں کیں جن کی پاداش میں ان کی متاعِ حیات کے قیمتی ایام زیادہ تر پابندِ سلاسل اور قید و بند کی حالت میں بسر ہوئے اور درویشانہ طرزِ

زندگی کی بدولت آپ "سنّوسیِ ہند"، "مجاہدِ ملت" اور "مجاہدِ اعظمِ اسلام" کے خطاب سے نوازے گئے۔

آپ ؏ "حیاتِ ذوقِ سفر کے سوا اور کچھ نہیں" کے رمز سے واقف حق آگاہ مردِ مومن تھے۔ آپ کی حیاتِ مستعار کے کارناموں کا جائزہ لینے کے بعد صاحبِ انصاف اور صاحبِ نظر شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی سوزِ دروں اور جذبِ شوق، عشقِ صادق اور فی سبیل اللہ جہدِ مسلسل سے عبارت تھی۔ دوسرے الفاظ میں وہ علامہ اقبال کے اس مصرعہ "نہیں ہے بندۂ مومن کے لیے جہاں میں فراغ" کی مکمل تفسیر تھے۔ بات بڑھ جائے گی اور تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اس قدر اشارہ کرنا کافی ہوگا کہ حضرت مجاہد ملّت نے اپنے عقیدہ و ایمان پر کامل یقین، عشقِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پیکرِ اتم اور اسوۂ حسنہ کے آئینۂ مجسم ہونے کی بنا پر نہ صرف اڑیسہ، بنگال و بہار بلکہ پورے ہندستان میں ہلچل مچا دی اور ہزاروں ہزار خواص اور لاکھوں عوام کے دلوں کی دنیا بدل دی اور انھیں غلامیِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی راہ دکھا کر دردِ عشقِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے لذّت آشنا کر دیا۔

حضرت مولانا مفتی عابد حسین نوری، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور

حضور مجاہد ملت کی عبقری شخصیت نہ کل محتاجِ تعارف تھی نہ آج۔ اس لیے کہ آپ ایسے صاحبِ کمال اور بافیض ولی تھے جن کا فیض کل بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے۔ خدمتِ خلق، اشاعتِ اسلام اور تحفظِ ایمان میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ یوں تو ہندستان کے مختلف گوشوں میں آپ کا فیضان جاری ہوا اور لوگ وہابیت، دیوبندیت اور قادیانیت کی تیرگی سے نجات پا کر سنّیت کی روشن آغوش میں آگئے اور جو پہلے سے اپنے مذہب پر برقرار تھے وہ اور متصلب ہو گئے۔ ان کے دل ایسے روشن و مجلّٰی ہوئے کہ وہ عام مسلمان نہ رہے۔ کامل مومن اور عاشقِ دلگیر بن گئے۔ مگر بہار، اڑیسہ، بنگال، یوپی، جھارکھنڈ اور مہاراشٹر کے علاقے خاص طور سے آپ کے فیضان سے مالا مال ہوئے۔ اگر آپ اڑیسہ اور بنگال کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نہ نوازتے اور شہر شہر، قریہ قریہ، گلی گلی کی خاک نہ چھانتے تو آج وہابیوں، دیوبندیوں اور قادیانیوں کو ہر طرف پاؤں پسارے دیکھنا پڑتا اور

پھر اہلِ سنّت و جماعت کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی۔ بلاشبہہ اسلام اور اہلسنّت کی ترویج و اشاعت میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بعد جن اساطینِ اُمت نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان میں صدرالافاضل، حضرت صدرالشریعہ، حضرت برہانِ ملت، حضرت ملک العلماء، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت شیر بیشہ سنّت، حضرت مبلغِ اسلام، حضور مفتی اعظم ہند، حضرت حافظِ ملت، حضرت قطب مدینہ، حضرت محدثِ اعظم اور حضرت مجاہد اعظم کی ذوات جامع الصّفات ہیں۔ جو اس اُمت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تحفۂ اثنا عشریہ بن کر آئے۔ جن کے احسان اور ایثار کے بوجھ تلے پوری دنیائے سنّیت دبی ہوئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف رضوی، ناگپور

امام التارکین، زبدۃ العارفین، رئیس المتقین، نازشِ اہلِ سنن، کاسر شر وفتن، محبوب ذوالمنن، وقارِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، سرخیل اہلسنّت، سیدی سرکار مجاہد ملت، مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبقری شخصیت بڑی پہلودار تھی، جس کا ہر اینگل بڑا خوشنما اور تابناک تھا۔ یہ وہ مرد خوش اوقات تھا جو علم وعمل، فضل وکمال، زہد وورع، شرافتِ نسب، احتسابِ نفس، جود وسخا، صبر وتحمل، تواضع وانکساری، اسلامی پاسداری، دینی حمیت، ملّی غیرت، قومی خدمت اور مسلکی حیثیت میں اپنی مثال آپ تھا۔

فیاضِ ازل نے ایک ہستی میں خوبیوں کے ہزاروں گل بوٹے ایسے کھلائے تھے جو سدا بہار تھے۔ تادم زیست بادِ سموم کے گرم وتند جھونکوں سے متاثر نہ ہو سکے بلکہ ہر بادِ صرصر کے بعد ان میں تازہ بہار آئی۔ جن کی دلنواز خوشبو اہلِ حق کے مشام جان وایمان کو معطر کر کے تازگی بخشتی رہی۔ کتنے مردہ دل اور کم نظر اہلِ دل اور اہلِ نظر بن گئے۔

وہ ایسا قائد تھا جس کی قیادت مسلّم تھی۔ وہ ایسا رہبر تھا جس کی رہبری بے داغ تھی۔ وہ ایسا منصف تھا جس کا ہر فیصلہ قابلِ قبول تھا۔ وہ ایسا مناظر تھا جس نے کبھی شکست کا منھ نہیں دیکھا۔ وہ ایسا مجاہد تھا جس کی ہمت مردانہ سے ایوانِ نجد لرز گیا۔ وہ ایسا مردِ قلندر تھا جس کی قلندرانہ بے نیازی نے بڑے بڑے سرکشوں کو نیاز مند بنالیا۔ وہ ایسا عالم تھا جس کے علم و

عمل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ وہ ایسا صوفی تھا جس کا ظاہر، باطن سے مکمل ہم آہنگ تھا۔ وہ ایسا مردِ خوش اوقات تھا جس کا لمحہ لمحہ اتباعِ شریعت کا آئینہ دار تھا۔ وہ ایسا مومن کامل تھا جس کا کوئی قدم حریم شرع سے باہر نہیں پڑا ع

حریم شرع میں گزرے ہیں جس کے آٹھوں پہر

ایسی عظیم، باوقار عبقری شخصیت کی حیات و خدمات پر بھرپور کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ابھی تک جو کام ہوا ہے وہ خوش آئند اور قابلِ ستائش ضرور ہے مگر اس کا دائرۂ عمل محدود ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت والا صفات کی حیات و خدمات پر کام کرنے والوں کو مزید حوصلہ اور حوصلے میں پختگی عطا فرمائے اور ان کے دائرۂ عمل کو وسیع سے وسیع تر بنائے۔ آمین

حضرت مولانا منشا تابش قصوری، لاہور پاکستان

حضرت مجاہد ملت نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام، مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ہمیشہ مسلمانوں کی حالت پر تڑپتے رہتے اپنی ساری جاگیر تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی خوش حالی کے لیے صَرف کر دی۔ مسلمانوں پر کفّار و مشرکین جو ظلم و ستم ڈھاتے تھے ان کا دفاع کرنے کی اور تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ آخر زندگی تک رہی۔ اس غرض کے لیے ایک نیم فوجی جماعت ''کل ہند خاکسارانِ حق'' قائم کی۔ جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ ہندو مسلم فسادات ہونے پر مسلمانوں کا دفاع کیا جاسکے اور یہ نام اختیار کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس جماعت کو بیلچہ رکھنے کی قانونی طور پر اجازت حاصل ہوگی۔ آپ بذاتِ خود ساڑھے سات کلو وزنی بیلچہ کندھے پر اٹھائے راست چپ کی آواز سے اپنے ساتھیوں کو پریڈ کراتے اور خود بھی پریڈ کرتے۔ جہاں کہیں مسلمانوں پر بلوہ ہوتا آپ اپنی جماعت کے ساتھ بیلچہ لیے پہنچ جاتے۔

اس راہ میں طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کیے مگر جدوجہد مسلسل جاری رہی۔ متعدد مرتبہ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ کے پائے استقلال کو معمولی سی جنبش بھی نہ ہوئی۔ جمعیت علماء ہند اور اِندرا حکومت خصوصی طور پر آپ پر ظلم و ستم کرنے،

آپ کی آواز دبانے اور ہراساں کرنے کا ہر طریقہ استعمال کرتی رہی تھی مگر اس مردِ حق آگاہ کے سامنے ان کی سب تدبیریں ہیچ ہوگئیں اور انہوں نے ہمیشہ ناکامی و نامرادی کا منھ دیکھا۔ آپ مجموعی طور پر تقریباً دس برس پسِ زنداں رہے۔ اِندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں آپ کو قید خانے میں زہر کھلا دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کی جلد پھٹ گئی، جسم میں بہت کمزوری اور نقاہت پیدا ہوگئی۔ لیکن آپ مسلم کاز سے سرِ مو بھی نہ ہٹے۔ تمام مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کیں۔ مگر آپ کی نظر ہمیشہ اور ہمیشہ اپنے مقصد پر لگی رہی۔ آپ نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں برسرِ پیکار رہے۔

پروفیسر شاہد اختر، مدیر نوائے حبیب کلکتہ

حضور مجاہدِ ملت کی حیاتِ ظاہری کا سفر جو ۱۹۰۴ء سے شروع ہوا تھا ۱۹۸۱ء تک مصائب و آلام، قید و بند، دشوار گزار سفر، باطل قوتوں سے نبرد آزمائی، گھٹا ٹوپ تاریکی میں چراغِ ہدایت روشن کرنے کی کوششوں، گمرہی کے سیلاب میں رُشد و تبلیغ کے بند باندھنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سرمایۂ آخرت لٹانے، پُر خار راہ میں آبلہ پائی کو اذیت ناکی سے گزارنے کی حیثیت سے جاری رہا۔ وہ شخص جس کی پیدائش جاگیردارانہ اور زمیندارانہ ماحول میں ہوئی، جس کے حصے میں ناز و نعمت اور اطلس و کمخواب تھے، اس نے مذہب حق کی اشاعت و تبلیغ، اسلامیانِ ہند کی سربلندی اور سرفرازی اور گندی سیاست کے گھناؤنے ماحول میں صالح قیادت کی فراہمی کی خاطر مشکلات اور پریشانیوں، قید و بند کی صعوبتوں، اپنوں اور بیگانوں کے ظلم و ستم کو اپنی زندگی کا ماحصل بنا لیا۔ ۱۹۳۶ء میں اڑیسہ کے غریب کسانوں پر فرنگی مظالم کے خلاف محاذ آرائی اور قید و بند سے لیکر ۱۹۷۹ء میں ظالم و جابر سعودی عربیہ حکومت کی تعزیر کے ہر پریشان کن لمحے کو حضور مجاہد ملت نے ہنس کر برداشت کیا۔ بیڑیاں پہنائی گئیں تو انھیں چوم لیا کہ اسلاف کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ بغیر حج کیے لوٹا دیے گئے، جسمِ نازک پر کوڑے برسائے گئے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج سے لوٹائے جانے اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جانے کی سنتوں کو تازہ کرنے کی

بے پناہ لذتوں میں گُم ہو گئے۔

حضور مجاہد ملت نے جاگیر دارانہ آسائش کی جگہ مصائب کے پہاڑ سے سر ٹکراتے رہنے کو اپنی حیات کا ماحصل کیوں سمجھا؟ ان کی حیات کا مشن کیا تھا؟ ان کے مقاصد کتنے عظیم تھے کہ جن کی عظمتوں پر دنیاوی لذتیں قربان کی گئیں؟ یہ وہ سوال ہیں جو عام ذہنوں میں سر اُبھار سکتے ہیں۔ لیکن جواب بہت آسان ہے۔ حضور مجاہد ملت کی زندگی کا مشن، ان کا مقصدِ حیات ایک کھلی کتاب کی طرح اہلِ بصیرت کے سامنے رہا۔ وہ مشن جو مدینہ کی خوشگوار فضا سے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو اپنے خانوادے کے ساتھ کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر شہادتِ عظمیٰ کے جذبے کے ساتھ لایا تھا، وہ مشن جس نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جیل کی صعوبتوں کے باوجود فقہ حنفیہ کی تدوین کی طرف مائل کیا تھا، وہ مشن جس نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو خلقِ قرآن کے فتنۂ عظیم کے سامنے حکومتِ وقت سے ٹکرانے پر آمادہ کیا تھا، وہ مشن جس نے غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو حیات کے آخری لمحات تک خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ عطا کیا تھا، وہ مشن جس نے سنجر کی دلکش وادیوں سے خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کو اجمیر کے تپتے ہوئے ریگ زار پر فروکشی کو کھینچ لایا تھا، وہ مشن جس نے حضرت مخدوم اشرف سمنانی رضی اللہ عنہ کو حکومت اور بادشاہت کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر کفر کے مرکز ہندستان میں مشقّتیں جھیلنے پر آمادہ کیا تھا، وہ مشن جس نے امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز کو باطل کے منظم طوفان میں حق کی قندیل روشن کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اسی مشن کی عظمت نے حضور مجاہد ملت کو جاگیر دارانہ زمیندارانہ آسائشوں سے دور مصائب و آلام کی چکّی میں اپنی تقریباً اسّی ۸۰ سالہ زندگی کو پامال کرنے کا جذبۂ مستانہ عطا کیا تھا۔

حضور مجاہد ملت کی نوجوانی کا زمانہ انگریزی سامراجیت کے بستر گول کرنے اور ہندو فرقہ پرستی کے طاقت ور ہونے کا زمانہ تھا۔ نئے نئے فتنے مسلمانوں کو دربدر کرنے کے لیے سر اُبھار رہے تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ جو اسلامیانِ ہند کو ذلت و خواری سے ہمکنار

کررہا تھا۔ ان کی بہو بیٹیوں کی عزتیں لوٹی جارہی تھیں، املاک تباہ کی جارہی تھیں۔ ان سے ان کا ملّی تشخّص چھینا جارہا تھا۔ دوسری طرف بنامِ اسلام گمراہ کن عقائد کی تبلیغ کا کام زور وشور سے جاری تھا۔ ان گمراہ طاقتوں کی سرپرستی بالواسطہ حکومت بھی کررہی تھی۔ اس لیے حکومت کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عظمتِ اولیائے عظام کے چراغوں کو بجھا دیا جائے تو اسلامی روح ہمیشہ کے لیے ہندستان کی سرحدوں سے باہر بھیجی جاسکتی ہے۔ حضور مجاہد ملت نے ان تمام خطرات کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ ہر خطرے کے خلاف مضبوط محاذوں کے قیام میں مصروف رہے۔ گمراہ کن نظریات کے خلاف مناظرے کے مردِ میدان رہے۔

حضرت مولانا عبدالجبار رہبر اعظمی

مسلکِ حق کے تحفّظ کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہوگا؟ ایک بار حضور مجاہد ملت سے کسی نے شکایتاً کہا کہ حضور! دوسری جماعتوں کے لوگ متحد ہوکر جماعتیں بناتے ہیں اور گراؤنڈ پر کام بھی کرتے ہیں مگر ہمارے علما اور عوام تو شبانہ روز آپسی اختلافات کا شکار ہیں۔ کہیں علاقہ بندی ہے تو کہیں پیر اور استاذ کے نام کی گروہ بندی اور پھوٹ۔ جماعت اہلِ سنّت کی حالت حد درجہ انتشار کا شکار ہے۔ سُنتے ہی آپ نے برجستہ فرمایا: میاں سنو! یہی اختلاف تو اہلسنّت و جماعت کے حق ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ پوچھا گیا: حضور وہ کیسے؟ فرمایا: بتاؤ کہ جس گھر میں رات کو دو چولھے ہو گئے، کیا صبح کو وہ گھر ایک رائے پر متفق اور سلامت رہے گا؟ عرض کیا گیا: ہرگز نہیں۔ فرمایا تو پھر سوچو کہ صدیاں بیت گئیں اس جماعت میں یہی اختلافی حالات اور انتشاری کیفیت موجود رہیں مگر ان سب کے باوجود یہ مذہب مہذب اور یہ مسلک حق اپنی پوری تابانی کے ساتھ باقی اور ترقی پذیر ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت رہے گا۔

یہی اس کے حق اور صحیح ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ اگر غلط ہوتا تو دیگر فرقہائے باطلہ کی طرح کب کا نسیاً منسیا ہو چکا ہوتا۔ لاریب قوم نے آپ کے جذباتِ جہاد اور عزائم جدوجہد کو میدانِ عمل میں دیکھ کر ہی ''مجاہد ملت'' کے پُرجلال لقب سے نوازا۔ یقیناً یہ خطاب آپ کے شایانِ شان ہے۔ بے شک آپ وقت کے عظیم مجاہد اور اسلام کے نامور غازی

تھے، جس کی مثال آج دشوار ہے۔ ربِّ کریم مسلمانوں کو ان کا مشن زندہ رکھنے اور ان کے طریقۂ کار کو مہمیز کرنے کی نئی نسل کو توفیق دے اور اسلام و سنّت کے اس عظیم فرزند پر سدا اپنی رحمتوں کے پھول برسائے جس نے ہم کو اپنی زندگی سے یہ نہ بھولنے والا سبق دیا کہ ؎

طالبِ آنست کہ در راہِ طلب جاں بدہد
ایں نہ گوید کہ بہ مقصود رسم یا نہ رسم

حضرت مولانا سید شمیم گوہر، الٰہ آباد

دنیا ان حضرات کی بھی ہمیشہ احسان مند رہی ہے جنھوں نے اپنے دور کے بزرگوں کے حالات مرتب کیے اور دوسروں کے لیے لکھنے کی راہیں ہموار کیں۔ مگر جن قلم کاروں کے حصّے میں یہ توفیق نہ آئی، جنھوں نے غفلت سے کام لیا۔ انہوں نے دنیا کو ایک روحانی نعمت سے محروم رکھا۔ ایسی محرومی کے دور کو خود ہماری آنکھیں بھی دیکھ رہی ہیں اور دل بھی محسوس کر رہا ہے کہ نہ جانے کتنے علمائے ربانیین اور اللہ کے سچّے اولیاء دنیا سے رخصت ہوتے گئے۔ ہم کو چھوڑ کر روانہ ہوتے رہے مگر ملّتِ اسلامیہ کے ذمّہ داروں نے ان کے حالات کو یکجا کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔ ایک معمولی سا کتابچہ تک شائع نہ ہوسکا۔ اگر دو چار عالموں اور بزرگوں کے بارے میں جو کچھ لکھا بھی گیا تو پچاسوں ہستیوں کو فراموش کر دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ کے سعادت مند بندے جب ان کے حالات ڈھونڈنا چاہیں گے تو ان کی آنکھیں آنسو برسا کر رہ جائیں گی۔ دل بے چین ہو کر رہ جائے گا مگر کتابوں میں کچھ نہ پاسکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا جب بھی کوئی برگزیدہ بندہ اور اس کا سچّا ولی دنیا کو خیر باد کہتا ہے تو اپنے پیچھے عشق و محبت، لطف و کرم اور حق و صداقت کی ہزاروں داستانیں بھی چھوڑ جاتا ہے ؎

اتنی توفیق دے یارب کہ جدا ہونے پر
لوگ اتنا تو کہیں نقش وفا چھوڑ گیا

کردار و عمل کی وہ ایسی قندیل روشن کر جاتا ہے کہ سارا زمانہ اس کی آغوش میں جانے لگتا ہے۔ اور راہِ حق پر چلنے کے لیے تابانی حاصل کرتا رہتا ہے۔ حضور مجاہدِ ملت بھی ایک ایسے ہی

عالمِ ربّانی تھے۔ ایک ایسے ہی اللہ کے سچّے ولی تھے جن کی عظمت مآبی کے سامنے بڑے بڑوں نے اپنے سر جھکائے اور عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ آپ نے احکامِ الٰہی اور سنّتِ نبوی کی روشنی میں زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا اور مصائب و آلام کی ہزاروں راہیں طے فرمائیں۔ صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ صرف اس آرزو کی خاطر کہ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارہ ہے   اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

مولانا حکیم خلیل احمد جائسی، ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ

بلا شک حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ عنوانِ بالا کے کامل مصداق اور ہم پروانوں کے لیے نمونۂ زندگی ہیں۔ شاہین کو بال و پر اور طاقتِ پرواز دینے والی ''حرکت و حیات'' کے اس محور کے کسی ایک گوشۂ زندگی پر نظر ڈالنے والا بھی جان سکتا ہے کہ یہ جہانگیری وہ نہ تھی جو تمام تر ہوس اقتدار سے عبارت ہے۔ بے شک وہ جہانگیر، جہاں دار اور جہاں بان سب کچھ تھے۔ اور دنیا انھیں رئیس اُڑیسہ کی حیثیت سے جانتی ہے۔ تو یقیناً وہ یہ بھی تھے۔ لیکن آئینہ کی طرح روشن ان کی زندگی دراصل روحانی اور حقیقی جہانگیری، جہاں داری اور جہاں بانی کا سراپا تھی۔ جو عمر بھر اسی دنیا کو سنوارنے سجانے اور اسی کی جہاں آرائی میں محو اور سرشار تھی، اور جو ساری آبائی ریاست اسی اتباع و اطاعت کے موتیوں کے بدلے بیچ دینے کی حقیقی شہنشاہی پر فائز ہے۔

اس دنیائے دوں اور دور زبوں میں جب کہ عوام تو عوام خود ہمارے علما اور مشائخ آج کل ''ستّار عیوب'' اور ''قاضیِ حاجات'' کے ثلوث سے اپنے دامن کو بچانے میں ناکام رہا کرتے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ اسی پاکیزہ جماعت میں ایک روح ایثار و جہاد سے تخلیق پائی ہوئی جاندار شخصیت دنیا کو دین، ایمان، اتباع اور اطاعت کی لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں سے ''عطاؤں اور بخششوں'' کی نہریں بہاتی رہی۔ ذرا مقابلہ کیجیے کہ ایک طرف هَلْ مِنْ مَّزِيْد کا وہ شور لمبی فیسوں، دعوتوں اور اپنے اپنے خدّام کے لیے ضروریات کے بوجھل مطالبوں کی ریل پیل اور دوسری طرف دین و سنّت کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچا دینے کی تمنّا میں ریاست کے خزانے کا منھ کھول دینے کا بے پناہ جذبہ!

گدڑی میں لعل تو سنا تھا لیکن لعلوں میں گدڑی والا! آنکھ کھو لیے اور دیکھ لیجیے۔

علما اور مشائخ کی دنیا میں کردار کے تضاد کا یہ عبرت ناک منظر ہم سب کے لیے سبق آموز ہے! احقر کو عمر بھر میں حضرت مجاہد ملت سے محض تین بار شرفِ نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، اور ہر موقع نے بندگی، اتباعِ سنّت، اتباعِ رسول کے نئے نقوش ثبت فرمائے۔

ڈاکٹر شوکت علی صدیقی، ہزاری باغ، جھارکھنڈ

سرکار مجاہد ملت نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں سیاست کو اس کی اسلامی شکل میں اختیار کیا تھا۔ انہوں نے سیاست کو اقتدار کی حصولی کا ذریعہ یا ذاتی شہرت کی وجہ نہیں بنایا تھا ورنہ لاکھوں ارادت مندوں کے شیخ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ لاکھوں عقیدت مندوں کی قطار سے صاحبانِ اقتدار کو مرعوب کر کے بڑے سے بڑے اقتدار کا سودا کر لیتے جو آج کے سیاست دانوں کا وطیرہ ہے۔ انھیں بآسانی پارلیمنٹ کی ممبر شپ بلکہ کوئی اہم وزارت حاصل ہوسکتی تھی لیکن انہوں نے دنیاوی اقتدار کو ٹھوکروں میں رکھا، خدمتِ خلق کے صحیح جذبے اور ملّی سربلندی کی شدید ترین خواہش میں انہوں نے وقتاً فوقتاً حکومتِ وقت کو جھنجھوڑا۔ اقلیتوں کی جان اور مال پر جب کوئی مصیبت آئی تو دردمند دل رکھنے کی وجہ سے چیخ پڑے۔ قیادت کا جو تصوّر اسلام نے پیش کیا تھا اس قیادت کا بوجھ اپنے نحیف کاندھوں پر اُٹھایا۔ ایک مرتبہ چند مسلم لیگی لیڈروں نے ملاقات کر کے ان سے یہ درخواست کی کہ وہ باضابطہ طور پر مسلم لیگ کی قیادت سنبھالیں۔ سرکار مجاہد ملت نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں جھوٹ کی موجودہ سیاست سے نفرت کرتا ہوں۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کسی پارٹی کا لیڈر بن جاؤں۔

سیاست کا مفہوم دورِ حاضر میں یہ ہے کہ حصولِ اقتدار کو مدعائے سیاست سمجھا جائے اور حصولِ اقتدار کی خاطر تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بین الاقوامی سیاست میں کشت وخون کی سیاست ایک ناقابلِ تردید صداقت بن گئی ہے۔ سیاسی مخالفوں کو چھرے کی دھار یا گولی کی بوچھار سے خاموش کر کے اقتدار سے چمٹے رہنا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو جتنا بڑا لیڈر ہو وہ اتنا ہی بڑا رشوت خور، منافع خور، اقربا پرور، ذخیرہ

اندوز اور ظالم بھی ہو یہ تصور عام ہو گیا ہے۔ جبکہ اسلام نے جس سیاست کی بنیاد رکھی اور جس سیاست کو انسانی ترقیوں کا ضامن بتایا وہ صالح سیاست تھی۔ ایسی سیاست جس میں اخلاقی قدروں کو اہمیت دی گئی تھی جس میں اقتدار پسندی سے نفرت اور اصلاحِ معاشرت اور حقوق العباد کی ادائیگی سے اُلفت کو سیاست کی بنیاد بتایا گیا تھا۔ جس میں امیر یا قائد ہونے کی شرط تقویٰ، پاکیزگی، انصاف پروری، باعملی رکھی گئی تھی۔

سیاست کے اس اسلامی تصور کو ذہن میں رکھا جائے تو بلاشبہ حضور مجاہد ملت دورِ حاضر کے بہت بڑے سیاست داں تھے۔ اے کاش! کہ اقتدار کے دیوانے سیاست دانوں کو سرکار مجاہد ملت کی سیاسی زندگی سے سبق لینے کی توفیق حاصل ہو جائے۔

ڈاکٹر سیّد محمد طلحہ رضوی برق داناپوری

ہمیں بس ایست دلیلِ بقائے عالمِ عشق — کہ یکشبِ غم او در ہزار سال گذشت

چودھویں صدی ہجری کے آشوب و ابتلا اور فتنہ و فساد ظاہری و باطنی کی خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی دے دی تھی۔ قربِ قیامت کے تمام آثار اپنے دامن میں لیے یہ صدی ایمان والوں کے لیے سخت امتحان و آزمائش کا عرصہ رہی ہے۔ ملکی و ملّی شکست وریخت نے اہلِ دل کو لمحاتِ فکر یہ سے دوچار رکھا اور اللہ والوں کو متاعِ دین ودانش لٹتے دیکھ کر حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے سر بکف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہاد بالسّیف جن کی قسمت تھی وہ اس سے سر بلند ہوئے۔ لسان وقلم کا جہاد جن کا نصیب تھا وہ اس سے مفتخر ہوئے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

حضور مجاہد ملت ؒ سید العلماء سند الفقہا خورشید سہ پہر سنّیت الحاج علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن القادری العباسی رحمۃ اللہ علیہ کو ربِّ کریم نے ہندستان میں دین وایمانِ مسلمانان کی نگہبانی اور تبلیغ عشق مصطفےٰ کے لیے انتخاب فرمایا تھا۔ ہر چند کہ علامہ مغفور متمول و جاہ دنیاوی سے بھی مالا مال تھے، مگر قلندرانہ طبیعت اور درویشانہ مزاج نے حبِّ دنیاوی کی ذلیل خاک کا ایک ذرّہ بھی اپنے دامن تقدّس پر نہ پڑنے دیا اور ایسی بے لوث اور پُر ایثار خدمت دین و

ملت اختیار کی کہ آپ کا اسلامی سراپا فقر و درویشی کا آئینۂ مجلیٰ بن گیا۔

ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش — قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
زمانہ لیکے جسے آفتاب کرتا ہے — انھی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

حضرت مولانا ملک الظفر، دارالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام

میں نے اپنے ایامِ طفلی میں جماعت کی جن تین چار شخصیات کے نام اوران کے دینی و ملّی کارناموں کے تذکرے سنے، ان میں ایک اہم نام سرکار مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تن، من، دھن کی بازی لگا دینے والے اس بطلِ جلیل کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات روشن و تابناک ہیں۔ ہندستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے کی پاداش میں انھیں متعدد مرتبہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی ڈال دیا گیا۔ لیکن اس مردِ مومن کی جرأتِ مومنانہ کے سامنے حکومت کی ہر تدبیر بے اثر ثابت ہوئی۔

فراستِ مومنانہ، تفقہ فی الدین، عمل بالسنہ اور اسلامی سیاست کی درست فہم و تدبیر آپ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ لاریب وہ اپنے عہد میں جرأت و بے باکی، حق گوئی و راست بازی کا استعارہ تھے۔

سرکار مجاہد ملت کا سیاسی شعور بہت پختہ تھا۔ وہ ایک تجربہ کار اور منجھے منجھائے سیاسی راہنما کی حیثیت سے ہندستان میں مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو دنیادار سیاسی راہنماؤں کی طرح اپنے منصب کا غلط استعمال کر کے جاہ و حشم اور اقتدار و کرسی حاصل کر لیتے، لیکن جس نے خود دولت و ثروت اور منصب و جاگیر کو ٹھوکر مار کر فقیرانہ زندگی سے محبت کر لی ہو، بھلا وہ انھیں کب خاطر میں لاتا۔ حکومت وقت کے ظالمانہ و جابرانہ رویوں کے خلاف جب وہ بولتے تو سراپا احتجاج بن جاتے، لیکن اسی کے ساتھ انھیں حالات کی نزاکتوں کا بھی بخوبی احساس رہتا۔ چنانچہ مرادآباد میں ہونے والے فرقہ وارانہ فساد کے بعد جہاں سرکار مجاہد ملت نے حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا، وہیں اخباری بیان کے

ذریعے عام مسلمانوں کو صبر و تحمل اختیار کرنے کی اپیل بھی جاری فرمائی۔ جو آپ کے سیاسی فہم و تدبر کا کھلا اور واضح اشارہ ہے۔

سرکار مجاہد ملت کی زندگی کے اوراق جب ایک محقق کے سامنے روشن ہوتے ہیں تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ رات کا ایک عابد شب زندہ دار دن کے اُجالوں میں کس طرح لوگوں کے درمیان فہم و تدبر کی خیرات بانٹ رہا ہے۔ حکومت وقت کی غلط پالیسیوں کے خلاف تنقید کرنے والا ایک مردِ مجاہد کس انداز میں اُمتِ مسلمہ کے قلب و روح کی تطہیر و تزکیہ کا سامان کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والا ایک بطل جلیل کس شان و شوکت سے مسند تدریس سجا کر معقولات و منقولات کے لعل و گہر لٹا رہا ہے۔ اور ایک جاگیر دار و منصب دار کس بے نیازی سے فقیرانہ زندگی گزار کر مست نظر آ رہا ہے۔ نیاز مندیوں کے اس دور میں ایک ذات تھی جس نے مادی دولت و آسائش سے خود کو بے نیاز بنا رکھا تھا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا جس رُخ سے جائزہ لیا جائے اخلاص کا ایک آبشار بہتا نظر آ رہا ہے۔ للّٰہیت آپ کی زندگی کا مرکزی نقطہ تھا۔

حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

حضور مجاہد ملت نے اپنے اسلاف کے معتقدات کے خلاف اُٹھنے والی ہر اُنگلی کو کاٹنے، ملت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنے والی ہر تحریک کا قلع قمع کرنے اور عظمت خدا و رسول کو چیلنج کرنے والی ہر آواز کو فنا کے گھاٹ اُتارنے میں جس قائدانہ کردار کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اسلام و سنّیت کی تبلیغ و اشاعت اور بدمذہبوں کی بیخ کنی حضور مجاہد ملت کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ زندگی کے ہر موڑ پر باطل کی سرکوبی اور گستاخانِ خدا و رسول کی دہن دوزی اور ان پر برق باری آپ کا خاص وطیرہ تھا۔ بالخصوص وہابیت اور اس کے ہیولے سے نکلنے والی متعفن تحریک دیوبندیت اور غیر مقلدیت وغیرہ سے زندگی کے آخری لمحات تک نبرد آزما رہے اور اپنے پنجوں سے ان کی گردنیں مروڑتے رہے۔ (تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۶۰)

پیر طریقت حضرت مولانا قاری لیاقت رضا نوری، اُجین

دنیا میں ہمیشہ کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے نگاہیں بے چین رہتی ہیں۔ بڑے بڑے صاحبِ جبّہ و دستار قطار میں ہوتے ہیں اور عشّاق کی پلکیں ان کی راہوں میں بچھی رہتی ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے ان کی ایک توجہ سے زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ سویا ہوا مقدر بیدار ہو جاتا ہے اور آلام کی یورش اپنا رُخ بدل لیتی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کا شمار ایسی شخصیات میں ہوتا ہے۔

میرے والدین نے مجھے اُس وقت حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں پیش کیا، جب میری عمر بہت چھوٹی تھی۔ میرے والد ماجد نے حضور مفتی اعظم ہند سے عرض کیا کہ یہ غلام زادہ ہے، اسے اپنی خدمت میں قبول کرلیں۔ قبولیت کی ساعت تھی اور میرا مقدر عروج پر تھا۔ حضرت کا اثبات میں جواب پا کر والد ماجد کی مسرّتوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ شفقت و محبت کے دبستان میں چھوڑ کر وہ مجھے اپنے گھر مرادآباد واپس ہو گئے۔

مجھے باپ کی شکل میں آقائی، مولائی، مرشدی حضور مفتی اعظم مل گئے اور ماں کی شکل میں پیرانی امّاں مل گئیں۔ زندگی مسرّتوں سے بھر گئی۔ میرا کام پڑھنا، گھر کا چھوٹا موٹا کام کرنا اور آنے والے مہمانوں کو چائے، پانی پیش کرنا تھا۔ ایک روز میں گھر سے باہر نکلا تو دارالافتاء کے اوٹے پر ایک عمر دراز شخص کو بالکل سادہ لباس میں بیٹھا ہوا پایا۔ انہوں نے مجھے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا تو آواز دی۔ جب میں قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹا گھر میں جا کر کہو حبیب الرحمٰن آیا ہے۔ میں اندر گیا، تو گھر میں کہنا بھول گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر کسی کام سے باہر آیا تو انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی۔ میں اندر گیا اور اتفاق کہیے کہ پھر گھر میں کہنا بھول گیا۔ جب تیسری بار آیا تو انہوں نے دیکھتے ہی اپنی بات دہرائی۔ میں گھر میں واپس گیا اور پیرانی امّاں سے عرض کیا کہ باہر ایک بزرگ آئے ہیں۔ اپنا نام حبیب الرحمٰن بتاتے ہیں۔ انہوں نے نام سنتے ہی حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور دارالافتاء کا دروازہ کھول دو۔ حضور مفتی اعظم ہند وہیں قریب میں آرام فرما تھے۔ نام سن کر حضرت کی بھی آنکھیں کھُل گئیں۔ میں

چائے، پانی لے کر حاضر خدمت ہوا، تو دیکھا کہ وہ دارالافتاء میں ایک کنارے دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ چائے پانی سے فارغ ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند اپنے ہاتھوں میں ناشتہ لے کر تشریف فرما ہوئے۔ حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھتے ہی وہ سروقد کھڑے ہو گئے۔ دست بوسی کی، اس کے آگے کچھ کرنا چاہا تو حضور مفتی اعظم ہند نے منع فرما دیا۔ وہ اسی جگہ پر دوزانو بیٹھ گئے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ آپ آرام کریں۔ ان کے آرام کا انداز بھی ادب اور تواضع کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ میں سب کچھ عالمِ حیرت میں دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ کون بزرگ ہیں، جن کی حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ میں اتنی توقیر ہے، اور ان کے ادب کے انداز نے بھی مجھے بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد بھی وہ کئی بار آئے۔ اب جب بھی آتے، میں ان کی خدمت بجالاتا۔

وہ زمانہ میری لاشعوری کا زمانہ تھا۔ جب شعور میں پختگی آئی تو سراپا ادب و نیاز بن کر ان کی خدمت میں کھڑا رہتا۔ یہ چالیس پینتالیس سال پہلے کی بات ہے۔ آج جب ان بیتے ہوئے لمحوں پہ سوچتا ہوں تو غم بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی۔ غم اس لیے ہوتا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کی قربت ملی اور میں ان کی شایانِ شان خدمت نہ کر سکا اور خوشی اس لیے ہوتی ہے کہ جن کی دنیا ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار رہتی تھی، میں نے انھیں بار بار قریب سے دیکھا ہے۔ اپنے طور پر ان کی خدمت کی ہے اور ان کی دعاؤں سے خوب خوب فیض یاب ہوا ہوں۔

حضور مجاہد ملت اپنی ذات میں انجمن تھے۔ تمام کی تمام انسانی خوبیاں ان کی ذات میں جمع تھیں۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عاجزی و انکساری میں ان کی ذات بے نظیر تھی۔ انہوں نے دین و شریعت کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی جناب میں بڑے مؤدب تھے اور اسی خوبی نے انھیں بہت بڑا بنا دیا تھا انہوں ں نے بڑوں کے حضور خود کو جس انداز میں پیش کیا آج اس انداز کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔ انہوں نے اپنا سب کچھ دین کی راہ میں لٹا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دلوں پر ان کی حکومت ہے۔

جو لوگ ان کے نام اور کام سے آشنا ہیں، ان کا نام انتہائی ادب و احترام سے لیتے

ہیں۔ ان کی ذات میں اتنی خوبیاں اور کمالات تھے، اگر ان سب کا سرسری تذکرہ بھی کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ انہوں نے تاحیات دنیا کو عشق و محبت کا پیغام دیا۔ فکرِ رضا کی روشنی میں زندگی گزارنے کا درس دیا۔ ان کے مشن کو سچائی کے ساتھ آگے بڑھانا ان کی بارگاہ میں یہی سب سے اہم خراجِ عقیدت ہے۔ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی نے ان کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کو آگے بڑھانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ ربّ کائنات مولانا موصوف کے بازوؤں میں توانائی عطا فرمائے اور غیب سے ان کی مدد فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا محبوب گوہر اسلام پوری

حضور مجاہد کی حیات کی ہر سانس شرعی اُصولوں کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ انسانی زندگی خواہشات سے پُر ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد ملت کی خواہش یہ رہتی کہ ؎

ہر جفا، ہر ستم گوارا ہے　　　اتنا کہہ دے کہ تُو ہمارا ہے

ہم نے حضرت مجاہد ملت کو دیکھا نہیں ہے۔ دنیا میں بے شمار لوگ اب بھی موجود ہیں جو ان کی بار بار زیارت کر چکے ہیں۔ ان میں بہت سارے ایسے بھی ہیں جنھیں ان کی صحبت کی برکتیں بھی ملی ہیں۔ ان دیکھنے والوں کی آنکھوں میں حضرت مجاہد ملت کو جب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ان دیکھنے والوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اپنی دعاؤں میں حضرت مجاہد ملت کا وسیلہ دے دیں تو ربّ ان کی دعائیں رَد نہ فرمائے گا۔ جب دیکھنے والوں کا یہ حال ہے تو حضرت مجاہد ملت کا بارگاہِ الٰہی میں مقام کیا ہوگا۔

حضرت امام حسین کو بہت سارے لوگوں نے کربلا کے سفر سے روکا۔ آپ نے ایسے اہلِ عقیدت سے فرمایا کہ اگر میں خود کو کربلا کے سفر سے روک لیتا ہوں تو دین اسلام کا سفر ہمیشہ کے لیے رُک جائے گا۔ مجھے دین اسلام اپنے نانا جان سے وراثت میں ملا ہے۔ میں اس کا امین اور محافظ ہوں۔ جب تک جسم میں جان ہے، میں ان قوتوں سے لڑتا رہوں گا، جن سے دین اسلام کو خطرہ ہے یا جو دین اسلام کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت مجاہد ملت

بھی حضرت امام حسین کے نقش قدم پہ تھے۔ انہوں نے ان قوتوں سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا جو دین اسلام کی شفافیت سے اُلجھ رہے تھے۔ مصائب کی تیز وتند آندھیاں ان کے عزائم کو دیکھ کر اپنا رُخ بدل لیتی تھیں۔ ان کی ہر حرکت وعمل سے دینی تقدس کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔ ان کی ذات نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن ان کا کردار زندہ ہے۔ ہم ان کے کردار کو اپنا کر دارین میں سرخ رو ہو سکتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحیم نشتر فاروقی، سنّی دنیا، بریلی شریف

حضور مجاہد ملت کے بارے میں مجھ جیسے بے مایہ کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ زمین کی پستیوں میں ان کی حیثیت آسمان کی تھی۔ اگر کسی کو فرش پہ عرش دیکھنے کی تمنا ہے تو وہ حضور مجاہد ملت کو دیکھ لے۔ اپنے بڑوں کی جناب میں وقار واعتبار حاصل کر لینا بڑی بات ہے۔ حضور مجاہد ملت کو ان کے بڑوں نے بالاتفاق قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان کے نشانِ عظمت ورفعت کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ انھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے دین اسلام کی سرفرازی کے لیے منتخب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کے انتخاب کو انہوں نے تاحیات میلا ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے سرفروشانِ حق کے امیر کی حیثیت سے زندگی گذاری اور باطل سے تاحیات محاذ آرا رہے۔ حضور حجۃ الاسلام نے ان کی ذات کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے۔ آپ نے انھیں جن القاب وآداب سے یاد فرمایا ہے، اسے پڑھنے کے بعد انسان حیرتوں کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ ذیل میں حضور حجۃ الاسلام کی زبان سے ان کی چند خصوصیات ملاحظہ کریں۔

میں نے علم اور صلاح مبین کی پیشانی کو سعادت کے نوروں سے درخشندہ اور سرداری کی علامتوں کے پھولوں سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس ذات کی وجہ سے جو شخصیتوں میں سراپا خیر وبرکت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بات ڈالی اور میرے پروردگار نے مجھے الہام کیا کہ میں ان کو مکمل عام اجازت دوں، تو میں نے نیک بخت، قابل تعریف بھائی کو اجازت دی، جو اچھے، لائق، مہربان، صوفی باصفا، وفادار، مخلص، تیز، ذہین، مضبوط دل

والے، ٹھوس منصب والے اور مستحکم رائے والے، بلند سنتوں کے حامی، اور قابلِ نفرت فتنوں کی سرکوبی کرنے والے، ہم عصروں اور فضل و کمال والوں میں قابلِ فخر، عمدہ عادات و اطوار والے، فضل اور اونچے اخلاق والے، فاضل کامل، لائق ادیب، ذہین حبیب، میرے محبوب ومحب ہیں۔ میرے دل کا ٹکڑا، میرے جگر کی تسکین، میرے قلب کی راحت، میری آنکھ کے نور، اس زمانے کے بہتر فرد اور اس زمانے کے نادر شخص، بڑوں کی آنکھ کی پتلی، مولانا مولوی حبیب الرحمٰن۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۰)

جن القاب و آداب، فضائل و کمالات اور صفات و خصوصیات کا حضور حجۃ الاسلام نے اپنی عطا کردہ سندِ خلافت میں ذکر فرمایا ہے۔ حضور مجاہد ملت کی کتابِ حیات اسی قسم کے یا اس سے ملتے جلتے القاب و آداب سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی ذات کمالات و خصوصیات کا بوستان تھی۔ ان کی زندگی کی ہر سانس سے دینی، ملّی اور قومی درد کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی حیات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دینی روایتوں سے رشتہ ٹوٹتا جا رہا ہے۔ اور ہم غیروں کے زیر اثر ہوتے جا رہے ہیں۔ ربّ کائنات ہمیں اپنے اسلاف سے وفاداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد راحت خان قادری، دارالعلوم فیضانِ تاج الشریعہ، بریلی شریف

حضور مجاہد ملت کی جائے ولادت دھام نگر اڑیسہ ہے۔ انہوں نے الہٰ آباد، مراد آباد اور اجمیر شریف میں تعلیم حاصل کی اور دعوت و تبلیغ کے لیے الہ آباد کی سرزمین کا انتخاب فرمایا۔ آپ دینی شوکتوں کے نفاذ کے لیے اکثر سفر میں رہتے۔ جہاں قیام کرتے اپنے ذاتی صرفے سے کسی دینی ادارے کی بنیاد ضرور رکھتے۔ منصوبہ سازی ان کی فطرت میں شامل تھی۔ ان کا کوئی منصوبہ صرف کاغذ پہ نہیں ہوتا تھا بلکہ جو منصوبہ بناتے اسے عملی شکل دیتے۔ مسندِ درس و تدریس پہ بیٹھ کر انہوں نے ایسے افراد کی ایک ٹیم تیار کی، جس میں ہر طرح کے چیلنج کو قبول کرنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔ ان کی نگاہ صرف حال پہ نہیں ہوتی تھی بلکہ مستقبل بھی ہر وقت ان کے پیش نگاہ ہوتا۔ ان کے عہد میں مسلم قوم زوال کا شکار تھی۔ انہوں نے اپنی قوم کو

آبرومندانہ زندگی گذارنے کا شعور عطا کیا۔ آپ زمینی و گروہی تعصب سے پاک ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینا چاہتے تھے جو ملک وملت کے لیے ہر طرح کی قربانی کے جذبے سے سرشار ہو۔ آپ کا عہد اگر آپ کا ساتھ دیتا تو آپ مسلمانوں کے تحفظ کے لیے ایسے حصار تیار کر دیتے جس کو توڑنے کی مسلمان دشمن عناصر میں صلاحیت نہ ہوتی۔ خوابوں کی تعبیر کیسے ملتی ہے اس راز سے آپ اچھی طرح واقف تھے۔ آپ رات میں جو خواب دیکھتے دن میں اس کی تعبیر سامنے ہوتی۔ رئیسی فقیری پہ کیسے رشک کرتی ہے آپ نے یہ کر کے دنیا کو دکھایا۔ یعنی خوبیاں جب مجسم ہوتی ہیں تو حضور مجاہد ملت کا وجود سامنے آتا ہے۔ وہ بظاہر دنیا سے چلے گئے ہیں لیکن ان کی روحانی رفاقتیں ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو ان کے مشن کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ ان کا مشن تھا مسلکِ اعلیٰ حضرت۔ ربّ کائنات ان کے مشن کی وفاداری کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد صلاح الدین رضوی، دارالعلوم فیض الرضا، ددری

حضرت مجاہد ملت کا شمار نادرِ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ جیسی شخصیات جس قوم، جس جماعت اور جس تحریک میں ہوگی وہ قوم، وہ جماعت اور وہ تحریک کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ تحریکیں اپنے محرکین سے فروغ پاتی ہیں۔ آپ جماعتِ اہلِ سنّت کے پُرجوش داعی و مبلغ تھے۔ آپ نے جماعت اہلِ سنّت کو ہر زاویے سے اعتبار بخشا۔ باطل شکنی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ ہر وقت باطل کے تعاقب میں ہوتے تھے۔ حق کے اظہار میں کسی کی رعایت قطعی نہ کرتے۔ جبر وظلم جہاں ہوتا اور جس شکل میں ہوتا، آپ اس کے خلاف محاذ کھول دیتے۔ سامنے کون ہے؟ اس کی فکر کبھی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ متعدد بار جیل گئے لیکن جیل کی آہنی دیواریں آپ کے حوصلوں کو کبھی متاثر نہ کرسکیں۔ آپ دنیا کی جابر و ظالم طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہتے کہ تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں۔

حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اُصولِ اہلِ سنّت پہ عمل کی پاداش میں نجدی حکومت نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ قاضی نے آپ سے سوالات کیے۔ آپ نے

اس کے ہر سوال کا دنداں شکن جواب دیا اور اس کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ تم جس مسلک و مشرب کا خود کو نمائندہ بتاتے ہو۔ تمہارا مسلک و مشرب باطل ہے۔ تم جس مذہب کی وکالت کرتے ہو، قرآن و احادیث سے اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ یعنی آپ ہر حالت میں حق کی حمایت فرماتے اور باطل کی تضحیک کرتے۔ عصر حاضر میں ایسے چہرے دور، دور تک نظر نہیں آتے۔ دعا ہے کہ ربّ کائنات ہمیں ان کے نقوشِ قدم پہ چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد انوار احمد امجدی سربراہِ اعلیٰ مرکز تربیت افتاء بستی

دنیا میں کبھی کبھی ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں جن سے دین و شریعت کے اعتبار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ معیارِ حق و صداقت سمجھی جاتی ہیں۔ اکبر نے دین اسلام کے خلاف دین الٰہی کی بنیاد رکھی۔ حضرت مجدد الف ثانی حق کی تلوار بن کر سامنے آگئے اور اکبر کے دین الٰہی کی رگیں کاٹ ڈالیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے یہ نہ دیکھا کہ سامنے کون ہے۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے حق کو واضح فرمایا اور باطل کو ذلیل و خوار کیا۔ آپ کے عہد میں آپ کی ذات ہی معیارِ حق تھی۔ حضور مجاہد ملت تاحیات مجدد الف ثانی کے طرزِ حیات پہ عمل کرتے رہے۔ باطل کتنا مضبوط ہے، آپ نے اس کی کبھی فکر نہیں کی۔ آپ نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ باطل کے وجود سے زمین پاک ہوجائے۔ آپ کے عہد میں وہابیت اور دیوبندیت دین اسلام کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھی۔ چونکہ ان دونوں تحریکات کا مقصود مسلمانوں کے دلوں سے چراغِ عشقِ رسالت کو بجھانا تھا۔ اور یہ عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام اور ایمان کی اساس ہے۔ آپ نے مذکورہ دونوں تحریکات کی شناعتوں سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا اور ان کے تعاقب کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے مناظرانہ ادب کو نئی جہتوں سے آشنا کیا اور مستقبل کے لیے کئی باصلاحیت مناظر تیار کیے۔ آپ کی روئدادِ حیات کو منظم طور پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ کام ہوتا ہے تو نئی نسلوں کے دینی جذبے میں اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آپ کی حیات کو مشعل راہ بنانے کی توفیق بخشے۔ معیارِ حق ہونے کی جو شرطیں ہیں وہ ساری شرطیں آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ آپ کی زندگی کی ہر سانس عشقِ

رسالت کی چاندنی سے عبارت تھی۔ باطل شکنی کا انہوں نے جو معیار قائم کیا ہے اسے عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم عمر رضوی، ساؤتھ افریقہ

حضرت مجاہد ملت کی حیات کے کس گوشے پہ گفتگو کی جائے۔ ان کی کتابِ حیات کا ہر ورق تجسس اور استعجاب سے بھرا ہوا ہے۔ دین قربانی چاہتا ہے اور آپ کی پوری زندگی قربانی سے عبارت ہے۔ آپ رئیس وقت تھے، لیکن رئیسی کو کبھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ بلکہ رئیسی کو دین کی چوکھٹ پر قربان کردیا۔ دینی شوکتوں کے نفاذ کے لیے جب بھی کوئی آواز دیتا آپ کسی تاخیر کے بغیر وہاں حاضر ہو جاتے۔ چلتے وقت جب آپ کو کوئی کچھ پیش کرتا تو لینے سے انکار کر دیتے۔ آج کے مصلحین اُمت اپنی قیمت طے کرتے ہیں اور قیمت بھی انسانیت سوز ہوتی ہے۔ پھر قیمت کی نصف رقم پہلے وصول کر لیتے ہیں۔ پھر شرکت کی رضامندی دیتے ہیں۔ ایسے مصلحین اُمت کے لیے حضور مجاہد ملت کی ذات درسِ عبرت ہے۔

حضرت مجاہد ملت سنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ایسا آئینہ تھے جس پہ دنیوی آلائشوں کا کوئی داغ دھبّہ نہیں تھا۔ ان کے معمولاتِ زندگی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اسی فطرت پہ پیدا کیے گئے ہیں۔ جس عالم پہ دنیا غالب دیکھتے اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ یہ کام آپ خفیہ طور پر کرتے۔ عیب پوشی آپ کو بہت عزیز تھی۔ دینی کام میں ذاتی مفاد کی شمولیت کے آپ سخت مخالف تھے۔ آپ کے شب و روز کے معمولات کو دیکھ کر عہدِ صحابہ نگاہوں میں گھومنے لگتا۔ آپ دینی قدروں کے فروغ کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ اولوالعزم افراد استقامت پہ عمل کرتے ہیں، لیکن آپ ہر کام میں عزیمت کا مظاہرہ فرماتے۔ آپ اپنے عہد میں ہر اعتبار سے منفرد بھی تھے اور ممتاز بھی۔

دنیا سرائے خانہ ہے۔ یہاں جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ جانے والوں کا غم انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔ آپ کے جانے کا غم اجتماعی ہے۔ آپ گئے تو اپنے ساتھ ایک عہد چلا گیا۔ ہم آپ کا بدل ڈھونڈ رہے ہیں لیکن ہماری آنکھوں کو مایوسیوں

کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے پاس اب آپ کی صرف یادیں ہیں اور یہی ہمیں جینے کا حوصلہ دیتی ہیں۔ ربّ کائنات ہمیں آپ کے مشن کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا محمود عالم رشیدی خطیب و امام ہری جامع مسجد گونڈی ممبئ

حضرت مجاہد ملت کا ذکر کر کے آپ نے میرے سوئے زخموں کو کرید دیا ہے۔ ان کی ذات سے میری بہت ساری یادیں وابستہ ہیں، لیکن اس مختصر سی تحریر میں ان سب کو سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ انسانی وجود عناصرِ اربعہ سے تشکیل پایا ہے۔ مگر حضرت مجاہد ملت کی کتابِ حیات پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا وجود ایثار اور قربانی کے خمیر سے تیار ہوا تھا۔ ان کے عہد میں بڑی بڑی ہمالیائی شخصیتیں موجود تھیں۔ ان میں حضرت مجاہد ملت اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد تھے۔ لوگ کام کرتے ہیں، کام کے ساتھ ان کی نگاہ تشہیر پہ بھی ہوتی ہے اور تعریف پہ بھی، لیکن آپ کا معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ آپ نام و نمود کو قطعی پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کوئی بھی کام صرف اور صرف رضائے خدا و رضائے محبوبِ خدا کے لیے کرتے تھے۔ عشقِ خدا و عشقِ محبوبِ خدا کے دعوے تو بہت سارے لوگ کرتے ہیں لیکن ان کے عشق کا گراف کہیں نہ کہیں ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضرت مجاہد ملت حقیقت میں فنا فی الرسول وفنا فی الغوث تھے۔ عشقِ حبیب خدا کے حوالے سے بے شمار شواہد کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم عشقِ غوث الوریٰ کے حوالے سے نظیریں پیش کرتے ہیں۔

ایک بار ربیع الغوث کا مہینہ تھا۔ اور حضرت مجاہد ملت ممبئ میں موجود تھے۔ آپ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز تھی۔ معالجین نے چلنے پھرنے سے سختی سے منع فرما دیا تھا۔ جب جلوسِ غوثیہ کا دن آیا تو فرمایا کہ جلوس میں میری بھی شرکت ہوگی۔ حاضرین اور خدّام نے سمجھایا کہ معالجین نے چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ چلنے پھرنے سے مرض میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ آپ خدام کی گذارشات کو مسلسل نظر انداز کرتے رہے۔ جب خدام کو اپنے فیصلے پر اٹل دیکھا تو فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ دو آدمی دونوں طرف سے مجھے سہارا دیں، تا کہ سہارے

سے جلوس میں شرکت کی نیت سے میں گیارہ قدم چل لوں۔ آپ کی یہ بات مان لی گئی۔ اس طرح آپ نے اپنی خواہش پوری کی۔

۱۹۸۰ء میں نجدی حکومت نے بغیر حج آپ کو واپس کر دیا۔ آپ کے اس سفر کی داستان بہت المناک ہے۔ تصور ہی سے آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں۔ بہرحال دوسرے سال یعنی ۱۹۸۱ء میں پھر آپ نے حج پہ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ احباب نے عرض کیا کہ حضرت سالِ گذشتہ کے واقعات و حادثات ابھی تازہ ہیں۔ جیسے ہی آپ کا پاسپورٹ مشین پر رکھا جائے گا، ساری تفصیلات اسکرین پر آئینے کی طرح آجائیں گی۔ اس طرح آپ کا فارم رد کر دیا جائے گا۔ اس لیے امسال حج کے سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔ آپ نے احباب سے فرمایا کہ تم لوگ بعد کی زندگی کی ضمانت دے سکتے ہو؟ آپ نے پورے اعتماد و یقین کے ساتھ فرمایا کہ حج کا فارم بھرو۔ ان شاء اللہ غوثِ اعظم کے فیضان سے سب اندھے ہو جائیں گے۔ آپ کے فرمان کی روشنی میں فارم بھرا گیا۔ منظوری میں کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئی۔ آپ حج پہ گئے اور پوری آن بان شان کے ساتھ ارکانِ حج ادا کیے۔ یہ حج کا سال آپ کی زندگی کا آخری سال تھا۔ اس واقعہ سے غوثِ اعظم کے کرم پہ اعتماد بھی ظاہر ہوتا ہے اور اپنی موت سے آگاہی بھی۔

حضرت مجاہد ملت کی کتابِ حیات کا ورق ورق ایثار و قربانی کے نور سے روشن و منور ہے۔ آپ کو دیکھ کر اسلام کا قرنِ اوّل یاد آجاتا تھا۔ آپ نے دین کے نام پر جینے اور دین کے نام پہ مرنے کا جو شعور دیا ہے اسے بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج قدم قدم پر ہمیں آپ کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ربّ کعبہ جماعت اہلِ سنّت کو آپ کا بدل عطا فرمائے، تاکہ تاریکیوں کا سینہ چاک ہو، اعتماد کی فضا بحال ہو اور فکر رضا کے نور سے اذہان روشن و منور ہوں۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت ماسٹر فیروز خان رضوی، کولکاتا

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک رئیس و جاگیر دار گھرانے میں آنکھیں کھولیں مگر دل میں امارت کی بجائے عبادت و خدمت خلق کا جذبہ شدت کی حد

تک تھا۔ علومِ دینیہ کی تکمیل کے دوران ہی آپ نے مسلمانوں کی اصلاحی تحریکوں کا بغور مشاہدہ کیا اور قوم کی اصلاح کے لیے لائحہ عمل کا جامع منصوبہ ترتیب دینے لگے۔ دور حصولِ آزادی کی آخری منزل میں داخل ہو رہا تھا۔ انگریز دشمنی اور قومی اتحاد کے نام پر مختلف تنظیمیں مسلمانوں کے ذہن وفکر میں تبدیلی کی خواہاں تھیں۔ عصر حاضر میں ہم یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ حضور مجاہد ملت نے ایسے نازک حالات میں اس وقت کے نبّاضِ قوم حضرت مولانا حامد رضا خاں اور ان کے ہم عصر علما کی اصلاحی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور مسلمانوں کو اپنا دینی تشخص برقرار رکھتے ہوئے کسی بھی تحریک کا ساتھ دینے کی طرف رہنمائی کی۔ بقول شاعر

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
بزم انجم بھی نہیں جذبۂ باہم بھی نہیں

ان کے اس عملی اقدام سے اہلِ سنّت و جماعت گاندھی کے اثرات سے محفوظ رہے۔
(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص۲۶۹)

حضرت مولانا عالمگیر اشرف مصباحی

خالق کائنات نے تخلیق کائنات کا مقصدِ حقیقی اپنی معرفت اور اپنے نافذ کردہ احکام کی بجا آوری کو قرار دیا ہے، مگر دین اسلام کی معرفت اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری، جذبۂ ایثار کو تصلب فی الدین کہا جاتا ہے۔

انسان کے اندر جس قدر تصلب فی الدین ہوگا، اسی قدر دینی غیرت وحمیت ہوگی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ دینی تصلب ایک ایسا اعلیٰ درجے کا وصف کمال ہے کہ مولیٰ عزوجل اپنے جس بندے پر فضل خاص فرماتا ہے، اسے اس عظیم وصف سے سرفراز فرماتا ہے۔

تصلب فی الدین کا نمونہ عہدِ صحابہ وتابعین میں کامل طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ اصحابِ نبی دینی معاملات میں کسی بھی قسم کی خارجی پیش رفت کو جائز نہیں سمجھتے۔ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے بظاہر وصال فرمانے کے بعد کچھ عرب مرتد ہو گئے اور

انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ حضور کے دور میں جتنی زکوٰۃ دے رہے تھے، اس میں سے ایک رتی بھی چھوڑ دیں گے تو میں اس کے لیے ابھی ان پر جہاد کروں گا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خلیفۂ رسول! ان لوگوں کے ساتھ نرمی کیجیے، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت جلال میں آ گئے اور ارشاد فرمایا: اجبّار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدين اينقص وانا حی۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۵) کیا زمانۂ جاہلیت میں تم بہت بہادر تھے اور اسلام لا کر بزدل اور پلپلے ہو گئے ہو؟ یقیناً وحیِ ربّانی کا سلسلہ ختم ہو چکا اور دین اسلام مکمل ہو گیا۔ کیا میرے زندہ رہتے ہوئے اس دین میں کچھ کم کیا جا سکتا ہے؟

سرزمین ہند اس اعتبار سے بہت زرخیز ہے کہ بے شمار اولیائے کرام اور صوفیائے عظام اور ایک سے بڑھ کر ایک مجاہد اس چمنستانِ ہند پر جلوہ افروز ہوئے اور انہوں نے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور دینی استحکام کی مکمل کوشش کی۔

انہی جلیل المرتبت اکابر اہلِ سنّت میں سے مرجع العلماء جامع کمالاتِ ظاہریہ و باطنیہ، عالم ربانی، شیخ الاسلام مجاہد ملت حضرت الحاج محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذاتِ گرامی بھی ہے، جن کی پوری زندگی تصلب فی الدین اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے وقف تھی۔ (تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۷۲)

جناب منصور فریدی

حق و باطل کی جنگ رہتی دنیا تک چلتی رہے گی اور ربوبیت کے طرفدار اور حق کے علم بردار دنیا کی فضائے بسیط پر روشن اور منور ستارے کی طرح نمودار ہوتے رہیں گے۔ ایسے ہی درخشندہ ستاروں میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی جدوجہد اور اپنے اجتہاد کے ذریعے اسلام کے اجرامِ فلکی میں شامل ہو گئے۔ اور کیوں نہیں ہوتے کہ اللہ رب العزت ان لوگوں کو سربلندی و سرفرازی عطا فرماتا ہے جو احکامِ شریعت پہ کاربند ہو کر اپنی زندگی کو قرآن و سنت کا آئینہ دار بناتے ہوئے پوری زندگی اسی پر عمل پیرا ہو کر گزار دیتے ہیں۔ اور قرآن و

سنت کے خلاف اٹھنے والی تمام آوازوں اور سروں کو کچل کر پیغام اسلام وقرآن اُمتِ مسلمہ کو سناتے رہے اور خدا کی وحدانیت، رسول کی رسالت اور مقامِ صحابہ لوگوں کے دلوں میں راسخ کرتے رہے اور غیر شرعی رواجوں اور اُصول وضوابط سے لوگوں کو بچاتے رہے انہی علم برداروں میں حضور مجاہد ملت کا نام شہابِ ثاقب کی طرح روشن و درخشندہ ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے مجاہدوں کو دنیا کے جس حصے میں چاہے پیدا فرماتا ہے۔

(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۶۹)

حضرت مولانا انیس عالم سیوانی، لکھنؤ

حضور مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی کی شخصیت جہاں ایک طرف مذہبی اور مسلکی اعتبار سے نمایاں تھی، وہیں سماجی، سیاسی اور قومی لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل تھی۔ علماء بہت گذرے ہیں مگر آخری دور کے علماء میں جن اوصاف اور خوبیوں کے جامع حضور مجاہد ملت تھے۔ اس کا تصور دوسروں کے یہاں نہیں کیا جاسکتا۔ عام طور پر علماء کی زندگی اور خدمات کا دائرہ مسجد، مدرسہ وخانقاہ کے محور پر گردش کرتا نظر آتا ہے۔ جماعت علماء میں سیاسی فکر اور سماجی وملّی سوچ رکھنے والے علماء بہت کم ملیں گے اور جو لوگ سیاسی، سماجی اُمور میں کچھ دل چسپی رکھتے ہیں، ان کی مذہبی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے۔ وہ اپنا دینی تشخص برقرار نہیں رکھ پاتے۔ کوئی رام بھگوان کی مدحت کرتا ہے، تو کوئی ایسے بے دینوں کی بے دینی کو اسلامی جامہ پہنانے کے لیے دارالافتاء کی آبرو نیلام کرتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا کہ سیاست میں جانے کے بعد مولوی اپنا مذہبی وقار بیچ دیتا ہے۔ اس کی زندہ مثال عبیداللہ خان اعظمی جیسے لوگ ہیں، جنھوں نے اسلام کو بدنام کیا، مذہب ومسلک کو فروخت کرنے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ لیکن ایسے بھی علماء گذرے ہیں جنھوں نے سیاست اور سماج کا حصہ بننے کے باوجود کبھی مذہب ومسلک کو اپنی بے راہ روی سے غبار آلود نہ کیا، بلکہ مسجد و مدرسہ وخانقاہ سے لے کر خواہ سماجی منچ رہا ہو یا سیاسی، ہر جگہ انہوں نے اپنی مذہبی شان ظاہر کی، نہ کبھی ہنود کے سامنے دوغلی پالیسی اختیار کی نہ کبھی وہابیوں، دیوبندیوں، رافضیوں، خارجیوں کے لیے رویہ نرم کیا، بلکہ ہر جگہ وہ یہی کہتے رہے۔

دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے ملحدوں سے کیا مروّت کیجیے
ذکر اُن کا چھیڑیے ہر بات میں چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

یہ شان ہمیں حضور مجاہد ملت کی زندگی میں نظر آتی ہے۔قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا مگر اپنے اُصولوں سے سمجھوتہ نہ کیا۔مسلک کو زینہ اور حصولِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا۔

ہمارے علماء اور طلبا کو مذہب و مسلک میں حضور مجاہد ملت کا پیروکار بننا چاہیے۔حضور مجاہد ملت مذہبی، ملّی، سماجی، سیاسی، قومی، عالمی ہر سطح پر مسلکِ اعلیٰ حضرت کے علم بردار اور مبلغ نظر آتے ہیں۔ان کی زندگی کو اس شعر کے آئینے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

مفتی ڈاکٹر ساحل شہسرامی [علیگ]

سرکار مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری قدس سرہٗ اسم با مسمیٰ تھے ۔وہ رحمٰن کے حبیب بھی تھے اور محب بھی، اور ان بارگاہوں کے بھی بے حد چہیتے اور مرکز الطاف تھے جنہیں بارگاہ رحمٰن سے محبوبیت کا سرنامۂ امتیاز حاصل تھا۔آپ کی پاک ہستی میں محاسن و کمالات کا تو ایک گلستاں آباد تھا لیکن آپ کی ذات والا صفات کی خاص پہچان عشق غوثیت مآب اور فدائیت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھی۔

۸ر محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/ ۲۶ر مارچ ۱۹۰۴ء کو اس دنیائے رنگا رنگ میں تشریف لانے والا [اور ۶ر جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/ ۱۳ر مارچ ۱۹۸۱ء بروز جمعہ اس سرائے فانی کو الوداع کہنے والا] یہ سعادت مند وجود دنیائے رنگا رنگ کے ایک خوش عیش گھرانے میں آنکھ کھولتا ہے جہاں خوش عیش زندگی کے سارے ساز وسامان موجود تھے ۔لیکن قدرت کی یہ کیسی سعادت ارزانی تھی کہ اسے دنیا کی یہ رنگینی ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ حسن ازل کی تجلیوں میں گم رہا کرتا تھا۔شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبگوں زلفوں کی اسیری ہی اس کے لئے

سب کچھ تھی ۔ حضرت مجاہد ملت نے محمدی عزم و استقلال اور حیدری زور پر جلال کی خاص برکتیں پائی تھیں ۔انہیں محبوب لم یزل کی ہر تجلی اپنی سمت کھینچتی تھی اور اس کی بارگاہ کا ہر محبوب ان کا مرکز عقیدت تھا۔شعور کی منزلیں طے کرنے کے بعد سے ہی انہیں تین بارگاہوں سے شیفتگی کی حد تک لگاؤ تھا۔سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ۔سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ چھڑتا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں۔عشق غوثیت مآب کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ انہیں کے تصور میں گم رہتے تھے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق خاطر کا یہ عالم تھا کہ ان کی ہر نسبت سرکار مجاہد ملت کو اپنی جانب کھینچتی تھی اور حضرت رضا سے وابستہ ہر فرد وشئ پر دل وجان تصدق تھا۔سرکار مجاہد ملت کے جذبۂ عشق کی روداد ان کے اوراق حیات میں جابجا ملے گی ۔عشق رسالت مآب کی کشش انہیں ہر جگہ ان کے دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رکھتی ۔مدینہ طیبہ کی حاضری میں ان کے عشق کا جوبن بہاروں پر ہوتا۔آنکھیں آنسوؤں کی برسات کر رہی ہوتیں ،دامن دل جذب عشق سے کھنچا جاتا اور حضوری اور وارفتگی ، بے خودی اور محویت کا عالم ہمیشہ طاری رہتا۔عشق غوثیت مآب کا عالم یہ تھا کہ ان کے تصور میں ہمیشہ ڈوبے رہتے ۔آپ کو آبائی اور مشائخ کی بہت سی عظیم نسبتیں حاصل تھیں لیکن آپ نے حضرت غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کو ہی اپنی شناخت بنایا۔سرکار غوث اعظم کے خاص فیض یافتہ بزرگ حضرت سیدنا منور علی شاہ قادری قدس سرہٗ ، ہمت گنج الہ آباد کے آستانے پر پا پیادہ حاضر ہوتے ۔آپ سے اگر کوئی ہمت گنج حاضری کی درخواست کرتا تو فوراً آمادہ ہو جاتے ۔ یہ آپ کے عشق غوثیت مآب کا اظہار یہ تھا۔سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے بے مثل و بے مثال انس تھا۔سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ چرچا اعلیٰ حضرت کا ہی فرماتے ۔زندگی بھر امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک عشق وعرفان کی ترویج واشاعت میں مصروف رہے، اعلیٰ حضرت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جتنے بدمذہب زمانہ تھے ،ان سے آپ پوری زندگی برسر پیکار رہے ، بریلی

شریف سے کوئی بھی آجاتا، ان کے لئے آپ سروقد کھڑے ہوجاتے اور ان کی تکریم میں دل وجان سے کوشش فرماتے۔ اعلیٰ حضرت سے عشق کی حد تک لگاؤ کا ہی اثر تھا کہ آپ نے جب سلسلۂ بیعت و ارشاد جاری فرمایا تو ہمیشہ سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں بیعت فرماتے، جبکہ آپ عارف باللہ حضرت علامہ عبدالکافی علیہ الرحمہ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ یہی معاملہ حضرت حافظ ملت شاہ عبدالعزیز قادری علیہ الرحمہ کا تھا کہ آپ بیعت شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ اشرفیہ میں ہوئے لیکن جو سلسلۂ بیعت آپ نے جاری فرمایا وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کا تذکرۂ مبارکہ ''ہمارے اعلیٰ حضرت، سرکار اعلیٰ حضرت، ہمارے آقا'' کے والہانہ القاب سے یاد فرماتے۔ دھام نگر شریف میں سرکار اعلیٰ حضرت کا عرس مبارک بہت اہتمام اور دھوم دھام سے منعقد فرماتے۔ دس ہزار سے زائد افراد شریک عرس رضوی ہوتے، سب کے لئے پر تکلف قادری رضوی لنگر کا اہتمام فرماتے۔ عرس رضوی کے پورے لمحات میں ایک قدم پہ کھڑے رہتے، سارے مہمانوں کی خبر گیری، ہر ایک کی دلداری، کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے، کہیں کسی کو تکلیف نہ ہو، یہ اعلیٰ حضرت کے عرس پاک کے مہمان ہیں۔ یہ آپ کے جذبات دروں صاف عکاس ہیں کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے آپ کو کس قدر والہانہ لگاؤ تھا۔

حضرت مولانا عبدالحکیم نوری، تامل ناڈو

عالمِ ماکان و ما یکون علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے دنیا سے بظاہر تشریف لے جانے کے بعد علمائے ملت نے دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت میں ذرّہ برابر کوتاہی نہ کی اور اس کی حفاظت وصیانت میں لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: **العلماء ورثۃ الانبیاء** کو سچ کر دکھایا اور اس کے مقابلے میں دنیا کے مال و دولت و امارت و حکومت اور عزت وعظمت کو ٹھکرا دیا۔ انہی علمائے حق کی جانفشانیوں کا ثمرہ ہے کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود دینِ اسلام پر کسی طرح کی آنچ نہ آئی جبکہ اسے کتنوں نے منہدم کرنے کی ناپاک کوششیں کی ہیں۔ معتزلہ وخوارج وشیعیت و وہابیت اور زمانۂ موجودہ کے

مستشرقین و صلح کلیت کے ناپاک اِرادوں کو کون نہیں جانتا کہ ہمیشہ ان کا مقصد مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کو مجروح کرنا تھا۔ مگر علمائے حق نے دشمنانِ اسلام کو جواب ہی نہیں بلکہ شکست دی ہے۔ انہی فاتح علما میں زبدۃ العارفین، رئیس التارکین، جامع علوم وفنون حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محامد حلیم حاذق رضوی، کولکاتا

اس مشینی دَور میں ایک اضطرابی کیفیت ہر حسّاس طبیعت انسان کے دل میں پائی جاتی ہے۔ ایٹمی قوتوں کی یورش اور جدید مشینوں کے دَور میں انسان کے احساسات وقلبی جذبات پس کر رہ گئے ہیں۔ ہر ایک طرف انتشار کا عالم ہے۔ جس میں ہر ذی روح لاوجودیت کا شکار نظر آرہا ہے۔ شاید اب ہماری نسلوں کی نشو ونما بارود کی چھاؤں میں ہوگی۔ جب ہی تو زندگی کا سفر دشوار ترین اور موت کی تجارت کو بہ کو آسان نظر آرہی ہے۔ چونکہ ہمارا عہد مادّہ پرستی کا ہے، جس میں ترقی پسند ذہنوں نے روحانیت کو بالائے طاق رکھنے کا حکم نافذ کر دیا ہے اور مادّہ پرستی عیاری اور مکاری پر خلوص وفا کا خول چڑھا کر حقیقی زندگی کے ساتھ سوتیلے پن جیسا سلوک کر رہے ہیں۔ ایسے ہاؤ ہو اور لمحۂ پُرفتن میں کون کسے یاد رکھتا ہے۔ جہاں ہر کوئی صرف اپنے ''میں'' کا دیوانہ ہو۔

مگر اس کربناک عہد میں بھی اس زیست کے ناہموار راستوں کا وہ راہی جو اپنی زندگی کو گلزار بنانے کی خواہش رکھتا ہے، سادہ ذہن ہو کر گذری بہاروں کے دائمی نقوش تلاش کرنے میں سرگرم سفر ہوتا ہے۔ جب وہ جستجو کی سرحد پر کھڑے ہو کر شعوری طور سے جائزہ لینا شروع کرتا ہے اور کچھ دور چلنے کے بعد جب وہ کامرانی کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو اسے کچھ لوگ نظر آتے ہیں، جن کے بارے میں وہ کچھ نہ کچھ سنتا چلا آرہا تھا یعنی وہ لوگ جو اس کائنات میں سانس لینے کے باوجود اپنی زندگی کچھ ایسے نرالے انداز سے گذارتے ہیں کہ نمونۂ حیات سے تعبیر کیے جاتے ہیں اور ان ہی کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جو چلتی پھرتی لاش کی مانند ہوتے ہیں، جن کی زندگی موت سے بہتر کہی جاتی ہے۔

اب ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کی زندگی نمونۂ حیات سے

تعبیر کی جاتی ہے۔ تو ہم اس بارگاہِ بیکس پناہ کی جانب رُخ کریں جو زندگی کی آئینہ دار ہیں اور جن کی زندگی کے عکس سے ہماری حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ ہے خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی۔ آپ کے اسوۂ حسنہ سے جس نے وابستگی حاصل کرلی۔ بلاشبہ وہ عہدِ ظلمت میں بھی روشن منارہ کی صورت اُبھر کر منظرِ عام پر آیا اور اس کے حسنِ اخلاق سے ایک عالم چمکتا ہوا نظر آیا۔

اسی ذاتِ گرامی کے روشن بخت غلاموں میں حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ہوتا ہے آپ کی زندگی حُبِّ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں درخشندہ وتابندہ نظر آتی ہے۔ آپ نے دینِ مصطفوی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا اور اپنی زندگی کے بیشتر لمحے ریل اور جیل میں گزارے۔

وہ زندگی یقیناً لائق صد احترام اور قابلِ تحسین ہوا کرتی ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی بھی کچھ ایسی ہی تھی جو ہر نیک نفس انسان کو زندگی کا شعور بخشتی ہے۔ خصوصاً آپ کی مجاہدانہ زندگی آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور آپ کا لبادۂ فقیری جو ایک عالم کو اپنی جانب مائل کرتا نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا قاری صابر علی رضوی، خطیب وامام مسلک اعلیٰ حضرت مسجد، لکھنو

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے۔ مخلوقات کا پالنہار ہے اور کائنات کا حاکمِ مطلق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ زمین پر فساد پسند نہیں فرماتا۔ زمین کو ہر طرح کے فساد سے پاک رکھنے کے لیے اس نے اپنے انتہائی محبوب بندوں انبیائے کرام ورسولانِ عظام کو مبعوث فرمایا۔ ہر نبی ورسول نے اپنی بعثت کے مقصد کو بحسن وخوبی پورا کیا۔ جب آقائے کائنات پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بابِ نبوت ورسالت بند ہوا تو ربِّ کائنات نے کارِ نبوت ورسالت کی انجام دہی کے لیے اپنے محبوب کی اُمت کے علما کا انتخاب فرمایا اور ان کے سروں پر بے پناہ عظمت وبزرگی کا تاج رکھا۔ کنز العمال، جلد ۱، ص ۷۹ کی ایک حدیث ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کے علما کی بزرگی وکرامت کا اعلان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''جس نے عالموں کا استقبال کیا تحقیق اس نے میرا استقبال کیا اور جو عالموں کی ملاقات کے لیے گیا یقیناً وہ میری ملاقات کے لیے آیا۔ اور جو عالموں کے ساتھ بیٹھا وہ تحقیق میرے ساتھ بیٹھا اور جو میرے ساتھ بیٹھا وہ یقیناً میرے رب کی بارگاہ میں بیٹھا''

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب جب اور جہاں جہاں زمین میں فساد برپا ہوا علمائے کرام نے اس کا ہر طرح سے مقابلہ کیا اور اُمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ زمین کو فساد سے پاک کرنے اور انسانی معاشرے کی فکری و اعتقادی اصلاح میں جن علما نے اپنی قربانیاں پیش کی ہیں انہی علما میں حضور مجاہد ملت کا شمار ہوتا ہے۔

حضور مجاہد ملت کے عہد میں ایسی جماعتوں، تحریکوں اور مشنریوں کی ایک طویل فہرست ہے جو امنِ عالم اور انسانی معاشرے کے لیے خطرہ بنی ہوئی تھیں۔ آپ نے امن دشمن جماعتوں کو بے نقاب کیا۔ ان کا پوری شدت سے مقابلہ کیا اور انھیں ہر محاذ پہ شکست و ریخت سے دوچار کیا۔ اس راہ میں کبھی کبھی آپ کو شدید کٹھنائیوں سے گذرنا پڑا۔ امن دشمن طاقتوں نے آپ کو پابندِ سلاسل بھی کیا۔ اس کے باوجود آپ کے حوصلوں میں کبھی کوئی کمی نہیں دیکھی گئی۔ بلکہ آپ کے حوصلوں کے سامنے مصائب کے کوہِ گراں کو موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا گیا۔ آپ کی حیات کے مطالعے سے اس احساس کو توانائی ملتی ہے کہ آپ یقیناً مجاہد ملت تھے۔ آپ نے اپنے منصب سے کبھی بے وفائی نہیں کی۔ آج کے فتنہ پرور ماحول میں شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ آپ کے سر پہ نیابت رسول کا جو تاج زرّیں تھا اس کے تقدس کو آپ نے کبھی داغدار ہونے نہیں دیا۔ آپ کی زندگی کا ہر تیور پوری انسانی برادری کے لیے قابلِ عمل و نمونۂ عمل ہے۔

حضرت مولانا نسیم بستوی

کیسی بے کیف بنا رکھّی تھی فرزانوں نے
پھونک دی روح نئی بزم میں دیوانوں نے

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا سراپا نورانی تشخص جب کبھی میرے ذہن وفکر پر اُبھرتا ہے تو قرونِ

اولیٰ کے پاک باز مردانِ حق کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور زبان پر بے ساختہ یہ مصرع آجاتا ہے ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ شرع و تصوّف کے جس اعلیٰ اور ممتاز منصب پر فائز تھے وہ ہر عالم شریعت اور شیخ طریقت کو نصیب نہیں ہوا کرتا۔ آپ بیک وقت شریعت و طریقت دونوں منزلوں کے رہنما و پیشوا ہی نہیں بلکہ امیرِ کارواں تھے۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی زندگی میں درسگاہ کا عالمانہ جاہ وجلال بھی تھا اور خانقاہ کا عارفانہ حال و قال بھی گویا آپ کی ذات ''در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق'' کی ایک روشن اور پُرکشش تصویر تھی۔ درسگاہ میں جلوہ افروز ہوتے تو اسلامی علوم وفنون پر آپ کی گہری نظر اور پُرمغز علمی و تحقیقی گفتگو اور فنّی مباحث میں طرزِ استدلال سے وقت کے اکابر و قدآور اربابِ علم وفن کو ایسا محسوس ہونے لگتا کہ آپ شب و روز درس و تدریس اور مطالعۂ کتب میں مصروف و مستغرق رہتے ہیں اور جب خانقاہ میں مسند نشین ہوکر اہلِ ارادت اور عقیدت کیشوں کے درمیان زُہد و تقویٰ، یقین و توکّل، استغنا و بے نیازی، تزکیۂ نفس، فقر و تصوّف، خوفِ خدا، اُمید رجا، اسرارِ ولایت، رُموزِ طریقت، ریاضت و مجاہدہ، تقرّب الی اللہ اور اہلِ حق کی روحانی تعلیمات و باطنی ہدایات کا تذکرہ فرماتے تو سامعین و حاضرین اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہوکر مستی و بے خودی میں جھومنے لگتے۔ اس موقع پر حاضر رہنے والوں کا بیان ہے کہ اس وقت ہر شخص کے دل میں یہ یقین نقش ہوکر رہ جاتا تھا کہ آپ دنیا میں خاص روحانیت اور فقر و تصوّف کی تعلیم کے لیے تشریف لائے ہیں۔

اُن کا سایہ اک تجلّی اُن کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گذرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

ڈاکٹر سید اعجاز مدنی، برہانی کالج، بمبئی

حضور رئیس التارکین، سلطان المجاہدین، امام الزاہدین حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب عرف عام میں مجاہد ملت رئیس اڑیسہ کی بے لوث دینی خدمات حضور امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشابہہ ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے پاس علم کی

کثرت تھی۔ عمل کی شدّت تھی۔ انھوں نے اہلِ سنّت و جماعت کے فروغ و بقا کے لیے تمام عمر صرف کی۔ اسی طرح مجاہد ملت نے بھی عقائد اہلِ سنّت کے فروغ، بقا اور تحفّظ کے لیے اپنے علم، رسوخ، جائداد اور مسلسل جدو جہد سے ایک ایسا عالمی ریکارڈ قائم کیا جو تاریخ اہلِ سنّت و جماعت میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

حضرت مولانا محمد جابر حسین حبیبی، ہوڑہ۔کلکتہ

آقائے نعمت سرکار مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں جن دولتوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا ان میں جرأت، حق گوئی و بے باکی اور مناظرے کی بے پناہ قوت و طاقت تھی۔ ان قوتوں کا استعمال دینِ حق کی سرفرازی اور سر بلندی کی خاطر آقائے نعمت علیہ الرحمہ نے خوب خوب فرمایا۔ ہندستان بھر میں پھیلے ہوئے سیکڑوں مناظرے اور ان مناظروں میں سرکار مجاہد ملت کی ذہانت اور علمیت کے چراغوں کے سامنے باطل کی بے چہرگی اور بے شانی کے نقوش، بھدرک جیل سے بیرٔ علی جیل تک قید و بند کے طویل ایام اور سرگرمیِ عمل سے حق کی سرفرازی اور باطل کی تباہی سرکار مجاہد ملت کی ان بے مثال قوتوں کے ثبوت ہیں۔

سرکار مجاہد ملت نے مناظرے کی بے پناہ قوتوں سے نہ صرف یہ کہ سرزمین ہند پر باطل کے بڑھتے ہوئے قدموں کو پابند زنجیر کر دیا تھا بلکہ ملک کی سرحدوں سے بہت دور سعودی شہنشاہیت کے جابرانہ نظامِ حکومت میں بھی اپنی جرأتِ اظہار اور مناظرانہ قوتوں کے استعمال سے نجدیوں کو شرمسار اور لاجواب کر دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ طاقت کے نشے میں چور نجدیوں نے شکست خوردگی کو اپنی اصلاح کی بجائے انتقام کا ذریعہ بنالیا اور مجاہد ملت پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے۔

سلطان المناظرین علیہ الرحمہ نے چھ بار فریضۂ حج کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا۔ ان چھ حجوں میں پہلا حج شریف مکّہ شریف حسین کے عہد میں فرمایا۔ یعنی نجدیوں کے اقتدار سے قبل اور پانچ حج سعودی نجدیوں کی ظالم حکومت کے دوران۔ آخری حج جو انھوں نے ۱۹۸۰ء میں فرمایا اس کا تو عالم ہی عجیب تھا۔ لگتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاص مہمان ہیں۔

الگ جماعتیں قائم کیں۔ باضابطہ میلاد شریف کی محفل منعقد فرمائی۔ اپنے آقا کے حضور جس طرح چاہا گرمیِ عشق کے مکمل اظہار کے ساتھ درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کیں۔ فاتحانہ گئے اور فاتحانہ واپسی ہوئی مگر پہلے اور آخری حج کے درمیان کے چار حجوں میں الگ جماعتیں قائم کرنے اور نجدی عقائد کے پرخچے اُڑانے پر نجدیوں نے ان کو پریشان کیا اور مباحثے کیے اور مباحثہ ان کے عقائد کے تابوت میں آخری کیل ہی ثابت ہوا۔

خورشید جان قریشی۔ بی ایس سی کشمیر

واقعی آپ موجودہ صدی کے ایک عارف باللہ اور کامل دریش تھے۔ نہ صرف درویش بلکہ شب و روز تنظیمی و تبلیغی مشن اور دعوتِ الی الحق میں سرگرم تھے۔ آپ ہی کے مساعی جمیلہ سے تحریک خاکسارانِ حق، آل انڈیا تبلیغ سیرت اور جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد معرضِ وجود میں آئے۔ حضرت موصوف نے زندگی کے آخری ایّام تک ملک کے مختلف مقامات پر دین اسلام کے فروغ و ارتقا کے لیے دینی و علمی درسگاہوں کا نہ مٹنے والا ایک جال بچھا دیا۔ آپ کی آغوشِ تربیت میں بیدار مغز اور نامور علما و ادبا پیدا ہوئے۔

یہی علمائے اہلِ سنّت دین اسلام کی لازوال نعمتوں سے مالا مال ہوکر دینی، علمی و ادبی و تبلیغی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔ مجاہد ملت جس کوچے سے گذرے بلادِ ہند ہوں یا ملکِ عرب، عشقِ رسول کی خوشبو پھیلاتے چلے گئے۔ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بننے کے انداز سکھائے۔ بزرگانِ دین کے نقش قدم پر چلنے کے صحیح طریقے بتائے۔ ضرورت بھی ایسے ہی رہنما کی تھی جو اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر صبر اور استقامت کا پہاڑ بن کر حضرت فاضل بریلوی کی یاد تازہ کرادے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت مولانا محمد اظہر القادری جامعہ امام احمد رضا اسلام پور

اس کرۂ ارض پر بسنے والے بندوں پر اللہ ربّ العزت کا ہزار فضل و احسان ہے کہ اس

نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام و رسولانِ عظام کو مبعوث فرمایا۔ ان میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل و اعلیٰ بنایا۔ جس کے اُمتی ہونے کا شرف ہم لوگوں کو حاصل ہے۔ جملہ انبیائے کرام کی امتوں میں اُمتِ محمدیہ کو "کنتم خیر اُمۃ" کا تاجِ زرّیں عطا فرما کر امتیازی و انفرادی خصوصیت کا حامل بنایا۔ اس اُمت کے علما اور اولیا کو بھی نیابتِ رسول کا شرف حاصل ہے، جن کی ذمے داری اسلام اور اسلامی فکر و نظریات کی صالحیت کو برقرار رکھنا ہے۔ امام التارکین سراج السالکین حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بھی اپنے ہم عصر علما اور اولیا میں نصف النہار کی حیثیت رکھتی تھی۔ جن کا ظاہر و باطن ایسا روشن و تابناک تھا کہ دنیا کی ساری روشنی پھیکی اور ہیچ نظر آتی تھی۔ جہاں آپ ایک متبحر عالم دین اور بہترین مفکّر، عمدہ محدث، بے باک مناظر، شاندار محقق و مدقق تھے وہیں زہد و تقویٰ، عجز و انکساری، حلم و بردباری، صبر و استقامت، خدا شناسی اور خدا ترسی میں یکتائے روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی عبقریت ان کے کردار و عمل سے اظہر من الشّمس تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ دین محمدی کی پیروی کے ساتھ اس کی اشاعت و تبلیغ ان کی زندگی کا نصب العین بن چکا تھا، جن کی فکری صلاحیتوں اور تدبیری خوبیوں نے اٹھنے والی ہر باطل قوت کو زیر کر دیا۔ مسلکِ حنفیت کے سچے سپاہی کی حیثیت سے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے کہ اربابِ علم و نظر اور صاحبانِ جبّہ و دستار نے حقیقت کو تسلیم کرنے میں اپنا سر ٹیک دیا۔ اور ان کی ذات و صفات کے تاثر نے عقائدِ باطلہ سے تائب ہونے پر مجبور کر دیا اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی خدمت کو زندگی کا سب سے اہم ترین کارنامہ تصور کر کے ایسی صالح اور صحت مند تبلیغ فرمائی کہ آج تک اس کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہے۔

پروفیسر دبیر احمد، مولانا آزاد کالج، کلکتہ

مجاہد ملت ایک ایسے جلیل القدر انسان تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیتیں اپنا نقش اس طرح مرتب کرتی ہیں کہ جن کے دیکھنے کو ہر آنکھ متلاشی ہوا کرتی ہے۔

وہ اپنے مسلک کے بے باک مجاہد اور سالارِ کارواں تھے۔ وہ ہر شخص کو توحید و رسالت کا فرد دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ دوسروں کے لیے زندہ رہنا چاہتے تھے۔

حضور مجاہد ملت کا دل عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہر وقت گرم رہا کرتا تھا۔ ان کی زندگی کا مقصد بھی عشقِ رسول ہی تھا۔ ان کی زندگی کا جائزہ لیجیے تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ ان کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے۔ انہوں نے شب و روز نبی کی یاد میں گزارے۔

آپ بلند پایہ محدث تھے اور ساتھ ہی ساتھ باکمال مفتی بھی۔ اس سلسلے میں جن کمالات کا ہونا ایک مفتی کے اندر ضروری ہے وہ تمام خصوصیتیں آپ کے اندر موجود ہیں۔ آپ نے ہمیشہ مفتی کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سیکڑوں فتوے احکامِ شرعیہ کے مطابق صادر کیے۔ یہ ضرور ہے کہ انہوں نے باضابطہ دارالافتاء میں بیٹھ کر فتویٰ نویسی نہیں کی لیکن جب کبھی کسی سلسلے میں آپ سے سوالات پوچھے گئے تو بڑی جاں فشانی سے محققانہ جوابات مرحمت فرمائے۔

حضور مجاہد ملت نے ساری زندگی اُصولِ شرع کی پاسداری کی۔ ان کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور گفتگو کا طریقہ اُمورِ شرعیہ کے خلاف نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی بھر اپنی خواہشات کی مخالفت کرتے رہے۔ تبھی تو جاگیردار گھرانے میں آنکھیں کھولنے کے باوجود سیدھی سادی زندگی کو ترجیح دیا اور اللہ کی خوش نودی حاصل کرتے رہے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ نفس کی پیروی کرنے والا ہلاک ہوجاتا ہے۔ اس لیے کبھی بھی نفس کی پیروی نہیں کی بلکہ اس کے خلاف جہاد کیا۔

حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی

اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین پر ایک سے بڑھ کر ایک نابغۂ روزگار رونما ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی برکت والی ذات سے باغِ ہستی کی بہت سی مرجھائی ہوئی کلیوں کو شادمانی کے لمحات میسّر آتے ہیں۔ جن کا وجود اندھیری رات کے مسافروں کے لیے آفتابِ نیم روز ہوتا ہے۔ جو ہر گم گشتہ راہ کے لیے منارۂ ہدایت اور جبلِ نور ہوتے ہیں۔ جن کا عزم و استقلال جبل

شاخ کی طرح غیر متزلزل ہوتا ہے۔ جن کی بصیرت افروز نگاہیں بند پلکوں سے عرشِ اعظم کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ جو اپنی ہمہ جہتی کی وجہ سے معاشرے کے ہر نیک طبقے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ جو فضل و کمال کے ہر خوان سے وافر حصہ وصول کرتے ہیں۔ وہ جس میدان کی طرف اپنے براقِ خیال کا رُخ پھیرتے ہیں کامیابیاں آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتی ہیں۔ ان کی خاکساری و بردباری ''يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا'' کا مظہر کامل ہوتی ہے۔ ان کے تصلّب فی الدین سے ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ'' کا جلال ٹپکتا ہے۔ ان کا حسنِ معاشرت ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کا نمونہ ہوتا ہے۔ ان کی جرأت و ہمت اور حق گوئی ان کے فولادی اِرادوں کی غمّازی کرتی ہے۔ ان کی حیات سے کائنات کی ہر شئے جِلا پاتی ہے اور ان کی وفات ایک عالَم کی روحانیت اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ جب وہ ملتِ بیضاء پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرتے ہیں تو ان کی کاوشوں میں آفتابِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محنت و مشقت کا پَرتو نظر آتا ہے۔ مذہب مہذب کی ترویج و اشاعت کے لیے ان کی جفاکشی میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلفتوں کی سنّت جھلکتی ہے۔ حاصل یہ کہ جن کا وجود ''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' کا عکس بن کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں ہمہ وقت مشغول رہتا ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شیوۂ حیات ہوتا ہے۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں ایک بابرکت شخصیت سید السالکین، سلطان التارکین، رئیس المناظرین، ملک المدرسین، مردِ حق آگاہ دھام نگر کے جاگیردار و بادشاہ، مناظرِ اہلِ سنّت، حامیِ اُمّت، دافع شیطنت حضور مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن عبّاسی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فی کل حین وآن ہیں۔''

حضرت مولانا رحمت علی مصباحی، کولکاتا

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ ریاست اُڑیسہ میں صوبائی پیمانے پر زمین داری میں بلند مقام رکھتے تھے، حتیٰ کہ آپ کو رئیس اعظم اڑیسہ کہا جاتا تھا بلکہ حقیقت میں آپ رئیس اعظم اڑیسہ تھے۔ دولت وثروت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ چاہتے تو اپنے عیش وآرام کے لیے عظیم

الشان بلڈنگ تعمیر کرا لیتے۔ آگے پیچھے گاڑیوں اور کاروں کی قطار رہتی۔ عیش و آرام کا سارا سامان مہیا رہتا۔ تن آسانی اور عشرت سامانی کے ساتھ شاہانہ زندگی گزارتے لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ بادشاہت میں فقیری اختیار فرمائی۔ نہ خورد و نوش میں کوئی ناز و نخرہ اور نہ بود و باش میں کوئی تکلف۔ سادہ لباس، سادہ زندگی، روز و شب قوم و ملت کی فلاح و بہبود کا غم حتیٰ کہ ان کا کھانا پینا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا اور کہیں آنا جانا سب دین اور علم دین کی اشاعت اور قوم و ملت کی خدمت و فلاح و بہبود کے واسطے ہوتا تھا۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی میں اپنے لیے کچھ بھی نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا سب خدا اور رسول عز و جل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی اور تقرب اور بندگانِ خدا کے دین و مذہب کی حفاظت و صیانت کے لیے کیا۔ باطل طاقتوں کی سرکوبی کے لیے اسلامی فوج بنام خاکسارانِ حق تیار کرنا آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ جگہ جگہ دینی مدارس کا قیام اور مساجد کی تعمیر، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے مناظرے کا انعقاد، عوام الناس کی اصلاح اعتقاد و عمل کے لیے دینی اجلاس کی ترتیب۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی اس قسم کے رفاہِ عامہ سے متعلق اُمور خیر کو محیط ہے۔ وفادارانِ مصطفیٰ کے لیے موم سے بھی زیادہ نرم اور دشمنانِ خدا و رسول کے لیے پتھر سے زیادہ سخت یعنی اشداء علی الکفّار و رحماء بینھم کے سچے آئینہ دار تھے۔

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، علی گڑھ

میں نے مجاہد ملت کی جوانی کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان کے بڑھاپے کے تیور بتا رہے ہیں کہ یہ شخص عزم و حوصلہ کے اعتبار سے ضعیفی میں بھی جوان ہے اور بزرگوں کے بیانات کی روشنی میں مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دی جائے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر مجاہد ملت جوانی میں بھی پیری کی دولت سے سرفراز تھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ضعف جسمانی اور پیرانہ سالی نے مولانا کی ملک گیر سرگرمیوں کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن

اہلِ حق کے بھی کہیں تیور بدلتے ہیں
بنا لیتا ہے موج کون دل سے اک چمن اپنا

وہ پابند قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے (وہ آج بھی قوم کے خیال سے غافل نہیں) وہ آج بھی حق پرستی کے رفیق اور دشمنانِ رسول کے لیے شمشیر برہنہ ہیں۔ انہیں کوڑے کی مار پسند ہے۔ لیکن ضمیر کا سودا کرنا گوارہ نہیں۔

(ان کے سینے میں غمِ حبیب سے لبریز دل دھڑک رہا ہے) وہ دل دھڑکتا رہے گا۔ دھڑکتا ہی رہے گا۔ (کیوں کہ جذبۂ عشق جاگ رہا ہے)

خیر اب جنوں سلامت ہے تو ان شاء اللہ دیوانے کو بھی نیند نہیں آئے گی، دیوانہ سو گیا تو فرزانوں کا کیا ہوگا!!!؟؟؟

پس نوشت: اہلِ محفل بڑے غور سے سن رہے تھے کہ اچانک کوئی خاموش ہو گیا داستاں کہتے کہتے اور زخموں کے پھول کھل اُٹھے۔ درد کی خوشبو ہواؤں کے بدن میں جا گی۔ صحن چمن میں ہر برگ گل پر اشکوں کے موتی بکھر گئے۔ ۱۳/ مارچ ۱۹۸۱ء بروز جمعہ شام پونے چھ بجے بمبئی اسپتال میں مجاہد ملت نے اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ اور اپنے وطن دھام نگر اڑیسہ میں مدفون ہوئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
غنچۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

سید شاہ محمد ابوالابرار قیام الدین حسینی

ہر دور میں غوث وقطب ومجدد ہوتے ہیں تو ہر دَور میں مجاہد بھی ہوتے ہیں۔ حضور مولٰینا شیخ طریقت عظیم المرتبت حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات وشخصیت کا اندازہ تو ان کے لقب سے ہی لگتا ہے۔ ہر کے بس کی بات نہیں کہ باطل کو باطل کہہ دے۔ کہے گا وہی جو دیوانۂ رسول ہوگا۔ جس میں ایمانی جذبہ ہوگا۔ کبھی بھی آپ نے نجدی امام کی اقتدا میں نماز نہ پڑھی۔ جماعت ہوتی رہی آپ ٹہلتے رہے۔ مخلصین کہتے بھی رہے کہ آپ جماعت میں شریک نہیں

ہوتے۔ تو اُس وقت یہاں ٹہلنا مناسب نہیں۔ جماعت ختم ہونے کے بعد تشریف لائیں تو بہتر ہے۔۔ آپ فرماتے لوگو! مسلمانوں کو کیسے معلوم ہوگا کہ نجدی امام کے پیچھے اس کے عقائدِ باطلہ کی وجہ کر نماز جائز نہیں۔ یہی شرعی حکم بتلانے کے لیے تو میں یہاں ٹہلتا رہتا ہوں۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اب سنّتِ بلالی و سنّتِ حنبلی انجام پانے کا وقت قریب آ چکا۔ جماعتِ باطلہ کے انکار کی وجہ کر آپ کو قید کر لیا گیا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں باندھی گئیں۔ قاضی القضاۃ باطلہ کے پاس حاضر کیا گیا۔ اس سے آپ کی طویل گفتگو ہوئی۔ لیکن وہ آپ کو کسی طرح بھی قائل نہ کر سکا اور آپ کو دھمکیاں دی گئیں۔ آپ کن سے باتیں کر رہے ہو چاہے تو قاضی تمہیں قتل کروا ڈالے۔ حضور مجاہد ملت کی ایمانی قوت سے بھرپور آواز گونج اُٹھی، جو پوری کائنات میں خوشبو کی صورت میں پھیل گئی۔

اے خوش نصیب کہ میں خدا کی اس پاک سرزمین اور دیارِ رسول میں شہید کیا جاؤں اور حجازِ مقدس کے ریگ زاروں میں میرا خون جذب ہو جائے۔ یہی تو میرا عین مقصود اور معراجِ زندگی ہے۔ واقعی سرکار مجاہدِ ملت کی ذات ایمان کی تازگی اس مقام پر سنّیت حسینی انجام پانے کو تڑپ رہی ہے۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے ہم سنیوں کو حضور مجاہد ملت جیسا عشق و ایمانی جذبہ و محبت رسول عطا فرمائے۔ سرکار حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے صدقے حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الحاج محمد نعمت اللہ حبیبی ایڈوکیٹ، اڑیسہ

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

افراد کی انفرادی پہچانیں جب اجتماعی شکل اختیار کرتی ہیں تو معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرے کی مجموعی ترقی فرد کی ترقی کا اظہار ہوتی ہے۔ افراد کی انفرادی ترقیاں

معاشرے کی ترقی کی وجہ بنتی ہے۔ غرض یہ کہ فرد جب معاشرے کا ایک جُز بنتا ہے تو اس پر معاشرتی ذمّے داریاں اس طرح عائد ہوجاتی ہیں کہ وہ ان سے انحراف کی ہمت نہیں کر پاتا ہے اور اگر کرتا ہے تو ننگِ معاشرت کہلاتا ہے۔ بعض افراد معاشرے کی مشین کا پرزہ ثابت ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ معاشرے کی ترقی میں حائل نہیں ہوتے بلکہ معاون ثابت ہوتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو معاشرے کی ترقی میں محض معاون نہیں ہوتے بلکہ ترقی کی راہوں پر پورے معاشرتی کارخانے کو لے جانے والے ہوتے ہیں۔ حضور مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذاتِ گرامی وہ رفیع الدّرجات ذات تھی جس نے معاشرے کی وسیع مشین کا پرزہ بننا گوارہ نہیں کیا بلکہ نوجوانی کے ایّام سے ہی معاشرے کی سربلندی اور ترقی کے لیے کوششوں کو اپنا مشن سمجھا۔

حضرت مولانا محمد مشتاق احمد، سالارِ کل ہند تحریک خاکسارانِ حق

۱۳۸۹ھ کی ایک سردرات کو غیر مسلم علاقے اترسویا الٰہ آباد میں مسجد اعظم جامعہ حبیبیہ کے ہال میں جوان، بوڑھوں اور نوجوانوں کا ایک مجمع لگا ہوا تھا لیکن اس مجمع کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر شخص با ادب سامنے بیٹھے ہوئے سفید ریش بزرگ کو تک رہا تھا۔ ان کی زبان سے نکلتے ہوئے الفاظ کو غور و توجہ سے سُن رہا تھا۔ معمولی سے لباس میں ملبوس اس بزرگ شخصیت کا عجیب رُعب و دبدبہ تھا۔ یوں تو مجھے بڑے رؤسا، آفیسر و وزیروں کے سیکریٹریٹ میں آفیسر کے دفتروں میں جانے کا اور ملاقات کا اتفاق ہوا لیکن وہاں پر طاقت کے خوف سے لوگ با ادب تھے لیکن یہاں پر تو عجیب منظر تھا کہ حضور مجاہد ملت شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ مسکرا کر ہر شخص کی گفتگو سماعت فرما رہے تھے اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر رہے تھے۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضور مجاہد ملت مجھ سے بھی گفتگو فرمالیں۔ حضرت مجاہد ملت ہر شخص سے باری باری پوچھتے جاتے تھے کہ کیسے تکلیف فرمائی آپ نے؟ میں حیران و پریشان تھا کہ نہ کوئی فوج ہے نہ کوئی پہرہ، نہ کوئی پولیس لیکن ادب کا عجیب عالم ہے کہ کوئی شخص بھی تیز گفتگو نہیں کر رہا ہے۔ میں صدیوں پیچھے چلا گیا اور ایسا احساس ہوا جیسے کسی

شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوں۔

بدرالدین بدر ایڈوکیٹ، کلکتہ

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی ذاتِ بابرکات بذاتِ خود ایک آئینۂ کائنات ہے جس میں ہر باشعور اپنی ذات کے عکس کا مطالعہ و مشاہدہ کرسکتا ہے۔ ان کی تعلیمات کا سرچشمہ وحدانیت کے بنیادی پہلو سے معمور، پیرویِ رسالت اور حبِّ غوث الاعظم سے لبریز تھی۔ ان کے پیغامات دنیا کے گوشے گوشے میں آفتاب کی روشنی کی طرح منور رہے اور ہیں اور جن کی تابناکی اور قوتِ حیات بخشنے والی صداقت آج بھی ایمان وایقان رکھنے والے دل و دماغ کی تاریکیوں کو منور کررہی ہے۔

ایک ایسے متّقی جس کی زندگی کا ہر لمحۂ عزیز یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق میں گزرا۔ ایک ایسے مجاہد جنھوں نے کبھی بھی حق کو باطل کے مقابلے میں پیش کرنے میں ذرّہ برابر بھی جھجک محسوس نہ کی۔ جس کے لیے انھیں کبھی تو قید و بند کی سختیاں تو کبھی باطل پرستوں کی جھڑکیاں اور مغلظات بھی سننی اور برداشت کرنی پڑیں لیکن کبھی پیشانی پر شکن نہیں پڑی۔ انھیں باطل پرستوں سے نہ کبھی خوف آیا اور نہ ہی حزن و ملال کا شائبہ ان کی روشن زندگی پر پڑا۔ ان کی زندگی اس آیت کریمہ: الآ انّ اولیآء اللہ لا خوفٌ علیهم ولاهم یحزنون۔ (سورۂ یونس، آیت ۶۵) کی زندہ مثال تھی اور بقول اقبالؔ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

تاریخِ انسانی کے مطالعہ سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ صلاحیتوں کے لافانی نقوش چھوڑنے والے لوگ زندہ جاوید بن جاتے ہیں لیکن یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگ نادر و نایاب حد تک قلیل ہیں۔ بقول اقبالؔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بے شک وشبہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت ایسی ہی تھی جن کو دیکھنے کے لیے مہر و ماہ کی آنکھیں ترستی ہیں۔ بقول اقبالؔ ؎

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

لافانی نقوش چھوڑنے والے کردار ایمان کی غیر معمولی قوت کی وجہ سے دنیا میں بصورتِ خورشید زندہ رہتے ہیں۔ انھیں آنی فانی تو لاحق ہو سکتی ہے لیکن کلّی فنا سے وہ ہمیشہ کے لیے مستغنی ہوتے ہیں۔ بقول اقبالؔ ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

حضور مجاہد ملت نے اپنی ساری زندگی ملّی ترقی کے لیے وقف کردی۔ ہندستان کے تاریک ترین گوشے میں خود شناسی کے چراغ روشن کیے۔ ان کے قدم مبارک جہاں بھی پڑے علم وعرفان کے ہزاروں چشمے پھوٹ پڑے۔

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد یونس نظامی، دائرہ شاہ اجمل، الہٰ آباد

عالمِ شریعت، مرشدِ طریقت، مقتدائے اہلِ سنّت، مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن قادری دھام نگری علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی ذات وصفات میں منفرد تھے۔ اڑیسہ کے رؤسا میں ممتاز وعظیم المرتبت تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں ڈنکنی بندوبست کے سلسلے میں ۴۹ ر ہزار روپے سالانہ کے مال گذار تھے۔ ہزاروں ایکڑ زمین کے مالک تھے۔ مگر ازل ہی سے انہوں نے مزاج درویشانہ وفقیرانہ پایا تھا۔

حضور مجاہد ملت نے ہندستان کے مختلف حصوں میں نہ جانے کتنے دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی، ان کو جاری کیا اور معتد بہ رقم اپنی جیب خاص سے مرحمت فرمائی۔ مختلف جگہ مسجد کے لیے زمین خرید کردی اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ متعدد غیر مسلم حضرت مجاہد ملت کی بزرگی سے متاثر ہوکر آپ کے دستِ حق پرست پر مشرّف بہ اسلام ہوئے، جن کی آپ نے پرورش

فرمائی اور ان کو دینی تعلیمات سے بہرہ ور فرمایا۔ یہاں تک کہ عالم بنا دیا۔ آج وہ درس گاہوں میں درس دے رہے ہیں۔ حضرت مجاہد ملت نے اپنے بعض شاگردوں کو حج کرایا، شادی کرائی، مکہ معظّمہ بھیج کر تعلیم دلائی۔ آپ اپنے طلبہ کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ ہمیشہ ان کی خبر گیری کرتے تھے اور مدد فرماتے رہے۔ مجاہد ملت انتہائی سخی اور مخیر تھے۔ حاجت مندوں کی ہمیشہ حاجت روائی فرماتے تھے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، مئی ۱۹۸۲ء)

پروفیسر اطہر علی فاروقی، سابق صدر شعبۂ اردو، الٰہ آباد یونیورسٹی

اسلاف اور بزرگانِ دین کی سوانح حیات اور ان کی سیرت کے درخشاں پہلو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن کر ان میں نہ صرف جرأت مندانہ رجحانات پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کی بے راہ روی کے لیے ایک عبرت اور سبقِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

اسی نظریے کے تحت میں ان چند سطروں میں مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی کی سیرت کے چند ایسے ہی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں جو ہمارے لیے ایک عبرت اور بصیرت ہیں اور ایک زبردست رہنما۔

اس ضمن میں کچھ تو آنکھوں دیکھی کچھ لکھی ہوئی کچھ اخباروں اور کچھ سنی سنائی باتوں کے سہارے بڑھنے کی کوشش کروں گا۔

آیئے سب سے پہلے آپ لکھی ہوئی خبروں کے ذریعے مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ سے متعارف ہوں۔

آج سے کوئی اناسی اسّی سال پیشتر اس دھرماتما نے صوبۂ اڑیسہ کے ضلع بالیسور میں واقع دھرم نگر یا دھام نگر میں ایک خوش حال زمیندار خاندان میں جنم لیا اور پوتڑوں کے رئیس جاگیردار کے گھر میں آنکھ کھولی۔ جس کے قبضے میں ہزاروں بیگھے زمین اور زر و مالِ کثیر رہا ہے ۔۔۔ابتدائی روایتی تعلیم کے بعد مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں عربی درسیات کی اعلیٰ تعلیم پا کر اسی دار العلوم میں تدریس کا کام سنبھالا۔ جسے بحسن وخوبی انجام دیا اور استاذ العلماء کا استحقاق پایا۔ آپ کی شہرت علمی حلقوں سے باہر عوام کے دائروں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ عوام ان پر

اعتماد کرتی تھی، ان کی حیات کی ہر سانس ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔

حضرت سیّد شاہ محمد خالد ابوالعلائی، خانقاہِ ابوالعلائیہ، پٹنہ

حضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمن قادری اڑیسوی رحمۃ اللہ علیہ عالمِ دین بھی تھے، مجاہد ملت بھی۔ ہزاروں کے پیر و مرشد بھی تھے اور سیکڑوں علما کے استاد بھی۔ عابد و زاہد بھی تھے اور پیکرِ اخلاص و مروّت بھی۔ ان کے گونا گوں اوصاف و محاسن کی فہرست سازی راقم کے بس سے باہر کی بات ہے۔ گویا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ البتہ میرا اعتقاد ہے کہ حضرت اُن مقبولانِ خدا میں تھے جو اپنے رب کے حضور ایک قلب سلیم اور قلب مطمئن لیکر حاضر ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی روحانی شخصیت آج بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک نشان ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو ایسی جامع اور باکمال شخصیت، قسمت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ نہ جانے قوم کتنے کٹھن مراحل اور آزمائش و امتحان سے گزرتی ہے تو کسی عظیم ہستی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی زندگی قوم کے لیے عظیم سرمایہ اور موت ناقابلِ تلافی نقصان ہے ؎

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ایسی جامع ذات جو گونا گوں صلاحیتوں کی حامل ہو، درحقیقت اس کی حیثیت ایک انجمن کی ہوتی ہے، جس کی طرف سبھی کشش محسوس کرتے ہیں ؎

بہت لگتا ہے جی محفل میں ان کی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

قاری محمد اسماعیل تبسم عزیزی مبارکپوری

دل شکستہ، خشک آنکھیں، روح تنہا، لب خموش
بستیوں میں دیکھتے ہیں صورت ویرانہ ہم

مجاہد ملت نے اپنے علمی و عملی کارناموں سے دنیائے سنیت کو اتنا کچھ دیا کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ راہِ خدمات میں آپ کو ایک اعلیٰ اور منفرد مقام حاصل ہوا۔

آپ کی خداداد صلاحیت خلوص و ایثار اور تبلیغی جذبے نے دنیائے سنّیت کو خوب خوب

توانائی بخشی، جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی زبوں حالی، کردار کی ابتری اور دلوں کو جذبۂ للّٰہیت سے خالی دیکھ کر آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک ایسی اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی جائے جس سے دنیائے سنّیت میں سدھار پیدا ہو۔ چنانچہ ''تحریک خاکسارانِ حق'' کی بنا ڈالی اور آپ نے اس کی تربیت اور اشاعت میں پوری دل چسپی لی۔ جس کے نتیجے میں چند سالوں کے اندر ملک کے مختلف شہروں میں اس تحریک کے ممبران نظر آنے لگے۔ جن کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی یہ کسی مردِ مجاہد اور مردِ حق شناس کے تربیت یافتہ ہیں۔

یہ زمانہ دنیائے اسلام کے لیے بڑا ہی پُر آشوب ہے۔ کفّار و مشرکین کی عیاریوں سے بڑھ کر دیوبندیت و ہابیت کی مکارانہ روش اور شاطرانہ چال گلشنِ اسلام کو پامال کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ جس کا شکار علمِ دین کے جانکاروں کے علاوہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خاص طور سے خوش عقیدہ اور سادہ لوح مسلمان ان کی زد میں آتے جا رہے ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، حافظِ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارک پوری رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی طرح حضور مجاہد ملت نے بھی خاص طور پر اس طرف توجہ کی اور گمرہی بدعقیدگی کے خلاف قلمی، علمی اور عملی جہاد آخر دَم تک کرتے رہے۔

حضرت مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد ابوالعلائی

عاشقِ رسول حضور مجاہد ملت شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب قادری اڑیسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصالِ پُر ملال سے جہاں ان کے بے شمار عقیدت مندوں کو تکلیف پہنچی ہے وہیں اس فقیر کے دل پر بھی کافی گہرا اثر پڑا ہے۔ وصال کی خبر ملتے ہی سینے میں طوفان جاگ اٹھا، آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور دیرینہ تعلقات و مراسم کا ایک ایک منظر نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔ کرب و اندوہ کا یہ جذبہ، وقتی نہیں ثابت ہوا بلکہ آج بھی مجاہد ملت کی جیسے ہی یاد آتی ہے قلب و جگر بے چین ہو کر رہ جاتا ہے۔

مجاہدِ ملت ؒ حضور صدر الشریعہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضور صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی نہ صرف قیمتی یادگار تھے، بلکہ نمونۂ اسلاف اور ملتِ اسلامیہ کے روحانی پیشوا بھی

تھے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ رشد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح میں صرف کیا۔ آپ اسلام کے ایک بے خوف سپاہی تھے۔ کسی بھی محاذ پر گھبراتے نہیں دیکھا گیا۔ اپنے معاصرین میں مجاہد ملت کا مجاہدانہ کردار غالباً سب پر بھاری تھا جو نوجوانانِ ملت کو شیروں کی طرح جینے کا درس دیتا رہا اور ناموسِ رسالت کا پرچم بلند کرنے کا حوصلہ عطا کرتا رہا۔

مسند تدریس سے ہٹنے اور علماء کا ایک معیاری قافلہ تیار کرنے کے بعد آپ کردار و عمل کے دوسرے فرائض کی طرف خصوصیت کے ساتھ منہمک ہوئے۔ اور آخر دم تک سرگرم عمل رہے۔ خصوصاً ایک مناظر کی حیثیت سے آپ نے امتیازی شان حاصل کی۔ فتنہ پرور جماعتیں آپ کے نام پر کانپتی رہیں۔ کوئی بھی سُنّی فرد کہیں بھی کسی بدعقیدہ سے مناظرہ طے کرتا، مجاہد ملت اس مناظرے میں ضرور شرکت فرماتے۔ زندگی بھر مناظروں میں شریک ہوتے رہے اور اپنے علم وفن کی بنیاد پر اہلِ فتن کی دھجّیاں بکھیرتے رہے۔

ڈاکٹر ایس ایم ہاشمی، شعبۂ اردو، ہگلی

حضور مجاہد ملت کو ان کی حیاتِ ظاہری میں دیکھنے کی سعادت مجھے حاصل نہیں ہوئی اس لیے کہ میں ان دنوں ہائی اسکول کا طالب علم تھا اور اتفاق سے اپنے علاقے کے کسی ایسے پروگرام میں بھی جانے سے معذور رہا جس میں ان کی تشریف آوری یقینی تھی۔ بہر حال شعور کی پختگی تک آتے آتے مجھے اس بات کا ملال ضرور ہوا کہ میں اپنے عہد کی ایک عبقری شخصیت کی بارگاہ میں باریابی کے شرف سے محروم رہا۔

پندرہ روزہ نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ایک دوست کے توسط سے ملا تو ان کی حیات کے ان گوشوں کے تعلق سے بھی جاننے کا موقع ملا جن سے اب تک میں ناواقف تھا۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ایک شخص میں اللہ تعالیٰ نے کتنی خوبیاں ایک ساتھ جمع کر دی ہیں۔ قدم قدم پر پیرویِ سنّت کے علاوہ مختلف محاذوں پر قوم کی رہنمائی کے لیے سرگرم عمل رہنا اپنے آپ میں ایک کرامت ہے۔ جو ان کی ولایت پر دال ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکار مجاہد ملت کے فیوض سے ملتِ اسلامیہ کو سرفراز فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد ہمایوں جمیل خاں، شعبۂ اردو مولانا آزاد کالج

میرے بچپنے میں کلکتہ کی تقریباً ہر بڑی دینی مجلس کے اشتہار میں ایک نام مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن کا ضرور رہا کرتا تھا۔ دن بھر کی تعلیمی مصروفیات کی تکان مجھے ایسی کسی مجلس میں جانے سے روک دیتی تھی۔ مگر محض مجاہد ملت کو دیکھنے کی خواہش مجھے کھینچتے ہوئے جلسہ گاہ تک لے گئی۔ ان کی نورانی صورت، ان کا سادہ لباس، ان کی عالمانہ گفتگو اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں نے پہلی نظر میں ان کا شیدائی بنا ڈالا۔ پچیس سال پہلے ان کے انتقال سے پہلے جو خلا پیدا ہوا، وہ آج تک پُر نہیں ہو سکا۔

خدا مجھے اور ان کے تمام چاہنے والوں کو ان کی حیات کے مشن کو آگے بڑھاتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد صمید الدین، مائناریٹی کمیشن، حکومت مغربی بنگال

خوش عقیدہ مسلمانوں کی بستی جگتدل (چوبیس پرگنہ) وہ جگہ ہے جہاں میں نے شعور کی آنکھیں کھولیں، نتیجتاً صف اوّل کے علما اور مشائخ سے دید وشنید کی سعادت مجھے حاصل رہی۔ دیکھا سُنا۔ ایک آدھ بات یاد رہ گئی تو رہ گئی مگر سرکار مجاہد ملت کی ذات نے جو نقش قائم کیا، وہ ان کی حیاتِ ظاہری سے رخصت کے ستائیس سال بعد بھی نہ صرف قائم ہے بلکہ مزید مستحکم ہو گیا ہے۔ کم از کم مجھے اپنی زندگی میں ایسی جامع کمالات کسی دوسری ہستی کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ شعلہ بار مقرر نہیں تھے۔ گفتگو کے انداز میں تقریر کرتے تھے مگر دلوں میں شعلے بھڑکا دیتے تھے۔ چال ڈھال ایسی سادہ کہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ظاہری اور باطنی دولتوں سے مالا مال ہیں۔ تواضع اور انکساری کی خوبیاں ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ خدمت خلق کا جذبہ ان کی ذات میں سمندر کی طرح موج زن تھا اور ملّی سر بلندی ان کا وہ خواب تھی جس کی تعبیر ان کی زندگی کا ماحصل تھی۔

پروفیسر سید شاہ مرہون الارشاد القادری، خانقاہ شریف قادریہ عالیہ، کولکاتہ

آج کے اس پُر آشوب دَور میں حضرت مجاہد ملت شاہ محمد حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ جیسی

شخصیت کے حالاتِ زندگی، ان کا کردار، ان کے ارشادات اور ان کے اصولوں کو منظر عام پر لانا بے حد ضروری ہے، جو عوام کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان سے مسلمانانِ ہند کو آج کل کے زمانے میں بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مجاہد ملت صرف ایک عالمِ دین و صوفی ہی نہیں تھے، بلکہ قدرت کی طرف سے علم کی دولت کے ساتھ ساتھ عمل کی دولت سے بھی خوب نوازے گئے تھے۔ انکساری، مہمان نوازی، فیاضی، خوش مزاجی، صبر و تحمل، تقویٰ، عزمِ محکم جیسے اوصاف سے متصف تھے۔ عشقِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں سرشار تو محبت غوثِ پاک میں بے چین و بے قرار رہتے تھے۔ آپ حق پر ایسے بے باک رہے کہ اظہارِ حق میں کبھی مصلحت اندیشی سے کام نہیں لیا۔ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلے بلند اخلاق و پاکیزہ صفات تھے۔

ڈاکٹر انجم کمالی پوکھریروی، صدر شعبۂ اردو، بوچچی کالج، مظفر پور

پوکھریرا شمالی بہار کا علمی، مذہبی اور ترقی یافتہ گاؤں ہے۔ شمالی بہار میں مذہب پرستی، مسلک نوازی اور خوش عقیدگی کا جہاں بھی چراغ روشن ہے اس میں پوکھریرا کا تیل جل رہا ہے۔ مذہب و مسلک سے وفاداری پوکھریرا کی مٹی میں شامل ہے۔ علم اور علما سے دوستی پوکھریرا کا امتیازی وصف رہا ہے۔ اس کے روشن شواہد تاریخ میں موجود ہیں۔ ہندستان کے تاریخی شہروں میں جس شہر سے پوکھریرا کا رشتہ سب سے مضبوط، مستحکم اور پائیدار رہا وہ بریلی شریف ہے۔ شمالی بہار میں فکرِ رضا کے فروغ میں پوکھریرا کے قائدانہ رول سے کوئی بھی ذی علم، ذی فہم اور ذی شعور شخص انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علما کی ایک بڑی جماعت پوکھریرا کو ثانی بریلی کے لقب سے یاد کرتی رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علاوہ جماعت اہلسنّت میں جن تاریخی اور مرکزی شخصیات کے تذکرے ملتے ہیں پوکھریرا کو ان تمام شخصیات کے قدموں کی برکتیں حاصل ہیں۔ انہی تاریخی شخصیات میں ایک نمایاں نام حضرت مجاہد ملت کا بھی ہے۔

حضرت مجاہد ملت کثیر الاوصاف شخصیت کے مالک تھے۔ دین کے غم میں آپ کی پلکیں ہر وقت اشکوں سے بھیگی رہا کرتی تھیں۔ اڑیسہ کے امیر ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا

تھا لیکن آپ نے امارت پہ فقیری کی چادر ڈال دی تھی۔ دینی قدروں کے فروغ میں آپ نے اپنی دولت کا جس انداز میں استعمال کیا ہے، اسے دیکھ کر حضرت عثمان غنی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ کے ہر عمل سے جہاد کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ آپ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں جس جرأت و بے باکی کا ثبوت دیا ہے جماعت اہلسنّت میں اب تک اس کی کوئی دوسری مثال سامنے نہ آسکی۔ فقیری کی دہلیز پہ سلامی کے لیے شاہی ننگے قدم حاضر ہوتی رہی ہے۔ یہ کتابوں میں پڑھتا رہا ہوں۔ لیکن حضرت مجاہد ملت کی بارگاہ میں اس کی عملی تصویر دیکھی ہے۔ ان کی زیارت سے نگاہیں بار بار شاد کام ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں بار ہا نعتیہ کلام سنانے کے بھی پر مسرت مواقع ملے ہیں اور ان کی بابرکت صحبت میں بیٹھنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے کے بعد اٹھنے کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ ان کے روئے زیبا پہ ایک خدائی نور ہر وقت رقصاں رہا کرتا تھا۔ اس نور کو دیکھ کر باطل مرعوب ہوتا تھا۔ اور اہلِ ایمان اس نور میں اپنی فیروز مندی تلاش کرتے تھے۔ جہاں جلوہ افروز ہوتے اہلِ عقیدت و محبت کی بھیڑ لگ جاتی۔ آنے والا ہر شخص سائل بن کر آتا لیکن آپ کسی کے چہرے پہ مایوسی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ان کی مسیحائی سے کتنے ویرانے آباد ہو گئے۔ خدا نے ان کی ذات میں مسیحائی کی قوت رکھ دی تھی۔ آپ ہر اعتبار سے مسیحائے قوم و ملت تھے۔ طبیبِ حاذق تھے اور عاشقِ صادق تھے۔ آپ جب تک حیاتِ ظاہری میں رہے قوم آپ سے مستفیض ہوتی رہی اور آج بظاہر ہم میں نہیں ہیں پھر بھی ہماری دستگیری فرما رہے ہیں۔

آپ کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ اب تک پُر نہیں ہوسکا ہے۔ دعا ہے کہ خدائے پاک پھر ہم میں کوئی مجاہد ملت پیدا فرما دے۔ آمین

حضر مولانا کوثر امام قادری

امام التارکین سلطان المناظرین حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان، ان نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے اپنے سیرت، کردار، فکر و نظر، علم و عمل کے ذریعے ایک دنیا کو متاثر کیا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے محاسن

سے آراستہ فرمایا تھا۔ بہت ساری خوبی وکمالات کے آپ جامع تھے۔

آپ نے گوناگوں مصروفیات کی بنا پر باقاعدہ قلمی دنیا کی طرف توجہ مبذول نہیں فرمائی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ قدرت نے انھیں قلمی توانائی سے نہیں نوازا تھا، بلکہ تصنیف و تالیف کی بھرپور اہلیت موجود تھی۔ علمی استحضار کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مصنف کے لیے جتنی صلاحیتیں مطلوب ہیں وہ سب آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ شہادت کے لیے وہ تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں جو موقع بموقع آپ نے سپردِ قرطاس فرمائی ہیں۔ میری معلومات کے مطابق آپ کا تحریری سرمایہ مضامین، مکتوبات، سوالوں کے جوابات، بعض کتب پر تقریظات کی شکل میں آج بھی منتشر ہیں۔ سب کو یکجا کر دیا جائے تو ایک طرف ان گراں قدر علمی نوادر سے نئی نسل مستفیض ہوگی، تو دوسری طرف آپ کی یہ صفت خفیہ بھی نہ صرف یہ کہ آشکار ہوگی بلکہ ایک بطل جلیل، مجاہد عظیم کی علمی یادگار ضائع ہونے سے محفوظ رہ جائے گی۔

حضرت مولانا انور علی رضوی، جامعہ حنفیہ بنارس

مجاہد ملت..... جن کی ساری عمر شریعت مطہرہ کا علم پھیلاتے اور طریقت وحقیقت کی راہ بتاتے گذری ان کی فکر ونظر کی اصابت، علم وفن کی انفرادیت، شریعت وطریقت التزام اور دین وسنّیت کے فروغ وارتقا کے لیے ان کے دل کا اخلاص عرب وعجم نے تسلیم کرلیا ہے۔ اس کام کے لیے اہلِ عقیدت اور مخلص علما و اہلِ زبان وقلم کو آگے آنا ہوگا۔ انہوں نے دین و شریعت کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ہمیں ان کے لیے تھوڑا وقت قربان کرنا ہوگا۔ ہماری طرف سے ان کی بارگاہ میں یہی سب سے اہم خراجِ عقیدت ہے۔

مجاہد ملت..... اپنے وقت کے بادشاہِ طریقت اور رہنمائے شریعت تھے۔

مجاہد ملت..... جہاں علم وفضل کے تاجدار تھے، وہیں یکتائے روزگار بھی تھے۔ خطیب باوقار بھی تھے۔

مجاہد ملت..... علم ظاہر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور علمِ باطن کا کوہِ گراں تھے۔ کشورِ علم کے شہنشاہ اور اقلیم روحانیت کے تاجدار تھے۔ مجاہد ملت دارالافتاء میں بیٹھتے تو نائب امام اعظم نظر آتے۔

اُلجھے ہوئے مسئلے کو سلجھاتے تو شانِ غزالی نظر آتے اور بزم رُشد و ہدایت میں بیٹھ جاتے تو مظہر غوث الاعظم نظر آتے۔ مجاہد ملت کے آج بھی اگر عملی و علمی عکسِ جمیل کو دیکھنا ہو تو شمس العلماء حضرت علامہ نظام الدین صاحب قبلہ کو دیکھو۔ ان میں حضور مجاہد ملت کے جلوے نظر آئیں گے۔

مجاہد ملت ..... جس نے عروسِ گیتی کی برہم زلفوں کو سنوارا تھا۔ جس نے زندگی کو بھی چلنے کا سلیقہ سکھایا تھا۔ جس نے حیات کو بھی لذتِ حیات سے آشنا کیا تھا۔ مجاہد ملت جس نے شعور کا اُجالا عطا کیا تھا۔ مجاہد ملت جن کے مردانہ عزائم نے ملّت فروشی کی مجرمانہ ذہنیت کو برافگندہ نقاب کر دیا تھا۔

مجاہد ملت ..... وقت کا ایسا مفکر، ایسا صاحبِ زہد و ورع جس کی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں ہوئی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا، سننے والوں نے سنا کہ جب آپ کے درِ دولت پر کوئی مفلس، کوئی بے کس و مجبور آ جاتا تو اس کو اپنے در سے خالی نہیں پھیرتے۔ وہ اپنے دامنِ مراد کو گوہرِ مراد سے پُر کر کے واپس جاتا۔

مجاہد ملت ..... اس صاحبِ جود و عطا کا نام ہے جس نے خُم کا خُم لُنڈھایا تھا۔ جام پر جام پیش کیے تھے۔ جس نے قطرہ مانگا تھا، اسے دریا بخش دیا تھا۔ جس نے درد تہہ جام کی آرزو کی تھی، وہ بھی آپ کی کرم گستری سے میکدہ بردوش ہو گیا تھا۔ مجاہد ملّت جس کو دنیا رئیس اڑیسہ کے نام سے جانتی ہے لیکن اس نے دولت کو لات مار کر فقیری اختیار کر لی تھی اور مال و زر کو انفاق فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آج بھی خاکسارانِ حق اس بات کی شاہد ہے۔

(نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۴۴)

حضرت مولانا نظام انور، شیب پورہ، ہوڑہ

آپ کی فطرت میں سادگی، خوردنوازی، انکسار و تواضع اور فروتنی کے جوہر نمایاں تھے۔ سادگی کا ایک عینی شاہد راقم الحروف بھی ہے۔ حضور مجاہد ملت آل انڈیا تبلیغ سیرت کے اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے سرزمین چاپدانی ضلع ہگلی تشریف لائے۔ مکتبہ اہلِ سنّت و جماعت اور انجمن انصار الاسلام کے ذمہ داران اور عہدہ داران نے اس موقع سے فائدہ

اٹھایا، بطور تعارف اپنی دینی خدمات سے آگاہ کرنے اور حصولِ برکت کے لیے آپ کو مدعو کیا۔ مجاہد ملت فوراً آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کدھر چلنا ہے؟ لوگوں نے سمت و فاصلے بتائے۔ آپ پا پیادہ ہی جانب منزل روانہ ہو گئے۔ لوگوں نے سواری کے لیے اصرار کیا لیکن آپ نے سختی سے روک دیا۔ انجمن انصار الاسلام و مکتبہ اہلِ سنّت و جماعت کا تفصیلی جائزہ لیا۔ اراکین کو مشورے دیئے اور خوش ہو کر دعاؤں سے نوازا۔ ان ہی نمایاں خصوصیات کی وجہ سے عوام و خواص کے دونوں طبقوں میں آپ کو یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

حضرت مولانا محمد سعید جیلانی کانپوری

اسلاف کی یادگار وہ عظیم ہستی جس کو دیکھ کر صدیوں پہلے کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، تقویٰ، پرہیزگاری کا سنگم، عزم اور استقلال کا پہاڑ، انسانیت کا درد رکھنے والا، مردِ مجاہد، منافقین و مرتدین کے لیے کھلی ہوئی شمشیر، مناظروں کے اسٹیج پر ایک عظیم الشان مناظر اور پاسبانِ دین و ملت جن کی گھن گرج سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رہن سہن اور گھریلو سادگی میں جواب نہیں، کسی نے خوب کہا ہے ؎

سادگی ایسی ہو جس پر آرائش نثار
لوٹتا ہے جس پر دل پروانہ وار

وہ چلے گئے اور لاکھوں عقیدت مندوں کو اپنی یادگار ہزاروں اسٹیج دے گئے۔ آج بظاہر مجاہد ملت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی یادوں کے چراغ لاکھوں انسانوں کے قلوب میں جل رہے ہیں۔

عرب و عجم میں ان کی یاد اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنا گھر بنائے ہوئے ہے۔ مدینہ منورہ جو دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے ایمان کے دلوں کی دھڑکن ہے، وہاں بھی حضرت مجاہد ملت کی یادوں کے چراغ روشن ہیں۔

حضرت مولانا محمد شمیم الزماں قادری، ہوڑہ

حضور مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ انتہائی خلیق و

منکسر المزاج تھے۔ آپ کبھی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے۔ لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈتے تھے۔ آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمے سے آلودہ نہ ہوئی، ہمیشہ بردباری اور درگذر سے کام لیتے۔ آپ فرزندانِ اسلام کو انتہائی محبت سے دیکھتے تھے۔ اندازِ گفتگو میں اس قدر شیرینی اور جاذبیت نمایاں تھی کہ جو بھی آپ سے ملتا آپ کا گرویدہ بن جاتا اور یہ صفت آپ کی ذاتِ عالی میں اس لیے ممتاز دکھائی دیتی تھی کہ آپ العلماء ورثۃ الانبیاء کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب صادق اور سچے وارث تھے۔ آپ کی حیاتِ پاک کے ہر ہر شعبے میں اطاعتِ حق، حسن کردار اور خلق عظیم کی جھلکیاں موجود تھی۔ آپ کا مرتبہ باعتبار اخلاق کتنا بلند تھا اور اخلاقی دنیا میں آپ کن بلندیوں پر فائز تھے، احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ آپ کی بارگاہ میں ہر انسان کے دُکھ درد کی امداد ہوتی تھی اور آپ کی بارگاہ سے لوگ فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ مہمان نوازی اور غربا پروری میں ایک خاص مسرّت وشادمانی محسوس کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رضوی، سابق استاذ دارالعلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سے سب سے پہلے میری ملاقات قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی، جب میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا اور عرسِ امجدی میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ اس موقع پر حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے تھے۔ بات سچ تو یہ ہے کہ آپ تو مشہور ہیں مجاہد ملت سے لیکن نہ آپ کا لباس مجاہدانہ تھا، نہ رفتار مجاہدانہ۔ کیوں کہ حضرت جب حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف بہارِ شریعت کے مزار پُر انوار پر حاضری دینے کے لیے تشریف لا رہے تھے تو نہ لباس بتا رہا تھا کہ حضور مجاہد ملت آ رہے ہیں اور نہ رفتار بتا رہی تھی کہ مجاہد ملت تشریف لا رہے ہیں۔ ہاں، جن لوگوں نے پہلے زیارت کی تھی اور جن جن آنکھوں نے انھیں دیکھا تھا ان لوگوں کا قدم جلد جلد اس طرف بڑھنے لگا، جس طرف سے ایک سادہ لباس میں ملبوس فقیر صفت شخصیت جلد جلد مزارِ اقدس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میرے ہمراہ چند طلبہ تھے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو، ان

لوگوں کا قدم کدھر اُٹھ رہا ہے۔ معلوم کرو۔ آگے بڑھ کر کسی نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سامنے کچھ دوری پر حضور مجاہد ملت تشریف لا رہے ہیں۔ ہم لوگ بھی آگے بڑھے۔ اس بھیڑ میں دیکھا کہ چند علماء ہیں اور لوگ ہر ایک سے مل رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے بھی ملاقات کی۔ دست بوسی بھی کی مگر سچ پوچھیے تو اس وقت ہم لوگوں کو صحیح پتہ نہ چل سکا کہ ان میں کون حضور مجاہد ملت صاحب ہیں۔ جب چند لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ان میں جو بالکل سادہ لباس میں ملبوس ہیں، وہی حضور مجاہد ملت ہیں۔ اللہ اللہ۔ وقت کا مجاہد اور یہ تواضع اور انکساری۔ زمانے کا رئیس اور ادنیٰ لباس میں ملبوس۔ سنا ہے کہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے دولت کدے پر غرباء، مساکین، یتامیٰ، فقرا کی بھیڑ رہتی تھی اور نہ جانے کیسے کیسے حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ ان کا یہ حال کہ جسم پر سادہ کپڑا ہے۔

جہاں یہ عاجزی ہے، وہیں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ہے۔ حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سادہ اور صاف لباس ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو ہمیشہ لباسِ فاخرہ میں ملبوس رہتے ہیں اور ان کے پڑوس میں ایک غریب ادنیٰ لباس کے لیے بھی ترس رہا ہے۔ خدا نے جن حضرات کو اپنی نعمت و کرامات سے نوازا ہے، ان کو چاہیے کہ حضور مجاہد ملت کی اس پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی سے سبق حاصل کریں اور غیروں کے لیے مشعلِ راہ بنے۔

حضرت مولانا محمد مصعب خان گونڈوی

قوموں کی اصلاح کے لیے ہمارے جن اسلاف نے اپنے خونِ جگر سے شجر اسلام کی آبیاری کی، مجاہد ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمٰن ان میں سے ایک تھے۔ مجاہد ملت نے اپنی انتھک کوششوں سے قوم کی ڈوبتی کشتی کو بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے بچانے میں جو اہم رول ادا کیا، قید و بند کی صعوبتیں مختلف جیلوں میں برداشت کی ہیں، وہ اظہر من الشّمس ہیں۔

آپ بہت بڑے رئیس و جاگیردار تھے۔ ہزاروں ایکڑ پھیلی ہوئی آراضی کے مالک تھے۔ بہترین قلعے کے مالک ہوتے ہوئے آپ نے اپنے لیے چھپر ڈال رکھی تھی۔ یہی آپ کی رہائش گاہ تھی۔ انداز رہن سہن اور آپ کا لباس یہ سب فقیرانہ تھا۔ کیوں کہ آپ کی نظر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پاک تھی۔ ''لوگوں کے نزدیک فقر و ناداری عیب ہے مگر روزِ قیامت اللہ کے یہاں زینت و آرائش ہے۔''

(نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۲۵)

حضرت مولانا محمد ماہر سلطان پوری

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی پر وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی زبوں حالی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، خواہ سیاسی ہو یا سماجی، سماجی اصلاح کے لیے مال و متاع کی پرواہ نہ کی۔ سیاسی مرحلے پر حق گوئی اور بے باکی کا بے پناہ مظاہرہ کیا۔ نو وارد سیاسی رہنماؤں کی تو بات ہی اور تھی۔ آپ ضرورت کے مطابق ہندستان کے سیاسی رہنماؤں کا رہنما ایک قوم کے پتا اور مہاتما کے لقب سے پکارے جانے والے جناب گاندھی پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آئے۔

آپ نے ایک بار ہماری جامع مسجد میں امامت سے پہلے تقریر فرمائی اور دعا میں تاخیر کے سبب کو ملاحظہ فرمایا۔ ہماری مسجد کا یہ پرانا دستور رہا ہے کہ سلام کے بعد جمعہ کو مسجد کی صفوں میں چندہ وصول کیا جاتا ہے، جس سے امام و مؤذن کے علاوہ مسجد کے جملہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے فوراً سمجھ لیا اور فوراً اپنی جیب خاص سے ایک سو ایک روپے مرحمت فرما کر یہ نصیحت کی کہ سلام کے بعد دعا میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے اور نہ کسی قسم کی رخنہ اندازی جائز ہے۔ چونکہ آپ مجبوراً یہ فعل کرتے ہیں، پھر بھی میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک پیر کا اوروں کے بالکل برعکس عمل تھا، جس سے میں کافی متاثر ہوا۔

دوسری بات جس سے میں آج متاثر ہوں وہ یہ تھی کہ جمعہ سے پہلے آپ نے ایک پُر اثر تقریر کی تھی، جس میں مسلمانوں کو تلقین کی تھی کہ خبردار حکومت آپ کو طرح طرح کے اقدامات سے مشتعل کرنے کی کوشش کرے گی، پھر اپنی پولیس کے ذریعے سزائیں دے گی۔

آج جب ان کی تقریر پر غور کرتا ہوں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ موصوف کی نظر کتنی وسیع تھی۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہانتِ رسول کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے۔ قرآنِ مقدس پر

مقدمہ، شریعت مطہرہ پر سپریم کورٹ کا نازیبا حملہ اور حکومت سب کچھ دیکھتے ہوئے خاموش ہے۔ آخر کیوں؟ جب اس کیوں پر غور کرتا ہوں تو حضور مجاہد ملت کی نصیحت یاد آجاتی ہے۔ آج قیادت وسیادت کی کمی شدّت سے محسوس کی جارہی ہے۔ کاش کہ ایسے حالات میں حضور مجاہد ملت ہمارے درمیان ہوتے۔

حضرت مولانا احسان الحق رضوی، خطیب وامام انوار القرآن مسجد، گونڈی، ممبئ

دنیا ایک سرائے خانہ ہے۔ لوگ آتے ہیں۔ تھوڑے دن قیام کرتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے چلے جاتے ہیں۔ جو جاتے ہیں کبھی واپس نہیں آتے لیکن آنے اور جانے والوں میں ہمیشہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کی بنیاد پر انسانی دنیا انھیں بہت دنوں تک یاد رکھتی ہے۔ اور جب بھی انسانی آبادی فساد کا شکار ہوتی ہے تو ان کے وہ چھوڑے ہوئے نقوش خیر وفلاح اور اصلاحِ فکر وخیال کی ضمانت بن جاتے ہیں۔ حضور مجاہد ملت کا شمار ایسے ہی افراد میں ہوتا ہے۔ آپ کی حیات کے ہر نقش میں انسانی فلاح کا راز پنہاں ہے۔ آپ کی حیات کے بہت سارے گوشے اب بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ آپ کی شخصیت پہ کام ہوئے ہیں اور ماشاء اللہ ہو بھی رہے ہیں مگر کام کرنے والے اپنی فہم وفراست کی روشنی میں کام کررہے ہیں۔ ان کی دینی، ملّی، علمی اور سیاسی فراست تک بہت کم لوگوں کی اب تک رسائی ہوسکی ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ داناؤں میں بھی ممتاز تھے۔ دیوانوں میں بھی ممتاز تھے۔ فرزانوں میں بھی ممتاز تھے۔ بلکہ فضل وکمال کے جتنے ابواب متعین ہیں، ہر باب میں ان کی امتیازی شان دور سے دکھائی دیتی ہے۔ وہ فقیر صفت انسان تھے لیکن ان کی فقیری کی دہلیز پر بادشاہتیں سر پٹکتی تھیں۔ ان کا قیام جھونپڑی میں ہوتا تھا مگر ان کی جھوپڑی پہ محلّات کی ساری رونقیں قربان تھیں۔ ان کی نگاہوں میں یہ اسلامی فلسفہ پورے طور پر محفوظ تھا کہ دین محلوں سے نہیں پھیلا ہے بلکہ جھونپڑی سے پھیلا ہے۔ مسجد نبوی کی کچی زمین سے پھیلا ہے۔ اور خاک نشین صحابہ کی جماعت سے پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تاحیات جھونپڑی میں قیام کرتے رہے اور بوریے پر سوتے رہے۔ جس ٹوٹی اور بوسیدہ چٹائی پر وہ

سوتے تھے اس چٹائی کے ہر تار سے دینی درد کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ باتیں بہت ہیں لیکن کاغذ کی وسعت بہت کم ہے۔ان کی ہر ادا کرامت تھی۔ ربّ کریم سے دُعا ہے کہ ان کے جیسا پھر ہم میں کوئی باکرامت پیدا فرمادے تاکہ آج جو فکری آوارگی کا طوفان تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اس پہ روک لگ جائے۔ اور ہر سمت مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نور پھیل جائے۔ انہوں نے اپنے قول و فعل سے یہی پیغام دیا ہے کہ ؂

صلیب و دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ　　جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے
صلیب و دار سہی دشت و کوہسار سہی　　جہاں بھی تم نے پکارا ہے جاں نثار چلے
سنی جو بانگِ جرس تو بقتل گاہ جفا　　کفن بدوش اسیرانِ زلف یار چلے

محمد زبیر قادری، مدیر اعلیٰ افکارِ رضا، ممبئی

حضور مجاہد ملت کا شمار ماضی قریب کی باوقار شخصیات اور عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے۔آپ کے کارہائے نمایاں پڑھ کر، سن کر جذبات میں تلاطم برپا ہوجاتا ہے کہ ایسی ہستی بھی اپنے خاکستر میں تھی۔ وہ شخص واقعی عظمت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگا جو دنیا کی بے شمار دولت رکھتے ہوئے بھی دولتِ دنیا کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی گذارے اور اپنا تن، من، دھن مذہب و مسلک کی ترویج واشاعت میں لگادے۔آج ایسی ہستیاں دوردور تک کہیں نظر نہیں آتیں۔

آپ کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ہندستان کے دگرگوں سیاسی حالات میں حالاتِ حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانانِ ہند کی ہر طرح سے خیرخواہی کرنا تھا۔جس کی ضرورت اُس وقت بھی تھی اور آج تو شدید ضرورت ہے۔آج کے دور کا المیہ یہ ہے کہ قوم وملت کا درد رکھنے والے بہت سے علما سیاست میں چلے تو جاتے ہیں، مگر وہاں جا کر بِک جاتے ہیں یا کچھ کام کے نہیں رہتے۔لیکن حضور مجاہد ملت نے قوم مسلم کے رہبر و رہنما کا بھرپور کردار ادا کیا، مگر کسی عہدے یا منصب کی خواہش نہ کی۔۔۔بس ہمہ تن دین ومسلک اور قوم وملت کی خدمت میں لگے رہے۔ ہر طرح کی صعوبتیں سہیں، جیل گئے، مگر حکومت وقت سے مطالبات منوانا نہ چھوڑا۔آپ کی پوری حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ کاش کہ ہماری جماعت

میں ایسے دو چار مجاہد ملت پیدا ہو جائیں، تو ہم مسلمانانِ اہلِ سنّت کے حالات بہتر ہو جائیں۔

گلزار ملت حضرت سید شاہ گلزار اسماعیل واسطی، مسولی شریف

مجاہد ملت کا تعارف بہت عام ہے۔ ان کی دینی، ملی اور علمی قربانیوں سے اہل بصیرت خوب واقف ہیں، اصول دین و شریعت کے فروغ کے لیے ان کی پوری زندگی وقف تھی۔ وہ ہواؤں کا رخ دیکھ کر سمت سفر متعین نہیں کرتے تھے، بلکہ ہواؤں کا رخ موڑ دیتے تھے، ان کے دل میں درد ملت کا آتش فشاں ہر وقت سلگتا رہتا تھا، مرعوبیت کو وہ غیرت عشق کی پیشانی پہ بدنما داغ تصور کرتے تھے۔ ہم ان کو پڑھتے نہیں ہیں اور ان کے جذب دروں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روایات سے ہمارا رشتہ ٹوٹ رہا ہے اور باطل سے آنکھیں ملانے سے ہم گھبراتے ہیں، انہوں نے عشق کی جو بھٹی سلگائی تھی وہ آج بھی سلگ رہی ہے اس بھٹی کے قریب ہونے کا ہم میں حوصلہ نہیں ہے۔ ہم عشرتوں میں کھیلتے ہیں وہ مصائب سے کھیلتے تھے اور مصائب سے کھیلنے میں ان کو جو لذت ملتی تھی ہم اسے لفظوں کا پیرہن نہیں دے سکتے، موسم کی تمازت ان کے عزائم کی راہ میں حائل نہیں ہوتی تھی۔ مقاصد کے حصول کے لیے وہ فولادی دیواروں کو بھی توڑ دیتے تھے، انہوں نے ساحل پہ کھڑے ہو کر کبھی تماشہ نہیں دیکھا۔ وہ سمندر کی تہوں میں اتر کر موتی نکال لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے احترام وعقیدت کا چراغ جس طرح ان کی حیات میں روشن تھا اسی تابانی کے ساتھ آج بھی روشن ہے۔ ان کی حیات کے بہت سارے اہم گوشے اب بھی پردۂ خفا میں ہیں انہیں رضا کارانہ طور پر اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، ان کی دینی، ملی اور اصلاحی کارگذاریاں متحدہ پلیٹ فارم چاہتی ہیں رب کائنات ہمیں اس پہلو پہ سوچنے اور عملی پیش رفت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پیر طریقت حضرت مولانا مفتی قاضی محمد غلام یٰسین رضوی قاضی شہر بنارس

حضور مجاہد ملت جیسی شخصیات کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں

حضور مجاہد ملت، علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اڑیسہ اہل سنت و جماعت کے

بلند رتبہ عالم دین، عالی مرتبت، داعی اسلام، جرأت مند اور حاضر دماغ مناظر، باکمال مدرس تھے، ان کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی مخلصانہ جد و جہد کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ کی پوری زندگی خدمت دین وسنت اور اشاعت مذہب ومسلک سے مستعار تھی۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان عالم باعمل مستجاب الدعواۃ تھے اعلیٰ حضرت **رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا** کے بعد باکردار، بااخلاق بااخلاص ہمہ جہت، وسیع النظر علما کی اگر فہرست تیار کی جائے تو ان نمائندہ افراد میں سرفہرست مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کی ذات تھی۔ انہوں نے ہر اس میدان میں اقدام فرمایا جہاں انہیں محسوس ہوا کہ اس جگہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دیابنہ اور وہابیہ غیر مقلد کے خلاف ہمیشہ شمشیر برہنہ بن کر ان کی عیاریوں سے امت مسلمہ کو آگاہ فرماتے رہے۔

مجاہد ملت کی خدمات دینیہ کا دائرہ پورے شمالی ہندستان میں پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے شہر بنارس اور اس کے اطراف میں آپ کے برابر دورے ہوتے تھے۔ حضرت بنارس تشریف لاتے تھے اس زمانے میں حضرت کے ساتھ حضرت مولانا عاشق الرحمٰن صاحب ہوتے تھے۔ بنارس کا ایک معمولی شخص آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور آپ کی خدمت کرتا تھا، حضرت کی محبت کے فیضان اور دعاؤں کا ایسا اثر ہوا کہ آج وہ شخص مذہبی اور دنیاوی دونوں طور پر اعلیٰ مرتبے کا حامل ہے، دنیاوی طور پر تو ایسا فیضان پہنچا کہ آج کے وقت میں بنارس کے گنے چنے اغنیاء میں وہ منفرد ہے، بنارس ریلوے اسٹیشن کے باہر اس کی بڑی بڑی دو عمارتیں حضور مجاہد ملت کے مستجاب الدعواۃ ہونے کا خطبہ پڑھ رہی ہیں اور مذہبی طور پر یہ اثر ہوا کہ سچے دل سے توبہ کر کے دینی ماحول میں زندگی گزارنے لگا، حدیث میں آیا ہے کہ **التائب من الذنوب کمن لا ذنوب لہ** یعنی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی صحبت اور خدمت کا یہ فیض اس شخص کو حاصل ہوا کہ اس کی دینی حالت بھی سنور گئی اور دنیاوی حالت بھی بہتر ہو گئی۔

مجھے متعدد دفعہ حضور مجاہد ملت کی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہوا انہیں میں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا مخلص علم بردار اور بے نفس خادم دین متین پایا، ان کے دل میں خانوادۂ اعلیٰ حضرت اور مرکز کے لیے بے پناہ محبت اور احترام تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم خاص سے صحافی عصر حضرت علامہ محمد رحمت اللہ صدیقی ممبئی کے اس نذرانۂ خلوص وعقیدت کو قبول فرمائے۔ آمین

یہ چند سطریں مولانا انیس عالم سیوانی لکھنؤ کی فرمائش پر میں نے موبائل پر لکھوادی ہیں ۔ میرا بوڑھا پا اور ضعف اس بات کا متقاضی نہیں کہ کوئی تفصیلی مضمون لکھ سکوں۔

فقط والسلام

قاضی محمد غلام یٰسین

۲۱ / جمادی الاول ۱۴۴۲ ھ

حضرت مولانا مفتی شفیق احمد شریفی دار العلوم غریب نواز الہ آباد

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منھ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

جو قوم اپنے محبوں کو یاد رکھتی ہے اس کے افراد ہمیشہ درخشندہ وتابندہ کارنامے انجام دینے میں اپنی زندگی کے لمحات وقف کر دیتے ہیں اور پھر وہ ایسے روشن کارنامے اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں جو آخرت کے لیے صدقۂ جاریہ بھی ہوتے ہیں اور دنیا کے لیے مشعل راہ بھی۔ قابل تحسین ومبارکباد ہیں حضرت مولانا سید غلام صادق حبیبی جنہوں نے اہلسنت و جماعت کے بطل جلیل کی حیات مقدسہ کے کچھ گوشوں پر اپنی معلومات قلمبند فرما کر سلسلۂ عالیہ قادریہ حبیبیہ کے معتقدین، مریدین اور متوسلین کے لیے قلب ونظر کے سکون وقرار کے لیے معلومات کا گلدستۂ جمیل پیش کر کے ان کی دعاؤں کے مستحق ہو گئے ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو

سلطان التارکین سیدی ومرشدی وسندی وملجائی حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب

الرحمٰن رئیس اعظم اڑیسہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی قدآور شخصیت پر قلم اُٹھانا ہم جیسے بے علم و بے مایہ لوگوں کا کام نہیں اس کے لیے تو ایسے قلمکاروں کی ضرورت ہے جو نہ صرف علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھتے ہوں بلکہ علوم باطنی میں بھی انہیں ید طولیٰ حاصل ہوتا کہ آپ کے عالمانہ فاضلانہ، مناظرانہ، مجاہدانہ کارناموں کے ساتھ ساتھ آپ کی عارفانہ، صوفیانہ زندگی کے اہم گوشے بھی دنیا کے سامنے لائے جاسکیں۔

حضور مجاہد ملت مجمع البحرین تھے وہ صرف عالم ہی نہیں علم تھے۔ جن پر نگاہ کرم فرمادی وہ اپنے وقت کا شمس العلماء اور خطیب مشرق بن کر قوم کی قیادت کرنے لگا حضور مجاہد ملت میں ایثار صدیقی، تیور فاروقی، تمنائے عثمانی، شجاعت حیدری اور فقر ابوذر کے جلوے جن آنکھوں نے دیکھے ہیں وہ آج بھی کسی شخصیت سے متاثر نہیں۔

(تذکرۂ سرکار مجاہد ملت اور ان کے پیر و مرشد، ص ۸/۹)

اولادِ رسول پیر طریقت حضرت سیّد شاہ عبدالقادر جیلانی ممبئی

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ سب سے اچھا زمانہ میرا زمانہ ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں خیر القرون قرنی۔ کائنات میں جو شئے فضیلت مآب ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ و عطیہ ہے۔ بغیر ان کے کسی کو، کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی۔

بے ان کے واسطہ کہ خدا کچھ عطا کرے — حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
مقصود ہیں یہ آدم و نوح خلیل کے — تخم کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے
ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو — واللہ ذکرِ حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساری کائنات روشن و منور ہے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمی برادری کے لیے جو منشور جاری فرمایا ہے، آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس کے نفاذ کی ذمہ داری علماء کی ہے۔ چونکہ علماء کو وارثِ انبیاء کا منصب بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہے۔ علماء کو اپنے منصب کا ہر زمانے میں احساس رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام ہر زمانے میں پھیلتا پھولتا رہا۔ جب بھی اعدائے اسلام کی طرف سے شعارِ اسلامی سے الجھنے

کی کوششیں ہوئیں، علماء کفن بدوش میدان میں اتر پڑے۔
ہر زمانے میں علماء کی ناقابلِ فراموش قربانیاں ہیں۔ ماضی قریب میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں جو ٹیم مصروفِ کار نظر آتی ہے، اس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ ہر جہت سے میرِ کارواں نظر آتے ہیں۔ ان کے خلفاء و تلامذہ کی بھی بڑی تعداد ہے۔ اسلامی روایات کے حوالے سے ان کی بھی قربانیاں ہیں اور ان خلفاء کے تربیت یافتہ اور فیض یافتگان بھی ہیں۔ فیض یافتہ شخصیات میں حضور مجاہد ملّت کا نام اور کام بہت نمایاں ہے۔ ان کی قربانیوں کو دیکھ کر اصحابِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربانیاں یاد آجاتی ہیں۔ یہ وقت حضور مجاہد ملّت جیسی جاں فروش شخصیات کے کارناموں کو بڑے پیمانے پر اُجاگر کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے روحانی فیضان سے ملّت کو شاد کام فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد برکاتی مصباحی جامعہ امجدیہ گھوسی

حضور مجاہد ملت عہد غلامی میں آزادی کا شعور لیکر پیدا ہوئے جس قانون سے انسانیت کی پیشانی شکن آلود ہوتی اسے انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا، ظلم و ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا ان کے خمیر میں شامل تھا، مذہب اور سیاست دونوں ان کا میدان عمل تھا۔ اور ہر دو میدان میں انہوں نے اپنے گہرے اور قابل تقلید نقوش چھوڑے ہیں، مقاصد کے حصول میں ہر طوفان سے گزر جانا ان کی عادت تھی، ان کے عزائم میں بڑی صلابت تھی، بے خوف معاشرے کی تشکیل میں انہوں نے سرفروشانہ کردار ادا کیا ہے، جس رہگذر کے وہ مسافر تھے اس میں قدم قدم پر مشکلات کا سیل رواں تھا، دینی قدروں کے فروغ میں انہوں نے مشکلات کی کبھی پرواہ نہیں کی جو طاقتیں دینی و ملکی سالمیت کے لیے خطرہ تھیں ان سے نبرد آزمائی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسی بنیاد پر انہیں شدید اذیتوں سے اکثر گذرنا پڑتا اسلام دشمن و امن مخالف عناصر ان کی ہر تحریک کو مسلم مفاد کے آئینے میں دیکھتے وہ یقیناً پاسداران اسلام کے سپہ سالار تھے مگر ظلم کسی پہ ہوتا وہ میدان عمل میں کود جاتے، حکومتوں نے ان کے سلگتے ہوئے جذبات و احساسات کو کبھی استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا، اگر ان کے جذبات و احساسات کی

قدر کی جاتی تو ملکی اعتبار میں غیر معمولی اضافہ ہوتا، ان کی ذات ہر جہت سے قابل قدر تھی، ان کی ذات کو سمجھنے میں اپنوں سے بھی خطا ہوئی ہے۔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب جا کر ان جیسی شخصیات جنم لیتی ہیں۔ ان کی ہر روش سے اسلاف واکابر کے سوزِ دروں کا اظہار ہوتا ہے۔

ہم نے حضور مجاہد ملت کی زیارت نہیں کی ہے اسے ہم اپنی کم نصیبی سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ ان کا وجود خوف وخشیت کا پیکر تھا، ان کی ولادت دینی روایات کی سر بلندی کے لیے ہوئی تھی، ان کی ذات ایثار وقربانی سے عبارت تھی، ہم ذاتی مفاد کے لیے سفر کرتے ہیں ان کا سفر صرف دینی مفاد کے لیے ہوتا تھا۔ وہ عشرتوں کی آغوش میں پیدا ہوئے تھے مگر انہوں نے عشرتوں کو کبھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا خارداروادیوں سے گذرنے میں انہیں بڑی لذت حاصل ہوتی تھی۔ ان کی ذات فلاح ملت کی ضامن تھی، ان جیسی شخصیات کی زیارت کے لیے اب آنکھیں ترستی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم میں ان کا کوئی مثل پیدا فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا محمد مختار اشرفی خطیب وامام حبیبیہ مسجد قریش نگر کرلا ممبئی

ہم نے اپنی زندگی کے طویل سفر میں بہت ساری شخصیات کو پڑھا بھی ہے اور بہت ساری پاکباز شخصیات کی زیارت بھی کی ہے، پڑھنے اور زیارت کرنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ جب تک سانسوں کا سفر جاری ہے۔ پڑھنے اور زیارت کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ چونکہ اسلاف واکابر کی حیات وخدمات کے مطالعہ سے ایمان وعقیدے کو تازگی ملتی ہے۔ ہمارے پاس دینی روایات واحساسات کا جو سرمایہ ہے وہ کل کا کل اسلاف واکابر ہی سے ملا ہے جس معاشرے میں اسلاف واکابر کی عزت افزائی نہیں ہوتی دینی روایات سے اس معاشرے کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، آج نسل نو میں اپنی جداگانہ ڈگر بنانے کا رجحان تیزی سے پنپ رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اسلاف واکابر کی دینی ملی اور علمی خدمات سے ناواقفیت ہے، دین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے، اسلاف واکابر کی حیثیت

درخت کی ہے، پتے جب تک درخت سے وابستہ رہتے ہیں تازہ رہتے ہیں درخت سے جدا ہونے کے بعد وہ اپنا وجود کھو دیتے ہیں۔

ماضی قریب کی شخصیات میں حضور مجاہد ملت کی ذات بہت ساری جہات سے ممتاز ہے، ان کی دینی، ملی، قومی اور ملکی خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ گود سے گور تک کی زندگی ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی کتاب حیات کا ہر ورق روشن ہے اور اسلامی معاشرے کے لیے ہر ورق نمونۂ عمل ہے، ہم نے انھیں پڑھا ہے اور ان کی زیارتیں بھی کی ہیں، ان کے نور بار جلوے میری آنکھوں میں محفوظ ہیں بظاہر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ وہ عشرتوں میں پیدا ہوئے تھے، عشرتوں میں پلے بڑھے تھے اور عشرتوں میں جوان ہوئے تھے مگر عشرتوں کو انہوں نے کبھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ دینی روایات کے فروغ کی چوکھٹ پہ انہوں نے عشرتوں کو بھینٹ چڑھا دیا تھا یہی وجہ ہے کہ جس نے ان کی زیارت کی ہے یا جس نے ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ رب تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے در کے گداؤں میں ہمارا حشر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت مولانا محمد اسرافیل نعیمی، سربراہ مدرسہ زینت الاسلام، بلرامپور

حضور مجاہد ملت کی زیارت کا ان کی ظاہری حیات میں بہت شوق تھا اور ان کے بظاہر پردہ فرما جانے کے بعد بھی اس شوق میں شدت تو آئی ہے کمی نہیں آئی ہے بلکہ شدت شوق میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے حضرت حسن بریلوی فرماتے ہیں ۔

سنا ہے آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں
میرے گھر میں بھی ہو جائے چراغاں یا رسول اللہ

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عشاق کے گھر تشریف لاتے ہیں بلکہ بعض عشاق کا تو یہ حال تھا کہ ہر روز اپنی ظاہری آنکھوں سے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شادکام ہوتے تھے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل ان کے عشاق کو بھی یہ رفعت شان

حاصل ہے کہ وہ اپنے اہل عقیدت کے گھر تشریف لاتے ہیں، وقت ضرورت ان کی حسب حیثیت مدد بھی فرماتے ہیں اور اپنی زیارت سے انہیں شادکام بھی کرتے ہیں۔

حضور مجاہد ملت کا عشاق حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شمار ہوتا ہے بلکہ عشاق حبیب خدا میں ان کی امتیازی شان ہے وہ تا حیات عشق کی بھٹی میں تپتے رہے۔ ہر وقت ان کے پیش نگاہ گنبد خضریٰ کی سنہری جالی ہوتی تھی۔ عشق حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترویج وتشہیر کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی۔ ان کی زبان حق ترجمان پہ ہر وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا یہ شعر ہوتا تھا۔

انہیں جانا، انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

حضور مجاہد ملت کا فیضان جس طرح ان کی ظاہری حیات میں جاری تھا اس سے کہیں زیادہ بظاہر پردہ فرما جانے کے بعد بھی جاری ہے میری آنکھیں ان کی زیارت کو بیتاب ہیں اور ان کی رفعت شان سے مجھے امید ہے کہ ان کے کرم کا بادل میرے دل کے آنگن میں ضرور برسے گا میں اپنی گفتگو جناب راز الہ آبادی کے ان اشعار پہ ختم کرتا ہوں۔

میری روتی ہوئی آنکھوں نے پکار ہے تجھے
اے میرے شیخ میرے خواب میں کب آؤ گے
کیا مرے گھر کی اداسی نہ کبھی جائے گی
کیا غریبوں کے یہاں اب نہ کبھی آؤ گے

حضرت سید شاہ غلام محمد صاحب قادری حبیبی سجادہ نشین خانقاہ حبیبیہ وچیف قاضی آل اڑیسہ

خانقاہ قادریہ، رضویہ، حبیبیہ، دھام نگر شریف کا خانقاہِ عالیہ، قادریہ، رضویہ بریلی شریف سے بڑا گہرا رشتہ ہے، ہمارے آقائے نعمت، مرشد گرامی حضور مجاہد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ خانقاہ عالیہ، قادریہ، رضویہ کے ایک پر جوش سپاہی کے طور پر خود کو پیش کیا۔ فکر رضا، تحریک رضا اور مشن رضا کی تبلیغ وترویج ہی ان کی حیات کا مطلوب ومقصود تھا، آپ رئیس ہی

نہیں بلکہ رئیس اعظم اڑیسہ تھے۔مسلک رضا کے نور سے دلوں کو روشن کرنے کے لیے آپ نے اپنی پوری ریاست وامارت کو قربان کر دیا۔قدرت کی جانب سے آپ کو قربانی کا بے پناہ جذبہ میسر آیا تھا۔ ماضی قریب کی اکابر شخصیات میں ہر شخصیت اپنا جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ہم اپنے اکابر کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں اور ان کے قدموں کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ تصور کرتے ہیں لیکن ان میں حضور مجاہد ملت کے مخصوص امتیازات ہیں۔آپ نے حق کے سامنے باطل کو کبھی سر بلند ہونے نہیں دیا، طاقت کے سامنے جھک جانا یہ انسان کی مجبوری ہے۔ بڑے بڑے صاحب کروفر طاقت کے آگے مصلحت کا خول اوڑھ لیتے ہیں مگر حضور مجاہد ملت نے طاقت کے آگے کبھی جھکنا نہیں سیکھا تھا، انہوں نے اپنے ملک ہی میں نہیں بلکہ دیارِ غیر میں بیٹھ کر مسلک رضا کے نفاذ کے لیے جس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے، ان کے سینے میں مذہب ومسلک کا جو درد تھا اس درد نے انہیں کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ درد بانٹتے نہیں تھے، بلکہ درد خریدتے تھے، وہ تاحیات اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور فکر اعلیٰ حضرت کی ترویج میں ہمہ تن مصروف رہے، اللہ تعالیٰ بطفیل حبیب اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین

حضرت مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ قادری ہیوسٹن امریکہ

رئیس اعظم اڑیسہ، محافظ ملت، حامی سنت، ماحی کفر وضلالت، داعی مسلک اعلیٰ حضرت، مجاہد قوم وملت حضور مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن عباسی قادری علیہ الرحمۃ المنان کی ذات گرامی اپنے عہد میں اسلامیان ہند کے لیے ایک عظیم نعمت الٰہی تھی۔ان کی زندگی کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ علوم ومعارف میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ نے سیاسی وسماجی مسائل میں بھی مرد میداں کا کردار ادا کیا ہے۔حالانکہ دینی یا عقلی علوم کے دقائق وحقائق سے جو شغف رکھتا ہے وہ درس گاہ کے اندر اپنے حجرۂ خاص میں زندگی گزارتا ہے۔وہ سیاست اور گہما گہمی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور جسے بھیڑ بھاڑ سے دلچسپی ہو وہ معقولات ومنقولات میں

اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکتا مگر حضور مجاہد ملت کو اس تعلق سے شان امتیاز حاصل ہے کہ دونوں میدان میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ اسلام کے نظریاتی شعبے پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اصول وفروع پر پورا کنٹرول تھا۔ علمائے کرام کی مجلس ہو یا گمراہوں کے ساتھ مناظرے کا میدان یا سادہ لوح سینوں کی بھیڑ ہر جگہ آپ کا علم بولتا تھا۔ اسلامی تعلیمات کے پھول کھلتے تھے۔ اور جب ضرورت پڑ جاتی شعائر اسلامی کی حفاظت و صیانت کے لیے ظالم قوتوں کے سامنے ڈٹ جانے کی اس وقت پوری جماعت کی نظریں حضور مجاہد ملت کی طرف اٹھتی تھیں اور آپ حکومت وقت کے خلاف بھی حق کی خاطر سینہ سپر ہونے سے باک نہیں رکھتے تھے۔ آج جب کہ ہر طرف سے اسلام وسنیت پر حملے ہورہے ہیں حضور مجاہد ملت کی یاد بہت ستاتی ہے۔ اے کاش ان کا کوئی ثانی پیدا ہوجاتا۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد الیاس مصباحی، شیخ الحدیث مدرسہ خانم جان عربک اسکول، بنارس

حضور مجاہد ملت ولایت کی فطرت پہ پیدا ہوئے تھے، دین کا سپاہی بنانا ان کے والد ماجد کا خواب تھا، ان کی زندگی نے ان سے وفا نہ کی جب حضور مجاہد ملت کی عمر نو سال کی تھی تو ان کے والد ماجد رحمت الٰہی کی آغوش میں چلے گئے اس طرح وہ اپنا خواب اپنے کفن میں چھپا کر لے گئے، والد ماجد کے وصال کے بعد وہ اپنے چچا کی کفالت میں آگئے چونکہ ان کے چچا رؤفیہ اسٹیٹ کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے بھتیجے کو عصری علوم کے زیور سے آراستہ کر نے کی نیت کا اظہار کیا اور حضور مجاہد ملت کو عصری علوم کے گہوارے میں ڈال بھی دیا لیکن قدرت کچھ اور چاہتی تھی۔ حضور مجاہد ملت عصری علوم کے اس گہوارے سے جلد ہی نکل آئے اور دینی علوم کے حصول کی راہ پر نکل پڑے چونکہ انھیں دین داروں کا میر کارواں بننا تھا۔ اسلاف شناسی، حق پرستی، باطل شکنی اور غربا نوازی کے اسباق وہ ابتدا ہی سے یاد کرنے لگے تھے اور اس کے عملی مظاہر بھی پیش کرتے تھے۔ وہ ابتدا ہی سے زنجیروں سے کھیلتے تھے۔ جیسے جیسے ان کی عمر کا کارواں آگے بڑھتا گیا ان کے کمالات کے ابواب کھلتے گئے۔

حضور مجاہد ملت کی حیات کا ہر باب فیضان غوثیت مآب سے مستنیر تھا آپ جیل میں

ہیں آپ کے ساتھ ایک منسٹر کا بیٹا بھی قید تھا وہ رشوتوں کی بنیاد پر جلد ہی رہا ہو گیا۔ حضور مجاہد ملت کو یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا، انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی خداوندا! حکومت تو میرے غوث کی ہے اور میں ان کا غلام قید میں ہوں۔ آپ کی دعا فوراً قبول ہوئی اور جب صبح کا سورج طلوع ہوا تو جیلر رہائی کا پروانہ لے کر آپ کے سامنے کھڑا تھا۔

حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات میں اس طرح کے بکثرت واقعات ملتے ہیں۔ وہ اپنے آقاؤں کے حضور بڑے باادب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آقاؤں کا روحانی فیضان ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستا رہا۔ ان کی ذات فضائل وکمالات کی جامع تھی، ان کی حیات کی ہر سانس ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ اب ان کے جیسا دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا رب کائنات ہمیں ان کے وفاداروں میں شامل فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا محمد سرفراز عالم رضوی استاذ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

اسلاف شناسی سے دین شناسی کا شعور پروان چڑھتا ہے چونکہ دینی روایات کا ہمارے پاس جو اثاثہ ہے وہ اسلاف ہی سے ملا ہے۔ انہوں نے دینی تصورات کو سمجھا، برتا اور پھر اس کی تشہیر کی اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دینی قدروں کے فروغ میں انہوں نے اپنا سب کچھ داؤں پہ لگا دیا۔ وہ دین کے حوالے سے موصول ہونے والی ہر روایت کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ دینی روایات کا سارا اثاثہ تحریفات وغیر ضروری اضافات سے پاک ہے، اعدائے اسلام کی ہر زمانے میں کوشش جاری رہی کہ دینی روایات کے چہرے کو گرد آلود کردیں مگر انھیں کسی زمانے میں کامیابی نہیں ملی۔ چونکہ علمائے اسلام کا دستہ دینی قدروں کے تحفظ میں ہر حد سے گذر جانے کے لیے ہر زمانے میں سر بکفن رہا ہے۔ دین کے حوالے سے اسلاف کی قربانیوں سے انکار دن میں سورج کے وجود سے انکار کے مترادف ہے۔

ماضی قریب میں اسلاف کی جو جماعت تھی اس جماعت میں حضور مجاہد ملت کی امتیازی شان تھی ان کے شخصی تفرد کو ان کے معاصرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ موسم کا منھ تکتے رہنا ان کی عادت کے خلاف تھا۔ ان کے ہاں دین فہمی اور دین شناسی کا جو شعور ملتا ہے ان کے عہد میں

اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے دین کو اپنے مفاد کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی پوری زندگی دین کی سرفرازی کے لئے وقف کردی ان کی حیات کا ہر پہلو تشہیر، ترویج اور تشریح کا تقاضا کرتا ہے۔ ان کی قربت میں دینی فلاح کا راز پنہاں ہے، ان کی شخصیت قومی اثاثہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قیمتی اثاثے کو سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے، وہ عمل کے حریص تھے اور ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں باعمل دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی بارگاہ میں سب سے بڑا خراج ان کے مرتب کردہ اصولوں کی روشنی میں زندگی کا سفر طئے کرنا ہے رب کائنات سے دعا ہے کہ ہمیں ان کے روحانی فیضان سے سرشار فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا محمد مرشد علی قادری پرنسپل مدرسہ مدینۃ العلوم بھدوہی بنارس

عاجزی، انکساری اور خوردہ نوازی حضور مجاہد ملت کی شناخت تھی، عوام وخواص کے ذہنوں میں ان کی شخصیت کا تصور بہت بلند ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم، فقیہ اور داعی اسلام کے باوصف اپنے وقت کے بہت بڑے رئیس بھی تھے۔ ان کی رئیسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کو ۴۹ ر ہزار روپے سالانہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ اس زمانے کی ۴۹ ر ہزار کرنسی سے اس زمانے کی کرنسی اگر خریدی جاتی ہے تو ایک کروڑ سے زائد رقم بنتی ہے، ان کے دربار میں روز ہی سائلوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ سائلوں کی بھیڑ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ وہ سائلوں کو دعوت دے کر بلاتے ہیں مگر ایسا نہیں تھا چشمہ جہاں جاری ہوتا ہے پرندے وہاں جھنڈ کی شکل میں اترتے ہیں۔ سائلوں کی بھیڑ کو دیکھ کر انھیں خوشی ہوتی تھی، ان کے چہرے کی شگفتگی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ خود ان کی شخصیت بہت حسین تھی، جب کسی کو خوشی زیادہ ملتی ہے تو حسن میں اضافہ ہو ہی جاتا ہے۔ سائلوں کی بھیڑ میں ان کی شناخت میں بہت سارے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا تھا چونکہ وہ کبھی بھی امتیازی لباس میں نہیں ہوتے تھے۔ ان کے لباس میں بڑی سادگی اور عمومیت تھی۔ سادگی انکساری، عاجزی اور خوردہ نوازی ان کی بلائیں لیتی تھی۔

انکساری کا یہ عالم تھا کہ عام آدمی بھی اگر ان کی دست بوسی کرتا تو آپ بھی اس کی دست

بوسی کرنے کی بھرپور کوشش کرتے، بڑوں کے حضور میں ہوتے تو ادب ان کے ناز اٹھاتا تھا رئیس وقت کے ادب کے انداز کو دیکھ کر حاضرین حیرتوں میں ڈوب جاتے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ ان کا وجود اعلیٰ ادب کے خمیر سے تیار ہوا ہے، ان کی ذات سراپا حیرت تھی یہی وجہ ہے کہ جہاں قدم ناز رکھ دیتے برکتیں اترنے لگتیں۔ آج ان کی شبیہ دیکھنے کے لیے آنکھیں بے قرار رہتی ہیں، اب نظروں میں کوئی جچتا نہیں ہے، ان کا نور بار چہرہ آنکھوں میں محفوظ ہے جب بھی بے قراری بڑھتی ہے تصور میں اسے دیکھ لیتا ہوں اللہ ہمیں ان کے در کے گداؤں میں شامل فرمائے، ان کے نقوش حیات کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی توفیق بخشے اور ان کے ذکر وفکر کی لذت سے زبان کو آشنائی عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا مفتی محمد قمر الزماں نوری خطیب وامام بڑے ولی جامع مسجد، ممبئی

شخص کو شخصیت کا روپ اختیار کرنے میں سخت ریاضتیں درکار ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب جا کر چمن میں کوئی دیدہ ور پیدا ہوتا ہے، یہ بھی ایک متفقہ حقیقت ہے کہ ملت کی مشاطگی جس شخص سے مقصود ہوتی ہے قدرت کی جانب سے اسے ویسا ماحول بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں دامن کا بے غبار ہونا از حد ضروری ہوتا ہے ورنہ تبلیغ بے اثر ہو جاتی ہے، تاریخ میں ایسی بے شمار شخصیات ملتی ہیں جن پہ قدرت کی خصوصی نوازشات رہی ہیں حضور مجاہد ملت کا شمار انہی شخصیات میں ہوتا ہے۔

حضور مجاہد ملت ریاضت پسند شخصیت کے مالک تھے، دینی ملی اور قومی وقار کو اعتبار دینے میں انہوں نے جو ریاضتیں کی ہیں اس کی کی روئداد سن کر پتھروں کو بھی پسینہ آجاتا ہے، جیل کی آہنی دیواریں انھیں دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی تھیں کہ آنے والا جب چاہے گا نظام میکدہ بدل دے گا، انھیں جابر طاقتیں حجاز مقدس کی تپتی ہوئی زمین پر چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں پابہ زنجیر کھڑا کر دیتیں عرب کی گرمی کا یہ حال ہے کہ زمین پہ گوشت رکھ دیجئے تو وہ خود بخود پک جائے گا۔ وہاں کی گرمی کو برداشت کرنے کے لیے عرب مزاج ہونا پڑے گا۔

حضور مجاہد ملت کو ریاضتوں نے اتنا سخت جان کر دیا تھا کہ ان کے عزم کو دیکھ کر زمین

اپنا مزاج بدلنے پہ مجبور ہو جاتی تھی۔ ان کے جنون عشق کے سامنے نجدی مظالم کو بھی گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ جب نجدی ظلم و بربریت کے تیر چلتے تو حضور مجاہد ملت کے ہونٹوں پہ تبسم رقص کرنے لگتا۔ وہ حجاز مقدس سے اپنی فیروز بختیوں کی سندیں لیکر واپس آ گئے۔ پھر ان کو چڑھانے کے لیے دوسرے سال حاضر ہو گئے اور انتہائی بے باکی کے ساتھ اپنے عشق جنون خیز کی ساری رسمیں ادا کیں۔ عہد حاضر میں ظلم و بربریت کو آنکھیں دکھانے والا دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا۔ حالات کو دیکھ کر ایک دردمند دل سے یہی صدا بلند ہوتی ہے کہ ''لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو۔''

آج حضور مجاہد ملت ہوتے تو ملک وملت کا نقشہ مختلف ہوتا، جماعت اس طرح خانوں میں تقسیم نہ ہوتی اور فکری آوارگی کو پھیلنے کا موقع نہ ملتا اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کے طفیل کوئی ان کا ہم فکر، ہم خیال اور ہم نوا بھیج دے جو بکھرے ہوئے ذروں کو انتہائی سلیقے سے سمیٹ لے اور فاصلوں کو قربتوں میں تبدیل کردے آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد ثناء اللہ رضوی مصباحی، پٹنہ

حضور مجاہد ملت ملی درد کا استعارہ تھے وہ قومی بے چارگی پہ تنہائی میں بھی روتے تھے اور ہجوم میں بھی روتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ نظام میکدہ ایسا خوشگوار ہو جائے کہ ملک کے ہر شہری کو اپنے مذہبی ومعاشرتی اصولوں کی روشنی میں زندگی گذارنے کی آزادی ہو۔ مسلم قوم جو پس ماندگی کی شکار ہے اس کے لیے ایسی راہیں تلاش کی جائیں جس سے اس کی پس ماندگی دور ہو جائے اور اس میں دوسرے برادران وطن کے شانے سے شانہ ملا کر چلنے کی اہلیت پیدا ہو جائے آج جماعت اہلسنت میں ایسی فکر کی حامل کوئی شخصیت نظر نہیں آتی جماعتی حالات دن بدن بگڑتے جارہے ہیں اس لیے نوجوان علما کو اس حوالے سے سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے اور حضور مجاہد ملت جیسی شخصیات کی یادوں سے اپنے بام ودر کو روشن کرنے کی حاجت ہے۔

حضرت مولانا قاری غلام مجتبیٰ رضوی، ہیوسٹن امریکہ

اسلاف واکابر کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے ایمان وعقیدے کی زمین کو تازگی ملتی

ہے، کٹھن راہوں سے گذرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور مصائب کے ہجوم میں زندگی گذارنے کا سلیقہ آتا ہے۔ رحمت الٰہی اس شخص کے قریب ہوتی ہے جو اس کے محبوبوں سے بے لوث عقیدت رکھتا ہے، اللہ کے محبوبوں سے دوستی دارین میں عافیت کا پیش خیمہ ہے۔ حضور مجاہد ملت اس حوالے سے بڑے فراخ دل واقعہ ہوئے تھے۔ اللہ کے محبوبوں کے حضور ان کی حاضری میں تسلسل تھا۔ حضور سیدنا غوث اعظم کی عقیدت تو ان کی کتاب حیات کا عنوان جلی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے وہ ان کے اسم پاک کا وظیفہ پڑھتے تھے، جب بھی غم کی یورش ہوتی تو وہ انہی کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے تھے۔ اس تعلق سے کتابوں میں بکثرت واقعات ملتے ہیں۔

حضور مجاہد ملت کو عطائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور سیدنا خواجہ غریب نواز سے بھی بڑی گہری وابستگی تھی اسی وابستگی کا نتیجہ ہے کہ آپ ہر سال پابندی کے ساتھ بارگاہ غریب نواز میں حاضری دیتے تھے اور قل کے بعد واپسی ہوتی تھی حضور سیدنا غریب نواز سے ان کی نیازمندیوں کا یہ عالم تھا کہ ان کے دربار میں لنگر سے کھانا لینے والوں کی لائن میں دھوپ کی شدت میں تادیر کھڑے رہتے لاکھ منع کرنے کے باوجود ان کے طرز عمل میں کبھی کوئی فرق نہ دیکھا گیا۔ آپ فرماتے کہ اگر ان کے در کے فقیروں کی فہرست میں میرا نام آ گیا تو میری نجات ہو جائے گی غریب نواز کے دربار میں ان کا انداز فقیرانہ دیکھ کر فقیری بھی زیر لب مسکراتی تھی۔

حضرت منور علی شاہ سے بھی ان کی عقیدت مثالی تھی آپ اکثر گھنٹوں ان کے قرب میں معتکف رہا کرتے تھے ان کی بارگاہ کو آپ جنت کا ٹکڑا قرار دیتے تھے بلکہ آپ کی شدید خواہش تھی کہ دفن کے لیے یہاں تھوڑی سی جگہ مل جاتی۔ ایسے درباروں کی حاضری کے لیے آپ ہمیشہ بیتاب رہا کرتے تھے۔ پاکان امت سے جو ان کی نیازمندی تھی اسے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

حضور مجاہد ملت اپنی بہت ساری خصوصیات میں طاق تھے۔ اگر آپ کی وہ ساری خصوصیات جمع کی جائیں تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ اب بزرگوں کی روئداد حیات جمع کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی جس دل میں بزرگوں سے عقیدت کا بے دھواں چراغ روشن ہوتا

ہے وہ مصائب ومشکلات سے لڑتے ہوئے کوئی قابل تقلید نشان چھوڑ جاتا ہے۔

حضور مجاہد ملت کی شخصیت کثرت سے یاد کیے جانے کے قابل ہے ان کی یادوں کا چراغ روشن کیجئے اور بلندیوں کا سفر کرتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے وفاداروں میں شامل فرمائے آمین۔

حضرت مولانا غلام جیلانی، جامعہ حبیبیہ الہ آباد

حضور مجاہد ملت صدق وصفا، زہد وورع اور تقویٰ و پارسائی میں اپنی نظیر آپ تھے آپ ہی جیسی شخصیات پر **علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل** صادق آتا ہے۔ آپ کی ذات فضائل وکمالات کی جامع تھی، علمی استحضار کا یہ عالم تھا کہ نازک سے نازک مسئلہ کا حل دلائل کے ساتھ نوک زبان پر ہوتا تھا، جب تقریر وخطابت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تو ایسے ایسے نکات بیان فرماتے کہ کاروان علم جھوم جھوم جاتا اور **العلماء ورثة الانبياء** کی تصویر نگاہوں میں گھومنے لگتی، داد ودہش اور دین کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کے بیکراں جذبے سے شان صدیقی کا اظہار ہوتا تھا، جب کہیں بھی معرکۂ حق و باطل گرم ہوتا تو جذبۂ فاروقی کے ساتھ اس میں شریک ہوتے، امیروں، رئیسوں اور شاہوں کے سالار ہوتے ہوئے بھی اپنی امیرانہ روش سے بے نیاز ہوجانا اور اپنی ساری دولت کو دین کی سرفرازی کے لیے وقف کر دینا اس سے سخاوت عثمانی کا پتہ ملتا ہے، دین کے دشمنوں کے سامنے بے خوف وخطر سینہ سپر ہوجانا اس سے شجاعت حیدری ظاہر ہوتی ہے۔ سخت سے سخت محاذات پہ بھی ہر طرح کے خوف سے بے نیاز ہوتے تھے۔ ان کی ہر روش سے حکمت ودانائی کی ایک عظیم کائنات جھانکتی ہوئی نظر آتی ہے،

ان کے دینی منصوبے حالات کے پیش نظر بدلتے نہیں تھے بلکہ وہ اپنے عزم محکم سے حالات کو بدل دیتے تھے ہر بزم میں ان کی دستار اونچی دکھائی دیتی ہے۔ ذاتی مفادات کا ان کے پاس کوئی تصور نہیں تھا۔ اب ہر کام ذاتی مفادات کے حصار میں ہوتا ہے۔ ہمیں ان کے مثل کی تلاش ہے اور رہے گی دیکھئے تلاش کا یہ سفر کب ختم ہوتا ہے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات اسرار سے بھری ہوئی تھی ہم ان اسرار کو سمجھنے کی کوشش کریں

اگر ان اسرار تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے تو ہمارے دل کی کائنات روشنی سے بھر جائے گی اللہ رب العزت ہمیں اسلاف دوستی کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مولانا ڈاکٹر شفیع احمد نوری، شیوہر

حضور مجاہد ملت اپنی ذات میں سمندر تھے، ان کے ہاں وسعت بھی تھی، گہرائی بھی تھی اور خاموشی بھی تھی۔ جس طرح سمندر کی وسعت، گہرائی اور خاموشی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح حضور مجاہد ملت کی حیات کی داخلی تہوں کو سمجھنا ہر کہہ ومہہ کے بس کی بات نہیں، جماعت علماء ومشائخ نے ان کی سالاری کو تسلیم کیا ہے، ان کے فضائل وکمالات کی لہروں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ تعمیری شعور لے کر پیدا ہوئے تھے، انہوں نے انسان سازی کی پر زور تحریک چلائی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ملک کا ہر مسلمان اسلام کی اعلیٰ قدروں کا نمائندہ ہو اس کے افعال وکردار سے خدا دوستی کی خوشبو پھوٹے، اس حوالے سے جس کامیابی کا آپ نے خواب دیکھا تھا وہ کامیابی آپ کو نہ مل سکی اس کے مختلف اسباب ہیں ان اسباب کو کریدنا دانائی نہیں ہے۔ یہ چیز اہل بصیرت پہ خوب اچھی طرح روشن ہے۔

حضور مجاہد ملت نے انسان سازی کے لیے جن تحریکات کو وجود بخشا تھا انھیں اپنے خون جگر سے پروان چڑھایا تھا۔ اگر ان کی تحریکات مصروف عمل ہوتیں تو اسلامیان ہند کا آج جو حال ہے وہ نہیں ہوتا مگر ان کے بعد ان کی تحریکات کاغذ کے پنوں میں سمٹ کر رہ گئیں۔ ان کی تحریکات کے خون کے دھبے آج بعض نااہلوں کے دامن پہ بہت نمایاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعض اہل عقیدت ان کی تحریکات میں نئی روح ڈالنے کے لیے کوشاں ہیں دعا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو جائیں مگر ملکی حالات سے امید کم ہے۔

حضور مجاہد ملت آہنی عزم وارادے کے مالک تھے۔ وہ بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتے تھے، خوف کا کوئی بھی راستہ ان کی دہلیز تک جانے سے گھبراتا تھا۔ انہوں نے جنون عشق کی جو تاریخ ترتیب دی ہے وہ ہر زاویے سے خود سپردگی کا تقاضا کرتی ہے اور اس عہد میں ایسے فرد فرید کا ملنا بہت مشکل ہے۔ حال ماضی سے روشن ہوتا ہے ہم ان

کی ذات کو نظر انداز کر کے اپنے حال کو تابناک نہیں بنا سکتے۔ ان کے نقوش حیات کو تلاش کر کے سلیقے سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے اور یہ کام انتہائی جاں فشانی کا ہے۔ خیر کا سورج وقتی طور پر چھپ جاتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ حضور مجاہد ملت اپنی دینی ملی اور مسلکی خدمات کی بنیاد پر اہل حق کے درمیان بہت دنوں تک زندہ رہیں گے۔ ان کی خدمات کی پھیلی ہوئی خوشبو کے پیش نظر کہنا پڑتا ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

حضرت مولانا قاری قیصر رضا رضوی پرنسپل الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

دین اسلام کی سرفرازی اور باطل کی سرکوبی کے لیے خود کو وقف کر دینے والی شخصیات کے تذکرے سے تاریخ کا سینہ لالہ زار ہے۔ دین کی خاطر سب کچھ قربان دینے والی شخصیات کا ابتدائے اسلام میں جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ اصحاب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو نجوم ہدایت ہیں ان میں بھی بعض اہل دولت وثروت تھے جب دین کی سربلندی کے لیے درہم ودینار کی ضرورت ہوتی تو وہ پیش پیش نظر آتے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن چندے کا اعلان فرمایا تو حضرت صدیق اکبر نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش فرمادیا حضرت عثمان غنی دین کے لیے ان کے خزانے کا منھ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ حضرت عثمان غنی کی ذات مومنین کے لیے سراپا خیر وبرکت تھی۔

اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پہ چلنے والے دین وشریعت کے لیے خود کو وقف کرنے والوں کا نورانی سلسلہ ہر زمانے میں ملتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کا شمار اسی نورانی جماعت میں ہوتا ہے، جب دینی قدروں کے فروغ کے لیے پیسے کی ضرورت پیش آتی تو آپ شان صدیقی کا مظاہرہ فرماتے، جب باطل کی سرکوبی کے لیے پیسے راہ میں حائل ہوتے تو آپ جذبۂ فاروقی کے ساتھ میدان میں آتے اور جب گداز عشق کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتی

تو آپ ذوق بلالی کا پیکر بن جاتے۔ آپ اصحاب واسلاف کے پر جوش نمائندہ تھے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات میں اسلاف کے ایثار و جذبۂ فداکاری کو مجسم دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ تاحیات اسلاف کی ڈگر پہ چلتے رہے۔ جب کبھی کوئی اسلاف مخالف تحریک نمودار ہوتی تو آپ سراپا تیر وتلوار بن جاتے اور اس وقت تک میدان میں ڈٹے رہتے جب تک اس تحریک کے جسم سے روح نہ نکل جاتی آپ دینی قدروں کی بالا دستی کے لیے تمام عمر مصروف سفر رہے، جس جذبے سے حضور مجاہد ملت کا وجود سرشار تھا اس جذبے کے لوگ اب نہیں ملتے۔ ان کی پیروی میں فیروز مندی کا راز پنہاں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے روحانی فیضان سے شاد کام فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی شمس العلوم گھوسی، مئو یوپی

کاروان حیات اپنی رفتار کے ساتھ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ لیل ونہار پے در پے آتے جاتے ہیں۔ ہر روز نت نئے واقعات وحادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان تمام واقعات وحادثات کو انسان اپنے ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ امتداد زمانہ کا غبار ان پر دبیز پردے ڈال دیتا ہے اور رفتہ رفتہ ہزاروں واقعات حافظے سے غائب ہو جاتے ہیں مگر انہی حادثات وواقعات میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذہن کے پردوں پر اس طرح نقش ہو جاتے ہیں کہ ماہ وسال کی گردش ان پر اثر انداز نہیں ہوتی ذرا سی توجہ سے یادداشت کا دفتر کھل جاتا ہے اور واقعات وحادثات اس طرح نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں جیسے تازہ تاریخ وقوع پذیر ہوئی اور انسان چند لمحوں کے لیے ماضی کی یادوں میں گم ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی کچھ یادیں اور کچھ باتیں آقائی ومرشدی حضرت علامہ ومولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے متعلق ہیچ مداں کے حافظے میں محفوظ ہیں۔ تنہائی کے لمحات میں ان واقعات سعادت نشان کو حیات پارینہ کے اوراق میں پڑھتا رہتا ہوں۔

یہ اچھی طرح یاد نہیں کہ آقائی ومرشدی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زیارت سے پہلی بار کب مشرف ہوا لیکن یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ صغر سنی ہی سے

حضور کو جانتا پہچانتا ہوں اور بچپن ہی سے آپ کے دیدار اور دست بوسی کے مواقع نصیب ہوتے رہے ہیں اسے بخت کی یاوری سمجھتا ہوں کہ جوار صدر الشریعہ میں رہنے کی وجہ سے عرس امجدی اور سالانہ جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موقعوں پر ملک وملت کی مقتدر برگزیدہ علمی وروحانی ہستیوں کی زیارت سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوا کرتی تھی یوں تو اس دور کے اکثر وبیشتر علما ومشائخ کو دیکھنے، ان کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوتا رہا مگر جن بزرگ علمی وروحانی شخصیتوں کی عقیدت وعظمت صفحۂ دل پر مرتسم ہوئی، وہ تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ الحاج مفتی مصطفیٰ رضا خان، مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رئیس اعظم اڑیسہ اور استاذ العلماء حافظ ملت حضرت علامہ الحاج عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں یہ تین باعظمت، مقتدر نورانی ہستیاں تھیں جن کی زیارت سال میں دو چار بار ہوجایا کرتی تھی۔ آج بھی ان بزرگوں کا نام زبان پر آتے ہی ان کے نورانی پیکر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور عالم خیال میں ان کی یادیں سلسلۃ الذہب کی مانند پے در پے آنے لگتی ہیں۔

(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۵۷)

پروفیسر جمیل احمد، مولانا آزاد کالج کولکاتا

حضور مجاہد ملت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمۃ والرضوان مناظر اعظم اور اعلائے کلمۃ الحق کے تعلق سے عام طور پر متعارف ہیں کہ وہ دنیاوی اعتبار سے بڑی ہستی کے سامنے بھی حق بات کہنے سے قطعی نہیں ہچکچاتے تھے لیکن راقم کے نزدیک ان کا بڑا وصف قوم کی اصلاح کے سلسلے میں تھا اور وہ حقیقی معنوں میں ایک مصلح قوم تھے۔

ان کا، ان کی تحریک کا سارا زور اس پر صرف ہوتا تھا کہ مسلمان اپنے کو پہچانے، اپنے تشخص کو بر قرار رکھتے ہوئے باوقار طریقے سے اپنی زندگی گزارے اور خاتمہ بالخیر کے لیے کوشاں رہے۔

حضور مجاہد ملت نے ملک بھر میں جابجا مدارس اسلامیہ کے جال بچھائے، عصری تعلیم کے لیے اسکولوں کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی نیز غیر رسمی طریقۂ تعلیم کی اہمیت کو واضح کرتے

ہوئے اس پر بھی زور دیا اور احباب و متعلقین خصوصاً ائمۂ مساجد کو ہدایات دیں کہ روزانہ کسی نماز کے بعد مسائل ضروریہ کی تعلیم کا نظم کیا جائے تاکہ عمر دراز اور مصروف تاجر نیز ملازمین بھی ان غیر رسمی مدارس سے استفادہ کر کے ضروری مسائل دینیہ سے آگاہی حاصل کر سکیں اور اپنے نیک اعمال کو صحیح طریقے سے انجام دینے کے قابل ہو سکیں مدارس اسلامیہ میں عموماً بیرونی طلبہ زیر تعلیم ہوتے ہیں اور وہ حصول علم کے بعد اپنے وطن کی راہ لیتے ہیں لیکن مقامی حضرات ان کی کفالت اور معاونت کر کے ثواب کے مستحق تو ضرور ہوتے ہیں لیکن اس طریقۂ تعلیم سے براہ راست فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ٹھیک اسی طرح اسکول جانے کی ایک عمر ہوتی ہے اس عمر کے گزر جانے کے بعد کسی میں اسکول جانے کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی ہے لیکن مساجد میں اگر ائمۂ مساجد سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ اسباق کا نظم کریں تو اس سے بلا تکلف ہر عمر کے مسلمان استفادہ کر سکتے ہیں اور اپنی عاقبت سنوار سکتے ہیں۔

(تبلیغ سیرت مجاہد ملت نمبر، ص ۲۱۲)

حضرت مولانا مفتی عبدالمسجود حبیبی بھدرک

بے باکی وحق گوئی حضور مجاہد ملت کی نمایاں خوبی رہی ہے۔ ارباب فکر ونظر آج اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت مجاہد ملت کے جیسا حق گو وبیباک پیدا ہونا اگر چہ عقلاً محال نہیں لیکن عادتاً محال نظر آتا ہے۔ میرے والد گرامی حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس علیہ الرحمہ نے نیاز مند سے ایک بار دوران گفتگو فرمایا تھا کہ ہری کرشن مہتاب سابق وزیر اعلیٰ اڑیسہ وسابق گورنر مہاراشٹر نے حضرت کی بے باکی و جرأت سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ اگر ہندستان کے مسلمانوں میں کوئی مرد ہے تو وہ ہے مولانا حبیب الرحمٰن۔ آپ نے فرمایا (حدیث میں ہے) جو شخص دنیا چھوڑ دیتا ہے دنیا اس کے پیچھے دوڑتی ہے اور جو دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے دنیا اس سے بھاگتی ہے حضرت نے یہ جملہ ۱۹۷۷ء میں خاکساران حق کے سپاہیوں کے ساتھ خاکساران حق کے لباس میں کولکاتا میں ایک ناشتے کی تقریب میں فرمایا تھا۔ نیاز مند بذات خود اس دعوت میں شریک تھا۔ رب سبوح نے حضرت مجاہد ملت کو دنیاوی دولت سے

نواز اتھا اگر آپ چاہتے تو ایئر کنڈیشن روم میں رہ سکتے تھے، ایر کنڈیشن کار میں گھوم سکتے تھے، لباس فاخرہ پہن کر اپنی امارت کی شان دکھا سکتے تھے، عالیشان عمارت میں سکونت پذیر ہو سکتے تھے، سونے کے لیے نرم اور آرام دہ گدے استعمال کر سکتے تھے لیکن آپ نے دنیا کی شان وشوکت چھوڑ کر فقیری کا راستہ اپنایا اور فقیری کو ہی ترجیح دی اور وہ بھی ایسی فقیری تھی جو ہزاروں بادشاہی پر بھاری تھی اور اسی فقیرانہ لباس میں جہاں پہنچ جاتے چاہنے والے آنکھیں بچھایا کرتے تھے۔ اپنے بیگانے یہی سمجھتے تھے کہ حضرت گفتار کے غازی نہیں بلکہ کردار کے غازی ہیں۔ گفتار کا غازی بننا آسان ہے لیکن کردار کا غازی بننا آسان نہیں ہے۔
(تبلیغ سیرت مجاہد ملت نمبر، ص ۳۶۲)

مولانا مجاہد حسین حبیبی، کولکاتا

شہادت ہے مقصود ومطلوب مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

حضور مجاہد ملت جہاں دولت وثروت میں نمایاں مقام کے حامل تھے وہیں علم وفضل اور مختلف علوم وفنون میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ جامعہ نعیمیہ مرادآباد، مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد اور جامعہ حبیبیہ میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ درس وتدریس کا یہ سلسلہ خالصاً لوجہ اللہ الکریم تھا تعلیم دینے کے عوض معاوضہ لینا تو درکنار مجاہد ملت خود مدرسہ کو چندہ دیتے رہے بلکہ بیک وقت درجنوں غریب ونادار بچوں کی کفالت بھی فرماتے رہے یہ اور بات ہے کہ آپ درس وتدریس سے زیادہ دنوں تک جڑے نہ رہ سکے بایں سبب آپ کے تلامذہ کی تعداد زیادہ نہ ہو سکی تاہم جس نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اپنی اپنی جگہ آفتاب ومہتاب بن کر چمکا۔ کوئی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا، کوئی مفتی اعظم اڑیسہ بنا، کوئی خطیب مشرق کے نام سے متعارف ہوا تو کوئی وحید زماں ماہر ہشت لسان کے طور پر متعارف ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب تلامذہ کا یہ حال ہے تو خود مجاہد ملت کے علم وفضل کا بھلا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

علم وفضل کی زیادتی، حق گوئی و بے باکی نیز حاضر جوابی کی خوبی نے آپ کو کامیاب مدرس کے ساتھ ساتھ میدان مناظرہ کا بے باک مناظر بھی بنادیا تھا، ملک کے طول وعرض میں ہونے والے مناظرے کم ہی ایسے ہوں گے جن میں آپ نے شرکت نہ کی ہو اور جہاں بھی شریک مناظرہ ہوئے صدر بنائے گئے، مناظرہ بریلی، مناظرہ جھریا، مناظرہ بھیونڈی، مناظرہ بجرڈیہہ، مناظرہ کٹک جس کی روشن مثالیں ہیں۔ جن سے آپ کی مناظرانہ شان بخوبی عیاں ہے۔ احقاق حق کی خاطر آپ نے بے شمار مناظرے کیے، مناظرے کا دائرہ ہندستان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حجاز مقدس کی سرزمین پر بھی نجدی قاضی القضاۃ سے مناظرہ فرمایا اور اسے ایسالا جواب فرمایا کہ وہ مبہوت و ششدر رہ گیا لیکن مجاہد ملت مرد آہن بنے رہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، ص ۳۸)

حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی پوربندر گجرات

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں بریلی شریف میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ تب راقم الحروف سیدی وسندی ومرشدی تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے رہتا تھا۔ صبح نماز فجر کے بعد محلہ سوداگران کی رضا جامع مسجد میں آپ کے اردگرد محبین حضرات دست بستہ جمع ہو گئے تھے اور اسی انتظار میں کھڑے تھے کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں، تو دست بوسی اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں۔ الحمدللہ راقم الحروف کو بھی وہ سعادت حاصل ہوئی۔

یہ تھی پہلی ملاقات بلکہ زیارت اول، پر کیف شخصیت، جمال ورعب سے بھرپور نورانی چہرہ، عالمانہ وقار، شاہانہ شان وشوکت، فقیرانہ روش، درویشانہ سادگی، صوفیانہ طور واطوار، محققانہ وجاہت، مجاہدانہ جذبۂ ایثار، تواضع وانکساری کا پیکر جمیل وغیرہ صفات حمیدہ دیکھ کر میں

پہلی ہی نظر میں آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ سے آخری ملاقات ۷۹ء میں بمبئی میں ہوئی، جب آپ کو ظالم سعودی نجدی حکومت نے حج کیے بغیر اور ظلم وستم کی تمام سرحدوں کو عبور کر نے کی مثال پیش کرتے ہوئے آپ کو ہندستان واپس بھیج دیا تھا۔ اس وقت آپ کے نورانی چہرے کا نکھار انوکھا ہی تھا۔ آنکھوں میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق وہجر کی اداسی اور بیقراری کے بیش بہا موتی بشکل اشک رواں تھے، ظلم وستم برداشت کرنے کے صلہ میں حصول علو مراتب کی نورانیت ان کے جسم پاک کے ہر رونگٹے کی تابنا کی اور تابانی سے عیاں تھی۔ بظاہر ایک معمر اور ضعیف ونحیف فرد درحقیقت کوہ استقلال تھا۔ جس کے پائے استقلال میں نجدی حکومت کی سنگین بربریت ذرہ برابر بھی تزلزل ولرزش پیدا نہ کرسکی تھی بلکہ اس کا اعتماد مزید مستحکم ہو گیا تھا۔ آنے والی نسل کو ایک جانفزا پیغام دے رہا تھا کہ ایک مومن مردِ مجاہد ظلم وستم کی آندھی کے سامنے ہمیشہ آہنی جدار کی طرح جما رہتا ہے۔ بربریت اور تشدد کے خونخوار تیروں کو وہ خندہ پیشانی کے ساتھ سینہ سپر ہو کر جھیلتا ہے۔ صلح کلیت اور مصلحت پسندی کے حامل ضمیر فروش ملاؤں کو آپ نے اپنے کردار وعمل سے عملی طور پر باور کرادیا کہ ایک سچا مؤمن عقائد اور مسلک کے معاملے میں کسی کی بھی رعایت نہیں کرتا۔

(تبلیغ سیرت، مجاہد ملت، ص۲۱)

حضرت مولانا صدر الحق صاحب ھٹیا بہادر گنج الہ آباد

اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے جن کی عمر عزیز قرآن واحادیث کی روشنی اور دین متین کی سچی خدمات میں گزر رہی ہو جن کی حیات مبارکہ تعلیم وتربیت، درس وتدریس، تقریر وخطابت ، تحفظ عقائد، تقویٰ وطہارت اور جہد مسلسل کے سائے میں تمام ہوئی ہو ان کی زندگی کے مجاہدانہ کردار اور عملی برتری کا ہر پہلو ایک نیر تاباں بن کر رہ جاتا ہے جس کی روشنی سے نہ صرف سارا عالم استفادہ کرتا ہے بلکہ تاریک راہوں میں بھٹکنے والوں کو اجالے کا سہارا مل جاتا ہے۔

اللہ کے ایسے ہی نیک بندوں کی زندگیاں طالبانِ غیرت وحمیت کے لیے فالِ نیک ثابت ہوتی ہیں جو جینے کا سلیقہ سکھاتی ہیں، عرفان وآگہی سے قریب کرتی ہیں اور سوئی ہوئی

قسمتوں کو بیدار کرتی ہیں۔ اس پر آشوب اور پر فتن دور میں جبکہ اللہ کے عظیم بندوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشقوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے اور اسلام کے نام پر اپنا سب کچھ تج دینے والے مجاہدوں کی کمی ہوتی جارہی ہے ایسے ماحول میں ہمارے مرشد و آقا حضور مجاہد ملت حضرت شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری اڑیسوی رضی اللہ عنہ کے فیوض و برکات ایک مشعلِ راہ، شمع ہدایت اور چشم نور ونکہت کی مانند ہے جن سے آج زمانہ فیضیاب ہو رہا ہے بالخصوص ہندو پاک میں آپ کے مریدوں اور عقید تمندوں کا سیلاب بہہ رہا ہے۔

ہمارا اخلاقی وملی فریضہ ہے کہ ایسی روحانی وعرفانی شخصیت کے بے شمار اسلامی گوشوں کی بابت جہاں تک ممکن ہو سکے تبلیغ وتشہیر کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے عامۃ المسلمین کے حق میں استفادے کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے تا کہ حیات مبارکہ کا کوئی بھی شعبہ و گوشہ اوجھل نہ رہنے پائے۔ اسی اہم فریضے کے احترام میں ہندو پاک کے متعدد اشاعتی ادارے ضخیم شمارے شائع کر چکے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی شائع کرتے رہیں گے۔

(تذکرۂ سرکار مجاہد ملت اور ان کے پیر و مرشد، ص ۱۱، ۱۲)

مولانا غلام جیلانی مگدھ یونیورسیٹی، گیا بہار

حضور مجاہد ملت کی مجاہدانہ زندگی جو ہندستان اور بیرون ہند، ریل خواہ جیل کے منازل سے گذری ہو سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً حضور مجاہد ملت کی ذات علم اور کرامات کا سنگم تھی۔ کیونکہ وہ ایک جید عالم کے ساتھ ایک ولی کامل بھی تھے۔ جس طرح وہ علم شریعت میں اپنی مثال خود تھے ٹھیک اسی طرح علم طریقت میں بھی فنائیت کی منزل سے ہمکنار تھے تصوف کی اس منزل میں غرق تھے کہ جہاں سے واپس آنا ہر انسان کے بس سے باہر ہے۔ مگر وہ جذب کی منزل سے نکل کر سلوک کی منزل میں واپس آ گئے۔ یہ مرحلہ سلوک اور جذب کا اتنا سخت ہوتا ہے کہ اس سے گذرنے میں بڑے بڑے اہل تصوف جذب کی منزل ہی میں گم ہو گئے مگر یہ تو حضور مجاہد ملت کا عظیم علم تھا جو ان کو جذب کی منزل سے کھینچ کر سلوک کی منزل میں لے آیا۔ انہوں نے اپنے جذب پر علم کی دبیز چادر ڈال دی تا کہ بہک نہ جائیں اور تقویٰ کا

ایسا پہرہ لگا دیا جس سے خمار اور مستی کسی راستے سے نظام شریعت اور تعلیم علم نبوت میں حائل نہ ہو۔ ورنہ جب آپ حضور مجاہد ملت کی تصوفانہ زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ذات جو ہندستان کے تقریباً ہر مناظرے میں نظر آتی تھی۔ اور جو ریل سے ہو کر جیل کی دیواروں میں مقید ہو جاتی تھی ۔ یہ معمولی نہیں تھی بلکہ منصوران زمانہ میں ایک منصور اور مجذوبان زمانہ میں ایک عظیم مجذوب تھے۔

(نوائے حبیب مجاہد ملت نمبر ص ۴۱۹)

جناب نظام انور شیب پور ہوڑہ

حضور مجاہد ملت کی فطرت میں سادگی، خورد نوازی، انکسار و تواضع اور فروتنی کے جو ہر نمایاں تھے، سادگی کا ایک عینی شاہد راقم الحروف بھی ہے۔ حضور مجاہد ملت " آل انڈیا تبلیغ سیرت" کے اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے سرزمین چاپدانی ضلع ہگلی تشریف لائے مکتبہ اہلسنت و جماعت، اور انجمن انصار الاسلام، کے ذمہ داران اور عہدیداران نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا بطور تعارف اپنی دینی خدمات سے آگاہ کرنے اور حصول برکت کے لیے آپ کو مدعو کیا۔ حضور مجاہد ملت فوراً آمادہ ہو گئے آپ نے فرمایا کدھر چلنا ہے لوگوں نے سمت و فاصلے بتائے۔ آپ پا پیادہ ہی جانب منزل روانہ ہو گئے لوگوں نے سواری کے لیے اصرار کیا لیکن آپ نے سختی سے روک دیا۔ انجمن انصار الاسلام و مکتبہ اہلسنت و جماعت، کا تفصیلی جائزہ لیا، اراکین کو مشورے دیئے اور خوش ہو کر دعاؤں سے نوازا۔ انہی نمایاں خصوصیات کی وجہ سے عوام و خواص کے دونوں طبقوں میں آپ کو یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

نوائے حبیب کولکاتا مجاہد ملت نمبر

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف حبیبی مصباحی، شیخ الحدیث دارالعلوم مجاہد ملت دھام نگر شریف، اڑیسہ

امام التارکین، سید السالکین، عارف باللہ، صوفی باصفا، حضور مجاہد ملت، حضرت مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی قدس سرہٗ کی ولادت ۸ر محرم الحرام ۱۳۲۲ھ بروز سنیچر، صبح صادق کی سہانی گھڑی میں اڑیسہ کے ضلع بھدرک، قصبہ دھام نگر شریف میں ہوئی

اور ۶ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ ۔۱۹۸۱ء بروز جمعہ، اللہ کو پیارے ہو گئے ۔آپ نے پوری زندگی اللہ و رسول کی فرمانبرداری اور خلق خدا کی نفع رسانی میں گزار دی۔ رئیس اعظم اڑیسہ تھے، دولت وثروت کی کمی نہ تھی ۔ پرشکوہ، عالی شان آبائی حویلی موجود تھی لیکن آپ نے اپنی عزلت نشینی اور طاعت و بندگی کے لیے ایک چھوٹی سی جھونپڑی اختیار فرمائی۔ معمولی لباس پر اکتفا کرتے، ہر ایک سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ،پہلی بار ملنے والا اجنبیت کا احساس نہیں کرتا، ہر حاضر باش یہ محسوس کرتا کہ حضرت کی خصوصی توجہ میری جانب ہے۔شب وروز، صبح وشام صحبت میں رہنے والے آپ کے اعلیٰ کردار اور بے لوث خلوص ومحبت کا گن گاتے۔ آپ اتباع سنت کی نیت سے ہمیشہ تہبند پہنتے۔ کلی دار لمبا کرتا اور کبھی کبھی صدری بھی ہوتی۔ سنت کے مطابق گیسو پر دو پلیا سفید ٹوپی رہتی اور نماز کے وقت صافہ سر پہ سج جاتا۔

علما ومشائخ کی تعظیم اور نسبتوں کا احترام آپ کا وصف خاص تھا۔ ہر سنی آپ کی دست بوسی کرتا اور آپ ہر ایماندار کا ہاتھ چوم لیتے۔ آپ کے لبوں کا تبسم اس وقت روٹھ جاتا جب کوئی بدنصیب آپ کے آقا و مولیٰ کی شان میں گستاخی کرتا۔ حق گوئی ، بے باکی، دشمنان رسول اور شاتمان اولیا کا دندان شکن جواب دینا آپ کا وطیرہ تھا۔ انسان اور انسانیت کی تذلیل آپ کو گوارہ نہ تھی۔ مظلوموں کی دادرسی آپ کی عادت تھی ۔ کہیں کوئی غریب و بے قصور مارا جاتا تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ مظلوم کی حمایت اور ظالم کی سرکوبی کے لیے آپ نے ''کل ہند خاکساران حق'' کے نام سے نیم عسکری تنظیم قائم فرمائی۔ محبوب مکرم ،رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سنتوں کو عام کرنے کے لیے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ خود جاکر تبلیغ فرماتے اور اپنے بعد دوسرے علما کو اس کار خیر میں شریک کرنے کے لیے آپ نے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی داغ بیل ڈالی تاکہ سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی تبلیغ کا ایک موثر نظام قائم ہو سکے جو آپ کے بعد بھی جاری وساری رہے ۔

نگہہ بلند ،سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

حضرت مولانا مفتی محمد نور الہدیٰ خان رضوی مصباحی، امام احمد رضا جامع مسجد، سیتامڑھی بہار

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ سچے عاشق رسول اور دین متین کے بے لوث خادم تھے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ شریعت وسنت کے مطابق گذرتا تھا، آپ کی ذات گرامی کے بارے میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے وصال کے بعد خواب میں اپنے بڑے صاحبزادے حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خان (جو بہت پریشان اور اپنے کو تنہا محسوس کررہے تھے) کو حضور مجاہد ملت کی شکل دکھاتے ہوئے فرمایا کہ یہی وہ مجاہد ہے جو باطل کے خلاف آواز حق بلند کرنے میں سستی نہیں کرے گا، جو قوم وملت کی رہنمائی میں اپنا سب کچھ قربان کردے گا سبحان اللہ! کیا شان تھی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی کہ امام اہلسنت ان کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اور دین کا معین ومددگار فرمارہے ہیں اور جو کچھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کے بارے میں فرمایا انہوں نے اپنی پوری زندگی وہی کر کے دکھایا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا و آخرت، دونوں میں کامیاب فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی رحمت علی مصباحی، ممبئی

جماعت اہلِ سنّت کی اپنی ایک پاکیزہ تاریخ رہی ہے۔ ماضی قریب میں مصلحین امّت کی جو جماعت نظر آتی ہے ان میں کا ہر فرد خلوص وللّٰہیت کا پیکر تھا، ان کے اسماء دیکھیے۔ حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتیٔ اعظم ہند، حضور صدر الافاضل، حضور محدثِ اعظم ہند، حضور برہانِ ملّت، حضور مبلغ اسلام عبد العلیم صدیقی میرٹھی، حضور صدر الشریعہ، ان کے تلامذہ حضور امین شریعت، علامہ رفاقت حسین، حضور حافظ ملّت، حضور مجاہد ملّت اور صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی وغیرہ مذکورہ شخصیات میں کا ہر فرد اپنی جگہ انجمن تھا۔ اور دین کے لیے سب کی قربانیاں ہیں۔ ان حضرات نے اپنی قربانیوں کا قوم سے کبھی کوئی صلہ نہیں مانگا۔

حضور صدر الشریعہ کے تلامذہ میں حضور مجاہد ملّت بہت سارے اعتبار سے اپنی جداگانہ آن، بان اور شان رکھتے ہیں۔ انہوں نے نفاذ شریعت اور تشہیر عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

لیے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کی تاریخی حیثیت کبھی مجروح نہ ہوگی۔ وہ دینی وقار کے لیے صلیب ودار سے گذر جانے کا عزم رکھتے تھے۔ آج ان کی ذات کو چراغِ رہگذر بنانے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا انصار احمد نوری، جامعہ نظامیہ الٰہ آباد یو، پی،

حضور مجاہد ملّت کی ولادت دھام نگر اڑیسہ میں ہوئی۔ اور ان کی تعلیم و تربیت الٰہ آباد، مراد آباد اور اجمیر معلیٰ میں ہوئی۔ الٰہ آباد ان کا پیر خانہ تھا، بابِ ارادت میں پیر خانے کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے۔ جس دل میں پیر اور پیر خانے کے احترام کا چراغ روشن ہوتا ہے مصائب کی دھوپ اس کے قریب ہونے سے گھبراتی ہے، چونکہ پیر کی توجہات اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور جس مرید کے ساتھ پیر کی توجہات ہوتی ہیں وہ بلند سے بلند منزلوں کی سمت بڑھتا چلا جاتا ہے، حضور مجاہد ملّت کے دل میں اپنے پیر سے کتنی عقیدت تھی اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے، کہ آپ سہسرام میں اپنے پیر حضرت مولانا عبدالکافی علیہ الرحمہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، راوی کا بیان ہے کہ جب آپ سفر میں ہوتے اور آپ کی ٹرین سہسرام سے گذرتی تو آپ سہسرام آنے سے قبل ہی ٹرین میں کھڑے ہو جاتے، راوی کو حیرت ہوتی کہ آخر سہسرام آنے سے قبل آپ کھڑے کیوں ہو جاتے ہیں، ایک دن راوی نے آپ سے عرض کیا کہ اس کا فلسفہ کیا ہے تو حضور مجاہد ملّت نے فرمایا کہ سہسرام سے پہلے کھڑے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے میرے پیر کا دامن سہسرام ہی میں ملا تھا، اس لیے جس زمین سے مجھے پیر ملا اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔

عہدِ حاضر میں پیر اور پیر خانے کے احترام کا جذبہ دلوں سے رخصت ہو چکا ہے۔ لوگ کسی نہ کسی کے دامن سے وابستہ تو ہو جاتے ہیں مگر پیر کے اصولِ زندگی سے انھیں کوئی خاص لینا دینا نہیں رہتا۔ پیر باشرع اور مرید بے شرع، جبکہ بابِ ارادت میں یہ سخت جرم ہے۔ مرید ہونا خود کو بیچ دینا ہے۔ اب اس فلسفہ کو سمجھنے والے لوگ کمیاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ پیر کے فیضان سے محروم ہوتے ہیں، پریشانیاں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں، خوش حال زندگی کے لیے پیر سے وفاداری شرطِ اوّل ہے۔

حضور مجاہد ملّت کی حیات اس تعلق سے بھی ہمارے لیے چراغِ ہدایت ہے

حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری باتھوی

حضرت رازؔ الہ آبادی کا شمار ملک کے ممتاز نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کا شعری اسلوب و انداز دوسرے شعراء سے تھوڑا مختلف ہے۔ حضرت رازؔ صاحب کا نام بریلی شریف کے وفاداروں میں بہت نمایاں ہے۔ ان کی زبان پر تاحیات بریلی شریف کا ترانہ رہا۔ وہ اپنے مرشد گرامی حضور مفتیٔ اعظم ہند سے بھی بہت جذباتی محبت فرماتے تھے، ان کے بریلوی ترانے کے چند اشعار دیکھیے ؎

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤ گے
ایسا مرشد نہ زمانے میں کہیں پاؤ گے
جب کبھی شہر بریلی کی طرف جاؤ گے
ان کے روضے پہ مدینے کی ہوا کھاؤ گے

بریلی شریف کی وفاداری انسان کو شہرت و عزت کا آسمان عطا کرتی ہے۔ بریلی شریف سے وفاداری سے مراد فکرِ رضا، پیغامِ رضا اور طرزِ رضا سے جذباتی محبت ہے۔ فکرِ رضا سے جماعت کی جن شخصیات کا جنون محبت ضرب المثل ہے ان میں حضور مجاہد ملّت کا نامِ نامی اسم گرامی بہت بلند ہے، انھوں نے تحریک رضا کو نئی اُٹھان عطا کی ہے، انھوں نے نفاذِ فکر رضا میں جو مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے اس کی مثال موجودہ عہد میں نہیں ملتی، انھوں نے فکرِ رضا کے لیے صرف وقت ہی نہیں دیا بلکہ اپنی پوری ریاست کو قربان کر دیا، انھوں نے تنظیمیں قائم کیں، تربیت گاہوں کو وجود بخشا اور مصلحین کی بہت بڑی جماعت کو منظم کیا، وہ اپنے جگر کے خون سے جماعت اہلِ سنّت کی نئی تاریخ ترتیب دینے کا عزم رکھتے تھے، وہ اپنے پاکیزہ عزائم کی تکمیل کے لیے ہر حد سے گذر جانا چاہتے تھے، وہ ملّت کے جیالوں کو اس طرح صدا دیتے تھے ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

خدائے پاک ہمیں ان کے سوزِ دروں سے آشنا کرے آمین۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمالک مصباحی خطیب وامام مدینہ مسجد، جمشید پور

حضور مجاہد ملت جیسے مرد مومن کے تعلق سے حدیث پاک میں فرمایا گیا:

اتقو فراسة المومن فانه ينظر بنور الله۔ (ترمذی ۷ ۳۱۲)

مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اور جو نور الہی سے دیکھتا ہے اس کی نگاہ ماضی حال اور مستقبل تینوں کو محیط ہوا کرتی ہے۔ حضور مجاہد ملت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ حساس دل اور دور رس نگاہ ودیعت فرمائی تھی جس سے آپ نے صرف ملت اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ساکنان ہند کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ظلم و زیادتی اور جبر و استبداد سے سمجھوتہ تو آپ کی کتاب زندگی میں تھا ہی نہیں۔ انھیں حیات کی تلخیاں گوارہ تھیں۔ دشت نوردی اور صحرا پیمائی منظور تھی مگر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والی لکیر دھندلی پڑ جائے یہ کسی صورت گوارہ نہ تھا۔ حضور مجاہد ملت عزم و حوصلہ کے کوہ گراں اور استقامت و عزیمت کے پیکر مجسم تھے۔ باطل اپنی پوری طاغوتی اور عسکری قوت کے ساتھ آپ کے پائے استقلال میں جنبش دینے کو زور آزما ہوا مگر اسے ذلت و رسوائی اور ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

حضور مجاہد ملت ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو امت کی زبوں حالی کا مرثیہ پڑھ کر خاموش ہو جائیں یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے شکوۂ بے جا میں مصروف ہو جائیں بلکہ آپ نے حرکت و عمل کا میدان منتخب کیا اور اسی میں شب و روز سرگرداں رہے۔ ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' اور ''تحریک خاکساران حق'' کے علاوہ ہندستان کے طول و عرض میں مدارس و مکاتب کا جال میرے اس دعوے کی نا قابل انکار دلیلیں ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی جد و جہد سے عبارت ہے انہوں نے قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور ملک و معاشرے کی تعمیر و اصلاح کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ان کی

رقت آمیز داستان قابل رشک بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

ہمارے جن بزرگوں نے ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر قربان کیا ان میں حضور مجاہد ملت کا نام نہایت نمایاں ہے، انہوں نے جماعتی سربلندی اور سرفرازی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ تواضع اور خاکساری تو کوٹ کوٹ کر ان میں پائی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کے دور میں جماعت میں کہیں کوئی انتشار نہیں تھا۔ پوری جماعت ایک مرکز سے وابستہ اور ہر صاحب نظر ایک آواز پر لبیک کہنے کو تیار مگر آج حالات یکسر بدلے ہوئے ہیں۔ پوری جماعت کو نجانے کس کی نظر بد لگ گئی ہے۔

اس بات کے اعتراف میں مجھے کوئی جھجھک نہیں کہ ہمارے یہاں جماعتی کام کے تناظر میں ''حصہ بقدر جثہ'' والی بات صادق نہیں آتی۔ الحمدللہ جماعت اہل سنت میں نہ تو اصحاب فضل وکمال کی کمی ہے اور نہ ارباب عزیمت وبصیرت کی، نہ مخلصین کا فقدان ہے اور نہ سرفروشوں کا۔ دین وسنیت کے لیے اپنا تن من دھن نچھاور کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، قرآن وتفسیر کا علم ہو یا فقہ وحدیث کا، مناظرہ وکلام کا میدان ہو یا سیاست و حکمرانی کا ہر شعبہ میں ایک سے بڑھ کر ایک قدآور اور علمی وتحقیقی شخصیات موجود رہی ہیں مگر وقت وحالات کی ستم ظرفی اور کچھ اپنوں کی بے اعتنائی وبے توجہی کی وجہ سے ان کی انقلاب آفریں اور حیات بخش خدمات پر غفلت کی پرتیں دبیز سے دبیز تر ہوتی چلی گئیں نتیجۃً غیر تو غیر اپنے بھی ان حضرات کو تساہلی کی عینک سے دیکھنے لگے، ان کے زریں کارناموں سے ناآشنائی کی بنیاد پر ان کی طرف سے بدگمانی کے شکار ہوگئے خاص طور سے اس مرعوبانہ ذہنیت کے شکنجے میں وہ لوگ زیادہ گرفتار نظر آتے ہیں جو انتہائی پسماندہ گھرانے سے آکر مدرسہ کی مفت تعلیم حاصل کرکے یونیورسیٹی کی آزاد فضا میں پہنچ گئے۔ انہوں نے اسلاف بیزاری کی جو مہم چلا رکھی ہے اس سے جہاں ان کا اپنا وجود ساقط الاعتبار ہو رہا ہے وہیں جماعت کی شبیہ بھی متاثر ہورہی ہے اس لیے ایک طرف ژولیدہ ذہنیت اور پراگندہ روش اختیار کرنے والوں پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف بلاتفریق صوبہ، علاقہ، تعلیمی ادارہ

،خانقاہ اور مشرب جو بھی عظیم شخصیات ہیں اور قوم وملت اور مسلک ومشرب کی ترویج واشاعت میں جن کے نمایاں کردار رہے ہیں ان تمام پر کام کرنے اور ان کی خدمات سے نسل نو کو آگاہ کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت اپنی خصوصیات کی بنیاد پر ممتاز ہیں۔ ان کی زندگی کو اگر ہم مشعل راہ بناتے ہیں تو کامیابی یقیناً ہمارے قدم چومے گی۔

حضرت مولانا مفتی ریاضت حسین ازہری، جامعۃ الحبیب، رسول پور، اڈیشا

مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا دور میں نے نہیں پایا ہے، البتہ بچپن سے ہی قلبی لگاؤ آپ کی ذات سے رہا ہے۔ آپ علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے ماتحت صوبۂ اڈیشا کا ایک عظیم ادارہ ''دارالعلوم مجاہد ملت'' ہے، جہاں جماعت رابعہ تک میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ اس طرح سے دلی لگاؤ اور مضبوط ہو گیا۔ ہر سال عرس میں بڑی تعداد میں علمائے کرام تشریف لاتے ہیں۔ ان کی زبان سے آپ علیہ الرحمہ کی خدمات اور علمی مقام سے آگاہی ملتی رہتی ہے۔ آپ علیہ الرحمہ پر درجنوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ حضرت مجاہد ملت کی حیات وخدمات پر اجلاس، سیمینار اور کانفرنس ہر سال ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہوتی رہتی ہے۔ اور اشاعت کتب کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ عظیم کارناموں کی وجہ سے پردہ فرمانے کے بعد بھی عقیدتمندوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ بہت بافیض آستانہ ہے جہاں تقسیم فیض اور روحانی تصرفات کا سلسلہ جاری ہے۔

اَبرِ رَحمت ان کے مَرقد پر گُہر باری کرے
حَشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

حضرت مولانا محمد حامد رضا مصباحی پرنسپل مدرسہ بحر العلوم قادریہ، باتھ اصلی

انسان کی زندگی چند پل کے سوا اور کچھ نہیں، اس کے بعد مادی وجود کو خاک میں مل جانا ہے، پیچھے رہ جاتی ہے تو گزاری ہوئی زندگی یعنی طرز حیات۔ یہی وہ طرز حیات ہے جو طے کرتی ہے کہ آپ کے بعد لوگ آپ کو کن الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ اگر آپ نے اچھے

اخلاق اور اعلیٰ معیار کے ساتھ ایک بہترین طرز حیات پر مبنی زندگی گزاری ہے تو یقین کیجیے اس دنیا سے جا کر بھی زندہ رہیں گے۔ کیونکہ وہ تمام اشخاص و افراد جن سے آپکا کسی نہ کسی طرح رابطہ رہا ہوگا وہ آپکو اچھے اور عمدہ الفاظ میں یاد کریں گے اور یہی الفاظ آپ کے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔ جانا تو ایک نہ ایک دن ہے ہی تو کیوں نہ ایسی زندگی گزاری جائے جو دوسروں کے لیے مثال بن جائے۔ دنیا میں بہت کم ایسی شخصیات ہوتی ہیں جو کامل طرز حیات رکھتی ہیں جن کا رہن سہن، نشست و برخواست، ملنا جلنا، بات چیت، لب و لہجہ اور اخلاق و عادات الغرض شخصیت کا ہر زاویہ کامل اور بے مثال ہو۔ حضور مجاہد ملت کا ایسی ہی چنندہ شخصیات میں شمار ہوتا ہے، انہوں نے چمنستان حیات کو اپنی دیدہ وری سے منور کیے رکھا۔ ان کی پر کشش شخصیت میں کوئی ایسا پہلو نہیں ملتا جن پہ انگلی رکھی جا سکے یہ الفاظ ایک عقیدت مند ہونے کے ناطے تحریر کر رہا ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کچھ وقت خواہ چند لمحے ہی سہی حضور مجاہد ملت کی صحبت میں گزارے ہوں وہ میرے ان اعترافات کی تائید کریں گے۔ غریب کیا، امیر کیا، اپنے کیا بے گانے کیا ہر وہ شخص جس نے آپ کی زندگی کو دیکھا ہے آپکی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کی زندگی ہی ایسی تھی، اخلاص ان کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، نرم و شفیق لہجہ، علم دوست طبیعت، حسن اخلاق، زندہ دلی، بذلہ سنجی اور دور اندیشی و دانائی ان سب خوبیوں کے آپ جامع تھے۔ تحمل و بردباری ایسی تھی کہ بڑے سے بڑے سانحات، پریشانیوں اور مسائل کا انتہائی خندہ پیشانی اور حوصلے سے سامنا کیا۔ مخیر ایسے کہ یتیموں، بے سہاروں اور ناداروں کے لیے ہمیشہ سائبان کی طرح نظر آئے۔ رحم دلی اتنی کہ انسان کیا جانور کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے، رعب اتنا تھا کہ دشمنان دین و مسلک صرف ان کے چہرے، خدو خال اور قد و قامت کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے اور اپنوں کے لیے شفیق اتنے کہ کبھی کبھی لوگوں کو ایسا لگتا کہ آپ ہمارے مرشد و رہنما نہیں بلکہ مہربان والد ہیں۔ ایک سچے عاشق رسول ہونے کے ساتھ ساتھ تمام زندگی اسلامی اصول وضوابط اور شرعی پاسداری کے ساتھ گزاری،

نفرت، کینہ، حسد، بغض وعداوت اور ذاتی منفعت جیسے برے خصائل تو ان کے پاس سے بھی نہ گزرے۔ خلاصہ یہ کہ معاشرتی زندگی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

حضور مجاہد ملت کی ذات یقیناً ہم غلاموں کے لیے مشعل راہ ہے بلکہ ہر اس شخص کے لیے قابل تقلید ہے جو ایک کامیاب اور بھرپور مثالی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ حضور مجاہد ملت کی ذات میں موجود خوبیوں کا احاطہ کسی ایک مضمون یا تاثر میں نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی شخصیت کے ہر پہلو پر علیحٰدہ علیحٰدہ مضامین درکار ہیں۔

حضرت سید شاہ عطا محی الدین حبیبی، سابق اسپیشل انسپکٹنگ آفیسر، اردو ایجوکیشن سیکریٹری اڈیشا اسٹیٹ بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی ابتلا و آزمائش سے بھری ہوئی ہے۔ انھیں زندگی کی ساری سہولتیں حاصل تھیں، انھوں نے سہولتوں کا کبھی استعمال نہیں کیا۔ دوسروں کے لیے سہولتیں پیدا کرنے میں انھیں بے پناہ خوشی ملتی تھی، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ آنسو ہوتے تھے یہ آنسو دوسروں کا اضطراب دیکھ کر نکلتے تھے، انسان دوستی کے لیے انھوں نے جو ریاضتیں کی ہیں ان کی مثال سے ان کا عہد خالی ہے۔ ان کا عشق، عشق بلالی تھا جب راہ عشق میں انھیں اذیتیں ملتیں تو ان کے چہرے کا حسن دوبالا ہوجاتا۔

۱۹۷۹ء میں انھیں عین حج کی ادائیگی کے وقت واپس کر دیا گیا۔ نجدی وہابی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ بلکہ عین جماعت کے وقت وہ عصا لیکر ٹہلتے رہتے تھے یہی ان کا جرم تھا، انھیں گرفتار کیا گیا اور نجدی کورٹ میں انھیں پیش کیا گیا۔ انھوں نے اپنے عمل کے جواز میں کثیر دلیلیں پیش کیں، وہابی قاضی کے پاس ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

حضور مجاہد ملت کے دلائل کی روشنی میں وہابی دین سے خارج ہیں اسے بھری عدالت میں آپ نے ثابت کیا، وہابی قاضی نے جرأت حق کی آپ کو یہ سزا دی کہ پابہ زنجیر کر کے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ جیل میں آپ کو جو اذیتیں دی جاتی تھیں اسے سن کر پتھر سے پتھر دل بھی اشک ریزی پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ گرفتاری کے وقت آپ کی عمر قریب قریب ۷۵/ سال

تھی، اس عمر میں انسان کے اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں۔ نجدی بربریت کا آپ نے کڑیل جو انوں کی طرح مقابلہ کیا اور ہر منزل سے سرخ رو ہو کر نکلے۔

حضور مجاہد ملت کو حج نہ کرنے کا افسوس رہا مگر نجدی بربریت سے آپ نے شکست تسلیم نہیں کی اور دوسرے ہی سال ۱۹۸۱ء میں پھر حج کے لیے حاضر ہو گئے۔ اس بار نجدیوں نے آپ سے آپ کے کسی بھی عمل پہ چھیڑ چھاڑ نہیں کی آپ نے اپنے عشق بیتاب کے تمام ارکان فاتحانہ انداز میں ادا کئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خصوصی انعام آپ کو ملا تھا یعنی حضور مجاہد ملت بارگاہ رسالت سے انعام یافتہ شخصیات میں شامل ہیں۔ نجدی بربریت کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنا یہی طرز بلالی ہے۔

حضور مجاہد ملت سے مجھے کتنی محبت ہے قدسی کے اس شعر سے آپ سمجھ سکتے ہیں ؎

بیاں لفظوں میں کر سکتا نہیں میں ان کی چاہت کو
وہ جب بھی یاد آتے ہیں تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں

میرے تمام بھائیوں میں حضور مجاہد ملت سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے، وہ مجھے پیار سے مینڈھا بھائی کہتے تھے ان کی زبان پہ جب یہ نام آتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا یہ نام انہی کے لیے مخصوص ہے، بہر حال اس نام کے موجد وہی ہیں، ان کی زبان سے یہ نام سن کر میں مسرت کے سمندر میں ڈوب جاتا، اس نام کی وجہ تسمیہ ہے، یہ پھر کبھی میں بیان کروں گا انشاء اللہ

حضور مجاہد ملت کا عمل عوام، خواص اور خاص کر علماء کے لیے نمونہ عمل ہے اگر ہم زندگی کی تمام راہوں میں ان کی تقلید کرتے ہیں تو ہمارے لیے رحمت الٰہی کے بہت سارے ابواب کھل جائیں گے خالق کائنات ہمیں حضور مجاہد ملت کے طرز عمل کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد امجدی، امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

ماضی قریب میں تاریخ ہند کے افق رشد و ہدایت پر ایک سے بڑھ کر ایک علم و فضل کے تاجدار، زہد و ورع کے شاہکار اور علما و فضلا کے قافلہ سالار نیر تاباں بن کر چمکے اور اپنی ضیا بار کرنوں سے مخلوق خدا کے قلوب واذہان کو منور و مجلیٰ کیا، جن کے تابندہ نقوشِ زندگی آج بھی مینارۂ نور اور سامان ہدایت ہیں، انہی صاحبان فکر و بصیرت اور ارباب تقویٰ و طہارت میں ایک چمکتا نام حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن علیہ رحمۃ اللہ المنان کا بھی ہے، آپ امام السالکین بھی تھے، سلطان المناظرین بھی، نابغہ روزگار بھی تھے اور تقویٰ شعار بھی، آپ کی شخصیت نہایت باکمال، متواضع، خلیق، بلند حوصلہ اور نڈر تھی، آپ نے مذہبی، ملی، سماجی، سیاسی، قومی اور عالمی سطح پر دین وسنیت کی خوب خوب تبلیغ واشاعت فرمائی، آپ کی خدمات کا دائرۂ حد جہاں وسیع اور کئی دہائیوں پر مشتمل ہے، آپ نہ صرف مسجد و مدرسہ ہی تک محدود تھے بلکہ میدان سیاست میں متاثر کن بلکہ محیر العقول کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ہماری آنکھوں نے تو آپ کے جلووں کو دیکھا نہیں تاہم جو کچھ بزرگوں سے سنا اور آپ کی سوانح عمری پر تحریر کردہ کتب میں پڑھا وہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ آپ دین وسنیت کے فروغ واستحکام اور مذہب وملت کی حمایت وطرف داری میں ہمیشہ اپنا تن من دھن سب کچھ کی بازی لگا دیا کرتے تھے اور حکومت وقت کا ذرہ برابر ڈر خوف نہ رکھتے تھے، آپ کی پاکیزہ زندگی کا یہ وہ خوشنما پہلو ہے جو صبح قیامت تک یاد کیا جائے گا۔

آپ کے ذکر سے ذہن وفکر مشکبار ہو جاتے ہیں، قلب وجگر میں نور و نکہت اور علم وفن میں جمال وکمال کا جوہر سمانے لگتا ہے، یقینا آپ کی مقدس زندگی ہم جیسوں کے لیے بہترین رہبر ورہنما اور لائق تقلید وقابل عمل ہے، اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر گامزن رکھے، آمین یارب العالمین۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی، نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا، خلیل آباد

اس کائنات میں کچھ شخصیات اتنے اوصاف جمیلہ کی حامل گزری ہیں کہ جب کبھی بھی ان کے محاسن پر فکر وفن کے لحاظ سے نظر پڑتی ہے تو عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے کہ ان کی کون

سی خوبی کو مطمح فکر ونظر بنایا جائے اور کسے صرف نظر کیا جائے۔ غرضیکہ اتنی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت ان کے سارے اوصاف مثل آفتاب دل ونگاہ کو خیرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ انہی شخصیات میں افتخار اہل سنت نازش علم وحکمت حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الشاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے۔

ان کا ذکر جمیل میں اس وقت سے سنتا اور پڑھتا آرہا ہوں جب مجھے کسی عظیم شخصیت کی عظمت کی آگہی اور وقار کا ادراک بھی نہیں تھا۔ میرے دل میں اس وقت سے حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت کی عظمت واحترام جاں گزیں ہے جسے میں اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ عظیم شخصیات اپنے مابعد کے لوگوں کو متاثر ضرور کرتی ہیں، ان کی زندگی کے کون سے نقش سے کون کتنا متاثر ہوتا ہے یہ اس کی طبیعت پر موقوف ہے۔ جہاں تک میرا اپنا معاملہ ہے، حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی زندگی کے دو نقوش نے مجھے از حد متاثر کیے، ایک ان کا تصلب فی الدین اور دوسر ان کی فہم وفراست، فہم وفراست سے میری مراد ان کا تحریک خاکساران حق تنظیم کا عمل وجود میں لانا۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہمارے ان اسلاف کی نگاہیں کتنی دوررس تھیں آج کے اس پرآشوب دور میں اس تنظیم اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی فہم وفراست دوبالا ہو کر رہ گئی ہے۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے ''کل ہند خاکساران حق'' تنظیم کی بنیاد ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں رکھی تھی اگر اس تنظیم کو سہی معنی میں شد ومد کے ساتھ پورے ہندستان میں فروغ دیا گیا ہوتا تو جہاں تک میں سمجھ پا رہا ہوں آج اس کے مثبت اثرات ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتے اور ہم ہندستان میں سرخروئی کی زندگی جی رہے ہوتے اور صرف ہمیں نہیں بلکہ جب تک یہ تنظیم بحسن وخوبی اپنا کام کرتی رہتی اس وقت تک آنے والی نسلیں بھی فخر وانبساط کی زندگی جیتیں۔، اس تنظیم کے ختم ہو جانے کے بعد آج ہمیں ہر چہار جانب صرف تاریکی ہی تاریکی نظر آرہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی کلیم احمد رضوی مصباحی، دار العلوم رحمانیہ حامدیہ پوکھریرا شریف

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی تحریک فروغِ عشق رسالت تھی اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ اسی تحریک کے پر جوش اور جاں فروش نمائندہ تھے، ان کی گود سے گور تک کی زندگی سے اسی جذبے کا اظہار ہوتا ہے، انہوں نے فروغِ عشق رسالت مآب ﷺ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی، وہ اپنے وقت کے بہت بڑے زمیندار تھے، انہیں رئیس اعظم اڑیسہ کہا جاتا ہے، انہوں نے دین وشریعت کی سرفرازی کے لیے اپنی دولت کو پانی کی طرح بہادیا، ان کی توجہ ہمیشہ کام پر رہی نام پہ انہوں نے کبھی توجہ نہیں دی بلکہ نام ونمود کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا، وہ دین وشریعت کے لیے خود کو مٹا دینا چاہتے تھے ،ان کا کہنا تھا کہ مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا، آج ان کے ذکر وفکر کا عالم یہ ہے کہ ع

کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

دین وشریعت کے ہر مخلص داعی کے لیے ایسا ہی ہوتا ہے وہ خود کو چھپانا چاہتا ہے مگر رب کی رحمت انہیں عالم آشکار کردیتی ہے، حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے ہمیں با مقصد زندگی گزارنے کا بھر پور تصور دیا ہے ان کا تصور زندگی جس قدر عام ہوگا عشق وعرفان کی روشنی پھیلتی چلی جائے گی، آج نئی نسل کی اکثریت صراط مستقیم سے ہٹتی جا رہی ہے اس کی بنیادی وجہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ جیسی شخصیات کے نام اور کام کا نگاہوں سے اوجھل ہوجانا ہے اسلاف واکابر کا قرب ہی با مقصد زندگی کا ضامن ہے۔

ان کی شوکت کا چراغ اب بھی ہے روشن ہر سو
دین و مسلک کے اُجالا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

سید اولاد رسول قدسیؔ

باب ہفتم
مناقب

بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ اعظمی

عالمِ امر سے پیغامِ طرب آیا ہے
اک مجاہد نے اڑیسہ میں جنم پایا ہے

اس کی آمد کی مسرت کا یہ عنواں کردو
ہند کے پوربی ساحل پہ چراغاں کردو

اسکے قدموں کے تلے تخت بھی ہے تاج بھی ہے
زیرِ فرمانِ شہی راج بھی ہے باج بھی ہے

گھر میں عشرت کے اُجالوں کی فراوانی ہے
ہاتھ باندھے ہوئے خدمت کو جہاں بانی ہے

آنے والا مگر ہر امر سے بے پرواہ ہے
اس کو کچھ غم ہے تو اندیشۂ فردا ہے

وہ ہے اسلام کا دل، دل میں مدینہ اس کے
قوم کے غم میں نمکداں سر و سینہ اس کے

علم و عرفان کا اک طرفہ علم دار بھی ہے
فن و حکمت کا وہ بے مثل طرحدار بھی ہے

پھول جھڑتے تھے دمِ عقدہ کشائی لب سے
نرم خو، نرم روش، نرم تکلم سب سے

یہ بھی سچ ہے کہ ہر باطل کے لیے خار تھا وہ
صف شکن، شیر فگن، حیدرِ کرار تھا وہ

محفلِ بحث و نظر کا وہ شہہِ خوش گفتار
صفِ باطل کے لیے شیرِ خدا کی تلوار

کوچۂ سیدِ عالم کا گدائے غیور
جس کی ہیبت سے لرزتے تھے ہزاروں فغفور

وہ شہہِ خاک نشیں زینتِ محرابِ رسول
جس نے سکھلائے غلاموں کو سیاست کے اُصول

وہ سیاست جسے پابندِ شریعت کہیے
وہ سیاست کہ جسے حسنِ حقیقت کہیے

زلزلے پڑ گئے باطل کے شبستانوں میں
اس نے نعرے جو لگائے کبھی زندانوں میں

نجد کے دشت ہوں یا ہند کے ویرانے ہوں
ہر جگہ وہ ترے پیغام کے دیوانے ہوں

حق نوا، حق پہ فدا، حق کی حمایت والے
عاشقِ شاہِ ھدیٰ دین و دیانت والے

تب سیاست کے اندھیروں میں اُجالا ہوگا
بول تب نعرۂ تکبیر کا بالا ہوگا

حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن صاحب خمارؔ قادری حبیبی، جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد

تجلّی گاہِ باعظمت کا جس کو آسرا ہوتا
وہ انساں صاحبِ ثروت کے در کا کیوں گدا ہوتا

ترا جس پر کرم ہوتا وہ بندہ کیا سے کیا ہوتا
حقیقت فخر کرتی اور تصوّف ہمنوا ہوتا

جسے مخدوم تجھ سا اے مجاہد مل گیا ہوتا
سمندر چھوڑ کر چشمے کا پیاسا کیوں شہا ہوتا

نہ منزل تک پہنچتے اور نہ کوئی رہنما ہوتا
اگر راہِ تجسّس میں نہ تیرا نقشِ پا ہوتا

وہ اک ذاتِ عجب تھی کون جانے کون پہچانے
اگر پہچان لی ہوتی تو کوئی باصفا ہوتا

رضا سے حامد اور ان سے حبیب اک سلسلہ ہے یہ
رضا کی راہ سے پھر کر کوئی کیا با رضا ہوتا

وہی مردِ مجاہد ہے کہ جس نے سر کو باطل کے
کچل کر رکھ دیا اس سے پریشاں وہ بھلا ہوتا

تری چشمِ عنایت سے بڑی اُمید ہے شاہا
بغیر اس کے نہیں اللہ کا بابِ جود وا ہوتا

مصائب ہیں بہت لیکن کرم بھی ہے بڑا ورنہ
خمارؔ قادری کس طرح ایسا خوش نوا ہوتا

حضرت مولانا مفتی اسلم بستوی

وہ پیشوائے طریقت، وہ رہنمائے سلوک
وہ ایک ذرّہ مگر کوہِ استقامت تھا

وہ ایک نقطہ مگر جوہرِ شرافت تھا — وہ ایک نقش، محبت کی جو علامت تھا
وہ ایک قطرہ مگر عزم کا سمندر تھا — نحیف جثّہ مگر وہ جہاد پیکر تھا
بلند جس نے کیا تھا صداقتوں کا علَم — رہِ وفا میں ہمیشہ رہا جو تیز قدم
وہ بیقرار کہ رگ رگ میں جس کی قوم کا غم — صلیب وقت پہ بن کر رہا جو مشقِ ستم
وہ خارزاروں میں دیوانہ وار پھرتا تھا — وہ دشتِ ظلم میں مردانہ وار پھرتا تھا
مگر جبیں پہ شکن تھی نہ لب پہ شکوہ تھا — رضائے مولیٰ پہ راضی رہے وہ بندہ تھا

دلوں میں آج بھی اس کا مقام روشن ہے
جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے
"عمل پسند رہو" اور "خاکسار" بنو!
حیاتِ نو کے لیے تم وفا شعار بنو!

زمین قیس پہ اک آسماں بنا کے رہا — دیارِ حسن سے کچھ اور زخم کھا کے رہا
وہ نجدیوں کو جھلک عشق کی دکھا کے رہا — وہ ریگزار میں فصلِ وفا اُگا کے رہا
خلیج نجد نہ اس کے جنوں کو روک سکی — دیارِ حسن سے رحمت کا پھر پیام آیا
وہ مضطرب گیا، آیا تو شادکام آیا — وہ کوئی اور نہیں تھا وہ ایک عاشق تھا
وہی امیرِ شریعت، وہی اسیرِ حبیب — مزاجِ وقت کا نبّاض، قوم کا وہ طبیب
جہاں کو جہدِ مسلسل کی دے گیا دعوت — کہ جس کو کہتی ہے دنیا مجاہدِ ملت

سید اولادِ رسول قدسیؔ، نیویارک امریکہ

وہ مرے مرشدِ اعلیٰ ہیں لکھوں لکھتا رہوں | درد دِل کے وہ مداوا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
پھیلتا ان سے گیا مسلک ِ اعلیٰ حضرت | چرخ حق کے وہ ستارہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
حضرتِ حجۃ الاسلام کی آنکھوں کی ضیا | فیض یابِ شہِ والا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
خوب اعدائے شہِ دیں کے چھڑائے چھکے | عظمتِ ملتِ بیضا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
جانے کتنوں کو نوازا ہے کرے کون شمار | وہ عنایات کے دھارا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
کبر و نخوت کے اڑے ان سے عجب ہوش و حواس | سادگی کے وہ ہمالہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
شاہدِ عدل ہے تدریس کا اندازِ حسیں | علم و حکمت کے وہ دریا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
حوصلہ، علم، عمل، عشق، ولایت، حکمت | سامنے ان کے صف آرا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ہیں وہ ملت کے مجاہد اسے سب نے مانا | رہروِ نقشِ صحابہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
پہنچے فریاد کو جس نے بھی پکارا ان کو | بے کسوں کے وہ سہارا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
تا حیات ان سے جماعت نہ ہوئی فوت کبھی | بے بدل نازشِ تقویٰ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
اتنی طاقت کہاں باطل میں جھکا پائے انہیں | عزمِ فاروق کا جلوہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
سنتے ہی ذکرِ نبی اشک کا جھرنا نکلا | عاشقِ سرورِ بطحا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
دیکھ کر چہرۂ پر نور پر جلوہ باری | وہ حسیں اور دلآرا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ان کی شوکت کا چراغ اب بھی ہے روشن ہر سو | دین و مسلک کے اجالا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ان کے دامن سے ہے مربوط سکونِ قلبی | بحرِ غم کے وہ کنارہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ان کی حق گوئی پہ نجدی ہے ہراساں اب بھی | پر توِ رعبِ قتادہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
جا بجا ہند میں شاہد ہے مدارس کا قیام | وہ سخاوت کا خزانہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں
احتیاط ان کی شریعت میں ہے بے مثل ایسی | روحِ خوشنودیِ مولا ہیں لکھوں لکھتا رہوں
ان کے تبلیغی مشن میں رہی سیرت سازی | ارتقا کے وہ سویرا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

حاسدوں کا رہا ہر حربۂ سازش ناکام — رحمت رب کے وہ سایہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

علم پر ان کے رہے صدرِ شریعت نازاں — اہلِ سنت کا حوالہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

جانے کتنوں کی کفالت کی ، بنایا عالم — مخزنِ علم کے داتا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

کر دیا اپنی رئیسی کو فقیری پہ نثار — حبِّ اسلام کا جذبہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

پیار کرتے ہیں ہر اک خورد وکلاں سے یکساں — درسِ الفت کا تتمّہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

ان کا ہر لمحہ ہے سانچے میں شریعت کے ڈھلا — سنتوں کا وہ نمونہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

اعلیٰ حضرت کی ہے ضوبار وہ پیشین گوئی — رشکِ اخیار نصیبہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

جب وہ سو جائیں تو آتی ہے صدا ھوھو کی — یوں تصوف کے وہ دانا ہیں لکھوں لکھتا رہ

ظالموں سے وہ دبیں ان کا وطیرہ ہی نہیں — طرزِ اسلاف سراپا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

مجھ سے بے مایہ، پہ ہے ان کی نوازش بے حد — میرے سر کے وہ عمامہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

کون ہے ان کے معاصر میں مساوی ان کا — وہ بڑے ارفع و بالا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

دورِ حاضر میں کہاں کون ہے ان سا بے باک — منفرد رہبرو ملجا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

پیکرِ حسن بنایا انہیں رب نے ایسا — جاذب قامتِ رعنا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

صدق واخلاص کی خوشبو سے بسا ان کا وجود — سنیت کے گلِ زیبا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

احترام ان کو رہا نسبتِ دیں کا ملحوظ — حاملِ رفعت ورتبہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

ان کی گفتار سے لپٹی ہے حلاوت ایسی — گلشنِ لفظِ شگفتہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

رک گئی ریل بھی حضرت کی نمازوں کے لیے — وہ کرامت کے ثریا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

جیل میں رہتے ہوے دیکھے گئے مسجد میں — غیب کے نوری اشارا ہیں لکھوں لکھتا رہوں

پرُ اثر طرزِ خطابت پہ خطابت ہے نثار — فیضِ خالق کے تجلاّ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

میرے والد جو رہے معتمدِ خاص ان کے — خوش نصیبی کے وہ جادہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

میرے والد نے پڑھائی ہے جنازے کی نماز — ان کے پیارے وہ خلیفہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

ان کے اوصافِ حمیدہ کے ابھی تک قدسیؔ — معترف اہلِ زمانہ ہیں لکھوں لکھتا رہوں

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی رحمتؔ پوکھریروی

شہیدِ عشقِ رسالت مجاہد ملت	قتیلِ خونِ شہادت مجاہد ملت
پیامِ امن و صداقت مجاہد ملت	جہاں میں نورِ ہدایت مجاہد ملت
سفیرِ راہِ طریقت مجاہد ملت	غریقِ بحرِ ولایت مجاہد ملت
جہانِ علم کی شوکت مجاہد ملت	زمیں پہ عرش کی رفعت مجاہد ملت
چمک رہا ہے زمانے میں مثلِ شمس و قمر	ہے جس کو آپ سے نسبت مجاہد ملت
نشانِ منزلِ مقصود ہے جہاں کے لیے	زمیں پہ آپ کی تربت مجاہد ملت
زمانہ اس کا بھلا کیا بگاڑ پائے گا	ہے جس کو آپ سے الفت مجاہد ملت
ہے کفر و شرک کی دنیا پہ آج بھی طاری	یقیناً آپ کی ہیبت مجاہد ملت
ہو ایک دو تو بتائے شمار کر کے کوئی	ہیں سر سے پا تک کرامت مجاہد ملت
ہے جس نے آپ کو دیکھا یہی وہ کہتا ہے	زمیں پہ جنتی صورت مجاہد ملت
جہاں میں فکر رضا کی ہمیشہ کرتے رہے	قدم قدم پہ اشاعت مجاہد ملت
ہزار ڈھونڈا کیے پر مثال مل نہ سکی	وہ پائی آپ نے شوکت مجاہد ملت
فروغِ عشقِ رسالت میں دونوں ہاتھوں سے	لٹائی آپ نے دولت مجاہد ملت
ملی تھی آپ کو اسلاف سے وراثت میں	مناظرانہ طبیعت مجاہد ملت
بھلا نہ پائیں گے تا عمر چاہنے والے	ترے فراق کی کلفت مجاہد ملت
جہاں میں اہلِ فتن کا ہے زور بڑھنے لگا	ہے پھر سے تیری ضرورت مجاہد ملت
ہیں جو اہلِ عقیدت بروزِ حشر انہیں	نہ ہوگی کوئی بھی دقت مجاہد ملت
بتایا مسلک احمد رضا زمانے کو	تھے ترجمانِ جماعت مجاہد ملت
نگاہِ خاص کی خاطر وہ دیکھئے کب سے	کھڑا ہے سامنے رحمتؔ مجاہد ملت

حضرت نسیم شاہ جہاں پوری

بے ریا تھے مجاہدِ ملت　　باصفا تھے مجاہدِ ملت

درحقیقت سفینۂ دیں کے　　ناخدا تھے مجاہدِ ملت

کیوں نہ کہہ دوں کہ رازِ فطرت سے　　آشنا تھے مجاہدِ ملت

دامن آلودۂ ہوس نہ ہوا　　پارسا تھے مجاہدِ ملت

متقی، باعمل، نڈر، بے باک　　حق نما تھے مجاہدِ ملت

جادۂ حق سے وہ کبھی نہ ہٹے　　باوفا تھے مجاہدِ ملت

اہلِ علم و یقین و عرفاں کے　　آسرا تھے مجاہدِ ملت

رہ نوردان راہِ سنّت کے　　رہنما تھے مجاہدِ ملت

پاکبازانِ حق کی نظروں میں　　دل رُبا تھے مجاہدِ ملت

درحقیقت ہم اہلسنّت کے　　پیشوا تھے مجاہدِ ملت

جس کو نجدی کبھی بجھا نہ سکے　　وہ دِیا تھے مجاہدِ ملت

گونجتی ہے جو اَب بھی کانوں میں　　وہ صدا تھے مجاہدِ ملت

ان کی ہستی تھی ایک راز نسیمؔ

جانے کیا تھے مجاہدِ ملت

حضرت مولانا قاری محمد عثمان اوجؔ اعظمی

وقارِ اہلِ شریعت مجاہدِ ملت بہار باغِ طریقت مجاہدِ ملت
امینِ رازِ حقیقت مجاہدِ ملت چراغ بزمِ ولایت مجاہدِ ملت
نہ آسکی کبھی پائے ثبات میں لغزش بلا کی تھی تری ہمت مجاہدِ ملت
کہاں سے لائیں گے اہلِ سنن بدل تیرا کہاں ملے گی وہ صحبت مجاہدِ ملت
خلاف دیں کسی سازش کا ہمنوا نہ ہوا یہی تھی تیری سیاست مجاہدِ ملت
مخالفوں کے لیے تیغِ قاطعِ حجّت منافقوں پہ قیامت! مجاہدِ ملت
ہمیشہ قلعۂ باطل پہ برق بن کے گرا وہ مردِ حق و صداقت مجاہدِ ملت
وہ سادہ لوح وخلیق و وجیہہ وکم گفتار فقیہ و اہلِ بصیرت! مجاہدِ ملت
نبی کی عظمت وسنت کا آئینہ بردار فدائے شاہِ رسالت! مجاہدِ ملت

رقم ہے اوجؔ! یہ تاریخ سال رحلت ”آپ
شہید جادۂ اُلفت مجاہدِ ملت
۱۴۰۱ھ

حضرت شاہ حکیم محمد یونس نظامیؔ الٰہ آباد

بہارِ گلشنِ ایماں مجاہدِ ملت — نگارِ محفلِ قرآں مجاہدِ ملت

حبیبِ حضرتِ رحماں مجاہدِ ملت — حبیبِ شاہِ رسولاں مجاہدِ ملت

حبیب سرور مرداں مجاہدِ ملت — حبیب شاہِ شہیداں مجاہدِ ملت

غریقِ بحرِ محبت حضور غوث وریٰ — حبیبِ سید جیلاں مجاہدِ ملت

حبیبِ خواجۂ ہندالولی غریب نواز — ہیں چشتیوں میں نمایاں مجاہدِ ملت

ہیں جانشین، غزالی و شیخ اکبر کے — وجودی صوفیِ دوراں مجاہدِ ملت

امامِ فلسفہ، منطق مناظرِ اعظم — دلیلِ حجّت و برہاں مجاہدِ ملت

حدیث وشرح قرآن مبیں بہ نوک زباں — فقیہ و عالمِ دوراں مجاہدِ ملت

خدا کرے کہ ہو غارت حکومتِ نجدی — کیا ہے تم کو پریشاں مجاہدِ ملت

ہمیشہ ہو کے نڈر بات جو تھی حق وہ کہی — بہ نزدِ ظالم و سلطاں مجاہدِ ملت

ہمیشہ عزت و شفقت کرم کیا تو نے — نظامیؔ خود پہ ہے نازاں مجاہدِ ملت

تمھارے لطف و کرم یاد کر کے روتا ہے
نظامیؔ بندۂ احساں مجاہدِ ملت

حضرت مولانا ملک الظفر اکملؔ سہسرامی

وہ ذات جس کو شریعت کا پاسباں کہیے
وہ جس کو عشقِ رسالت کا نغمہ خواں کہیے

نقیبِ دین و طریقت کا رازداں کہیے
وہ ذات کلمۂ حق کی جسے زباں کہیے

ہر ایک بزم ہے سونی ہر انجمن خاموش
شرابِ عشقِ الٰہی سے جو رہا مدہوش

زمیں کی گود میں لو آسماں ہوا روپوش
ہے اس کے ہجر میں ہر گوشۂ نظر غم پوش

وہ جس نے عشقِ رسالت کی شمع روشن کی
وہ جس کے دم سے تھی توقیر اپنے گلشن کی

لگا دی حق کے لیے بازی اپنے تن من کی
وہ جس نے نجد میں تحقیرِ رسمِ قدغن کی

رئیسِ وقت بظاہر فقیر سا جو رہا
وہ مردِ حُر کہ بظاہر اسیر سا جو رہا

فقیرِ حق تھا جہاں میں امیر سا جو رہا
زمانے بھر کے لیے دستگیر سا جو رہا

وہ جس کا دامنِ دل ہجرِ یار میں نم تھا
ہر ایک لمحہ جسے دینِ پاک کا غم تھا

مجاز اور حقیقت کا ایک سنگم تھا
کہ اس کے عشق کا اکملؔ عجیب عالم تھا

خیال و فکر کی وسعت سلام کہتی ہے
مری جبینِ عقیدت سلام کہتی ہے

شریعت اور طریقت سلام کہتی ہے
نظر مجاہدِ ملت سلام کہتی ہے

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

محبت سے عقیدت سے ادب سے اور قرینے سے
سب اپنی جھولیاں بھر لو مجاہد کے خزینے سے

حبیبی عرس میں آ کر مقدر کو جگا لیجیے
رضا کا فیض بٹتا ہے حبیبی آستانے سے

فروغِ دین کی خاطر لٹا کر مایۂ ہستی
مجاہد سو رہا ہے اپنی تربت میں قرینے سے

رضا و حجۃ الاسلام کی نسبت کا کیا کہنا
ابلتا نور کا دریا ہے گنبد اور زینے سے

رضا کا مسلکِ حق ہے سکونِ دل مجاہد کا
یہی تاج الشریعہ کہہ رہے ہیں ہر دیوانے سے

نظر آتا ہے پل پل میں بریلی سے مدینے تک
جو اپنی آنکھیں ملتے ہیں تمہارے آستانے سے

حبیبی گنبد و مینار سے آواز آتی ہے
رہو تاج الشریعہ سے جڑے یہ ہیں نمونے سے

یہ پیغامِ مجاہد ہے جڑے رہنا بریلی سے
کنکشن گر لگانا ہے تمہیں مکے مدینے سے

وہابی دیوبندی صلح کلی سر اٹھاتے ہیں
بچا لو سنیت کو تم ہو عباسی گھرانے سے

اے نجم القادری تم بھی بفیض مفتی اعظم
سجا لو دامن ہستی مجاہد کے نگینے سے

حضرت محمد نذیر احمد نظرؔ نعیمی نیازی

امام مسجد روضۂ حضرت شاہ عالم، احمد آباد

رئیس جادۂ پاکاں مجاہدِ ملت ۔۔۔ فقیر کوچۂ عرفاں مجاہدِ ملت
نقیب محفل خاماں مجاہدِ ملت ۔۔۔ جہاں ہے آپ پہ نازاں مجاہدِ ملت
امیر تاجور، کشور عطا و جودوسخا ۔۔۔ جہانِ علم کے سلطاں مجاہدِ ملت
حضور سید عالم کے عاشقِ صادق ۔۔۔ ولیِ حضرت یزداں مجاہدِ ملت
فدائے سنّت خیرالانام آپ کی ذات ۔۔۔ مدام عامل قرآں مجاہدِ ملت
ظہیر و داعی صدق و صفا و خیر و فلاح ۔۔۔ عظیم مردِ مسلماں مجاہدِ ملت
ہزار سینوں میں عشقِ رسولِ اکرم کی ۔۔۔ کئے ہیں شمعیں فروزاں مجاہدِ ملت
تمہارے نام کی ہیبت تمہاری ہستی سے ۔۔۔ جہانِ نجد تھا لرزاں مجاہدِ ملت
تمام عمر مصائب سے ہمکنار رہے ۔۔۔ اسیر گوشہ زنداں مجاہدِ ملت
سکون بخشی دلِ عاشقانِ صادق تھا ۔۔۔ تمہارا روئے درخشاں مجاہدِ ملت
تمہارے اَدنیٰ تبسم پہ مسکراتے تھے ۔۔۔ ہزاروں دل کے گلستاں مجاہدِ ملت
تمہاری لوح جبیں پر سدا چمکتی تھی ۔۔۔ ضیائے نیر فاراں مجاہدِ ملت
برائے اہلِ محبت تمہارا ذکر مبیں ۔۔۔ قرار درد دل و جاں مجاہدِ ملت

چمک رہا ہے تصور کے دوش پر اب بھی
نظرؔ وہ عارِض خنداں مجاہدِ ملت

جناب احمد کمال، جمشید پور

صدائے حق کا نقیب ووفا شعار تھا جو | طبیب روح کا ملت کا غم گسار تھا جو
فقیہ عصر، ولایت کا تاجدار تھا جو | کمال، اپنی جماعت کا افتخار تھاجو

میان رزم جسے تیغ برہنہ کہئے | صفا وصدق کا شفاف آئینہ کہئے
متاع لوح وقلم، دین کی قبا کہئے | حصار ظلمت باطل میں پر ضیا کہئے

رہا زمانے میں جو میر کارواں بن کر | امین مہر ووفا، دیں کا پاسباں بن کر
زمین عدل وصداقت کا آسماں بن کر | نبی کے عشق ومحبت کا راز داں بن کر

جو قید وبند کے لمحوں میں مسکرا کے جیا | ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جیا
غم حبیب کلیجے سے جو لگا کے جیا | جو سنگ سخت میں بھی راستہ بنا کے جیا

دیارِ نجد سے لوٹا تو سرخ رو لوٹا
بچا کے اپنی جماعت کی آبرو لوٹا

محبوب گوہر اسلام پوری

اصول شرع کے ناشر مجاہدِ ملت ہیں حق شناس مفکر مجاہدِ ملت
سراپا جہدِ مسلسل بنے رہے پیہم فروغِ دین کی خاطر مجاہدِ ملت
ہجومِ غم میں بھی آئی شکن نہ ماتھے پر ہر ایک حال میں صابر مجاہدِ ملت
حریف اُن کا اُنہیں دیکھ کر سہم جاتا تھے باکمال مناظر مجاہدِ ملت
جو بات حق تھی اسیری میں بھی کہا حق ہی ہیں حق بیانی میں نادر مجاہدِ ملت
جہاں سے دنیا کو جنت کی ہے سند ملتی ہیں اس کے آپ مسافر مجاہدِ ملت
بڑے بڑوں نے دیا ہے لقب مجاہد کا ہیں انتخابِ اکابر مجاہدِ ملت
حواس باختہ ہوکر ہے نجدیت بھاگی جہاں بھی ہوگئے حاضر مجاہدِ ملت
رضا کے مسلکِ حق سے نہ منحرف ہونا یہ حکم کر گئے صادر مجاہدِ ملت
رضا کے باغیو! اپنی روش سے باز آؤ کھڑے ہیں لے کے عصا پھر مجاہدِ ملت
فریب دے نہ سکا کوئی بھی حریف اُن کا ہیں تیز فہم مدبر مجاہدِ ملت
تمام عمر اے گوہرؔ رضا کے مسلک کے رہے موئید و ناصر مجاہدِ ملت

نعت پاک

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے، آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیے ہیں

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہیں پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضؔا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

مناجات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدار حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منھ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیّدِ بے سایہ کے ظلِّ لِوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکے بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگے
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندۂ بیجا رلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی رنگ لائیں جب مِری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پُل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزُدا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب پہ آمیں ربّنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضؔا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

قصیدہ بردہ شریف

شاہ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَداً — عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍم بِذِیْ سَلَمٍ — مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰی مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمٍ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ — وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمٍ

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلاَ اَحَدٌ — اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لاَ مِنْهُ وَ لاَ نَعَمٍ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ — لِکُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ — حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

جَآءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً — تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلاَ قَدَمٍ

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ — سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا — وَ مِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ

ثُمَّ الرِّضَا عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عَنْ عُمَرَ — وَ عَنْ عَلِیٍّ وَّ عَنْ عُثْمَانَ ذِی الْکَرَمِ

وَ الْاٰلِ وَ الصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ — اَهْلِ التُّقٰی وَ النُّقٰی وَ الْحِلْمِ وَ الْکَرَمِ

فَاغْفِرْ لِنَاشِدِهَا وَ اغْفِرْ لِقَارِئِهَا — سَأَلْتُکَ الْخَیْرَ یَا ذَا الْجُوْدِ وَ الْکَرَمِ

یَا رَبِّ بِالْمُصْطَفٰی بَلِّغْ مَقَاصِدَنَا
وَاغْفِرْ لَنَا مَا مَضٰی یَا وَاسِعَ الْکَرَمِ

لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

غوثِ اعظم امام التقیٰ والنقیٰ
جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

شافعی مالک احمد امامِ حنیف
چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام